وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

سلسلۂ دار المصنفین

(۵۲)

تابعین

یعنی

چھیانوے اکابر تابعین رضی اللہ عنہم کے سوانح زندگی اور ان کے مذہبی، اخلاقی، علمی،
اصلاحی اور مجاہدانہ کارناموں کا تفصیلی مرقع

مرتبہ

شاہ معین الدین احمد ندوی رفیق دار المصنفین

باہتمام

مولوی مسعود علی صاحب، ندوی

(طبع ۱۳۶۲ھ) در مطبع معارف اعظم گڈہ مطبوع گردید (۱۹۴۳ء)

فہرست اسماء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

از

جناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی صدرنشین دارالمصنفین

اسلام بنی نوع انسان کے واسطے ایک قانون حیات لایا تھا جس میں علم و عمل دونوں شامل تھے، علم کی معراج معرفت ربانی تھی، عمل کا اعلیٰ پایہ صدق و عدل کی تکمیل تمت کلمۃ ربک صدقا و عدلا، اس حیات طیبہ کا کامل نمونہ ذات اقدس تھی، صلی اللہ علیہ وسلم، لقد کان فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ، حیات انسانی کے جتنے اعلیٰ شعبے ہو سکتے ہیں، ان سب کے کامل سبق آموز نمونے حیات مبارکہ میں موجود تھے،

آپ کے نمونے کی پیروی سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امانت حیات کے امین ہوئے بقدر قوت و استعداد ان حضرات میں سے ہر ایک بزرگ نے حصہ پایا، مظہر اتم خلفائے راشدین تھے، صحابہ کرام سے یہ امانت تابعین رح والا مقام کو پہنچی یہی وہ امانت تھی جس کے تحمل سے زمین و آسمان گھبرا اٹھے تھے، ان بزرگوں نے جس عزم اور ہمت و استقامت سے حق امانت ادا کیا وہ تاریخ انسانی کا ایک روشن اور حیات آفریں باب ہے، بالآخر حق امانت ادا کر کے تبع تابعین کے سپرد فرما گئے، انسانی بہترین خدمتوں میں سے ایک خدمت بزرگان موصوف کے صحیح اور مستند حالات کی اشاعت ہے،

دارالمصنفین کو جزائے خیر ہو کہ اس سے پہلے سیرۃ مبارک، اور صحابہ کرام کے حالات میں متعدد جلدیں شائع کرچکا ہے، اب نوبت حالات تابعینؒ کی ہے، اسی سلسلے میں رفیق دارالمصنفین مولوی معین الدین احمد صاحب نے یہ جلد تالیف کرکے مسلمانوں پر خصوصاً اور سارے انسانوں پر عموماً لطف و کرم فرمایا ہے، جزاہ اللہ تعالیٰ خیراً،

اس کتاب کو پڑھ کر اور مختلف مقامات کو بار بار دیکھ کر میں کہہ سکتا ہوں کہ حق محنت و سعی ادا کیا گیا ہے مستند اور معتمد ماخذوں سے حالات لے کر صاف دلنشین پیرایے میں قلمبند کیے ہیں ۹۶ اکابر تابعین کے حالات ہیں، ظاہر ہے کہ کل کے مقابلے میں یہ ایک جز ہے تاہم جز اعظم ہے میرا خیال ہے کہ ایک جلد اور شائع ہوگی جس میں بقیہ اکابر کے حالات ہوں گے، زیادہ نمایاں امام اعظمؒ کا عدم ذکر ہے، جو امید ہے کہ اپنے موقع سے ہوگا، کوتاہی ہوگی اگر ایک اہم امر کی جانب توجہ مبذول نہ کروں، وہ یہ کہ ہر بیان اور ذکر کا ایک پیرایہ اور اسلوب ہے شائستہ پیرایہ اور بلیغ اسلوب، اس کا لحاظ تالیف و تصنیف کی تہذیب و شائستگی ہے، اکابر مذہب کا ذکر صدیوں سے ایک خاص اسلوب سے ہوتا آیا ہے جو شائستگی اور ادب کا نمونہ ہے، اسکا ترک نگاہ اور قلب دونوں کو زحمت رساں ہے، اس سے بھی زیادہ نظر کو بلند کیجئے، مذہب حق کا فیض تاثر و تقدس سے وابستہ ہے یعنی قلب مذہب حق کے تقدس سے اس وقت فیضیاب ہوگا جب اس میں تقدس آشنائی اپنے اندر پیدا کرے ؎

تا نگردی آشنا زیں پردہ رمزے نشنوی

گوش نامحرم نباشد جائے پیغام سروش

تقدس سے لگاؤ اس وقت ہوگا کہ ادب و عظمت کا اہتمام ہو، یہ اہتمام چاہتا ہے کہ اکابر مذہب کا ذکر بھی عظمت و ادب کے اہتمام و اظہار کے ساتھ ہو،

کم سے کم میری نظر سے یہ امر محسوس کیا ہے کہ بزرگان دین کے ذکر و بیان کا جو اسلوب سلف سے چلا

نے قائم کیا ہے جب دوران بیان میں اس کا لحاظ نہ رہے تو بعینہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نظر کو ایک دھکا لگا اور بلندی سے پستی پر آ رہی، تقدس بیان کا جو اثر دل پر ہو رہا تھا اس کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا تو
خلاصہ اکابر تابعین کے ناموں کے ساتھ مقررہ اسلوب کے مطابق امام وغیرہ الفاظ کا
عدم استعمال اسلوبِ ادب کے خلاف محسوس[1] ہوتا ہے،

حبیب الرحمان

حبیب گنج ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ

---

[1] اعتذار، از مؤلف: حضرت مولانا نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بالکل صحیح ہے، لفظ امام وغیرہ اگرچہ میں نے جابجا کتاب میں لکھا ہے مگر اس کا ترک بھی ہوا ہے، اس عدم التزام کے سبب میں ان بزرگوں کی روحوں سے شرمندہ ہوں، انشاء اللہ طبع ثانی میں اس کا پورا لحاظ رہے گا، (معین الدین احمد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہٖ الکریم

دیباچہ

ایمانی قوت، دینی حمیت، مذہبی و اخلاقی روح اور علمی و عملی خدمتوں کے اعتبار سے اسلام کے خیرالقرون کے بہ ترتیب تین زرین دور یا تین طبقے ہیں، صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ ان ہی تین دوروں میں مسلمان دینی اور دنیوی سعادت و فلاح کی معراج کمال کو پہنچے اس کے بعد جو ترقیاں ہوئیں وہ صرف ایوان تمدن کے نقش و نگار ہیں،

ان تینوں طبقوں میں سے دوسرا طبقہ یعنی تابعینؒ جو اس کتاب کا موضوع ہے اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ وہ صحابہؓ کرام کی، جو دین کا اصل سرچشمہ تھے، اور تبع تابعین کی جس میں تمام بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے، درمیانی کڑی ہیں انہی نے صحابہ کی علمی اور اخلاقی برکتوں کو سارے عالم میں پھیلایا،

کلام اللہ اور احادیث نبوی دونوں ان کے فضائل پر شاہد ہیں، کلام اللہ میں ان کے فضائل و امتیازات یہ بتائے گئے ہیں اور مہاجرین و انصار کے ساتھ انھیں بھی رضوان الٰہی کی دولت سے سرفراز کیا گیا ہے،

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتِ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ،	اور مہاجرین و انصار مین سے جن لوگون نے قبول اسلام مین سبقت کی اور جن لوگون نے خوشدلی کے ساتھ ان کا اتباع کیا خدا اُن سے خوش ہین اور وہ خدا سے خوش ہین اور خدا نے ان کے لئے باغ تیار کئے ہین جن کے نیچے نہرین روان ہین،

ظاہر ہے کہ اس آیت پاک کا مصداق تابعین کرام ہی ہین کہ وہی عمل مین مہاجرین وانصار کے "تابع" اور زمانہ کے لحاظ سے ان کے بعد تھے، اور اسی لئے عرف عام مین اُن کا لقب "تابعی" رکھا گیا ہے،

احادیث مین اس سے زیادہ صریح اور واضح الفاظ مین ان کا تعارف ہوا اور ان کو خیر کے لقب سے سرفراز فرمایا گیا ہو،

خیر امتی القرن الذین یلونی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم الخ (مسلم کتاب الفضائل)	میری امت مین اس زمانہ کے لوگ بہتر ہین جو مجھ سے ملا ہوا ہو (صحابہؓ) پھر وہ لوگ جو ان سے ملے ہوئے ہین (تابعین) پھر وہ لوگ جو ان سے ملے ہوئے ہین (تبع تابعین)

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہین،

خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم الخ (ایضا)	سب سے بہتر لوگ میرے زمانہ کے ہین (صحابہ کرام) پھر وہ جو ان سے متصل ہین (تابعین) پھر وہ لوگ جو ان سے متصل ہین (تبع تابعین)

یہ تینوں اپنے اپنے زمانہ کے لئے باعث خیر و برکت تھے، اسلام کو انھیں کی خیر و برکت سے روحانی اور مادی فتوحات حاصل ہوتی تھیں،

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یاتی علی الناس زمان یغزو فئام من الناس، فیقال لھم فیکم من رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیقولون نعم فیفتح لھم ثم یغزو فئام من الناس، فیقال لھم فیکم من رای من صحب رسول اللہ صلعم فیقولون نعم فیفتح لھم الخ

(مسلم کتاب الفضائل)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ ایک جماعت جہاد کریگی اس سے پوچھا جائیگا کہ تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو وہ لوگ کہیں گے ہاں (ان کی برکت سے) ان کے لئے فتح دیجائے گی، پھر ایک جماعت جہاد کرے گی ان سے پوچھا جائیگا کہ تم میں کوئی ہے جس نے اس شخص کو دیکھا ہو جو رسول اللہ کے ساتھ رہا تو وہ کہیں گے ہاں تو (ان کی برکت سے) فتح دیجائے گی،

یہ مقدس جماعت علم و عمل میں صحابۂ رسول کا عکس و پرتو تھی، اس نے رسول اللہ صلعم کی تعلیمات اور صحابہ کی علمی اور اخلاقی وراثت کو مسلمانوں میں پھیلایا، عہد رسالت کے بعد اور شخصی حکومت کے اثر سے اسلامی نظام میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں اُن کی اصلاح کی اور اگر اصلاح نہ کرسکی تو ان خرابیوں کے مقابلہ میں اسلام کے مصفا سرچشمہ کو باہر کے گرد و غبار اور کدورت سے اپنی کوششوں سے محفوظ رکھا، مذہبی علوم کی حفاظت و اشاعت کی نئے علوم کی بنیاد رکھی اسلامی سلطنت کے حدود کو وسیع کیا، اسلام کو پھیلایا، غرض ان تمام برکتوں کا جنکا عہد صحابہ میں آغاز ہوا تھا،

تکمیل تک پہنچایا اور جو پوری ہو چکی تھین ان کی حفاظت کی،

امام زہری، مکحول شامی، ابراہیم نخعی، قاضی شریح، عکرمہ، سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہم وغیرہ نے علم کا پایہ سنبھالا، محمد بن سیرین، سعید بن مسیب، محمد بن جبیر، امام زین العابدین وغیرہم نے (خدا ان سے راضی ہو) اخلاق کا درس تازہ کیا، حسن بصری، اویس قرنی اور عامر بن عبداللہ رضوان اللہ علیہم نے عشق و محبت کی آگ سوزان رکھی، عمرؒ بن عبدالعزیز نے خلافتِ راشدہ کے نمونہ کو زندہ کیا، غرض تابعین کرام نے علم و عمل کے ہر شعبہ مین مسلمانون کے لئے بہترین اُسوہ چھوڑا، علم اور اخلاق وغیرہ کی یہ تقسیم محض اعتباری اور وصفِ غالب کی بنا پر ہے، ورنہ علم و اخلاق کے سارے محاسن کم وبیش ان تمام بزرگوں میں مشترک تھے،

ان سب کا مشترک اور اہم کارنامہ، دینی علوم کی جس پر مذہب اسلام کا دارمدار ہے، حفاظت و اشاعت اور قرآن و حدیث سے متفرع علوم کی تاسیس ہے، اگر ان بزرگون نے جانکاہ تکلیفین اور مشقتین اٹھا کر اس خزانہ کو محفوظ نہ کیا ہوتا تو اس کا بڑا حصہ برباد ہو جاتا، (اس کے حالات اصل کتاب مین آئین گے) تبعِ تابعین کے دور کے تمام بڑے بڑے ائمہ جن کے فیض سے آج مذہبی علوم زندہ ہین سب تابعینؒ ہی کے حلقۂ درس کے فیض یافتہ تھے،

یون تو تابعی ہر وہ شخص ہے جس نے کسی صحابی کی صحبت اٹھائی ہو یا اُسے دیکھا ہو، لیکن جس طرح ہر صحابی صحابیت کا مکمل نمونہ نہین، اور اس کی تکمیل کے لئے کچھ شرائط ہین، اسی طرح ہر تابعی بھی حقیقی تابعی نہین، صحابہ مین ابوبکر صدیق بھی تھے اور ابوسفیان بھی یہی فرقِ مراتب خدمات اور کارنامون کے اعتبار سے تابعین مین بھی ہے، تابعین مین امام زین العابدین بھی ہین، اور یزید بن معاویہ بھی لیکن شتّان بینہما اس لحاظ سے ان بیشمار تابعین کو اس کتاب سے خارج کر دیا گیا ہے، جن کی زندگی مین ہمارے لئے کوئی نمونہ عمل نہین کہ ع محفلِ خاص ہے یہ رہ گذرِ عام نہین،

ان کے علاوہ تابعین میں بڑے بڑے فاتحین اور کشور کشا بھی ہیں جن کی تلواروں نے مشرق و مغرب کے ڈانڈے ملا دیئے، کچھ سلاطین و فرمانروا بھی ہیں جنکی تمدن نوازی نے اسلامی حکومت کو تمدن کا تماشاگاہ بنا دیا، ان سب کی اچھی کوششیں امت مرحومہ کے شکریہ کی مستحق ہیں لیکن اس کتاب کا مقصد اُن ہی برگزیدہ نفوس کے حالات پیش کرنا ہے جنھوں نے مسلمانوں کے لئے کوئی اخلاقی یا مذہبی نمونہ چھوڑا ہے اور جن کے اخلاقی نمونوں سے اسلام کی روح زندہ اور جنکی علمی کوششوں سے اسلامی علوم و فنون کی عمارت قائم ہے، اس لئے فاتحوں اور کشور کشاؤں اور بادشاہوں اور فرمانرواؤں کو بھی اس زمرہ سے علٰحدہ رکھا گیا ہے، کہ ان کی تو کسی زمانہ میں بھی کمی نہیں عبد الملک، ولید، سلیمان، اور قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر، مسلمہ، مہلب بن ابی صفرہ تو ہر زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں لیکن حسن بصریؒ، اویس قرنیؓ، سعید بن مسیبؒ، ابن شہاب زہری اور محمد بن سیرین کے پیدا ہونے کے لئے صدیاں درکار ہیں،

سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب — لعل گردد در بدخشان یا عقیق اندر یمن

قرنہا باید کہ تا یک کودکے از لطف طبع — عالمے گویا شود یا فاضلے صاحب سخن

نفس کتاب کے متعلق گذارش ہے کہ اس کی کوشش کی گئی ہے کہ اس میں اکابر تابعین کرام کے علمی، اخلاقی اور مذہبی کارناموں کو اس طرح پیش کیا جائے کہ اس عہد کی پوری علمی و اخلاقی تاریخ سامنے آجائے

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ سیر الصحابہ کے چھٹے حصہ میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے حالات کے سلسلہ میں ضمناً حضرت محمد بن حنفیہ کے کچھ حالات بھی آگئے تھے، اب تابعین کے سلسلہ میں اُن کے مستقل حالات لکھنے کا اتفاق پیش آیا، ان دونوں کتابوں کے "واقعات" میں کم اور "نقطۂ نظر" اور "نتائج" میں زیادہ فرق ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سیر الصحابہ لکھتے وقت حضرت محمد بن حنفیہ کے حالات کے بعض ماخذ میرے پیش نظر نہ تھے، جدید ماخذوں کو دیکھنے کے بعد بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے

جن سے نقطۂ نظر مین بھی تبدیلی پیدا ہوگئی، اس لئے آخری تحقیق تابعین کے حالات مین انشاء اللہ اگر سیر الصحابہ کے دوسرے اڈیشن کی نوبت آئی تو اس کی تصحیح کردیجائے گی،

کتاب مین بعض کتابت وطباعت کی معمولی غلطیان رہ گئی ہین، جن سے کوئی کتاب مستثنیٰ نہین اور بعض ایسی غلطیان ہین جنھین جان بوجھ کر ناگزیر اسباب کی بناپر گوارا کرنا پڑا، مثلاً حضرت عمر بن عبد العزیز کے حالات مین صفحات کے شمار کے ہندسون کا تسلسل قائم نہین رہ سکا، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ دار المصنفین سے چونکہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی مستقل سیرت شائع ہوچکی ہے، اس لئے ان کے حالات شامل کرنے کا ارادہ نہ تھا، لیکن پھر دوران طباعت مین خیال بدل گیا، اس وقت ترتیب کے لحاظ سے کتاب کی طباعت ان کے نام تک پہنچ چکی تھی، اس لئے ان کے حالات کے صفحات کا تخمینہ کر کے وہ جزء چھوڑ کر کتاب کی طباعت جاری رہی لیکن حالات اندازہ سے تقریباً دوچند ہوگئے اس لئے صفحات کے نمبرون کا تسلسل قائم نہ رہ سکا اور ان کو ملانے کے لئے کچھ ہندسے مکرر ہوگئے، لیکن اس سے نفس صفحات کی ترتیب مین کوئی فرق نہین پیدا ہوا وہ ویسے ہی مرتب ہین صرف کچھ نمبر مکرر ہوگئے، اسی سلسلہ مین حرف "ع" کے نامون کی ہجائی ترتیب مین کچھ خفیف سا فرق ہوگیا ہے، اس کے علاوہ فرو گذاشتون کی تصحیح کے لئے آخر مین استدراک لگادیا گیا ہے،

آخر مین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مین دعا ہے کہ وہ تابعین کی سیرت کی تکمیل کے بعد کاتب سطور کو اکابر تبع تابعین کی سیرت نگاری کی سعادت بھی عطا فرمائے کہ اس کے ناچیز ہاتھون سے سیر الصحابہ سے لے کر تبع تابعین تک کا سلسلۃ الذہب پورا ہوجائے اور ان نفوس قدسیہ کے طفیل مین ان اوراق کو مؤلف کے لئے پروانہ مغفرت بناوے وما ذالک علی اللہ بعزیز،

فقیر معین الدین احمد ندوی، دار المصنفین اعظم گڈہ، ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ

مطابق ۲۴ نومبر ۱۹۳۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱- ابراہیم بن یزید تیمی

نام ونسب ابراہیم نام، ابو اسمار کنیت، نسب نامہ یہ ہے، ابراہیم بن یزید بن شریک بن تیم الرباب تیمی، ابراہیم کوفہ کے عابد و زاہد تابعین میں تھے،

فضل وکمال فضل وکمال کے لحاظ سے کوئی ممتاز شخصیت نہ رکھتے تھے، تاہم کوفہ کے علمائے باعمل میں شمار تھا[1]،

حدیث حافظ ذہبی انھیں حفاظ میں شمار کرتے ہیں، حدیث میں اونھوں نے انس بن مالک، حارث بن سوید، عمرو بن میمون اور اپنے والد یزید سے استفادہ کیا تھا، حضرت عائشہؓ سے بھی روایت کی ہے، لیکن یہ روایات مرسل ہیں، بیان بن بشیر، الحکم بن عتبہ، زبید بن حارث، مسلم البطین اور یونس بن عبید وغیرہ ان کے زمرہ تلامذہ میں ہیں[2]،

زہد وعبادت ان کا امتیازی وصف ان کا زہد وتقویٰ ہے، ان کے والد یزید بن شریک بڑے عابد و زاہد تابعی تھے، اونھوں نے ہزاروں روپیہ پیدا کیا، لیکن دنیا سے کبھی آلودہ نہ ہوئے، اون کے لباس تک پر اون کی ثروت کا اثر ظاہر نہ تھا، ایک مرتبہ ابراہیم نے ان کے جسم پر روئی کا معمولی کرتہ جس کی آستینیں ہتھیلیوں تک لٹکتی تھیں، دیکھ کر کہا، ابا کوئی قسم نہ کا لباس

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۳، [2] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۷۶،

کیوں نہیں پہن لیتے، جواب دیا بیٹا جب میں بصرہ میں آیا تھا، اوس وقت ہزاروں پیدا کئے لیکن اس سے میری خوشی اور مسرت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، اور نہ اسے دوبارہ حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی میں یہ چاہتا ہوں کہ جو ایک لقمہ میں کھاتا ہوں وہ اس شخص کے منہ میں جائے جو مجھے سب سے زیادہ مبغوض ہو، کیونکہ میں نے ابو دردا سے سنا ہے کہ قیامت میں ایک درہم رکھنے والے سے زیادہ دو درہم رکھنے والے سے حساب ہوگا۔[۱]

ایسے زاہد باپ کی تعلیم و تربیت نے ابراہیم کو ابتدا ہی سے دنیا سے بے نیاز اور زہد و عبادت کی جانب مائل کر دیا تھا، چنانچہ آگے چل کر وہ اپنے عہد کے ممتاز ترین عباد میں ہوئے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ بڑے عابد و زاہد تھے، اور فاقہ کشی پر اون کو بڑی قدرت تھی۔[۲]

عبادت میں اس قدر اہتمام تھا کہ تکبیر اولیٰ کبھی قضا نہ ہوتی تھی، اور اوس سے غفلت کرنے والے کو گیا گذرا سمجھتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ جسے تکبیر اولیٰ میں تساہل کرتے دیکھو اوس سے ہاتھ دھو ڈالو۔[۳]

نماز میں کیف و استغراق کا یہ عالم تھا، کہ سجدہ کی حالت میں چڑیاں پیٹھ پر اڑ اڑ کے بیٹھتی تھیں اور چونچیں مارتی تھیں۔[۴] دو دو مہینے مسلسل روزے رکھتے تھے،[۵] اور محض ایک انگور روزانہ پر پورا چلہ گذار دیتے تھے۔[۶]

لیکن اس زہد و عبادت پر بھی اپنے اعمال کو قابل اعتنا نہ سمجھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ جب میں اپنے قول و عمل میں موازنہ کرتا ہوں تو جھوٹا بننے سے خوف معلوم ہوتا ہے۔[۷]

ایثار کا بے مثل نمونہ اور شہادت، ایثار اور قربانی کا مجسم پیکر تھے، اس کی آخری حد یہ ہے کہ دوسروں کیلئے

---

[۱] ابن سعد ج ۷ ص ۲۰۰، [۲] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۷۶، [۳] طبقات کبری شعرانی ص ۳۶، [۴] ایضاً، [۵] ایضاً، [۶] ایضاً، [۷] طبقات کبری، ص ۳۶،

جان تک دیدینے میں دریغ نہ کیا، انھوں نے ایثار و قربانی کا وہ نمونہ پیش کیا جس کی مثالیں کم ملتی ہیں حجاج ثقفی ابراہیم نخعی کا جو بڑے ممتاز عالم تابعی ہیں سخت دشمن تھا اور اون کے درپے آزار رہا کرتا تھا لیکن دست رس حاصل نہ ہو سکا، اس کے آدمی ہمیشہ ان کی تلاش میں رہتے تھے، ایک مرتبہ وہ ابراہیم نخعی کو تلاش کر رہے تھے، ابراہیم تیمی کو دونوں کی مخالفت کا علم تھا، اس علم کے باوجود اونھوں نے ان کے بچانے کے لئے اپنے کو پیش کر دیا کہ "ابراہیم میں ہوں" تلاش کرنے والے آدمی ابراہیم نخعی کو پہچانتے نہ تھے، اس لئے ان کے اقرار پر انہی کو پکڑ لے گئے حجاج نے زنجیروں میں جکڑوا کے دیماس کے قید خانہ میں جس کو اوس نے سنگین مجرموں کے لئے خاص طور سے بنوایا تھا ڈلوا دیا، یہ قید خانہ کیا تھا موت کا گھر تھا، اس میں سردی اور گرمی اور پانی اور دھوپ سے بچنے کا بھی کوئی انتظام نہ تھا، اس پر محن قید نے چند ہی دنوں میں ابراہیم کا رنگ و روپ ایسا بدل دیا کہ ان کی ماں تک اون کو نہ پہچان سکیں، لیکن وہ نہایت صبر و استقلال کے ساتھ ان مصائب کا مقابلہ کرتے رہے، اور انھیں کو جھیلتے جھیلتے بالآخر انتقال کر گئے، اون کی شب وفات کو حجاج نے خواب میں دیکھا کہ آج شہر میں ایک جنتی مر گیا ہے، صبح کو اوس نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ ابراہیم نے قید خانہ میں انتقال کیا، یہ سن کر اس جفا شعار نے کہا خواب شیطانی وسوسہ معلوم ہوتا ہے، اور ابراہیم کی لاش گھور پر پھنکوا دی[1]،

بعض اقوال، ابراہیم کے بعض اقوال نہایت حکیمانہ ہیں، فرماتے تھے کہ "انسان کے لئے علم کے نتائج میں سے خشیت الٰہی اور جہل کے نتائج میں سے اپنے عمل پر غرور کافی ہے، اور طمعیں انسان کو بدکرداریوں پر آمادہ کرتی ہیں[2]،

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۹،

[2] طبقات کبریٰ شعرانی ص ۳۶،

۲- ابراہیم بن یزید النخعی

نام ونسب ابراہیم نام، ابو عمران کنیت، نسب نامہ یہ ہے، ابراہیم بن یزید بن اسود بن عمرو بن حارثہ بن سعد بن مالک بن نخع نخعی، نخع قبیلہ مذحج کی ایک شاخ تھا، اور کوفہ میں آباد تھا،

فضل وکمال فضل وکمال کے لحاظ سے ابراہیم نخعی کوفہ کے ممتاز ترین تابعین میں تھے، ان کا گھرانا علم وعمل کا گہوارہ تھا، ان کے چچا علقمہ اور ماموں اسود دونوں کوفہ کے ممتاز محدثین میں تھے ابراہیم نے انہی کے دامن میں پرورش پائی، علقمہ کا حلقۂ درس اتنا وسیع تھا کہ محمد بن سیرین جیسے اکابر اس میں شریک ہوتے تھے، ابراہیم بھی اسی حلقہ کے فیض یافتہ تھے[1] اس کے علاوہ علقمہ اور اسود کے سلسلہ سے ابراہیم کو اس عہد کی بڑی بڑی ممتاز ہستیوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا، چنانچہ بچپن میں وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آتے جاتے تھے، ابو معشر کا بیان ہے کہ ابراہیم رسول اللہ صلعم کی بعض ازواج (حضرت عائشہؓ) کے پاس آتے جاتے تھے، ایوب نے اعتراض کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، اونھوں نے جواب دیا کہ بچپن میں بلوغ کے پہلے اپنے چچا اور ماموں علقمہ اور اسود کے ساتھ حج کو جاتے تھے، اور ان لوگوں کو ام المومنین حضرت عائشہؓ سے عقیدت و ارادت اور اون کی مجلسوں میں اون صاحبوں کی آمد و رفت تھی[2] گو حضرت عائشہؓ سے ابراہیم کا سماع ثابت نہیں ہے لیکن حضرت عائشہؓ جیسی برگزیدہ ہستیوں کی مجلس میں شریک ہو جانا ہی حصولِ برکت و سعادت کے لئے کافی تھا،

ان بزرگوں کے فیضِ صحبت نے ابراہیم کا دامن دولتِ علم سے مالا مال کر دیا تھا، اور وہ اپنے عہد کے ممتاز ترین علماء میں شمار ہوتے تھے، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق، جلالت اور فقہی کمال پر سب کا اتفاق ہے، ابو زرعہ نخعی کہتے ہیں، کہ وہ اعلام اہل اسلام میں ایک علم تھے[3] اون کو

۱؎ ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۰، ۲؎ ایضاً، ۳؎ تہذیب الاسماء ق اول ج اول ص ۱۰۴،

حدیث وفقہ دونوں علوم میں بڑی دست گاہ حاصل تھی،

حدیث | حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے، حافظ ذہبی اون کو دوسرے طبقہ کے حفاظ میں شمار کرتے ہیں، حدیث میں اونھوں نے اپنے دونوں ماموں اسود اور عبد الرحمن بن یزید اور مسروق، علقمہ، ابو معمر، ہمام ابن حارث، قاضی شریح، اور سہم بن منجاب وغیرہ سے استفادہ کیا تھا، اور اعمش، منصور، ابن عون، زبید الیامی، حماد بن سلیمان، اور مغیرہ بن مقسم ضبی وغیرہ ان کے زمرۂ تلامذہ میں تھے[1]،

حدیث میں ان کے معلومات اس قدر وسیع تھے کہ اعمش کا بیان ہے کہ میں نے جب کبھی ابراہیم کے سامنے کوئی حدیث بیان کی تو اونھوں نے اس میں میرے معلومات اور بڑھا دیئے[2]، ان کی مرویات کا یہ درجہ تھا کہ ابن معین ان کی مرسل حدیثوں کو امام شعبی کی مرسل روایات سے زیادہ پسند کرتے تھے[3]،

روایت بالمعنی | روایت حدیث میں الفاظ کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے تھے، اور بالمعنی روایت کافی سمجھتے تھے[4]،

انتساب رسول میں احتیاط | لیکن اسی کے ساتھ وہ روایت کو رسول اللہ صلعم کے ساتھ منسوب کرنے میں بڑے محتاط تھے اور مرفوع روایات کے حفظ کے باوجود انھیں روایت نہ کرتے تھے، ابو ہاشم کا بیان ہے کہ میں نے ابراہیم سے پوچھا، آپ کو رسول اللہ صلعم سے کوئی حدیث نہیں پہونچی ہے، کہ اوس کو آپ ہم سے بیان کریں، جواب دیا کیوں نہیں، لیکن عمرؓ، عبد اللہؓ، علقمہ، اور اسود سے روایت کرنا اپنے لئے زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے[5]،

فقہ | ابراہیم کا خاص فن فقہ تھا، اس فن کے وہ امام تھے، اون کے فقہی کمال پر سب کا اتفاق ہے[6]

---

[1] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۷۷، [2] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۹، [3] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۷۷، [4] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۰، [5] ایضاً، [6] تہذیب الاسماء ق اول ج اول ص ۱۰۴،

حافظ ذہبی انھیں فقیہ عراق اور امام نووی فقیہ کوفہ لکھتے ہیں،[1] امام شعبی نے ان کی وفات کے وقت کہا کہ "ابراہیم نے اپنے بعد اپنے سے بڑا عالم اور اپنے سے بڑا فقیہ نہیں چھوڑا" لوگوں نے کہا حسن البصری اور ابن سیرین کو بھی نہیں، شعبی نے جواب دیا نہ صرف حسن بصری اور ابن سیرین بلکہ اہل بصرہ، کوفہ حجاز اور شام میں کوئی بھی نہیں[2]، بڑے بڑے علما فقہی مسائل کے سائلین کو ان کے پاس بھیجدیتے تھے، سعید بن جبیر کے پاس جب کوئی فتویٰ پوچھنے کے لئے آتا تو اوس سے کہتے ابراہیم کی موجودگی میں مجھ سے پوچھتے ہو،[3] ابو وائل کے پاس جب کوئی مستفتی آتا تو اوس کو ابراہیم کے پاس بھیجدیتے، اور اوس سے کہدیتے کہ وہ جو جواب دیں مجھے بتانا،[4]

اظہار علم سے احتراز ان کمالات کے باوجود وہ اپنے علم کا اظہار کرنا اچھا نہ سمجھتے تھے، چنانچہ بغیر کسی کے سوال کئے ہوئے کبھی خود سے کوئی علمی تذکرہ نہ کرتے تھے[5] بلکہ سوالات تک سے گھبراتے تھے، زبید کا بیان ہے کہ جب کبھی میں نے ابراہیم سے کسی چیز کے متعلق کچھ پوچھا تو ان میں ناگواری کے آثار نظر آئے،[6]

ذمہ داری کا احساس اور احتیاط، اس کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ وہ علم کی بڑی ذمہ داری محسوس کرتے تھے چنانچہ فرماتے تھے کہ ایک زمانہ وہ تھا جب لوگ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے ڈرتے تھے، اور اب یہ زمانہ ہے کہ جس کا دل چاہتا ہے مفسر بن بیٹھتا ہے، مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں علم کے متعلق ایک کلمہ بھی منہ سے نہ نکالوں، جس زمانہ میں میں فقیہ ہوا وہ بہت ہی برا زمانہ ہے[7] میں نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے کہ جب وہ مجلسوں میں ہوتے تھے، تو اپنی بہترین احادیث بھی نہ بیان کرتے تھے،

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۰۴، [2] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۹، [3] ایضاً ص ۱۹۰، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۴، [5] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۹، [6] طبقات کبری امام شعرانی ج اول ص ۳۶،

اس ذمہ داری اور احتیاط کی وجہ سے مسائل کے جوابات میں بڑی احتیاط کرتے تھے، اعمش کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابراہیم سے کہا کہ میں چند مسائل آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں فرمایا "میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ میں کسی شے کے متعلق کہوں کہ وہ اس طرح ہے، اور وہ اسکے خلاف ہو"[۵۱]

دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ شہرت اور ریار کو سخت ناپسند کرتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ جو شخص علم کا ایک کلمہ بھی اس نیت سے منہ سے نکالتا ہے کہ اس سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے تو وہ اس کے وسیلہ سے سیدھا جہنم میں گرتا ہے، نہ کہ جس کی شروع سے آخر تک یہی نیت ہو[۵۲]

استفادہ کے مخصوص اوقات، لیکن اس سے یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ انھوں نے اپنی ذات سے استفادہ کا دروازہ بالکل بند کر دیا تھا، وہ مسائل بتاتے تھے، لیکن اس کے لئے خاص اوقات تھے جن میں ہر شخص مسائل پوچھ سکتا تھا، اور آپ اس کے جواب دیتے تھے، حسن بن عبید اللہ کا بیان ہے، کہ میں نے ابراہیم سے کہا کہ آپ ہم لوگوں سے حدیث نہ بیان کریں گے، جواب دیا کیا تم چاہتے ہو کہ میں فلاں شخص کی طرح ہو جاؤں، اگر تم کو اس کی خواہش ہے تو قبیلہ کی مسجد میں آیا کرو وہاں جب کوئی شخص کچھ پوچھے گا تو تم بھی جواب سن لوگے،[۵۳]

تحریر پر حفظ کو ترجیح، بعض قدما اور اسلاف کی طرح ابراہیم کو علم سفینہ سے زیادہ علم سینہ پر اعتماد تھا، چنانچہ وہ لکھتے نہ تھے، فضیل کا بیان ہے، کہ میں نے ابراہیم سے کہا کہ میں نے مسائل کو کتاب میں جمع کیا تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ خدا نے اوس کو مجھ سے چھین لیا، انھوں نے کہا کہ جب انسان لکھ لیتا ہے، تو اس پر اوس کو اعتماد ہو جاتا ہے، اور جب انسان علم کی جستجو کرتا ہے، تو خدا اوس کو بقدر کفایت علم عطا فرماتا ہے،[۵۴]

---

۵۱ ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۰ ۵۲ طبقات کبری امام شعرانی ج اول ص ۷۳، ۵۳ ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۰،

۵۴ ایضاً ص ۱۸۹،

فضائلِ اخلاق اس علم کے ساتھ وہ عمل اور فضائلِ اخلاق کی دولت سے بھی مالا مال تھے،

عبادت وریاضت نہایت عابد وزاہد اور متورع تھے، راتوں کی تنہائی میں لوگوں کی آنکھوں سے چھپ کر عبادت کرتے تھے، طلحہ کا بیان ہے کہ جب لوگ سو جاتے تھے، اس وقت ابراہیم ایک عمدہ حلہ پہن کر خوشبو لگا کر مسجد چلے جاتے تھے، صبح تک وہیں رہتے صبح کو حلہ اتار کر پھر معمولی لباس پہن لیتے تھے[1] عبادت کے اثر سے بالکل چور اور خستہ ہو جاتے تھے، اعمش کا بیان ہے کہ ابراہیم اکثر نماز پڑھکر ہمارے یہاں آتے تھے، دن چڑھے تک یہ حال رہتا تھا کہ بیمار معلوم ہوتے تھے[2]

ایک دن ناغہ دیکر پابندی کے ساتھ روزہ رکھتے تھے[3]

پابندی سنت، سنت کے اتنے پابند تھے کہ معمولی سی معمولی سنت بھی ترک نہ ہوتی تھی، پیروں پر مسح محض سنت ہے اور سنت بھی اختیاری، ابراہیم اس سنت کی پابندی میں اتنے متشدد تھے کہ فرماتے تھے، جس نے مسح نہ کیا اس نے سنت سے انکار کیا، اور سنت سے انکار شیطان کا کام ہے، اگر رسول اللہ صلعم کے اصحاب نے محض ناخن ہی پر مسح کیا ہوتا تو بھی میں اتنی سی فضیلت کے حصول کے لئے اوس کو نہ دھوتا،[4]

صحت عقیدہ، عقیدہ میں سلفِ صالحین کے عقائد سے سرمو تجاوز کرنا پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ ارجار کا عقیدہ رکھنے والوں کے جو کوئی ایسی اہم شے نہیں ہے، اور بعض تابعین بھی اس عقیدہ کے تھے، سخت خلاف تھے، فرماتے تھے ارجاء بدعت ہے، تم لوگ ہمیشہ اس سے بچتے رہو، مرجئہ کے پاس نہ بیٹھو، ان کے پاس آنے والوں میں جس کے خیالات میں ارجار کا ادنی سا شائبہ بھی نظر آتا ان کو آنے سے منع کر دیتے،[5]

انتہائی احتیاط، صلحار اور خیار امت سے طلب دعا کوئی ممنوعہ فعل نہیں ہے، اور اس پر صحابہ اور

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۳ و [2] ایضاً ص ۱۹۵، [3] ایضاً ص ۱۹۲، [4] ایضاً ص ۱۹۱ و ۱۹۲، [5] ایضاً ص ۱۹۰ و ۱۹۱،

تابعین کا عمل بھی رہا ہے، لیکن چونکہ اس سے بہت سی بدعات کا دروازہ کھلتا ہے، اور عوام کے عقیدوں میں اس سے ضعف پیدا ہوتا ہے، اس لئے اسے بھی پسند نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے درخواست کی کہ ابو عمران دعا کیجئے کہ خدا مجھے شفا عطا فرمائے، ان کو یہ درخواست اتنی ناگوار ہوئی کہ اس کا اثر چہرہ پر ظاہر ہو گیا، اور اس شخص سے کہا کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حذیفہ سے مغفرت کی دعا کی درخواست کی تھی، انھوں نے اس کے جواب میں کہا کہ خدا تمھاری مغفرت نہ فرمائے، یہ سن کر وہ شخص الگ ہٹ گیا، اس کے ہٹنے کے بعد حذیفہؓ نے یہ دعا کی کہ خدا تم کو حذیفہ کی جگہ داخل کرے، اس دعا کے بعد اس شخص سے پوچھا کہ اب تم راضی ہو، تم میں سے بعض اشخاص ایک شخص کے پاس اس عقیدہ کے ساتھ جاتے ہیں کہ اس نے تمام مراتب حاصل کر لئے ہیں، اور وہ کوئی بلند ہستی بن گیا ہے، یہ واقعہ سنا کر ابراہیم نے سنت کا تذکرہ کر کے اس کی پابندی کی تلقین کی اور بدعتوں کا ذکر کر کے ان سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا،[۱]

سماحت | لیکن عقائد میں اس سختی کے باوجود چھوٹی چھوٹی باتوں میں سخت گیر نہ تھے، بلکہ ان میں سختی ناپسند کرتے تھے، ایک دن آپ کے یہاں دو آدمی آئے، ان میں سے ایک کا بند کھلا ہوا تھا اور دوسرے کے بال گندھے ہوئے تھے، فرقد سنجی نے ابراہیم سے کہا کہ ابو عمران اس شخص کو بند کھولنے اور اس شخص کو بال گوندھنے سے منع نہیں کرتے، ابراہیم نے کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم میں بنی اسد کی سنگدلی پیدا ہو گئی ہے یا بنی تمیم کی سختی، ان میں سے ایک شخص کو گرمی معلوم ہو رہی تھی، اس نے بند کھول دیا، اور دوسرا شخص نماز کے وقت بال کھول دیتا ہے،[۲]

اختلاف صحابہ میں سکوت | صحابۂ کرام کے اختلافات پر تنقید، اظہار رائے اور فریقین میں سے کسی کی جنبہ داری ناپسند کرتے تھے، اور ان مسائل میں سکوت سے کام لیتے تھے، ان کے ایک شاگرد نے

---

[۱] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۳، [۲] ایضاً، ص ۱۹۴،

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے اختلاف کے بارہ میں سوال کیا آپ نے فرمایا نہ میں سبائی ہوں اور نہ مرجی،[1] اسی طرح ایک مرتبہ ایک اور شخص نے آپ سے کہا کہ مجھے ابوبکرؓ و عمرؓ کے مقابلہ میں علیؓ سے زیادہ محبت ہے، آپ نے فرمایا، اگر علیؓ تمہارا یہ خیال سنتے تو تم کو سزا دیتے، اگر تم کو اس قسم کی باتیں کرنی ہیں، تو میرے پاس نہ بیٹھا کرو، فرماتے تھے مجھکو عثمانؓ کے مقابلہ میں علیؓ سے زیادہ محبت ہے، لیکن میں آسمان سے منہ کے بل گرنا پسند کرتا ہوں، اور یہ گوارا نہیں ہے کہ عثمانؓ کیساتھ کسی قسم کا سوء ظن رکھوں[1]

تواضع وخاکساری ابراہیم باایں جلالت شان نہایت خاموش، عزلت نشین، بے تکلف، اور سادہ مزاج تھے تواضع اور خاکساری کا یہ حال تھا کہ ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھنے تک کا امتیاز بھی گوارا نہ تھا،[2] عامی سے عامی آدمی سے ملنے میں کوئی تکلف نہ تھا، ان کی مجلس میں ہر قسم کے لوگ آتے تھے، خثیمہ نے اون کے ہم جلیس اعمش سے اعتراض کیا کہ تم دونوں مسجد اعظم میں بیٹھتے ہو، جہاں عریف اور شرطی ہر قسم کے لوگ تمہارے ساتھ بیٹھتے ہیں، اعمش نے ابراہیم سے اس کا تذکرہ کیا، اونھوں نے کہا بیشک ہم مسجد میں بیٹھتے ہیں اور ہمارے پاس عریف اور شرطی بیٹھتے ہیں، اور یہ ہم کو اس کے مقابلہ میں پسند ہے کہ ہم علیحدہ رہیں اور ہم پر فرقہ بندی اور مبتدعانہ خیالات کی تہمت رکھی جائے،[3] کبھی کبھی حصول اجر کیلئے دوسروں کا بوجھ تک اٹھا لیتے تھے، اعمش کا بیان ہے کہ میں نے بسا اوقات ابراہیم کو بوجھ اوٹھائے ہوئے دیکھا ہے، وہ کہتے تھے کہ میں حصول اجر کے لئے ایسا کرتا ہوں،[4]

ہیبت لیکن اس خاکساری اور فروتنی کے باوجود لوگوں کے دلوں پر اون کی ہیبت چھائی رہتی تھی، مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حکام اور امراء کی طرح ابراہیم سے ڈرتے تھے،[5]

سلاطین اور امراء سے تعلقات سلاطین اور امراء کے ساتھ ابراہیم کے دوستانہ تعلقات تھے، اور دونوں

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۲، [2] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۷۷ و تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۴،
[3] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۱، [4] ایضاً ص ۱۹۴، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۷،

میں باہم ہدایا و تحائف کا تبادلہ ہوا کرتا تھا، اکثر ممتاز امراء ان کی خدمت کیا کرتے تھے[1] یہ اس کو قبول کرنے میں مضائقہ نہ سمجھتے تھے،[2] اسے برا سمجھتے تھے کہ خدا کسی کو کوئی شے عطا فرمائے اور وہ اس سے انکار کرے[3]، لیکن وہ ہدایا لینے کے ساتھ اون کا بدلہ بھی کرتے تھے، ان کا ہدیہ عموماً مرغابی ہوتا تھا[4]،

ظالم امرا کی مخالفت | لیکن ظالم اور جفاکار امراء کے سخت خلاف رہتے تھے، چنانچہ ان میں اور حجاج میں کبھی نہ بنتی تھی، وہ آپ کا سخت دشمن تھا، ابراہیم اسے بہت برا بھلا کہا کرتے تھے، اس پر لعنت بھیجنے میں بھی مضائقہ نہ سمجھتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے حجاج اور اس کے جیسے دوسرے ظالموں پر لعنت کے بارہ میں سوال کیا، آپ نے جواب دیا، خدا خود قرآن میں فرماتا ہے الا لعنة اللّٰہ علی الظالمین[5]، حجاج کی موت پر اس قدر مسرور ہوئے کہ سجدہ میں گر پڑے، اور آنکھوں سے اشک مسرت رواں ہوگئے[6]،

وفات، | حجاج کی موت کے چند مہینے بعد بیمار پڑے، دم آخر نہایت مضطرب و بے قرار تھے لوگوں نے اس کا سبب پوچھا فرمایا اس سے زیادہ خطرہ کا وقت کون ہوگا کہ خدا کا قاصد جنت یا دوزخ کا پیام لے کر آئیگا، میں اس پیام کے مقابلہ میں قیامت تک موجودہ صورت کا قائم رہنا پسند کرتا ہوں[7]، اسی علالت میں آغاز ۹۶ھ میں انتقال کیا، باختلاف روایت انتقال کے وقت انچاس ۴۹ یا پچاس ۵۰ یا اس سے کچھ اوپر عمر تھی[8]،

حلیہ و لباس | ابراہیم نہایت خوش لباس تھے، رنگین اور نفیس پوشاک پہنتے تھے، زعفرانی اور سرخ رنگ کا لباس استعمال کرنے میں بھی مضائقہ نہ سمجھتے تھے، جاڑوں کے لباس میں سمور کی سنجاف لگی ہوتی تھی، سمور کی ٹوپی دیتے تھے، سیاہ عمامہ بھی باندھتے تھے، لوہے کی انگوٹھی پہنتے تھے، اس کا نقش

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۳، [2] ایضاً ص ۱۹۴، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۴، [4] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۵، [5] ایضاً، [6] ابن خلکان ج اول ص ۳، [7] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۹،

ذُبابا اللہ و نحن لہ تھا" امام شعرانی کا بیان ہے کہ اپنے کو چھپانے کیلئے رنگین کپڑے پہنتے تھے تاکہ یہ معلوم ہو کہ قرار کی جماعت سے ہیں یا نوجوانوں کی۔[۴]

حکیمانہ اقوال آپ کے بعض اقوال نہایت حکیمانہ اور پر موعظت ہیں، فرماتے تھے کہ (۱) انسان چالیس سال تک جس سیرت پر قائم رہے، پھر وہ نہیں بدل سکتی، (۲) ایمان کے بعد آدمی کو سب سے بڑی دولت تکلیفوں پر صبر کی عطا کی گئی ہے، اسی لئے بیماری کا حال بیان کرنا بھی پسند نہ کرتے تھے فرماتے تھے کہ جب مریض سے اس کی حالت پوچھی جائے تو اوس کو چاہئے کہ پہلے اچھا کہے اوس کے بعد اصل حالت بیان کرے کہ شکوہ غم بھی شان صبر کے خلاف ہے، (۳) انسان کے لئے یہ معصیت کافی ہے کہ لوگ دنیا یا دین کے معاملہ میں اس پر انگشت نمائی کریں۔[۵]

۳۔ احنف بن قیس

نام و نسب ضحاک نام، ابو بحر کنیت، عرفی نام احنف ہے، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ احنف کے پیروں میں خلقی کجی تھی، عربی میں اس کو "حنف" کہتے ہیں، اس لئے وہ احنف مشہور ہو گئے، نسب نامہ یہ ہے احنف بن قیس بن معاویہ بن حصین بن حفص بن عبادہ بن نزال بن مرہ بن عبید بن مقاعس بن عمرو بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم تمیمی، بنی تمیم کے سرداروں میں تھے،

عہد رسالت احنف عہد رسالت میں موجود تھے، ابن عماد حنبلی کے بیان کے مطابق وہ اسی عہد میں مشرف باسلام ہوئے، اور اون کا قبیلہ انہی کی تحریک پر اسلام لایا،[۵] لیکن اور تمام ارباب طبقات و رجال کا بیان اس کے خلاف ہے، چنانچہ ابن سعد نے ان کے حالات تابعین ہی کے زمرہ میں لکھے

---

[۱] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۶، ۱۶، [۲] طبقات امام شعرانی ج اول ص ۳۶، [۳] ابن سعد ج ۶ تذکرہ ابراہیم نخعی [۴] طبقات امام شعرانی ج اول ص ۳۶، [۵] شذرات الذہب ج اول ص ۷۸،

ہیں، حافظ ابن عبد البر بھی جنھوں نے احتیاطاً ان کے حالات صحابہ کے زمرہ میں اسی لئے لکھدیئے ہیں کہ اونھوں نے آنحضرت صلعم کا زمانہ پایا، مگر شرف دیدار سے محروم رہے تابعین ہی میں شمار کرتے ہیں[1] حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلعم کا زمانہ پایا، مگر اسلام نہیں لائے[2]،

جس روایت سے ان کے اسلام کا نتیجہ نکالا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایک صحابی کو قبیلہ بنی سعد (احنف کا قبیلہ) میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا، اونھوں نے جاکر اسلام پیش کیا، احنف بھی موجود تھے، اونھوں نے اسلامی تعلیمات سن کر کہا کہ یہ شخص بھلائی کی طرف بلاتا ہے اور اچھی باتیں سناتا ہے، مبلغ صحابی نے جاکر یہ واقعہ آنحضرت صلعم سے بیان کیا آپ نے سن کر دعا فرمائی، کہ خدایا احنف کی مغفرت فرما[3]،

لیکن اولاً اس روایت کی صحت محل نظر ہے لیکن اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو اس میں اسلام کی کوئی تصریح نہیں، اس سے صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ حق شناس تھے، اور اون کے دل میں قبول حق کا مادہ موجود تھا، آنحضرت صلعم کی دعا قبول اسلام کا ثبوت نہیں، آپ نے یہ دعا اون کی حق شناسی پر فرمائی تھی، اور اگر بالفرض اسلام بھی مان لیا جائے تو آنحضرت صلعم کو دیکھنا، آپ سے ملنا، آپ کی صحبت اٹھانا تو قطعی ثابت نہیں، جو صحابیت کے لئے ضروری ہے لیکن ان کا یہی شرف کیا کم ہے کہ وہ اسلام سے پہلے بھی حق شناس تھے، اور ان کو آنحضرت صلعم اور اسلام سے کوئی عناد نہ تھا،

اسلام قیاس یہ ہے کہ وہ شیخین کے زمانہ میں کسی وقت اسلام سے مشرف ہوئے،

عہد فاروقی حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مدینہ آئے، حضرت عمرؓ کو قبیلہ بنی تمیم کے ساتھ سوءظن تھا، اس لئے آپ اکثر اس کی مذمت کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ احنف کی موجودگی میں بنی تمیم کا کچھ تذکرہ

[1] استیعاب ج اول، ص ۵۵، [2] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۹۱، [3] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۶۶،

آیا، آپ نے حسب معمول اس کی مذمت کی، احنف مذمت سن کر کھڑے ہوگئے، اور عرض کیا مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہو، آپ نے اجازت دی، احنف نے کہا آپ نے بلا استثنا پورے قبیلہ بنی تمیم کی برائی کی، حالانکہ وہ بھی عام انسانوں کی طرح ہیں، ان میں اچھے بُرے ہر قسم کے لوگ ہیں حضرت عمرؓ نے یہ سچا بیان سن کر فرمایا تم نے سچ کہا اور ذکر خیر سے گذشتہ مذمت کی تلافی فرمائی، احنف کے بعد اسی قبیلہ کے ایک اور آدمی تماثت نے کچھ کہنا چاہا، مگر حضرت عمرؓ نے روک دیا، کہ تم بیٹھ جاؤ، تمھاری جانب سے تمھارے سردار فرض ادا کرچکے،

حضرت عمرؓ کی صحبت اگرچہ حضرت عمرؓ نے احنف کی ایک اصولی بات کی وجہ سے اس کا اعتراف کرلیا تھا لیکن چونکہ اون کے قبیلہ کیساتھ انکو سوءِ ظن تھا اس لئے بہ تقاضائے احتیاط احنف کی سیرت کا اندازہ لگانے کے لئے اون کو ایک سال تک اپنے ساتھ مدینہ میں رکھا، تجربہ کرنے کے بعد ان سے کہا کہ میں نے ایک سال تک تمھارا تجربہ کیا، مجھ کو تم میں بھلائی کے سوا اور کوئی قابل اعتراض شے نظر نہ آئی، تمھارا ظاہر اچھا ہے، امید ہے کہ باطن بھی اچھا ہوگا، میں نے یہ اس لئے کیا تھا کہ رسول اللہ صلعم نے ہم لوگوں کو ڈرایا تھا کہ اس امت کی ہلاکت ماہر منافقین کے ہاتھوں ہوگی،

ابوموسیٰ اشعری والی بصرہ کو احنف کے بارہ میں حضرت عمرؓ کی ہدایت اس تجربہ کے بعد حضرت عمرؓ کو جب ان پر کامل اعتماد ہوگیا، تو انھیں اون کے وطن بصرہ واپس کردیا، اور ابوموسیٰ اشعری والی بصرہ کو ہدایت کردی کہ ان کو اپنے ساتھ رکھنا، ان سے مشورہ لینا، اور اون کے مشوروں اور ہدایتوں پر عمل کرنا،[1] احنف اہل بصرہ کے سردار تھے حضرت عمرؓ کے اس حکم کے بعد سے احنف کے مراتب روز بروز بلند ہونے لگے،[2]

فارس کی مہم میں شرکت اس وقت ایران پر فوج کشی ہوچکی تھی، بصرہ واپس جانے کے بعد احنف اس میں

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۶۶، [2] اسد الغابہ ج اول ص ۵۵

شریک ہوئے، چنانچہ ۲۰ھ میں وہ فارس کی مہم میں نظر آتے ہیں[1]،

اہل بصرہ کی نمایندگی احنف بڑے عاقل و مدبر تھے، اس لئے قومی و ملکی مہمات میں ان کا نام سرفہرست ہوتا تھا، اور اکثر قوم کی نمایندگی کی خدمت اون کے سپرد ہوتی تھی، چنانچہ اسی زمانہ میں وہ بصرہ کے وفد میں مدینہ آئے، حضرت عمرؓ نے دریافت کیا، اہل بصرہ کی شکایتیں اور ضرورتیں پوچھیں، احنف نے جو ضروریات تھیں پیش کیں، حضرت عمرؓ نے اون کی تقریر بہت پسند کی اور خاندان کسریٰ کی بعض مفتوحہ جاگیریں انھیں عطا کیں، اور والی بصرہ کو لکھ بھیجا کہ وہ انتظامی امور میں احنف سے صلاح و مشورہ لیا کریں، اور ان پر عمل کیا کریں[2]، پھر اہواز کی فتح کے بعد مشہور ایرانی افسر ہرمزان کو جس نے خوزستان کی مہم میں سپر ڈال دی تھی، لے کر مدینہ آئے،

ایران پر عام فوج کشی کا مشورہ اس وقت عراق فتح ہو چکا تھا، لیکن ایران پر عام فوج کشی نہ ہوئی تھی، اور مفتوحہ علاقے بار بار باغی ہو جاتے تھے، اسی زمانہ میں مجاہدین کا وفد مدینہ آیا حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ ایرانی بار بار باغی کیوں ہو جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے مسلمان انھیں ستاتے ہیں، مسلمانوں نے اس کی تردید کی، لیکن کوئی حضرت عمرؓ کے سوال کا تشفی بخش جواب نہ دے سکا، احنف کا دماغ نہایت نکتہ رس تھا، یہ اصل تہ تک پہنچ گئے، اونھوں نے کہا، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ امیر المومنین نے مسلمانوں کو ایران کے اندرون ملک فوج کشی سے روک دیا ہے، اور سلطنت کا وارث تاج و تخت ملک میں موجود ہے، جب تک وہ باقی رہے گا ایرانی اس کے سہارے برابر بغاوت کرتے رہیں گے کیونکہ ایک ملک میں دو حکومتیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، ایران کا بادشاہ ایرانیوں کو ابھارتا رہتا ہے، اس لئے جب تک ہم لوگ ایران کے اندر فوج کشی کر کے اس کو ختم نہ کر دیں گے اس وقت تک ایرانیوں کی یہی روش رہے گی، جب وہ لوگ اپنی حکومت سے بالکل مایوس ہو جائیں گے اسوقت

---

[1] ابن اثیر ج ۲ ص ۴۲۰، [2] ایضاً ج ۲ ص ۴۲۴، ۴۲۵،

خاموش ہوں گے، حضرت عمرؓ نے اون کی تقریر سن کر فرمایا تم سچ کہتے ہو، اور اون کے مشورہ کے مطابق ایران پر عام فوج کشی کے انتظامات شروع کردیئے، اور ہر ہر صوبے پر علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں، [1]

یزدگرد کا استیصال | چونکہ یزدگرد کے استیصال کا مشورہ احنف ہی نے دیا تھا، اور وہ اپنے دل و دماغ کے لحاظ سے اس مہم کے لئے سب سے زیادہ موزوں تھے، اس لئے خراسان کی مہم جہاں یزدگرد پناہ گزیں تھا حضرت عمرؓ نے انہی کے سپرد کی، یہ ۲۲ھ میں خراسان کی طرف بڑھے، اور طبسین ہوکر ہرات پہنچے، اور اوس کو فتح کرکے مرو شاہجہاں کا جہاں یزدگرد مقیم تھا رخ کیا، وہ ان کی پیشقدمی کی خبر سن کر مرو الروذ چلا گیا یہاں پہنچکر خاقان چین اور دوسرے سرحدی حکمرانوں کو مدد کے لئے خطوط لکھے، یزدگرد کے مرو الروذ جانے کے بعد احنف مرو شاہجہاں میں حارثہ بن نعمان باہلی کو چھوڑ کر مرو کی طرف بڑھے، ان کا رخ دیکھ کر یزدگرد یہاں سے بھی بھاگا، اور بلخ پہنچا، اس دوران میں کوفہ سے تازہ دم امدادی فوجیں آگئیں، احنف نے انھیں لے کر بلخ پر حملہ کردیا، یزدگرد شکست کھا کر دریا پار خاقان کے حدودِ حکومت میں چلا گیا، اس کے بعد احنف نے خراسان کے تمام علاقوں میں فوجیں پھیلادیں، خراسانی انھیں نہ روک سکے، اور نیشاپور سے طخارستان تک کا پورا علاقہ صلحاً فتح ہوگیا، اور احنف نے مرو الروذ واپس ہوکر حضرت عمرؓ کو فتح کا مژدہ لکھا، آپ فتوحات کا دائرہ ایران سے آگے نہیں بڑھانا چاہتے تھے، اس لئے دریا پار پیشقدمی کرنے سے روک دیا،

یزدگرد کے حدود چین میں داخل ہونے کے بعد خاقان چین نے اس کی بڑی پذیرائی کی، اور ایک لشکر جرار کے ساتھ اوس کی مدد کے لئے خراسان پہنچا، اور سیدھا بلخ کی طرف بڑھا بلخ کی اسلامی فوجیں احنف کے ساتھ مرو الروذ واپس جاچکی تھیں، اس لئے یزدگرد اور خاقان دونوں بلخ ہوتے ہوئے مرو کی طرف بڑھے، احنف نے پہاڑ کے دامن میں صف آرائی کی، فریقین میں عرصے تک صبح و شام

---

[1] ابن اثیر ج ۲ ص ۴۳۹ و ۴۳۰،

معمولی چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی، ایک دن احنف خود میدان میں نکلے، خاقان کی فوج سے ایک بہادر ترک طبل اور دمامہ بجاتا ہوا، مقابل میں آیا، احنف نے اس کا کام تمام کر دیا، اس کے بعد دو اور بہادر یکے بادیگرے مقابلہ میں آئے، مگر دونوں احنف کی تلوار کا لقمہ بنے، اس کے بعد ترکوں کا پورا لشکر آگے بڑھا، خاقان کی نظر لاشوں پر پڑی، اس نے فال بدلی، یزدگرد کی حمایت میں اس کا کوئی خاص فائدہ نہ تھا، اور مسلمانوں کو زیر کرنا بھی آسان نہ تھا، اس لئے اس نے کہا ہم کو یہاں آئے ہوئے بہت دن ہو گئے ہیں، ہمارے بہت سے نامور بہادر قتل ہو چکے ہیں، ہم کو ان لوگوں سے لڑنے میں کوئی فائدہ نہیں نظر آتا، یہ کہہ کر اوس نے فوج کو کوچ کا حکم دیدیا،

احنف کا اصل حریف یزدگرد مرو شاہجہاں کا جہاں اس کا خزانہ تھا، محاصرہ کئے ہوئے تھا، اس کو خاقان کی واپسی کی خبر ملی تو اس کی ہمت چھوٹ گئی اور اس نے خزانہ لے کر ترکستان نکل جانا چاہا، ایرانیوں نے اوس کو اس ارادہ سے روکا اور کہا کہ ترکوں کا کوئی دین و مذہب نہیں ہے، اور نہ ان کے عہد و پیمان کا ہمیں کوئی تجربہ ہے مسلمان بہرحال صاحب مذہب اور عہد کے پابند ہیں، اسلئے اگر آپ کو ملک ہی چھوڑنا ہے تو مسلمانوں سے صلح کر لیجئے، لیکن یزدگرد نے اس مشورہ کو قبول کرنے سے انکار کیا، ایرانیوں نے جب دیکھا کہ ان کے ملک کی دولت دوسرے ملک میں نکلی جا رہی ہے، تو لڑ کر یزدگرد سے کل خزانہ چھین لیا، اور وہ شکست کھا کر ترکستان چلا گیا، اور حضرت عمرؓ کے زمانہ تک خاقان کے پاس مقیم رہا،

یزدگرد کے ترکستان چلے جانے کے بعد ایرانیوں کا آخری سہارا بھی جاتا رہا، اور اونھوں نے مایوس ہو کر احنف سے صلح کر لی، اور یزدگرد کا کل خزانہ ان کے حوالہ کر دیا، احنف نے اون کے ساتھ ایسا شریفانہ برتاؤ کیا کہ انھیں اس کا افسوس ہوا کہ وہ اب تک مسلمانوں کی حکومت سے کیوں محروم رہے،

ایک پراثر تقریر اس مصالحت کے بعد احنف نے حضرت عمرؓ کو فتح کی اطلاع بھجوائی، اور مسلمانوں کو جمع کرکے ایک پراثر تقریر کی، جو اپنی اثر پذیری کے اعتبار سے آج بھی مسلمانوں کے لئے درس بصیرت ہوسکتی ہے، تقریر یہ تھی،

مسلمانو! آج مجوسیوں کی حکومت برباد ہوگئی، اور اب ان کے قبضہ میں ان کے ملک کا ایک چپہ بھی باقی نہیں رہا کہ وہ مسلمانوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکیں، خدا نے اب تم کو ان کی زمین، ان کے ملک، اور ان کے اہل ملک کا وارث بنایا ہے تاکہ تمہارا امتحان لے، اگر تم بدل گئے تو خدا بھی تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل دیگا، مجھے مسلمانوں ہی کے ہاتھوں سے اون کی بربادی کا خوف ہے[1]،

عہد عثمانی حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب ایران میں بغاوت ہوئی اور خراسان مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا، اس وقت احنف ہی نے فوج کشی کرکے دوبارہ اس پر قبضہ کیا[2]،

خانہ جنگی سے اجتناب اور حضرت علیؓ کے ہاتھوں پر بیعت حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب مسلمانوں میں خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہوا، اوس وقت احنف نے اپنی تلوار میان میں کرلی، چنانچہ جب حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ میں اختلافات شروع ہوئے، اوس وقت احنف نے جو مکہ میں تھے حضرت عائشہؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ سے مل کر اصل حقیقت کا اندازہ کرکے حضرت علیؓ کے ہاتھوں پر بیعت کرلی[3]، لیکن جنگ میں کسی جانب سے حصہ نہ لیا، حضرت عائشہؓ نے بھی انھیں اپنے ساتھ آنے کی دعوت دی، لیکن اس وقت وہ بیعت کرچکے تھے،

جنگ صفین میں شرکت البتہ جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہ میں جنگ چھڑی، اس وقت انکی حق شناس تلوار میان میں نہ رہ سکی، اور اونھوں نے حضرت علیؓ کی حمایت میں نہایت پرجوش حصہ لیا اور اہل بصرہ کو ان کی امداد و اعانت پر آمادہ کیا[4]،

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۶ تا ۲۹ ملخصاً، [2] ایضاً ص ۶۹ تا ۹۹، [3] ایضاً ص ۹۵، [4] اخبار الطوال ص ۱۵۰، [5] ایضاً ص ۱۶۶،

جنگ صفین کے التواء پر جب تحکیم کا مسئلہ پیش ہوا، اور حضرت علیؓ کی جانب سے ابوموسیٰ اشعری کا نام لیا گیا، اوس وقت احنف نے سخت مخالفت کی اور کہا آپ کو عرب کے مدبر اعظم سے سابقہ پڑا ہے، ابوموسیٰ کا مجھکو خوب تجربہ ہے، وہ اس اہم کام کے اہل نہیں ہیں، اس کے لئے نہایت چالاک اور عاقل شخص کی ضرورت ہے، اگر ہوسکے تو آپ مجھے حکم بنائیے، اور اگر اس کے لئے صحابی ہونا ضروری ہے تو آپ کسی اور صحابی کو منتخب کیجئے، اور مجھ کو اس کا مشیر بنائیے، لیکن عراقی قوم کا فیصلہ ابوموسیٰ کے حق میں تھا، اس لئے حضرت علیؓ احنف کے خیرخواہانہ اور زریں مشورہ پر عمل نہ کر سکے۔ جنگ صفین کے بعد خوارج پر فوج کشی میں بھی حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، اور کئی ہزار اہل بصرہ آپ کی مدد کے لئے لے گئے۔[1]

امیر معاویہؓ کی اطاعت اور آزادی رائے

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ کی خلافت تسلیم کر لی، لیکن اس وقت بھی اونھوں نے آزادی اور حق گوئی کا جوہر قائم رکھا، اور امیر معاویہؓ کی ہر جائز و ناجائز خواہش کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کے نزدیک ان کا جو فعل درست نہیں ہوتا تھا، اس پر نہایت جرأت کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کرتے تھے، امیر معاویہؓ نے جب یزید کی ولیعہدی کے لئے تمام ممالک محروسہ سے وفود طلب کئے، تو احنف بھی بصرہ کے وفد کے ساتھ آئے، امیر معاویہ نے ان سے بھی یزید کی ولیعہدی کے بارہ میں پوچھا اونھوں نے کہا امیرالمومنین آپ یزید کے شبانہ یوم کے مشاغل اوس کے ظاہر اور مخفی حالات، اس کے آنے جانے کے مقامات سے اچھی طرح واقف ہیں، اگر اس واقفیت کے بعد بھی آپ اس کو خدا اور امت محمدی کے لئے بہتر سمجھتے ہیں تو اس میں مشورہ کی ضرورت نہیں، اور اگر بہتر نہیں سمجھتے تو ایسی حالت میں کہ آپ کو عنقریب آخرت کا سفر پیش آنے والا ہے، یزید کو دنیا کا توشہ نہ دیجئے

[1] اخبار الطوال ص ۲۰۶، [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۴۲۸

یوں ہمارا فرض ہے کہ آپ جو کچھ فرمائیں ہم اوس کو بجالائیں،[۱]

امیر معاویہؓ پر ان کا اثر | لیکن ان کی حق پرستی اور صاف گوئی کے باوجود امیر معاویہؓ ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے، اور بڑے بڑے عمال کو ان کی اشارہ پر معزول کر دیتے تھے، عبید اللہ بن زیاد امیر معاویہؓ کے نہایت معتمد علیہ اور ان عمال میں تھا، جنھوں نے اموی حکومت قائم کی تھی، اسکا طرز عمل احنف کے ساتھ پسندیدہ نہ تھا، ۵۹ھ میں عبید اللہ چند عمائد کوفہ کے ساتھ جن میں احنف بھی تھے، امیر معاویہؓ کے پاس شام آیا، امیر معاویہؓ حسب معمول احنف کے ساتھ بڑے تپاک سے پیش آئے، اور اونھیں اپنے ساتھ تخت شاہی پر بٹھایا، عمائد بصرہ نے عبید اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے امیر معاویہ کے سامنے اوس کی بڑی تعریفیں کیں، احنف کی رائے ان سب کے خلاف تھی، اس لئے وہ خاموش رہے، امیر معاویہؓ نے پوچھا، ابو بحر تم کیوں نہیں بولتے، انھوں نے جواب دیا، اگر میں بولوں گا تو قوم کی مخالفت ہوگی، ان کا خیال سن کر امیر معاویہؓ نے اسی وقت عبید اللہ کو معزول کر دیا، اور اہل بصرہ سے کہا تم لوگ جس والی کو پسند کرتے ہو، اوسکو پیش کرو، ان لوگوں نے امیر معاویہؓ کی خوشامد میں اموی خاندان اور شامیوں میں سے انتخاب کیا، احنف اس وقت بھی خاموش رہے، اور کسی کو پیش نہیں کیا، امیر معاویہؓ نے پیش کرنے والوں سے پوچھا تم نے کسے منتخب کیا، چونکہ ان میں سے ہر شخص کا انتخاب جداگانہ تھا، اس لئے کسی ایک شخص پر اتفاق نہ ہو سکا، احنف بالکل خاموش تھے، امیر معاویہؓ نے ان سے کہا تم کیوں نہیں بولتے، یہ منتخب کرنے والوں کا رنگ دیکھ چکے تھے، اس لئے انھوں نے کہا اگر آپ کو اپنے خاندان والوں میں سے کسی کو والی بنانا ہے، تو ایسی صورت میں ہم عبید اللہ ہی کو ترجیح دیں گے اور اگر کسی تیسرے شخص کو بنانا ہو تو اس میں جو آپ کی رائے ہو، ان کا منشا سن کر معاویہ نے عبید اللہ ہی کو برقرار رکھا، اور

---

[۱] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۱۴،

اس کو احنف کے نظر انداز کرنے پر ملامت اور آئندہ ان کے ساتھ حسن عمل کی تاکید کی[1]

یزید کی خلافت، امیر معاویہ کی وفات کے بعد احنف نے یزید کی خلافت تسلیم کر لی حضرت امام حسین جب یزید کے مقابلہ کے لئے اٹھے تو احنف کو بھی امداد کے لئے خط لکھا[2] لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے آپ کا ساتھ نہیں دیا، اور یزید کی بعیت پر قائم رہے،

ابن زبیرؓ کی حمایت، یزید کی موت کے بعد جب اموی حکومت میں انقلاب برپا ہوا، اور عراق سے اموی حکومت اُٹھ گئی، اس وقت احنف بصریوں کی رہنمائی کرتے رہے، اس سلسلہ میں ان کے قبیلہ بنی تمیم اور بعض دوسرے قبائل میں کچھ ہنگامہ آرائیاں ہوئیں، پھر جب عراق عبداللہ بن زبیرؓ کے قبضہ میں آگیا، اس وقت احنف ان کے ساتھ ہوگئے، ان کے زمانہ میں بھی احنف کا قدیم اعزاز و وقار قائم رہا، ابن زبیرؓ کے حکام ان سے صلاح و مشورہ کرتے تھے، اور اس پر عمل کرتے تھے، چنانچہ جب عراق میں خوارج کا زور بڑھا، اور اس کا اثر بصرہ تک پہنچا، اس وقت احنف ہی کی تحریک سے مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ خوارج کے مقابلہ پر مامور کئے گئے[3]،

عبداللہ بن زبیرؓ کے دورِ خلافت میں مختار ثقفی نے جب عراق پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، اس وقت احنف نے ابن زبیرؓ کی حمایت میں مختار کے داعی مثنیٰ کو عراق سے نکالا[4]، لیکن رفتہ رفتہ جب عراق میں مختار کا اثر نفوذ کرنے لگا، اس وقت احنف نے ابن زبیرؓ کے بھائی مصعب کے ساتھ مل کر مختار کے آدمیوں کا مقابلہ کیا[5]،

اسی زمانہ میں عبداللہ بن زبیرؓ کے اصل حریف عبدالملک اموی نے احنف کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی لیکن گذشتہ تجربات کے بعد سے یہ امویوں کے سخت خلاف ہوگئے تھے، اس لئے اونھوں

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۱۴، [2] اخبار الطوال ص ۲۴۶، [3] ایضاً ص ۲۸۱، [4] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۱۳، [5] اخبار الطوال ص ۳۱۲،

نہایت سخت جواب دیا، کہ ابن زرقا ر مجھے شامیوں کی دوستی کی دعوت دیتا ہے، خدا کی قسم میں چاہتا ہوں کہ میرے اور اس کے درمیان آگ کا پہاڑ حائل ہوجاتا، کہ نہ اس کے آدمی ادھر آسکتے، اور نہ میرے آدمی اودھر جاسکتے"[1]

وفات، عبداللہ بن زبیرؓ کے بھائی مصعب والی کوفہ کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے، احنف ان سے ملنے کے لئے کوفہ گئے یہیں انتقال ہوگیا[2]، ابن عماد حنبلی کے بیان کے مطابق ۶۷ھ سنہ تھا[3]،

فضل وکمال، علمی اعتبار سے احنف کوئی قابل ذکر شخصیت نہ رکھتے تھے، تاہم اکابر صحابہ کی صحبت اٹھائی تھی، اس لئے دولت علم سے بالکل تہی دامن نہ تھے، حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، اور حضرت ابوذرؓ جیسے اجلہ صحابہ سے انھوں نے سماع حدیث کیا تھا، اور اون سے ان کی روایات موجود ہیں، خود اون سے استفادہ کرنے والوں میں حسن بصری، ابو العلاء بن شخیر، اور طلق بن حبیب وغیرہ لائق ذکر ہیں[4]،

عقل ودانش، ان کی فضیلت کا میدان مسند علم کے بجائے خارزار سیاست تھا، وہ اپنے عہد کے بڑے عاقل مدبر، حکیم اور حلیم تھے[5]، اون کے بارہ میں لوگوں کی رائے تھی کہ کسی قوم میں احنف سے بہتر شریف نہیں دیکھا گیا[6]، جب اون کی وفات ہوئی تو مصعب نے کہا آج سے حزم اور رائے کا خاتمہ ہوگیا[7]،

عبادت وریاضت، عموماً دیکھا گیا ہے کہ غیر معمولی عقل ودانش اور تدبر کے ساتھ زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت کا اجتماع کم ہوتا ہے، لیکن احنف جس درجہ کے مدبر تھے، اسی درجہ کا ان میں زہد وتقویٰ تھا، اون کی عبادت کا خاص وقت پردۂ شب میں مستور تھا، جب دنیا خواب شیریں کے مزے لیتی تھی، اس وقت وہ اپنے رب کے حضور میں اظہار عبودیت کرتے تھے، اسی وقت وہ اپنے اعمال کا

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۶۸، [2] ایضاً ص ۶۹، [3] شذرات الذہب ج اول ص ۷۸، [4] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۹۱، [5] استیعاب ج اول ص ۵۵، [6] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۶۷، [7] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۹۱،

جائزہ بھی لیتے تھے، ابو منصور کا بیان ہے کہ احنف کی نماز کا وقت عموماً رات کو ہوتا تھا، وہ چراغ جلا کر اسکی لو پر انگلی رکھتے اور نفس سے خطاب کر کے کہتے "تجھ کو فلاں فلاں دن فلاں فلاں کام کرنے پر کس چیز نے آمادہ کیا"[1]

ضعف پیری میں جب کہ قویٰ روزے کے متحمل نہ رہ گئے تھے، ان کے ایک ملنے والے زید نے کہا کہ اب آپ کے قویٰ بہت ضعیف ہو گئے ہیں، روزے آپ کو اور زیادہ کمزور کر دیں گے، جواب دیا میں اس کو ایک بہت لمبے سفر کے لئے تیار کرتا ہوں[2]

قرآن کی تلاوت سے خاص شغف تھا، جب تنہائی ہوتی فوراً قرآن لے کر بیٹھ جاتے[3] ان عبادتوں پر بھی پورا اعتماد نہ تھا، خدا سے عرض کیا کرتے تھے، خدایا اگر تو میری مغفرت کر دے تو یہ تیری رحمت ہے، اور اگر سزا دے تو میں اس کا مستحق ہوں[4]

طہارت میں غلو طہارت میں اتنا اہتمام بلکہ غلو تھا کہ سخت سے سخت موسم میں بھی تیمم نہ کرتے تھے اور برف آلود پانی کی ٹھنڈک برداشت کر لیتے تھے، خراسان کی مہم کے زمانہ میں ایک شب کو نہانے کی حاجت ہو گئی، سردی کا موسم تھا، وہ بھی خراسان کی سردی رات بھی ٹھنڈی تھی، احنف نے کسی خادم اور سپاہی تک کو نہ جگایا، اور اسی وقت تن تنہا پانی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، راستہ میں کانٹے دار جھاڑیاں تھیں، ان کو روندتے ہوئے آگے بڑھے، کانٹوں کی خراش سے دونوں پاؤں لہو لہان ہو گئے بالآخر ایک برف کی تہ تک پہونچے اور اوس کو توڑ کر برف آلود پانی سے غسل کیا[5]

حق گوئی نہایت حق گو اور حق پرست تھے، سلاطین اور امرا کے سامنے بھی اون کی زبان اظہار حق میں باک نہ کرتی تھی، یزید کی ولیعہدی کے مسئلہ میں اظہار رائے کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے، ایک اور

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۶۷، [2] ایضاً ص ۶۸، [3] ایضاً ص ۶۷، [4] ایضاً ص ۶۸،

[5] ایضاً ص ۶۷،

کسی موقع پر اسی قبیل کا کوئی اختلافی مسئلہ پیش آیا تھا، اور لوگ اپنی اپنی رائے ظاہر کرتے تھے لیکن احنف خاموش تھے، امیر معاویہؓ نے اون سے کہا ابو بحر تم بھی کچھ بولو، اونھوں نے کہا کیا بولوں، اگر جھوٹ بولتا ہوں تو خدا کا خوف ہے، اور اگر سچ بولتا ہوں تو تم لوگوں کا ڈر ہے[۱]،

صفائے قلب ان کا دل نہایت صاف تھا جب تک کسی سے مخالفت کے اسباب رہتے تھے، اس وقت تک وہ مخالف رہتے تھے، اسباب مخالفت ختم ہو جانے کے بعد پھر دل میں کسی قسم کا غبار نہ رکھتے تھے، اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ وہ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے پر جوش حامیوں میں تھے، جنگ صفین کے اختتام کے بعد ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ان سے کہا کہ جب میں صفین کو یاد کرتا ہوں تو دل میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے، اونھوں نے جواب دیا، کہ جس دل سے میں تم لوگوں سے بغض رکھتا تھا اب وہ سینہ میں ہے، اور جس تلوار سے تم لوگوں سے جنگ کی تھی اب وہ میان میں ہے[۲]،

حلم ضبط و تحمل ان کا نمایاں وصف تھا علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ان کے مناقب بہ کثرت ہیں، انکا حلم ضرب المثل تھا[۳] لیکن خود ہمیشہ انکساراً کہتے تھے کہ میں حقیقۃً حلیم نہیں ہوں، بلکہ اپنے کو حلیم دکھانا چاہتا ہوں[۴]،

بعض اصول احنف کے بعض اصول ایسے تھے کہ وہ ہر شخص کے لئے لائق عمل ہیں، فرماتے تھے کہ میں تین کاموں کے کرنے میں زیادہ جلدی کرتا ہوں نماز پڑھنے میں جب اس کا وقت آجائے، جنازہ دفن کرنے میں، اور لڑکی کی شادی کرنے میں جب اوس کی نسبت ہو جائے[۵]،

اجمالی تبصرہ ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ سادات تابعین میں تھے، اون کا حلم مثالاً پیش کیا جاتا تھا حسن بصری فرماتے تھے کہ میں نے کسی قوم کے شریف کو احنف سے افضل نہیں پایا، اونھوں نے متعدد خلفاء کا عہد پایا تھا ان میں سے کسی خلیفہ نے ایک شخص سے ان کے اوصاف پوچھے، اوس نے

---

۱ ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۶۷، ۲ شذرات الذہب ج اول ص ۷۸، ۳ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۹۱، ۴ ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۶۷،
۵ ایضاً ص ۶۷،

کہا اگر آپ ایک وصف سننا چاہتے ہوں تو ایک بتاؤں، اگر دو چاہتے ہوں تو دو بتاؤں، اگر تین چاہتے ہوں تو تین بتاؤں، خلیفہ نے کہا دو بتاؤ، اس شخص نے کہا وہ بھلائی کرتے تھے، اور بھلائی کو پسند کرتے تھے، اور شر سے بچتے تھے، اور اس سے بغض رکھتے تھے، خلیفہ نے کہا اچھا تین اوصاف بتاؤ، اس شخص نے کہا کسی پر حسد نہیں کرتے تھے، کسی پر بیجا زیادتی اور ظلم نہیں کرتے تھے اور کسی کو اس کے حق سے نہیں روکتے تھے، خلیفہ نے کہا ایک وصف بیان کرو، اس شخص نے کہا کہ وہ اپنے نفس کے سب سے بڑے حکمراں تھے[۱]،

۴- اسمٰعیل بن ابی خالد احمسی

نام و نسب: اسمٰعیل نام، ابو عبداللہ کنیت، قبیلہ بجیلہ کی شاخ بنی احمس کے غلام تھے، اسی نسبت سے احمسی کہلاتے ہیں، ابن سعد کی روایت کے مطابق چھ[۲] صحابہ کو دیکھا تھا، انس بن مالک، ابن ابی اوفی، ابو کاہل، ابو جحیفہ، عمرو بن حریث، اور طارق بن شہاب[۳] اور ابو نعیم کی روایت کے مطابق بارہ کو[۴]۔

فضل و کمال: فضل و کمال کے اعتبار سے کبار تابعین میں ہیں، عامر کہتے تھے، انھوں نے علم کو پی لیا ہے[۵]، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق و جلالت پر سب کا اتفاق ہے[۶]،

حدیث: حدیث میں ان کا پایہ نہایت بلند تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ حجت تھے، متقن تھے، مکثر تھے، اور عالم تھے[۷]، تمام بڑے بڑے علماء ان کے حفظ حدیث کے معترف تھے، سفیان ثوری کہتے تھے کہ حفاظ ہمارے نزدیک چار ہیں، عبدالملک[۱] بن ابی سلیمان، اسمٰعیل[۲] بن ابی خالد، عاصم[۳] الاحوال اور یحییٰ[۴] بن سعید انصاری[۸] امام شعبی کے تمام ساتھیوں میں ابو حاتم ان پر کسی کو ترجیح نہیں دیتے تھے[۹]، اپنی صداقت کی وجہ سے

---

[۱] شذرات الذہب ج اول ص ۷۰، [۲] ابن سعد ج ۶ ص ۲۴۰، [۳] تہذیب التہذیب ج اول ص ۲۹۲، [۴] ابن سعد ج ۶ ص ۲۴۰، [۵] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۲۱، [۶] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۸، [۷] ابن سعد ج ۶ ص ۲۴۰، [۸] تہذیب التہذیب ج اول ص ۲۹۱،

میزان کہے جاتے تھے[1]،

صحابہ میں انھوں نے اپنے والد ابو خالدؓ اور ابو جحیفہؓ، عبد اللہؓ بن ابی اوفی، عمروؓ بن حریث اور ابو کاہلؓ سے سماع کیا تھا، اور غیر صحابہ میں زید بن وہب، محمد بن سعد، ابی بکر بن عمارہ، قیس بن ابی حازم، شبیل بن عوف، حارث بن شبیل، طارق بن شہاب اور شعبی وغیرہ سے،

ان سے روایت کرنے والوں میں شعبہ، دونوں سفیان، زائدہ، ابن مبارک، ہشیم، یزید بن ہارون اور یحییٰ القطان وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں[2]،

ابن مدائنی کے بیان کے مطابق ان کے مرویات کی تعداد تین سو ہے[3]، اور عجلی کے بیان کے مطابق پانسو کے قریب[4]،

عمل کا درجہ، علم کے ساتھ عمل کے لباس سے بھی آراستہ تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ باعمل علماء میں تھے[5]، ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ شیخ صالح تھے[6]،

کسب حلال، علمائے اسلام کا یہ خاص امتیاز رہا ہے، کہ انھوں نے علم کو کسب معاش کا ذریعہ نہیں بنایا، اسمٰعیل بھی انہی علماء میں تھے، اور آٹا پیسنے کی چکی چلا کر رزق پیدا کرتے تھے[8]،

وفات، ۱۴۶ھ میں وفات پائی[9]،

۵- اسود بن یزید

نام و نسب، اسود نام ابو عمر کنیت، والد کا نام یزید تھا، نسب نامہ یہ ہے، اسود بن یزید بن قیس بن عبد اللہ بن مالک بن علقمہ بن سلامان بن کہیل بن بکر بن عوف بن نخع نخعی،

---

[1] تہذیب الاسماء ص ۱۲۱، [2] تہذیب التہذیب ج اول ص ۲۹۱، [3] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۲۱، [4] تہذیب التہذیب ج اول ص ۲۹۲، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۸، [6] تہذیب التہذیب ج اول ص ۲۹۲، [7] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۸، [8] ابن سعد ج ۶ ص ۲۴۰

فضل وکمال | فضل وکمال اور زہد وعبادت کے لحاظ سے اسود کوفہ کے ممتاز ترین علما میں تھے حافظ ذہبی انھیں امام فقیہ، زاہد وعابد، اور کوفہ کا عالم لکھتے ہیں[1]، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے[2]،

حدیث | حدیث کے ممتاز حفاظ میں تھے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حذیفہؓ، ابو محذورہؓ، اور ابو موسیٰؓ جیسے اکابر کی صحبت اور ان سے استفادہ کا موقع ملا تھا[3]، حضرت عمرؓ اور عائشہؓ کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ زیادہ تعلقات تھے، حضرت عمرؓ کے ساتھ زیادہ رہتے تھے[4]، حضرت عائشہؓ سے عقیدت مندانہ تعلقات تھے[5]، مذکورہ بالا تمام بزرگوں سے انھوں نے روایتیں کی ہیں،

تلامذہ | ان کی ذات سے ان کا پورا گھرانا دولت علم سے مالا مال ہوگیا تھا، ان کے بھانجے ابراہیم نخعی، بھائی عبدالرحمٰن اور چچیرے بھائی علقمہ جو آسمانِ علم کے روشن ستارے تھے، ان ہی کے فیض یافتہ تھے، ان کے علاوہ غیر متعلق اشخاص میں عمارہ بن عمیر، ابواسحٰق سبیعی، ابوبردہ بن ابوموسیٰ، محارب بن دثار اور اشعث بن ابی الشعثاء وغیرہ نے ان سے سماعِ حدیث کیا تھا[6]،

فقہ میں | فقہ میں بھی پورا درک حاصل تھا، ابن حبان کا بیان ہے، کہ وہ فقیہ تھے[7]، حافظ ذہبی اور ابن حجر وغیرہ سب آپ کے تفقہ کے معترف ہیں،

عبادت وریاضت | علم سے بڑھکر آپ کا عمل یعنی زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت تھی تابعین کی جماعت میں آٹھ بزرگ زہد وعبادت میں زیادہ ممتاز اور مشہور تھے، ان میں ایک نام اسود کا تھا[8]،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۳، [2] تہذیب الاسماء ج اول قسم اول، ص ۱۲۲، [3] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۴۲، [4] ابن سعد ج ۶ ص ۴۸، [5] ایضاً ص ۴۹، [6] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۴۲، [7] ایضاً، [8] ابن عساکر ج ۳ ص ۱۶۸،

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ عبادت میں وہ بڑے درجہ پر تھے[۱]،

نماز نماز آپ کا سب سے دل پسند مشغلہ تھا، سات سو نفل روزانہ پڑھتے تھے[۲]، نماز ہمیشہ اول وقت ادا کرتے تھے، اس میں اس قدر اہتمام اور غلو تھا کہ خواہ کسی کام اور کسی حالت میں بھی ہوتے نماز کا وقت آتے ہی کام چھوڑ کر فوراً نماز ادا کرتے، ان کے سفر کے ہمراہیوں کا بیان ہے کہ سفر کی حالت میں بھی خواہ کیسے ہی دشوار گذار راستے سے جا رہے ہوں، نماز کا وقت آنے کے ساتھ سواری روک کر نماز پڑھتے، تب آگے بڑھتے[۳]،

روزے روزوں کے ساتھ بھی یہی شغف و انہماک تھا، قریب قریب ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے، ایسے سخت موسم میں بھی روزہ نہ چھوٹتا جب سرخ اونٹ جیسا قوی اور گرمی برداشت کرنے والا جانور گرمی کی شدت سے بے حال ہو جاتا ہے سفر میں بھی روزوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا، بعض اوقات سفر کی تکالیف اور پیاس کی شدت سے رنگ بدل جاتا تھا، اور زبان سوکھ کر سیاہ ہو جاتی تھی لیکن روزہ نہ چھوٹتا تھا، اس عبادت شاقہ کی وجہ سے ایک آنکھ جاتی رہی تھی، اگر لوگ کہتے کہ جسم کو اتنی تکلیف نہ دیجئے تو جواب دیتے تکلیف نہیں، بلکہ راحت پہنچانا چاہتا ہوں[۴]،

حج حج کے ذوق کا یہی حال تھا، آپ کے حجوں کی تعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کا شاید کوئی سال حج سے ناغہ نہیں ہوا، باختلاف روایت آپ کے حجوں اور عمروں کی مجموعی تعداد ستر سے اسّی تک ہے، کبھی کبھی ولولۂ شوق میں کوفہ ہی سے احرام باندھ کر "لبیک غفار الذنوب" اور لبیک وحنانیک کی صدا لگاتے ہوئے روانہ ہوتے تھے، لیکن یہ دائمی عمل نہ تھا، بلکہ مختلف اوقات میں مختلف مقامات میں احرام باندھنے کا ثبوت ملتا ہے، مکہ میں عموماً شب کے وقت داخل ہوتے تھے، آپ کو طواف کوے محبوب کے ساتھ ایسا والہانہ شغف تھا، اور اس بارہ میں اس قدر تشدد

۱؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۳، ۲؎ ایضاً، ۳؎ ابن سعد ج ۶ ص ۷۴، ۴؎ ایضاً ص ۴۸،

تھے کہ جو شخص حج کی استطاعت رکھتے ہوئے حج نہیں کرتا تھا اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھتے تھے[۱]،

تلاوتِ قرآن قرآن کی تلاوت کا ہمیشہ معمول تھا لیکن رمضان کے مہینہ میں قرآن کا ورد بہت بڑھ جاتا تھا، مغرب و عشا کے درمیان سو رہتے تھے، اس کے بعد اٹھ کر ساری رات قرآن پڑھتے تھے اور دو راتوں میں ایک قرآن ختم کر دیتے تھے[۲]،

اختلافِ مسلک اور اتحاد روابط آج ادنی سے اختلاف مسلک سے ہر قسم کے معاشری اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں، ان بزرگوں کا یہ اسوہ لائقِ تقلید ہے کہ اختلافِ مسلک کے باوجود ان میں باہم ربط قائم رہتے تھے، اسود حضرت عمرؓ کی خدمت میں زیادہ رہنے کی وجہ سے ان کے متبع تھے، اور علقمہ عبد اللہ بن مسعودؓ کے اصحاب میں تھے، لیکن جب دونوں میں ملاقات ہوتی تھی تو ادنی اختلاف بھی نہ ہوتا تھا[۳]،

وفات ۷۵ھ میں وفات پائی، معمولات کی پابندی میں یہ اہتمام تھا کہ مرض الموت میں بھی تلاوت قرآن میں فرق نہ آیا، چنانچہ اس وقت بھی جب جنبش کرنے کی سکت باقی نہ تھی، اپنے بھانجے ابراہیم نخعی کا سہارا لے کر قرآن پڑھتے تھے، دم آخر ہدایت کی کہ مجھے کلمہ طیبہ کی تلقین کرنا، تاکہ میری زبان سے آخری کلمہ لا الہ الا اللہ نکلے[۴]،

حلیہ اور لباس آخر عمر میں بال سفید ہو گئے تھے، سر اور داڑھی دونوں میں زرد خضاب کرتے تھے، اونچی ٹوپی پہنتے تھے، سیاہ رنگ کا عمامہ باندھتے تھے، اس کا شملہ پیچھے پڑا رہتا تھا[۵]۔

---

[۱] ابن سعد ج ۶ ص ۴۸ و ۴۹، [۲] ایضاً ص ۴۹، [۳] ایضاً ۴۸، [۴] ایضاً صفحہ ۵۰، [۵] ایضاً ص ۵۹،

اعمش (سلیمان بن مہران)

نام ونسب، سلیمان نام، ابو محمد کنیت، اعمش کے لقب سے زیادہ مشہور ہیں، ان کے والد کا نام مہران تھا، مہران عجمی النسل تھے، ان کا آبائی وطن طبرستان تھا، ایک روایت یہ ہے کہ مہران دیلم کے کسی معرکہ میں گرفتار ہوئے، دوسرا بیان یہ ہے کہ اعمش کو کوفہ کے بنی کاہل کے ایک شخص نے خریدا تھا، اور خرید کر آزاد کر دیا، بہرحال اتنا مسلم ہے کہ اعمش ابتدا میں غلام تھے، اور اس غلامی کی نسبت سے وہ کاہلی اور اسدی کہلاتے ہیں،

پیدائش، اعمش حضرت حسینؓ کی شہادت کے دن یعنی عاشورہ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے،[1]

فضل وکمال، اگرچہ اعمش کا آغاز غلامی سے ہوا، لیکن ان میں تحصیل علم کی فطری استعداد تھی، خوش قسمتی سے مرکز علوم کوفہ میں ان کی نشو ونما ہوئی، اس لئے آگے چل کر وہ کوفہ کی مسند علم وافتا کی زینت بنے، ان کے علمی اور عملی کمالات پر تمام ارباب سیر وطبقات کا اتفاق ہے، ابن حجر اور حافظ ذہبی ان کو عابد مرتاض علامۃ الاسلام وشیخ الاسلام کے لقب سے یاد کرتے ہیں،[2] عیسیٰ بن یونس کہتے تھے کہ ہم نے اور ہمارے قبل والے قرن کے لوگوں نے اعمش کا مثل نہیں دیکھا،[3]

ان کو جملہ مذہبی علوم میں یکساں کمال حاصل تھا، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ اعمش کتاب اللہ کے بڑے قاری، احادیث کے بڑے حافظ اور علم فرائض کے ماہر تھے،[4]

قرآن، قرآن کے ساتھ ان کو خاص ذوق تھا، اور علوم قرآنی میں وہ راس العلم شمار کئے جاتے تھے[5] ہشیم کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ میں اعمش سے بڑا قرآن کا قاری نہیں دیکھا،[6] قرآن کا مستقل درس

۱؎ طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۲۹ ۲؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۸ وتہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۳ ۳؎ تاریخ خطیب ج ۹ ص ۸ ۴؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۸، ۵؎ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۳ ۶؎ تاریخ خطیب ج ۹ ص ۱

دیتے تھے لیکن پھر آخر عمر میں کبرسنی کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا، لیکن شعبان میں تھوڑا قرآن ضرور سناتے تھے، قرأت میں وہ عبد اللہ بن مسعودؓ کے پیرو تھے، ان کی قرات اتنی مستند تھی کہ لوگ اس کے مطابق اپنے قرآن درست کرتے تھے[1]،

حدیث | حدیث رسول میں اون کے معلومات کا دائرہ نہایت وسیع تھا، حافظ ذہبی انھیں شیخ الاسلام لکھتے ہیں، ابن مدائنی کا بیان ہے کہ محمد صلعم کی امت میں چھ آدمیوں نے علم (حدیث) کو محفوظ کیا تھا، مکہ میں ابن دینار، مدینہ میں زہری، کوفہ میں ابو اسحٰق سبیعی اور اعمش اور بصرہ میں قتادہ اور یحیی بن کثیر نے[2]، ابوبکر عیاش کا بیان ہے کہ ہم لوگ اعمش کو سید المحدثین کہتے تھے[3]،

ان کی مرویات کی تعداد ہزاروں تک پہونچتی ہے، ابن مدائنی کے بیان کے مطابق اون کی تعداد تیرہ سو ہے[4]، اور بعض دوسری روایات کے مطابق چار ہزار، محدث زہری اہل عراق کے علم کے قائل نہ تھے، اسحٰق بن راشد نے ایک مرتبہ اون سے کہا کہ کوفہ میں اسد کا ایک غلام ہے، جس کو چار ہزار حدیثیں یاد ہیں، زہری نے تعجب سے پوچھا، چار ہزار!! اسحٰق نے کہا ہاں چار ہزار، اگر آپ کہیں تو میں اس کا کچھ حصہ لاکر آپ کے سامنے پیش کروں، چنانچہ اونھوں نے اعمش کی مرویات کا کچھ حصہ اون کے سامنے پیش کیا، زہری اوس کو پڑھتے جاتے تھے، اور حیرت سے اون کا رنگ بدلتا جاتا تھا، مجموعہ ختم کرنے کے بعد بولے خدا کی قسم اسے علم کہتے ہیں، مجھے یہ نہ معلوم تھا کہ کسی کے پاس اتنا علم محفوظ ہوگا[5]، شعبہ کہتے تھے کہ حدیث میں مجھ کو جو تشفی اعمش سے ہوئی وہ کسی سے نہیں ہوئی[6]، عبد اللہ ابن مسعود کی احادیث خصوصیت کے ساتھ ان کے حافظہ میں زیادہ محفوظ تھیں، قاسم بن عبد الرحمن کہتے تھے کہ کوفہ میں اعمش سے زیادہ عبد اللہ بن مسعود کی احادیث کا جاننے والا نہیں ہے[7]،

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۲۳۸، [2] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۳، [3] خطیب بغدادی ج ۹ ص ۱۱، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۴۲، [5] ابن سعد ج ۶ ص ۲۳۹، [6] تاریخ خطیب ج ۹ ص ۱۰، [7] ایضاً،

مرویات کا پایہ ان کی مرویات کمیت کی طرح کیفیت کے اعتبار سے بھی نہایت اعلیٰ درجہ کی تھیں، وہ اپنی صداقت اور روایتوں کے معیار کی بلندی کے اعتبار سے مصحف کہے جاتے تھے[1]، ابن عمار کہتے تھے کہ محدثین میں اعمش سے زیادہ اثبت کوئی نہیں[2]، جریر ان کی روایات کو دیبائے خسروانی کہتے تھے[3]

احتیاط اس علم کے باوجود وہ روایت حدیث میں بڑے محتاط تھے، اور زیادہ حدیث بیان کرنے کو اچھا نہ سمجھتے تھے، چنانچہ لوگوں سے کہتے تھے کہ جب تم لوگ (حدیث سننے کے لئے) کسی کے پاس جاتے ہو تو اس کو جھوٹ بولنے پر آمادہ کرتے ہو، خدا کی قسم یہ لوگ اشر الناس ہیں،

شیوخ و تلامذہ حدیث میں انھوں نے زیادہ تر عبداللہ بن مسعودؓ، ان کے بعد انس بن مالکؓ، عبداللہ ابن ابی اوفیٰ، زید بن وہب، ابووائل، ابو عمر شیبانی، قیس بن ابی حازم، اسمٰعیل بن رجاء، ابو صخرہ جامع بن شداد، ابو ذبیان بن جندب، امام شعبی، ابراہیم نخعی، اور مجاہد بن جبیر وغیرہ سے استفادہ کیا تھا، ان کے تلامذہ میں حکم بن عتیبہ، زبید الیامی، ابو اسحٰق سبیعی، سلیمان تیمی، سہیل بن ابو صالح، محمد ابن واسع، شعبہ، ابراہیم بن طہمان اور جریر بن حازم وغیرہ قابل ذکر ہیں،

محدثین کے مراتب پر نظر حدیث میں ان کے کمال کی ایک سند یہ بھی ہے کہ وہ اس عہد کے بڑے بڑے محدثین کے علم پر ناقدانہ نظر رکھتے تھے، اور ان کے نزدیک سب کا ایک خاص درجہ متعین تھا، ابوبکر بن عیاش کا بیان ہے کہ ہم لوگ اور محدثین کے پاس سے ہوکر آخر میں اعمش کے پاس جاتے تھے، وہ ہم سے سوال کرتے کس کے پاس سے آتے ہو؟ ہم بتاتے کہ فلاں شخص کے پاس سے، نام سن کر وہ کہتے وہ میٹھا ہوا طبل ہے، پھر پوچھتے ان کے بعد کہاں گئے، ہم لوگ بتاتے فلاں کے پاس، وہ کہتے وہ اڑنے والے طائر ہیں، پھر پوچھتے ان کے بعد ہم لوگ نام بتاتے، فرماتے وہ دف ہیں[4]،

۱؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۸، ۲؎ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۳، ۳؎ تاریخ خطیب ج ۹ ص ۱۰، ۴؎ ایضاً ص ۱۱

فقہ و فرائض | فقہ و فرائض میں بھی پورا درک رکھتے تھے، فقہا اون کو اپنا سردار کہتے تھے[1] فرائض میں خصوصیت کے ساتھ بڑی مہارت رکھتے تھے، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ وہ فرائض کے بڑے عالم تھے، ان سے پہلے ابراہیم فرائض کے عالم مانے جاتے تھے، اور لوگ اس فن میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے، ان کی وفات کے بعد اعمش کی ذات مرجوعہ بن گئی تھی[2]،

عبادت و ریاضت | اس علم کے ساتھ وہ عمل میں بھی یہی درجہ رکھتے تھے، یحییٰ قطان کا بیان ہے کہ وہ عابد و زاہد تھے[3]، یحییٰ بن سعید انھیں عُبّادِ وقت میں شمار کرتے تھے، خریبی کا بیان ہے کہ اعمش نے اپنے بعد کسی کو اپنے سے بڑا عبادت گذار نہیں چھوڑا[4]، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علم نافع اور عمل صالح دونوں کے سردار تھے[5]، نماز باجماعت میں یہ اہتمام تھا کہ ستر سال تک تکبیر اولیٰ تک قضا نہیں ہوئی[6]،

امرا سے استغنا اور بے نیازی | اعمش خاصان خدا اور صلحاے امت کی طرح دولت دنیا سے بالکل تہی دامن تھے، کھانے پینے کی طرف سے بھی اون کو پورا اطمینان نہ تھا، لیکن اس دنیاوی فقر و احتیاج کے باوجود امرا اور ارباب دول سے نہ صرف بے نیاز تھے بلکہ اون کو نہایت حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے، عیسیٰ بن یونس کا بیان ہے کہ اعمش کے فقر و احتیاج کے باوجود میں نے ان سے زیادہ امرا اور سلاطین کو کسی کی نگاہ میں حقیر نہیں پایا[7]، امام شعرانی لکھتے ہیں کہ اعمش کو روٹی تک میسر نہ تھی، لیکن اس کے باوجود ان کی مجلس میں اغنیا اور سلاطین سب سے بڑے فقیر معلوم ہوتے تھے[8]،

ان کی جرأت کا ایک واقعہ | امرا کے مقابلہ میں ان کی جرأت و بے باکی کا یہ واقعہ لائق ذکر ہے، خلیفہ ہشام نے ایک مرتبہ اون کو لکھا کہ میرے لئے عثمانؓ کے فضائل اور علیؓ کی برائیاں قلمبند کر دیجئے

---

[1] تاریخ خطیب ج ۹ ص ۸، [2] ایضاً ص ۹، [3] ایضاً ص ۸، [4] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۴
[5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۸، [6] تاریخ خطیب ج ۹ ص ۸ [7] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۴
[8] طبقات کبریٰ امام شعرانی ج اول ص ۳۸،

اونھوں نے شاہی قاصد کے سامنے اس خط کو بکری کو کھلا دیا اور قاصد سے کہا یہ تمھاری تحریر کا جواب ہے، جب قاصد نے زیادہ اصرار کیا تو یہ جواب دیا "بسم اللہ الرحمن الرحیم! اما بعد اگر عثمانؓ کی ذات میں ساری دنیا کے انسانوں کی خوبیاں جمع ہوں تو بھی اس سے تمھاری ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اور اگر علیؓ کی ذات میں دنیا بھر کی برائیاں مجتمع ہوں تو اوس سے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، تم کو صرف اپنے نفس کی خبر رکھنی چاہیے"[1]

فیاضی، اس فقر و احتیاج کے باوجود وہ بڑے فیاض تھے، ابوبکر بن عیاش کا بیان ہے، کہ ہم لوگ جب اعمش کے پاس جاتے تھے، تو ہم کو کچھ نہ کچھ کھلاتے تھے[2]

نفس کی تحقیر، ان ظاہری و باطنی کمالات کے باوجود وہ اپنی ذات کو بالکل حقیر اور ہیچ سمجھتے تھے چنانچہ وصیت کی تھی کہ "جب میں مرجاؤں تو کسی کو میری موت کی اطلاع نہ دی جائے، اور مجھ کو میرے رب کے پاس لیجا کر لحد میں پھینک دیا جائے میں اس سے بھی فروتر اور حقیر ہوں کہ لوگ میرے جنازہ میں شرکت کریں[3]"

وفات، باختلاف روایت ۱۴۷ھ یا ۱۴۸ھ میں وفات پائی،

۷- اویس بن عامر قرنی

نام و نسب، سید خیل تابعین حضرت اویس قرنی وطناً یمنی اور نسباً قبیلہ مراد سے تھے، ان کو بارگاہ رسالت سے غائبانہ "خیر التابعین" کا لقب ملا تھا، نسب نامہ یہ ہے اویس بن عامر بن جزء بن مالک بن عمرو بن سعد بن عصوان بن قرن بن دومان بن ناجیہ بن مراد بن مالک بن ادمرادی مذحجی،

حضرت اویس ان برگزیدہ وارفتگان محبت میں تھے، جن کی تخلیق ہی عشق و محبت کے

[1] شذرات الذہب ج اول ص ۲۲۱ [2] تاریخ خطیب ج ۹ ص ۱۱ [3] طبقات کبری امام شعرانی ج اول ص ۴۰،

خمیر سے ہوئی تھی، وہ نادیدہ جمال نبوی کے پروانوں میں تھے کہ

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد ، بسا کیں دولت از گفتار خیزد

انھوں نے اپنی ہستی کو راہِ خدا میں ایسا گم کر دیا تھا، کہ بعض ظاہر بیں نگاہوں میں ان کی شخصیت ہی مشکوک ہوگئی، جو اُن کا عین مدعا تھا، اگرچہ اویس عہدِ رسالت میں موجود تھے لیکن لقائے ظاہری سے محروم رہے، مگر عالمِ باطن کے قوانین اس دنیاے آب وگل کے قوانین سے ماورا ہیں، وہاں قرب و بعد منزل کا کوئی سوال نہیں چشمِ حقیقت نگر لاکھ حجابوں پر بھی محرومِ تماشا نہیں رہتی، ربط باطن بعد مسافت پر بھی کھٹک محسوس کرتا ہے، خود اس دنیاے آب وگل میں بھی ظاہری بعد اور دوری ایک بے حقیقت شے ہے، اصل شے قوتِ تاثیر اور جذب وکشش ہے، آفتاب کروروں منزلوں کی مسافت کے باوجود عالم کے ذرے ذرے کو منور کرتا ہے، قطراتِ شبنم اڑ کر آفتاب کی حرارت میں تحلیل ہو جاتے ہیں، موسم گل کی نکہت منزلوں تک کوہ و وادی کو معطر کر دیتی ہے، اس لئے اویس بھی بعد مسافت کے باوجود آفتابِ نبوت کی کرنوں سے مستنیر اور بہار مدینہ کی نکہت بار یوں سے مست و بیخود تھے، اگرچہ وہ یمن میں تھے لیکن اون کی محبت کی لہریں حجاز تک رواں دواں تھیں یہ صرف شاعری نہیں بلکہ حقیقت ہے، چنانچہ آنحضرت صلعم نے حضرت عمرؓ کو اس نادیدہ وارفتۂ محبت کی ایک ایک علامت بتادی تھی، صحیح مسلم میں ہے

حضرت عمرؓ سے غائبانہ تعارف اور ملاقات

کہ "خیر التابعین قبیلۂ مراد کا ایک شخص ہے اس کا نام اویس ہے وہ تمھارے پاس یمن کی امداد میں آئے گا، اس کے جسم پر برص کے داغ ہیں، سب مٹ چکے ہیں، صرف ایک درہم کے برابر باقی ہے، اس کے ماں بھی ہے جس کی وہ خدمت کرتا ہے، جب وہ خدا کی قسم کھاتا ہے تو اوس کو پوری کرتا ہے، اگر تم اس کی دعاے مغفرت لے سکو تو لینا"

اس نشان دہی کے بعد سے حضرت عمرؓ برابر اویس کی تلاش میں رہے، چنانچہ آپ کے

عہدِ خلافت میں جب یمن سے فوجی مدد آئی تو آپ تلاش کرتے کرتے اویسؓ کے پاس پہنچے، اور پوچھا
تم اویسؓ بن عامر ہو، اونھوں نے کہا ہاں، حضرت عمرؓ نے سوال کیا تمھارے کوئی ماں ہے، اونھوں نے
جواب دیا ہاں، ان ابتدائی علامات کو معلوم کرنے کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا" رسول اللہ صلعم
نے فرمایا ہے کہ تمھارے پاس اہل یمن کی مدد کے ساتھ قبیلہ مراد اور قرن کا ایک شخص اویس بن عامر
آئے گا جس کے جسم پر برص ہوگا لیکن ایک درہم کے برابر کے سوا سب مٹ چکا ہوگا، اس کے
ایک ماں ہوگی جس کے ساتھ وہ نیکی کرتا ہوگا، جب وہ خدا کی قسم کھاتا ہے تو اوس کو پوری کرتا ہے
اگر تم اس کی دعاے مغفرت لے سکنا تو لینا، اس لئے آپ میرے لئے دعاے مغفرت فرمائے"
یہ سن کر اویس نے حضرت عمرؓ کے لئے دعا کی، پھر آپ نے ان سے پوچھا اب کہاں کا قصد ہے،
اونھوں نے کہا کوفہ کا، حضرت عمرؓ نے فرمایا میں آپ کے متعلق وہاں کے عامل کے پاس لکھے دیتا
ہوں، اویس نے کہا "اس کی ضرورت نہیں مجھے عوام کے زمرہ میں رہنا زیادہ پسند ہے"

اس واقعہ کے دوسرے سال کوفہ کا ایک معزز شخص حج کے لئے آیا، حضرت عمرؓ نے اس سے
اویس کا حال پوچھا، اس نے بتایا کہ وہ نہایت تنگدست ہیں، ایک بوسیدہ جھونپڑے میں رہتے
ہیں، حضرت عمرؓ نے اس سے اویس کے متعلق آنحضرت صلعم کی حدیث بیان کی، یہ شخص واپس جاکر
اویس سے اپنے لئے دعاے مغفرت کا طالب ہوا، اونھوں نے فرمایا کہ تم ابھی تازہ تازہ ایک
مقدس سفر سے آرہے ہو، اس لئے تم میرے لئے دعا کرو، پھر پوچھا تم عمرؓ سے ملے تھے، اس نے
کہا ہاں، اس گفتگو کے بعد اویس نے اس شخص کے لئے دعاے مغفرت کی[1]

ہرم بن حیان اور اویس کی پراثر ملاقات کے حالات	اویس اپنے کو اہل دنیا سے چھپانے کے لئے نہایت خستہ حال رہتے تھے، اکثر بدن تک ڈھانکنے کے لئے کپڑا نہ ہوتا تھا، لوگ نرگا دیکھ

[1] یہ تمام واقعات مسلم کتاب الفضائل باب فضائل اویس قرنی سے ماخوذ ہیں،

دیکھ کر کیڑا اوڑھا دیتے، انکی ظاہری حالت پر بے بصر عوام اون کا مذاق اڑاتے اور انھیں پریشان کرتے،[1]

لیکن ارباب بصیرت کی نگاہوں سے وہ چھپ نہ سکے، ان کی شمیم روحانیت اہل دل اشخاص کو دور دور سے کھینچ بلاتی تھی ہرم بن حیان ایک صاحب دل تابعی ہیں، ان کی اور ان کی ملاقات کے واقعات نہایت پرتاثیر ہیں، یہ واقعات خود ہرم بن حیان کی زبان سے سنو، ان کا بیان ہے میں اویس قرنی کی زیارت کی تمنا میں کوفہ گیا، اور تلاش کرتے کرتے فرات کے کنارہ پہنچا، وہاں دیکھا کہ ایک شخص تنہا بیٹھا نصف النہار کے وقت وضو کر رہا ہے، اور کپڑے دھو رہا ہے، میں اویس کے اوصاف سن چکا تھا، اس لئے فوراً پہچان گیا، وہ ایک فربہ اندام اور سخت گندم گوں آدمی تھے، بدن پر بال زیادہ تھے، سر منڈا ہوا تھا، داڑھی گھنی تھی، بدن پر ایک صوف کا ازار اور ایک صوف کی چادر تھی، چہرہ بہت بڑا اور مہیب تھا، قریب پہنچکر میں نے سلام کیا، اویس نے جواب دیا، اور میری طرف دیکھ کر کہا، خدا تم کو زندہ رکھے، میں نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا، انھوں نے مصافحہ کرنے سے انکار کیا، اور پھر وہی کہا خدا تم کو زندہ رکھے، میں نے کہا، اویس تم پر خدا رحمت نازل کرے، اور تمھاری مغفرت فرمائے، تمھارا کیا حال ہے، غایت محبت میں اون کی ظاہری حالت پر میرے آنسو نکل آئے، مجھے روتا دیکھکر وہ بھی رونے لگے، اور مجھ سے فرمایا، ہرم بن حیان خدا تم پر رحم کرے، میرے بھائی تم کیسے ہو، تم کو میرا پتہ کس نے بتایا، میں نے کہا خدا نے، اس جواب پر اونھوں نے فرمایا "لا الہ الا اللہ سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا حین سمانی" ہرم بن حیان کہتے ہیں کہ اس سے پہلے نہ کبھی میں نے ان کو دیکھا تھا، اور نہ انھوں نے مجھے دیکھا تھا، اس لئے میں نے ان سے پوچھا آپ نے میرا اور میرے باپ کا نام کیسے جان لیا، خدا کی قسم آج سے پہلے کبھی میں نے آپ کو نہ دیکھا تھا، فرمایا علیم و خبیر نے مجھے بتایا، جب تمھارے نفس نے میرے نفس سے باتیں کیں، اسی وقت میری

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۱۴ و ۱۱۳،

میری روح نے تمہاری روح کو پہچان لیا، زندہ اور چلتے پھرتے لوگوں کی طرح روحوں کے بھی جان ہوتی ہے، مومنین خواہ کبھی آپس میں نہ ملے ہوں، اور نہ ان میں کوئی تعارف ہوا اور نہ باتیں کرنے کا اتفاق ہوا ہو لیکن وہ سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں، اور خدا کی روح کے وسیلہ سے باتیں کرتے ہیں، خواہ وہ ایک دوسرے سے کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں،

میں نے درخواست کی کہ آپ رسول اللہ صلعم کی کوئی حدیث سنائیے، تاکہ میں آپ کی زبان سے سن کر اس کو یاد کر لوں، فرمایا میں نے نہ رسول اللہ صلعم کو پایا، اور نہ آپ کی صحبت سے بہرہ ور ہوا، البتہ آپ کے دیکھنے والوں کو دیکھا ہے، اور تم لوگوں کی طرح مجھے بھی آپ کی حدیثیں پہنچی ہیں لیکن میں اپنے لئے یہ دروازہ کھولنا نہیں چاہتا کہ محدث، قاضی یا مفتی بنوں، ہرم بن حیان! مجھے خود اپنے نفس کے بہت سے کام ہیں، یہ جواب سن کر میں نے عرض کیا کہ پھر قرآن ہی کی کچھ آیات سنا دیجئے، مجھے آپ کی زبان سے قرآن سننے کی خواہش ہے، میں خدا کے لئے آپ کو محبوب رکھتا ہوں، میرے لئے دعا فرمائیے، اور کچھ وصیتیں کیجئے، تاکہ میں اون کو ہمیشہ یاد رکھوں، میری درخواست سن کر میرا ہاتھ پکڑ لیا، اور اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم پڑھ کر چیخ مار کر رونے لگے، اور فرمایا، میرے رب کا ذکر بلند ہو، سب سے زیادہ حق اس کا قول ہے، سب سے زیادہ سچی بات اس کی بات ہے، سب سے زیادہ اچھا کلام اس کا کلام ہے، یہ کلمات فرما کر ما خلقنا السموات والارض سے ھو العزیز الرحیم تک تلاوت کر کے چیخ مار کر ایسے خاموش ہوئے، کہ میں سمجھا بے ہوش ہو گئے، پھر مجھ سے فرمایا حرم بن حیان تمہارے باپ مر چکے، عنقریب تم کو بھی مرنا ہے، ابو حیان مر چکے، ان کے لئے یا جنت ہے یا دوزخ، ابن حیان آدم مر گئے حوا مر گئیں، ابن حیان نوح اور ابراہیم خلیل الرحمن مر گئے، ابن حیان موسی نجی الرحمن مر گئے ابن حیان داؤد خلیفۃ الرحمن مر گئے، ابن حیان محمد رسول الرحمن مر گئے، ابن حیان ابوبکر خلیفۃ المسلمین مر گئے،

ابن حیان میرے بھائی عمر بن الخطاب مرگئے، یہ کہہ کر واعمراہ کا نعرہ لگایا، اور اون کے لئے رحمت کی دعا کی، عمر فاروق اس وقت تک زندہ تھے، اور اون کی خلافت کا آخری زمانہ تھا، اس لئے میں نے کہا خدا آپ پر رحم کرے، عمر بن الخطاب تو زندہ ہیں، فرمایا ہاں، جو کچھ میں نے کہا ہے اگر تم اس کو سمجھو تو خود جان جاؤگے ہمارا تمھارا شمار مردوں ہی میں ہے، ہونے والی بات ہو چکی، اس کے بعد رسول اللہ صلعم پر درود بھیجا، اور چند مختصر دعائیں پڑھکر کہا حرم بن حیان کتاب اللہ، صلحاے امت کی ملاقات، اور نبی صلعم پر درود و سلام میری وصیت ہے، میں نے اپنی خبر موت دی، اور تمھاری خبر موت دی، آیندہ ہمیشہ موت کو یاد رکھنا، اور ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے غافل نہ ہونا، واپس جاکر اپنی قوم کو ڈرانا اور اپنے ہم مذہبوں کو نصیحت کرنا، اور اپنے نفس کے لئے کوشش کرنا، خبردار جماعت کا ساتھ نہ چھوڑنا ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں تمھارا دین چھوٹ جائے، اور قیامت میں تم کو آتش دوزخ کا سامنا ہو، پھر فرمایا "خدایا اس شخص کا گمان ہے کہ وہ تیرے لئے مجھ سے محبت کرتا ہے، اور تیرے لئے مجھ سے ملاقات کی، اس لئے خدایا جنت میں اس کا چہرا مجھے پہچنوانا، اور اپنے گھر دار السلام میں مجھے اس سے ملانا، وہ دنیا میں جہاں کہیں بھی رہے، اس کو اپنے حفظ و امان میں رکھ، اس کی کھیتی باڑی کو اس کے قبضہ میں رہنے دے، اس کو تھوڑی دنیا پر خوش رکھ اور دنیا سے تو نے جو حصہ اس کو دیا ہے، وہ اس کے لئے آسان کر، اور اپنے عطایا، اور نعمتوں پر اس کو شاکر بنا اور اس کو جزائے خیر دے" یہ دعائیں دیکر مجھ سے خطاب فرمایا کہ ہرم بن حیان اب میں تم کو خدا کے سپرد کرتا ہوں، اچھا سلام و علیک و رحمۃ اللہ اب میں تم کو آج سے نہ دیکھوں، میں شہرت ناپسند کرتا ہوں، اور تنہائی اور عزلت کو دوست رکھتا ہوں، جب تک میں دنیا میں لوگوں کے ساتھ زندہ رہوں گا، انتہائی غم و الم میں مبتلا رہوں گا، اس لئے آیندہ نہ تم مجھے پوچھنا اور نہ تلاش کرنا، تمھاری یاد میرے دل میں ہمیشہ رہے گی، لیکن اس کے بعد نہ میں تم کو دیکھوں گا، اور نہ تم مجھے دیکھ سکوگے، مجھے یاد کرتے رہنا، اور میرے لئے دعاے خیر کرنا،

میں بھی انشاء اللہ تم کو یاد اور تمھارے لئے دعاے خیر کرتا رہونگا یہ کہہ کر رخصت ہوکر وہ ایک سمت چلے میں بھی ساتھ ہو لیا، کہ ایک ساعت اور ساتھ رہ لوں لیکن اس پر بھی وہ راضی نہ ہوئے، اور ہم دونوں روتے ہوئے باہم جدا ہوگئے میں حد نظر تک دیکھتا رہا تا آنکہ وہ ایک گلی میں چلے گئے اس کے بعد میں نے اون کو بہت تلاش کیا، اور لوگوں سے پوچھا لیکن کسی سے کچھ سراغ نہ ملا، خدا ان پر رحمت نازل کرے، اور اون کی مغفرت فرمائے، اس ملاقات کے بعد سے کوئی ہفتہ ایسا نہیں جاتا کہ میں ان کو ایک دو مرتبہ خواب میں نہ دیکھتا ہوں[1]،

شہادت اویس کو جب تک ظاہر میں دنیا نے نہ پہچانا تھا، اس وقت تک وہ اہل دنیا میں نظر آتے تھے، لیکن جب سے ان کی حقیقت آشکارا ہوئی اس وقت سے وہ ایسے روپوش ہوئے کہ پھر کسی نے نہ دیکھا، اس کے بعد جنگ صفین میں ان کی شہادت کا پتہ چلتا ہے، اون کو راہ خدا میں شہادت کی بڑی تمنا تھی، اور اس کے لئے وہ دعا کیا کرتے تھے، خدا نے جنگ صفین میں یہ آرزو پوری کر دی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں شہادت پائی،

علم ظاہر اگرچہ اویس سرتاج تابعین ہیں، اور ان کی ذات جملہ فضائل و کمالات کی جامع تھی، لیکن اس کے باوجود علماے ظاہر کے زمرہ میں ان کا کہیں ذکر نہیں، حتیٰ کہ ان سے کوئی روایت تک مروی نہیں ہے، لیکن اس سے یہ قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کہ وہ علوم ظاہری سے بیگانہ تھے، ان کی ذات علم باطن کے ساتھ علم ظاہر کی بھی جامع تھی، اس کی ۲ دو وجہیں تھیں، سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ان کو اپنی اصلاح نفس، تزکیہ روح اور مجاہدات و ریاضیات سے اتنی فرصت نہ تھی کہ علم ظاہر کو مشغلہ حیات بناتے، اور حجرۂ عبادت سے نکل کر مسند علم پر بیٹھتے، دوسرے انھیں شہرت اور نمود سے اتنی نفرت تھی، کہ قاضی مفتی اور محدث کے لقب سے مشہور ہونا بھی پسند نہ کرتے

---

[1] یہ تمام حالات مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۶ و ۴۰۷ سے ماخوذ ہیں، ملخصاً اصابہ ج اول ص ۱۲۰ ،

تھے، جیسا کہ اونھوں نے خود ایک موقع پر فرمایا ہے، کہ مجھے رسول اللہ صلعم کی احادیث اسی طرح پہنچی ہیں جس طرح تم کو پہنچی ہیں لیکن میں اپنے اوپر اون کا دروازہ کھول کر محدث، قاضی اور مفتی بننا پسند نہیں کرتا، مجھے خود اپنے تزکیۂ نفس کے بہت سے کام ہیں[۱]، یا فرمایا کہ میں شہرت ناپسند کرتا ہوں، اور تنہائی اور عزلت کو دوست رکھتا ہوں، اور مسند علم پر بیٹھنے کے بعد نہ وہ شہرت سے بچ سکتے تھے، اور نہ ان کی عزلت نشینی قائم رہ سکتی تھی، اس لئے اونھوں نے سرے سے اس باب شہرت ہی کو بند رکھا،

علم باطن آپ کے کمالات کا منبع اور سرچشمہ کاغذ کے اوراق کے بجائے صحیفۂ قلب تھا، آپ کی ذات گرامی علوم باطن کا سرچشمہ تھی، اور تابعین میں خواجہ حسن بصری کے بعد آپ ہی کی ذات تصوف کا مرجع ہے، اور صوفیائے کرام کے بہت سے سلاسل آپ کی ذات تک منتہی ہوتے ہیں[۲]،

عبادت و ریاضت آپ نے راہ سلوک میں بڑے بڑے مجاہدات کئے، ساری ساری رات پلک سے پلک نہ ملتی تھی، معمول تھا کہ ایک شب قیام میں گذارتے تھے، دوسری رکوع میں اور تیسری سجدہ میں[۳]، اکثر رات کے ساتھ دن بھی عبادت ہی میں گذر جاتا تھا، ربیع بن خثیم کا بیان ہے کہ ایک دن میں اویس سے ملنے گیا، دیکھا کہ وہ فجر کی نماز میں مشغول ہیں، میں اس خیال سے کہ اون کی تسبیح و تہلیل میں حارج نہ ہوں اس سے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا، وہ ظہر کی نماز تک برابر مشغول رہے، پھر ظہر سے عصر تک اور عصر سے مغرب تک یہی حال رہا، میں نے خیال کیا کہ مغرب کے بعد شاید افطار کے لئے جائیں لیکن وہ برابر عشا تک مشغول رہے، پھر عشا سے صبح تک یہی کیفیت رہی، دوسرے دن نماز فجر کے بعد کچھ نیند کا غلبہ ہوا، لیکن پھر فوراً متنبہ ہو گئے، اور دعا کی کہ "خدایا میں سونے والی آنکھ اور نہ بھرنے والے پیٹ سے پناہ مانگتا ہوں"، یہ حال دیکھ کر میں نے کہا

---

[۱] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۴، [۲] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ شاہ ولی اللہ، [۳] ابن عساکر ج ۳ ص ۱۶۳ و تذکرۃ الاولیاء فرید الدین عطار ج اول

جو کچھ میں نے دیکھا ہے، اس قدر کافی ہے[1]،

ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ افطار کے لئے کچھ میسر نہ آتا تو کھجور کی گٹھلیاں چن کر بیچتے، اور اس کی قیمت سے قوتِ لایموت حاصل کرتے، اگر خشک خُرما مل جاتا تو اوس کو افطار کے لئے رکھ لیتے، اگر زیادہ مقدار میں مل جاتا، تو گٹھلیاں بیچ کر اس کی قیمت خیرات کر دیتے[2]

حلقۂ ذکر | کوفہ میں ذکر و شغل کا ایک حلقہ تھا جس میں بہت سے سالکین جمع ہوتے تھے، اویس بھی اس حلقہ میں شرکت کرتے تھے، اسیر بن جابر کا بیان ہے کہ ہم چند لوگ کوفہ میں ذکر و شغل کے ایک حلقہ میں جمع ہوتے تھے، اویس بھی ہمارے ساتھ شریک ہوتے تھے، اس حلقہ میں دلوں پر سب سے زیادہ اویس کے ذکر کا اثر پڑتا تھا[3]، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر و شغل نماز اور تلاوتِ قرآن تھی[4]،

زہدعن الدنیا | زہد کا یہ عالم تھا کہ گھر بار، لباس اور کھانے پینے وغیرہ جملہ علائقِ دنیاوی سے ہمیشہ آزاد رہے، ایک نہایت بوسیدہ اور شکستہ مکان میں رہتے تھے[5]، کھانے پینے کا یہ حال تھا کہ کبھی اونٹ چرا کر اور کبھی کھجور کی گٹھلیاں بیچ کر قوت لایموت حاصل کرتے تھے[6]، حضرت عمرؓ نے سلوک کرنا چاہا، مگر انکار کر دیا[7]، لباس میں ایک صوف کی چادر اور ایک صوف کا ازار ہوتا تھا[8]، اور اگر کبھی وہ بھی میسر نہ آتا تھا، لوگ ننگے بدن دیکھ کر چادر دیدیتے[9]، پیٹ کے کھانے اور بدن کے کپڑے کے علاوہ کوئی چیز پاس نہ رکھتے تھے، فرمایا کرتے تھے "خدایا میں تجھ سے بھوکے جگر اور ننگے بدن کی معذرت چاہتا ہوں، لباس جو میرے جسم پر اور غذا جو میرے پیٹ میں ہے اس کے علاوہ میرے

---

[1] ابن عساکر ج ۳ ص ۱۷۳، [2] تذکرۃ الاولیاء ج اول ص ۲۳، [3] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۴،
[4] ایضاً ص ۴۰۸، [5] ابن سعد ج ۶ ص ۱۱۳، [6] تذکرۃ الاولیاء فریدالدین عطار حالات اویس،
[7] ابن سعد ج ۶ ص ۱۱۳، [8] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۶، [9] ابن سعد ج ۶ ص ۱۱۴،

پاس کچھ نہیں ہے[۵۱]،

آپ کی اس مجذوبانہ شان کی وجہ سے ظاہر بیں عوام آپ کو ریاکار کہتے، اور راہ چلتے پریشان کرتے ایک مرتبہ آپ کپڑا نہ ہونے کی وجہ سے حلقۂ ذکر سے غیر حاضر ہو گئے، آپ کے شریک حلقہ اسیر بن جابر یہ سمجھ کر کہ آپ بیمار ہو گئے ہیں، آپ کے گھر پہنچے، اور کہا خدا تم پر رحم کرے تم نے ہمیں چھوڑ کیوں دیا، آپ نے جواب دیا میرے پاس چادر نہیں تھی اس لئے میں نہ آسکا، اسیر بن جابر کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے اپنی چادر ان کو دیدی، انھوں نے واپس کر دی، میں نے اصرار کیا، تو انھوں نے کہا اگر میں چادر لے کر اوڑھ لوں اور میرے ہم قوم مجھے دیکھ لیں تو کہیں گے اس ریاکار کو دیکھو ایک آدمی کے ساتھ لگ گیا، اور دھوکا دے کر اس کی چادر لے لی، لیکن میں نے اصرار کرکے چادر انھیں دیدی، اور کہا ہمارے ساتھ چلو دیکھو وہ لوگ کیا کہتے ہیں، چنانچہ وہ چادر اوڑھ کر ہمارے ساتھ ہو لئے، جیسے ہی ایک مجمع کے سامنے سے گذرے مجمع نے کہا ذرا اس ریاکار کو دیکھو ایک شخص کے ساتھ چمٹا رہا، اور دھوکا دیکر اس کی چادر لے لی، یہ الفاظ سن کر میں نے ان لوگوں سے کہا تم کو شرم نہیں آتی، خدا کی قسم میں نے جب انھیں چادر دینا چاہا، تو انھوں نے انکار کر دیا تھا[۵۲]، غرض وہ اپنی ظاہری حالت کی وجہ سے ہر قسم کا طعن وطنز اور تمسخر سنتے تھے اور اس کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے تھے، اور اسی عالم میں مست رہتے،

شہرت سے اجتناب آپ فنا کے اس درجہ پر تھے، جہاں شہرت نمود اور اہلِ دنیا سے اختلاط کی کوئی گنجایش نہیں، اس لئے شہرت اور ناموری سے بہت بھاگتے تھے[۵۳]، حضرت عمرؓ نے چاہا کہ والیِ کوفہ کے نام خط لکھ کر آپ کا تعارف کرا کے آپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی ہدایت کر دیں،

---

۵۱ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۵، ۵۲ ایضاً ص ۴۰۴، ۵۳ ایضاً ص ۴۰۴،

مگر آپ نے منظور نہ کیا، اور جواب دیا کہ میں زمرۂ عوام میں رہنا پسند کرتا ہوں[۱] آپ نہ صرف شہرت اور نمود ناپسند کرتے تھے، بلکہ لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے بھی گھبراتے، لیکن آپ کی عزلت پسندی زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی، آپ کی شمیم روحانیت نے خلق اللہ کو خود اپنی طرف متوجہ کرلیا اور لوگوں کا رجحان آپ کی طرف بڑھنے لگا، اسیر بن جابر بیان کرتے ہیں کہ میرے ایک ساتھی مجھے اویس کے پاس لے گئے، وہ دو رکعت نماز تمام کرنے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا، آپ لوگوں کا بھی میرے ساتھ عجیب معاملہ ہے، آپ لوگ میرے پیچھے پیچھے کیوں چلتے ہیں، میں ایک ضعیف انسان ہوں، میری بہت سی ضروریات ہیں، جنھیں میں آپ کی وجہ سے پوری نہیں کرسکتا، آپ لوگ ایسا نہ کیجئے، خدا آپ پر رحم کرے، اگر کسی کی مجھ سے کوئی ضرورت ہو تو وہ عشا کے وقت مل لیا کرے، اس مجلس میں تین قسم کے لوگ آتے ہیں، سمجھ دار مومن، بے سمجھ مومن، اور منافق، ان تینوں کی مثال درخت اور بارش کی سی ہے، اگر سرسبز و شاداب اور پھل دار درخت پر پانی برستا ہے تو اس کی تراوٹ و شادابی، اور حسن و خوبصورتی میں اور زیادہ اضافہ ہوتا ہے، اور اگر شاداب مگر بے پھل والے درخت پر برستا ہے، تو اس کے پتوں میں خوبصورتی پیدا ہوتی ہے، اور وہ پھل دینے لگتا ہے اور اگر خشک گھاس اور کمزور شاخ پر برستا ہے تو اسے توڑ پھوڑ ڈالتا ہے، یہ مثال دے کر یہ آیت پڑھی" وننزل من القرآن ما هو شفاء للناس ورحمة للمؤمنين ولا يزيد الظلمين الا خسارا[۲]۔

امر بالمعروف لیکن اس عزلت پسندی اور تنہا نشینی کے باوجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے کبھی غافل نہ رہے، اور اس کی ادائیگی میں ساری دنیا کو اپنا دشمن بنالیا،

ابو الاحوص روایت کرتے ہیں کہ میرے ایک ساتھی کا بیان ہے، کہ قبیلہ مراد کا ایک شخص

[۱] مسلم کتاب الفضائل فضائل اویس قرنی، [۲] اصابہ ج اول ص ۱۳۰،

اویس کے پاس گیا، اور سلام کے بعد پوچھا کہ اویس تمہارا کیا حال ہے، فرمایا الحمد للہ، پھر پوچھا زمانہ کا تمہارے ساتھ کیا طرز عمل ہے، فرمایا یہ سوال اس شخص سے کرتے ہو جس کو شام کے بعد صبح ملنے کا یقین نہیں، اور صبح کو شام ملنے کی امید نہیں، میرے مرادی بھائی موت نے کسی شخص کیلئے خوشی کا محل باقی ہی نہیں رکھا، مرادی بھائی، خدا کے عرفان نے مومن کے لئے چاندی سونے کی کوئی قیمت باقی نہیں رکھی، مرادی بھائی خدا کے کاموں میں مومن کے فرض کی ادائیگی نے اون کا کوئی دوست باقی نہیں چھوڑا ہے، خدا کی قسم چونکہ ہم لوگ لوگوں کو اچھے کاموں کی تلقین کرتے ہیں، اور برے کاموں سے روکتے ہیں اس لئے انھوں نے ہم کو اپنا دشمن سمجھ لیا ہے، اور اس میں اون کو فاسق مددگار مل گئے ہیں، جو ہم پر بڑی تہمتیں رکھتے ہیں، لیکن خدا کی قسم ان کا یہ رویہ مجھ کو حق بات کہنے سے باز نہیں رکھ سکتا،[۱]

شرکت جہاد، اگرچہ آپ گمنامی کی خاطر گوشہ عزلت سے قدم نہیں نکالتے تھے لیکن جہاد ایک بہت بڑی عبادت ہے، اس عبادت اور شرف سے محروم نہ رہے، اور اس کے لئے انھوں نے گوشہ عزلت کو چھوڑا، اگرچہ صحیح مسلم میں اس کی تصریح نہیں لیکن قیاس بلکہ یقین یہ ہے کہ حضرت عمرؓ سے آپ سے یمن کی جس امداد میں ملاقات ہوئی تھی، وہ یقیناً جنگی سلسلہ میں آئی ہوگی، اس کے علاوہ اصابہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ آذربیجان کے معرکہ میں شریک تھے،[۲]

ماں کی خدمت دنیاوی تعلقات میں اویسؓ کے لے دے کر ایک تنہا ماں تھیں، ان کی خدمت کو سب سے بڑی سعادت اور عبادت سمجھتے تھے، چنانچہ جب تک وہ زندہ رہیں اون کی تنہائی کے خیال سے حج نہیں کیا، اور انہی کی وجہ سے وہ جمال نبوی کے دیدار سے محروم رہے، ان کی وفات کے بعد فریضۂ حج ادا کرنے کا موقع ملا لیکن ان کے پاس کیا تھا، چند لوگوں نے سامان سفر پیش کیا

۱؎ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۴، ۲؎ اصابہ ج اول ص ۱۲۰، ۳؎ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۷،

اس وقت وہ فریضۂ حج سے فارغ ہو سکے[1]،

بعض اقوال، آپ کے بعض حکیمانہ اقوال حقیقت اور پند و موعظت سے لبریز ہیں، فرماتے تھے خدا کے کاموں میں ایسے رہو گویا تم نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا ہے[2]، لوگوں کے لئے غائبانہ دعا کرنا ان کی ملاقات سے بہتر ہے، کیونکہ اس میں کبھی نمائش اور ریا پیدا ہو جاتا ہے[3]،

بعض خاص فضائل، تابعین میں اویس کے بعض خاص فضائل ایسے ہیں جو مخصوص ان کا طغرائے امتیاز ہیں اور ان کے علاوہ وہ کسی کے حصہ میں نہیں آئے، آپ کی دستارِ فضیلت کا سب سے نمایاں طرہ سرکارِ رسالت کا عطا کردہ "خیر التابعین" کا لقب ہے، عبد اللہ بن ابی دفیٰ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم فرماتے تھے کہ میری امت کے ایک شخص کی شفاعت سے بنی تمیم کی بڑی تعداد جنت میں داخل ہو گی، حسن کے نزدیک اس سے مراد اویس قرنی ہیں[4]، اگرچہ اس قبیل کی روایات زیادہ لائق اعتبار نہیں ہوتیں، تاہم ان سے اویسؒ کے درجہ کا پتہ چلتا ہے،

اویس کی شخصیت میں شک کے اسباب، یہ عجیب حیرت انگیز امر ہے کہ "خیر التابعین" کے ان فضائل و مناقب اور اخلاقی و روحانی کمالات کے باوجود بعض ایسی روایتیں بھی ملتی ہیں جن سے ان کا وجود ہی مشتبہ ہو جاتا ہے، کہ اویس نام ان اوصاف کے کوئی تابعی تھے بھی یا نہیں، مثلاً ابن عدی کا یہ بیان کہ امام مالکؒ ان کے وجود کے منکر تھے، یا سمعانی کی یہ روایت کہ ابن حبان کا بیان ہے، کہ ہمارے بعض اصحاب ان کے وجود کے منکر تھے، یا عمرو بن مرہ، اور ابو اسحٰق سبیعی ان سے لاعلمی ظاہر کرتے تھے، یا امام بخاری کے نزدیک ان کے اسناد محلِ نظر ہیں،

لیکن دوسرے علما، و محدثین اور کتب احادیث و طبقات کے ان کثیر بیانات کے مقابلہ میں جن کے ہوتے ہوئے خیر التابعین کی شخصیت میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں رہتی، ان چند کمزور

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۴، [2] ایضاً ص ۳۰۵، [3] صفوۃ الصفوہ ص ۲۴، [4] اصابہ ج اول ص ۱۱۱ بحوالہ دلائل بیہقی،

روایتوں کی جن کی حقیقت آئندہ واضح کی جائے گی کوئی حیثیت نہیں، اس سلسلہ میں چند امور قابل غور ہیں، ایک یہ کہ جن روایات سے اویس قرنی کا وجود مشتبہ معلوم ہوتا ہے ان کی روایتی حیثیت کیا ہے؟ پھر انکی صحت کی صورت میں ان سے اویس کے عدم وجود کا نتیجہ نکالنا کہاں تک صحیح ہے، اور ان کے مقابلہ میں دوسرے علماء اور کتب احادیث و طبقات کی شہادت کیا ہے،

روایتی حیثیت سے اوپر کی تمام روایتیں ناقابل اعتماد ہیں، حافظ ابن حجر اور سمعانی نے اگرچہ یہ روایتیں نقل کی ہیں لیکن ان کی کوئی سند نہیں دی ہے اس لئے محدثانہ اصول سے وہ ساقط الاعتبار اور ناقابل استناد ہیں،

لیکن اگر انھیں صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی ان سے اویس قرنی کے نہ ہونے کا نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ جن جن لوگوں نے ان کے وجود میں شک ظاہر کیا ہے یا اس سے انکار کیا ہے وہ صرف اس بنا پر کہ انھوں نے اس عہد میں ان کا ذکر نہیں سنا، یا ان کے حالات انکے علم میں نہیں آئے لیکن ان میں سے ایک چیز بھی انکے نہ ہونے کا ثبوت نہیں،

اصولاً ہر زمانہ میں انہی اشخاص کے حالات کا لوگوں کو علم ہوتا ہے، جو کسی حیثیت سے نمایاں ہوتے ہیں عزلت نشین اور خاموش اشخاص سے واقفیت نہیں ہوتی خود صحابہ کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ ہر صحابی سے اس عہد کے لوگ واقف تھے یا ان سب کے حالات لکھے گئے عموماً انہی صحابہ کے حالات معلوم ہیں جنھوں نے کوئی علمی یا عملی کام کئے یا سلسلہ روایت میں کہیں ان کا نام آگیا ہے بعضوں کا صرف نام ہی معلوم ہے، اور کسی حالات کا علم نہیں، ایسی حالت میں گمنام تابعین کا کیا ذکر،

اس اصول کو پیش نظر رکھنے کے بعد اویس قرنی کے حالات پر نظر ڈالنی چاہئے، جیسا کہ اون کے اوپر کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف عملی دنیا سے الگ تھلگ اور گوشہ نشین تھے، بلکہ اپنے اخفا میں انکو اتنا اہتمام تھا کہ اہل دنیا کی نگاہوں سے چھپتے پھرتے تھے، اور اس کے لئے انھوں نے محدث اور مفتی بننا تک گوارا نہ کیا کہ اس صورت میں وہ مرکز توجہ ہو جاتے، اونھوں نے اپنی زندگی ایسی بنائی تھی کہ بعض خواص کے علاوہ

خود ان کے اہلِ وطن تک ان سے واقف نہ تھے اور جو لوگ جانتے بھی تھے وہ محض ایک شوریدہ مزاج سودائی کی حیثیت سے، ایسی حالت میں اس عہد کے بعض علما کا ان سے واقف نہ ہونا کوئی تعجب انگیز نہیں کہ علماء کی واقفیت کے لیے علمی اور عملی امتیاز ضروری تھا،

لیکن بہرحال ان کی شخصیت چھپنے والی نہ تھی، اسلئے بہت سے خواص پر انکی حقیقت آشکارا ہو گئی جیسکے حالات اوپر گذر چکے ہیں، پھر جب ہم کتب احادیث وطبقات پر نظر ڈالتے ہیں تو صحیح مسلم تک میں انکے مستقل فضائل ملتے ہیں بلکہ حدیث کی کتابوں میں ان کے حالات طبقات ورجال سے زیادہ ہیں، حدیث کی حسب ذیل کتابوں میں انکے حالات ہیں یا کسی نہ کسی حیثیت سے ان کا ذکر آیا ہے، مسند احمد بن حنبل، صحیح مسلم، دلائل بیہقی، حلیۃ الاولیاء ابو نعیم، مسند ابویعلی، مسند ابوعوانہ، مستدرک حاکم وغیرہ، ان میں سے اکثروں کے حوالہ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں دیئے ہیں، طبقات ورجال کی کتابوں میں ان کا ذکر کم ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان میں عموماً انہی لوگوں کے تفصیلی حالات ہیں جن کا تعلق علمی یا عملی دنیا سے رہا ہے، پھر بھی تہذیب التہذیب، میزان الاعتدال، لسان المیزان، طبقات ابن سعد، اصابہ اور اسد الغابہ میں انکے حالات ملتے ہیں، پھر جن علماء نے ان کے وجود کی انکار کی روایتیں نقل کی ہیں انھیں خود ان پر اعتماد نہیں ہے، اور وہ اویس قرنی کی شخصیت کو مانتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر امام مالک کے انکار کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ انکی (اویس قرنی) شہرت اور ان کے حالات اتنے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے ان کے وجود میں شک وشبہہ کی گنجائش نہیں[1] ان بیانات کے بعد اویس قرنی کی شخصیت میں کوئی شک وشبہہ نہیں رہ جاتا، تذکروں میں ان کے حالات بہت ملتے ہیں لیکن ان میں ہر قسم کی رطب ویابس روایتیں ہیں، اس لئے ہم نے تذکرۃ الاولیاء کے ایک دو بیانوں کے علاوہ انھیں ہاتھ نہیں لگایا ہے،

---

[1] اصابہ ج اول ص۱۱۹

۸- ایاس بن معاویہ

نام و نسب ایاس نام، ابو واثلہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، ایاس بن معاویہ بن قرہ بن ایاس بن ہلال بن رئاب بن عبید بن سواۃ بن ساریہ بن ذبیان بن ثعلبہ بن سلیم بن اوس بن مزینہ مزنی

فضل و کمال ایاس اس عہد کے مشہور قضاۃ میں تھے، جیسا کہ آئندہ چل کر معلوم ہوگا قضا میں انھیں بڑا کمال حاصل تھا،

حدیث حدیث میں ان کا کوئی قابل ذکر پایہ نہ تھا، لیکن اس سے بالکل تہی دامن بھی نہ تھے علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ لہ احادیث[۵۱]، حدیث میں انھوں نے اپنے والد معاویہ، انس بن مالک سعید بن مسیب، سعید بن جبیر اور ابی مجلز وغیرہ سے خوشہ چینی کی تھی، اور ایوب، داؤد بن ابی ہند، حمید الطویل، حماد، شعبان، شعبہ اور معاویہ بن عبد الکریم وغیرہ ان کے تلامذہ میں ہیں[۵۲]،

فقہ فقہ ان کا خاص فن تھا، اس میں وہ امتیازی پایہ رکھتے تھے، عجلی ان کو فقیہ لکھتے ہیں[۵۳]،

عہدۂ قضا، اپنے فقہی کمال کی وجہ سے وہ اموی دور میں بصرہ کے عہدۂ قضا پر مامور ہوئے، ان کے تقرر کے وقت حضرت حسن بصری ان کے پاس تشریف لے گئے، انھیں دیکھ کر ایاس رونے لگے[۵۴]

فہم و فراست، ایاس کو فہم و فراست سے نہایت غیر معمولی حصہ ملا تھا، وہ عقل و دانش کا مجسم پیکر تھے، ابن سعد لکھتے ہیں کان عاقلا من الرجال فطنا[۵۵]، ابن سیرین کے سامنے جب ان کا ذکر آتا تو کہتے تھے وہ مجسم فہم ہیں[۵۶]، ان کے عہد کے لوگ کہتے تھے کہ ہر صدی میں ایک بڑا عاقل پیدا ہوتا ہے

---

۵۱ ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۵، ۵۲ تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۰، ۵۳ ایضاً، ۵۴ ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۵

۵۵ ایضاً، ۵۶ تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۰،

اور اس صدی کے عاقل ایاس ہیں[1]، ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ ان کی ذکاوت اور فطانت ضرب المثل تھی، ابو تمام کا ایک شعر ہے[2]،

اقدام عمرو فی شجاعة عنتر　　فی حلم احنف فی ذکاء ایاس

ذہانت و ذکاوت کے بعض واقعات | قضاوت کا دارومدار بڑی حد تک ذہانت اور ذکاوت پر ہے اس لئے ایاس اس عہد کے ممتاز ترین قضاۃ میں تھے، اس موقع پر ان کی ذہانت کے بعض واقعات پیش کئے جاتے ہیں،

ایک مرتبہ کسی مقدمہ کے سلسلہ میں چار عورتیں اون کی عدالت میں آئیں، اونھوں نے ان کو دیکھ کر کہا کہ ان میں سے ایک حاملہ ہے، ایک دودھ پلاتی ہے، ایک شادی شدہ ہے اور ایک کنواری، لوگوں نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا ان کا قیاس صحیح تھا، ان سے پوچھا گیا آپکو اس کا کیسے اندازہ ہوگیا اونھوں نے کہا حاملہ جس وقت گفتگو کر رہی تھی تو اس کا کپڑا پیٹ سے اٹھ جاتا تھا، اس سے میں نے جانا کہ وہ حاملہ ہے، اور دودھ پلانے والی کی چھاتیاں ہلتی تھیں اس لئے میں نے قیاس کیا کہ وہ دودھ پلاتی ہے، شادی شدہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرتی تھی یہ اس کے شادی شدہ ہونے کا ثبوت تھا اور باکرہ آنکھیں نیچی کرکے باتیں کرتی تھی،

ایک دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک شخص کے پاس کچھ مال امانت رکھوایا تھا جب اوس نے واپس مانگا تو امانت دار نے انکار کر دیا، مال کے مالک نے ایاس کی عدالت میں دعویٰ کیا، ایاس نے کہا اس وقت لوٹ جاؤ اس واقعہ کو پوشیدہ رکھنا اس شخص کو یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ تم میرے پاس آئے تھے، دو دن کے بعد پھر آنا، اس کو لوٹا کر ایاس نے امانت دار کو

[1] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۰ [2] شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۶۰ [3] الطرق الحکمیہ ابن جوزی ص ۲۵ و ۲۶،

بلوایا، اور اس سے کہا کہ میرے پاس بہت سا مال آگیا ہے، میں اوس کو تمھارے پاس رکھوانا چاہتا ہوں تمھارا گھر محفوظ ہے، اس نے کہا ہاں، ایاس نے کہا تو مال رکھنے کے لئے کوئی جگہ منتخب کر لو، اور دو بار بردارے کر آؤ، اس گفتگو کے بعد ایاس نے مال کے مالک کو بلوا کر کہا کہ اب جا کر تم اوس شخص سے اپنا مال مانگو اگر دیدے تو فبہا ورنہ اس سے کہنا کہ میں جا کر قاضی کو اطلاع دیدوں گا، اس شخص نے جا کر کہا کہ میرا مال دو، ورنہ میں قاضی سے جا کر اطلاع دیتا ہوں، اس مرتبہ اس نے کل روپیہ واپس کر دیا، اور صاحب مال نے آکر قاضی ایاس کو اطلاع دیدی کہ میرا مال مجھ کو مل گیا، اس کے بعد سابق قرارداد کے مطابق وہ شخص ایاس کے پاس روپیے لینے کے لئے آیا، او نھوں نے اسکو ڈانٹ کر نکال دیا[1]۔

قضاۃ سے واقفیت، ہر شعبہ اور صنعت کے اشخاص کا اس شعبہ کے متعلق ایک کمال یہ بھی ہے، کہ وہ اپنے ہم پیشہ اشخاص کی خصوصیات پر پوری ناقدانہ نظر رکھتے ہوں، ایاس اس عہد کے تمام مفتیوں اور قضاۃ کے محاسن معائب اور خصوصیات سے پوری طور پر آگاہ تھے، حبیب بن شہید کا بیان ہے کہ ایک شخص ایاس کے پاس ایک مقدمہ میں مشورہ کے لئے آیا کہ وہ اس میں کس کی طرف رجوع کرے، اونھوں نے کہا اگر تم اس کا صحیح فیصلہ چاہتے ہو تو عبد الملک بن یعلی کے پاس جاؤ، وہ صحیح معنوں میں قاضی ہیں، اور اگر محض فتویٰ لینا ہے، تو حسن بصری کے پاس جاؤ، وہ میرے اور میرے باپ کے استاد ہیں، اور اگر صلح مقصود ہے تو حمید الطویل کی طرف رجوع کرو، وہ اس طریقے سے صلح کرا دیں گے، کہ تم سے کہیں گے کہ تم اپنے حق کا کچھ حصہ لو اور کچھ چھوڑ دو اور اگر مقدمہ بازی کرنا ہے تو صالح الدوسی کے پاس جاؤ، وہ تم کو رائے دیں گے کہ دوسرے کے حق سے بالکل انکار کر دو، اپنے حق سے زیادہ کا مطالبہ کرو اور جو لوگ موجود نہیں ہیں، ان کو گواہ بناؤ[2]۔

---

[1] الطرق الحکمیہ ابن قیم جوزی ص ۲۵ [2] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۰،

صحت عقائد اور مبتدعین سے مطالبہ، عموماً ذہانت اور ذکاوت جدت پسند ہوتی ہے، اور کبھی کبھی اس کا دائرہ تجدد عقائد و اعمال تک وسیع ہوجاتا ہے لیکن ایاس باایں ہمہ ذہانت عقائد میں جدت اختراع اور موشگافیوں کو سخت ناپسند کرتے تھے، بلکہ ان کی ذہانت اس قسم کے عقائد کی تردید میں صرف ہوتی تھی، وہ مبتدعین خصوصاً قدریوں سے مناظرہ کیا کرتے تھے، ان کا ایک مختصر مناظرہ لائق ذکر ہے، جس سے ان کی ذہانت کا بھی اندازہ ہوتا ہے، قدریہ کا عقیدہ ہے کہ خدا عادل ہے یہاں تک تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن یہ اصول ماننے کے بعد وہ ان افعال کو جو بظاہر ظلم معلوم ہوتے ہیں، خدا کی جانب منسوب نہیں کرتے بلکہ اس میں یہاں تک شدت برتتے ہیں کہ خدا کی قدرت مسلوب ہوجاتی ہے، اس مناظرہ کا واقعہ ایاس خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے مبتدع فرقوں میں اپنی پوری عقلیت سے صرف قدریہ سے مناظرہ کیا، میں نے ان سے پوچھا کہ ظلم کسے کہتے ہیں، انھوں نے کہا کسی کا ایسی چیز کو لے لینا جو اس کی نہیں ہے، میں نے کہا کہ خدا کی تمام چیزیں ہیں، یعنی جب وہ تمام چیزوں کا مالک ہوا تو پھر اس کے کسی فعل پر ظلم کا اطلاق صحیح نہیں ہے[۱]،

بعض اقوال، ان کے بعض اقوال نہایت دلچسپ ہیں، کہتے تھے کہ جس میں کوئی عیب نہیں وہ احمق ہے، کسی نے پوچھا آپ میں کیا عیب ہے، کہا فضول گوئی[۲]، کہتے تھے کہ میں نے انسان کی تمام فضیلتوں کو آزمایا ان سب میں اشرف زبان کی سچائی ہے[۳]،

وفات، ۱۲۲ھ میں وفات پائی[۴]،

---

[۱] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۱، [۲] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۵، [۳] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۹۱، [۴] ایضاً ص ۳۹۰،

۹ - ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی

نام ونسب | ایوب نام، ابوبکر کنیت، والد کا نام کیسان تھا، لیکن وہ کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، ایوب عنزہ کی غلامی میں تھے،

فضل وکمال | ایوب اگرچہ غلام تھے لیکن اقلیم علم وعمل کے تاجدار تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کان ثقۃ ثبتا فی الحدیث جامعا عدلا ورعا کثیر العلم حجۃ[۱] امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت، رون کی امامت ان کے حفظ، ان کی توثیق ان کے وفور علم، ان کی فہم اور ان کی سربلندی پر سب کا اتفاق ہے[۲]، ابن عماد حنبلی ان کو علماء اعلام میں لکھتے ہیں[۳]،

اکابر علماء کا اعتراف | ان کے عہد کے تمام اکابر علما ان کے علمی اور اخلاقی کمالات کے معترف اور ان کی جلالت شان پر متفق ہیں، شعبہ ان کو سید العلماء کے لقب سے ملقب کرتے تھے، ابن عیینہ کہتے تھے کہ میں چھیاسی[۶] تابعین سے ملا، مگر ان میں سے کسی کو ایوب کے مثل نہ پایا، حماد بن زید کا بیان ہے کہ انھیں جن جن محدثین اور علماء کے پاس بیٹھنے کا اتفاق ہوا، ایوب ان سب سے افضل اور پابند سنت تھے، ایوب جھبذ العلماء کہلاتے تھے، ہشام بن عروہ کہتے تھے کہ بصرہ میں ایوب کا مثل نہ تھا، حضرت حسن بصری ان کو نوجوانان بصرہ کا سردار کہتے تھے، ابن عون کہتے تھے کہ ابن سیرین کی موت کے بعد ہم لوگوں کے سامنے سوال پیدا ہوا کہ اب کون باقی رہ گیا؟ لیکن پھر خود ہی جواب مل گیا کہ ایوب موجود ہیں[۵]،

---

[۱] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱۴، [۲] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۱۳۱، [۳] شذرات الذہب ج اول ص ۱۸۰، [۴] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۱۳۲ و تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۱،

حدیث وہ بصرہ کے ممتاز ترین حفاظِ حدیث میں تھے، امام ذہبی لکھتے ہیں، کہ وہ حافظ اور اعلام میں تھے[۱]، حدیث میں اونھوں نے بڑے بڑے تابعین سے فیض پایا تھا، عمرو بن سلمہ جرمی، ابو رجاء عطاردی، ابو عثمان نہدی، ابو الشعثاء جابر بن زید، حسن بصری، ابن سیرین، سالم بن عبد اللہ، نافع بن ابی ملیکہ، ابن منکدر، حمید بن ہلال، ابو قلابہ جرمی، قاسم بن محمد، عبد الرحمن بن قاسم، عکرمہ اور عطاء وغیرہ جیسے اکابر علماء سے سماعِ حدیث کیا تھا، حدیث میں اون کی وسعت علم کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ ان کی مرویات کی تعداد آٹھ سو اور بعض روایات کے مطابق دو ہزار تک پہنچتی ہے[۲]،

امام مالک، سفیان ثوری، ابن علیہ، ابن ابی عروبہ، معمر، اعمش، قتادہ اور شعبہ وغیرہ جیسے اکابر علماء اور ائمہ آپ کے خوشہ چینوں میں تھے[۳]،

ارباب فن میں آپ کی مرویات کا پایہ، کیفیت کے اعتبار سے ان کی روایات کا جو پایہ تھا، اس کا اندازہ ذیل کے آراء سے ہو گا، ابو حاتم کا ان کی روایات کے متعلق خیال تھا کہ ان کے جیسے شخص کے متعلق کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں، ابن سیرین ان کو ثبت کہتے تھے، سلم بن ابی الذیال کا بیان ہے کہ میں نے ابن سیرین سے پوچھا کہ آپ سے فلاں فلاں حدیث کس نے بیان کی، انھوں نے جواب دیا، ثبت ثبت ایوب نے[۴]، ابن مدائنی، نسائی اور ابن خیثمہ وغیرہ سب ان کی روایات کو اعلیٰ درجہ کی سمجھتے تھے، شعبہ ان کی ان روایات کو جنمیں انھیں خود شک ہوتا، دوسروں کی یقینی اور غیر مشتبہ روایات پر ترجیح دیتے تھے، ایک مرتبہ انھوں نے ان سے ایک حدیث پوچھی، اونھوں نے جواب دیا مجھے اس میں شک ہے، شعبہ نے کہا آپ کا شک مجھے دوسروں کے یقین سے زیادہ پسند ہے[۵]،

۱؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۱، ۲؎ تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۶ و ۳۹۸ و تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۱۳۲، ۳؎ تہذیب التہذیب حوالہ مذکور، ۴؎ تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۱۳۱ و ۱۳۲ ۵؎ تہذیب ج اول ص ۳۹۸

فقہ فقہ میں بھی وہ پورا کمال رکھتے تھے، شعبہ انہیں سید الفقہاء کہتے تھے[1] لیکن انکی انتہائی احتیاط کی وجہ سے انکے کمالات فقہی ظاہر نہ ہو سکے

احتیاط ان محدثانہ اور فقہی کمالات کے باوجود وہ حدیث بیان کرنے اور فقہی مسائل بتانے میں بڑے محتاط تھے، حماد بن زید بیان کرتے ہیں کہ ایوب اور یونس سے زیادہ میں نے سوالات کے جوابات میں لاعلمی ظاہر کرنے والا نہیں دیکھا، جواب بھی دیتے تھے تو اس احتیاط کے ساتھ کہ جواب دینے سے پہلے سائل کے حافظہ کا امتحان کر لیتے تھے، کہ وہ ان کے جواب کو غلط نقل نہ کرے، حماد بن زید بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص ایوب سے کسی چیز کے متعلق پوچھتا تھا، تو پہلے اس کا سوال دہرواتے تھے، اگر وہ بعینہٖ پہلی مرتبہ کی طرح دہرا دیتا تو جواب دیتے، اور اگر ذرا بھی تغیر و تبدل اور خلط ملط کرتا تو جواب نہ دیتے[2] لیکن جوابات میں بھی اپنی رائے کو دخل نہ دیتے تھے، بلکہ صرف احادیث و سنن کا حکم بتا دیتے، اور اگر کوئی سند نہ ہوتی تو لاعلمی ظاہر کر دیتے، ایک مرتبہ ایک شخص نے کسی چیز کے متعلق سوال کیا، جواب دیا مجھے کوئی علم نہیں، سائل نے کہا اپنی رائے سے بتائیے، فرمایا میری رائے بھی کوئی نہیں ہے[3]

رائے کو وہ ایک باطل شے سمجھتے تھے، کسی نے ان سے کہا آپ مسائل میں رائے کیوں نہیں دیتے، آپ نے یہ تمثیلی جواب دیا کہ کسی نے گدھے سے کہا تم جگالی کیوں نہیں کرتے، اس نے کہا باطل شے کا چبانا پسند نہیں کرتا[4]

پندار علم کا خوف اور اس سے احتراز انسان کسی مرتبہ اور درجہ پر پہنچکر مشکل ہی سے عجب و غرور سے بچ سکتا ہے اس لئے ایوب ہمیشہ اس سے خائف رہتے تھے، چنانچہ کہا کرتے تھے، کہ کون انسان اس سے محفوظ رہ سکتا ہے، کہ ایک شخص جب حدیث بیان کرتا ہے اور قوم کے دل میں وہ ایک جگہ حاصل کر لیتا ہے اس وقت اس کے دل میں بعض چیزوں (عجب و غرور وغیرہ) کی آمیزش ہو جاتی ہے[5] لیکن ان کا دامن اس سے محفوظ تھا، علم کا ایک پندار یہ بھی ہے کہ صاحب علم اپنی لاعلمی

---

[1] تہذیب التہذیب ج اول ق ا صد ۱۳۱ [2] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۴ [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۸ [4] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۴ [5] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۴

دوسروں پر ظاہر نہ ہونے دے، اوپر گذر چکا ہے کہ وہ بہتیرے سائلوں کو صاف جواب دیتے تھے، کہ مجھے نہیں معلوم، بعض سائلوں سے کہدیتے، کہ کسی دوسرے صاحب علم سے پوچھ لو[1]،

اہل علم کی عزت، اہل علم کی بڑی عزت و محبت کرتے تھے خواہ وہ کیسی ہی معمولی حالت میں کیوں نہ ہو، اسکی وقعت میں فرق نہ آتا، ربیع بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایوب سختیانی کا ہم سفر تھا راستے میں ایک جسیم وضخیم شخص سے جس کے جسم پر نہایت موٹا لباس تھا ملاقات ہوئی، وہ ایوب کو پوچھ رہا تھا، میں نے ان کو اطلاع دی، کہ ایک شخص آپ کو تلاش کر رہا ہے، جیسے ہی ایوب نے اس شخص کو دیکھا دوڑ کر گلے لپٹ گئے، لوگوں نے پوچھا یہ کون شخص ہے، معلوم ہوا سالم بن عبد اللہ ہیں[2]،

زہد وعبادت، ایوب میں جس درجہ کا علم تھا، اس سے کچھ بڑھ کر زہد وتقویٰ تھا، امام مالک کا بیان ہے کہ وہ علمائے باعمل صاحب خشوع بڑے عبادت گذار اور اخیار لوگوں میں تھے[3]، چالیس مرتبہ حج کے شرف سے مشرف ہوئے[4]،

عبادت کا اخفا، لیکن ہمیشہ عبادت و ریاضت کو چھپاتے تھے، فرماتے تھے کہ آدمی کے لئے اپنے زہد کا چھپانا ظاہر کرنے سے بہتر ہے[5]، ساری ساری رات عبادت کرتے تھے لیکن لوگوں سے چھپانے کے لئے صبح کو اس طرح آواز بلند کرتے کہ سننے والوں کو معلوم ہو کہ ابھی سو کر اٹھے ہیں[6]،

ذات نبوی سے عقیدت ومحبت، ذات نبوی کے ساتھ ایسی والہانہ شیفتگی تھی کہ حدیث نبوی کو سن کر ایسا زار زار روتے کہ دیکھنے والوں کو رحم آجاتا[7]، امام مالک کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ ان کے اجلال کو دیکھ کر ان سے حدیثیں لکھنی شروع کر دی تھیں[8]،

اتباع رسول، محبت رسول کے غلبہ کی وجہ سے اتباع سنت میں بڑا اہتمام تھا، حماد بن زید بیان کرتے

---

۱ ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۴، ۲ ایضاً ص ۱۵، ۳ تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۸، ۴ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۰،
۵ ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۷، ۶ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۰، ۷ ایضاً، ۸ تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۷،

ہیں کہ جن جن لوگوں کے پاس میں بیٹھا ان سب میں زیادہ افضل اور متبع سنت ایوب کو پایا۔[1]

شہرت سے نفرت اور اہل دنیا سے اجتناب

ان اوصاف اور کمالات کی وجہ سے انکی ذات مرجع خلائق بن گئی تھی، لیکن ان کو دنیا، اہل دنیا اور شہرت و نمود سے اس قدر اجتناب تھا کہ وہ سب سے بھاگتے تھے، چنانچہ عام مجموں اور لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لئے عام اور مالوف راستوں کو چھوڑ کر نامانوس اور دور دراز راستوں سے نکلتے تھے، حماد بن زید بیان کرتے ہیں کہ راہ چلنے میں ایوب مجھے دور کے راستوں سے لیجاتے، ان کو قریب کا راستہ بتاتا تو وہ کہتے میں ان مجالس سے بچنا چاہتا ہوں، ایک دوسری روایت میں حماد بیان کرتے ہیں کہ ایوب مجھے ایسے راستوں سے لیجاتے کہ انکی تلاش پر تعجب ہوتا اور یہ محض اس سے بچنے کے لئے کہ ان پر لوگوں کی نظر نہ پڑنے پائے، لیکن جب کسی کا سامنا ہو جاتا، تو خود سلام میں پیش قدمی کرتے، ان کی شخصیت کی وجہ سے لوگ ان کے سلام کے جواب میں بہت کچھ اضافہ کرتے، ان کو یہ امتیاز بھی گوارا نہ تھا، چنانچہ ان کے جوابات سن کر فرماتے، خدایا تو خوب جانتا ہے کہ یہ میری خواہش نہیں ہے، خدایا تو خوب جانتا ہے، کہ یہ میری خواہش نہیں ہے،

لوگوں کی نظر بچانے کے لئے وہ اکثر دوسروں کو اپنے ساتھ چلنے کی اجازت نہ دیتے، شعبہ بیان کرتے ہیں، کہ بسا اوقات میں اپنی ضرورت سے ان کے ساتھ جانا چاہتا تو وہ مجھے اجازت نہ دیتے، اور گھر سے نکل کر مختلف گلیوں میں ادھر ادھر نکل جاتے "تاکہ لوگ انھیں جاننے نہ پائیں"[2]

لوگوں کی نگاہ سے بچنے کے لئے اپنے طبقہ کی مالوف وضع چھوڑ دی تھی، تاکہ لوگوں کی نظر نہ پڑنے پائے، اس زمانہ کے عابدوں اور زاہدوں کے پیراہن کا دامن چڑھا رہتا تھا، اور یہ ان کا امتیازی نشان تھا، اس لئے وہ اپنے پیراہن کا دامن لٹکاتے تھے، معمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایوب کی قمیص کا دامن لٹکتا ہوا دیکھ کر ان پر اعتراض کیا، انھوں نے کہا، ابو عروہ اگلے زمانہ میں دامن لٹکا کر

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۱۳۲، [2] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱۵ و ۱۶

چلنے میں شہرت تھی، اور اب سمٹ کر چلنے میں ہے[1]

ارباب دول و ثروت سے گریز ارباب دول سے ملنے میں خصوصیت کے ساتھ بہت گریز کرتے تھے، وہ اپنے گھر میں خلفاء و سلاطین تک کے آنے کے روادار نہ تھے، فرماتے تھے کہ مجھے اپنا لڑکا بکر دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے لیکن مجھ کو اسے دفن کر دینا پسند ہے لیکن خلفاء کا میرے پاس آنا پسند نہیں ہے،

خوش اخلاقی اوپر کے واقعات سے یہ اندازہ نہ کرنا چاہئے کہ وہ مردم بیزار اور کج خلق تھے، وہ صرف اپنے کو چھپانے کے لئے لوگوں سے میل جول میں احتراز کرتے تھے، ورنہ اس سے الگ ہو کر وہ نہایت خوش خلق تھے حماد بن زید کا بیان ہے کہ میں نے ایوب سے زیادہ کسی کو لوگوں سے تبسم اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے نہیں دیکھا، بلا ضرورت ان سے ملنے والوں پر تو یہ اثر پڑتا تھا کہ ایوب انھیں پہچانتے ہی نہیں لیکن جب کوئی بیمار ہوتا، یا کسی کے یہاں موت ہو جاتی تو وہ عیادت اور تعزیت کے لئے جاتے، اس وقت معلوم ہوتا کہ وہ شخص ان کی نگاہ میں سب سے زیادہ معزز اور محترم ہے، ایسے مواقع پر وہ نہایت معمولی معمولی درجہ کے آدمیوں کے یہاں بھی ضرور حاضری دیتے تھے یعلی بن حکیم نامی ایک غلام ان کا ہم محلہ تھا وہ مر گیا، اس کے صرف ایک ماں تھی، ایوب اس کے یہاں تین دن تک برابر گئے، اور اس کے دروازے پر بیٹھتے تھے[2]،

وفات سنہ ۱۳۱ھ میں بصرہ میں طاعون کے مرض میں وفات پائی، ۶۳ سال کی عمر تھی، ایک سرخ چادر انھوں نے عرصہ سے کفن کے لئے مخصوص کر دی تھی، اور اوس کو وہ احرام کی حالت میں، اور رمضان کی ستائیسویں شب کو اوڑھتے تھے لیکن یہ چادر مرنے سے پہلے چوری ہو گئی تھی[3]،

حلیہ سر پر پٹے تھے جو سال میں ایک مرتبہ (غالباً حج کے موقع پر) منڈا دیا کرتے تھے، سر اور داڑھی دونوں کے بال سپید ہو گئے تھے، ان میں کبھی کبھی سرخ خضاب کرتے تھے،

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۵، [2] ایضاً ص ۱۶، [3] ایضاً ص ۱۶ و ۱۷،

۱۰۔ بسر بن سعید

نام ونسب، بسر نام، والد کا نام سعید تھا، حضرمیوں کے غلام تھے، مدینۃ الرسول میں بنی جدیلہ کے محلہ میں رہتے تھے، زہد وورع کے اعتبار سے مدینہ کے ممتاز بزرگوں میں تھے،

فضل وکمال، علمی اعتبار سے ان کا شمار علماء ربانیین میں تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں بسر بن سعید العالم الربانی المجاب الدعوۃ احد التابعین[1] حدیث رسول کی معتدبہ تعداد ان کے حافظہ میں محفوظ تھی، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقۃ کثیر الحدیث[2]، حدیث میں وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رض زید بن ثابت رض، عبداللہ بن عمر رض اور سعد بن مالک رض جیسے اجلہ صحابہ سے فیضیاب ہوئے تھے، اور سالم ابوالنصر بکر بن الاشج، محمد بن ابراہیم، یعقوب بن اشج، ابوسلمہ بن عبدالرحمن اور یزید بن خصیفہ وغیرہ ان کے خوشہ چینوں میں تھے[3]،

زہد وورع، ان کے دستار فضیلت کا نمایاں طرہ زہد وورع تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کان بسر من العباد المنقطعین واھل الزھد فی الدنیا[4] ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں، بسر بن سعید المدنی الزاھد العابد المجاب الدعوۃ[5]،

حضرت عمر بن عبدالعزیز پر اثر، ان کے زہد وورع کے بڑے بڑے اتقیاء اور صلحائے امت معترف تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے بزرگ انہیں تمام اہل مدینہ سے افضل سمجھتے تھے ایک مرتبہ ولید بن عبدالملک نے ان سے پوچھا کہ اہل مدینہ میں سب سے افضل کون ہے، فرمایا بنی حضرمی کا غلام بسر[6]،

---

[1] دول الاسلام ذہبی ج اول ص ۵۱ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۲۰۸، [3] تہذیب التہذیب ج اول ص ۴۳۷، [4] ابن سعد ج ۵ ص ۲۰۸، [5] شذرات الذہب ج اول ص ۱۱۸، [6] تہذیب التہذیب ج اول ص ۴۳۷،

وفات | سنہ میں مدینۃ الرسول میں وفات پائی، انتقال کے وقت اٹھتر سال کی عمر تھی، زہد کا یہ عالم تھا کہ مرتے وقت کفن تک نہ چھوڑا، اسی زمانہ میں عبد الملک کے لڑکے عبد اللہ کا انتقال ہوا تھا اس نے اسّی مد سونا چھوڑا، حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس تفاوت راہ پر فرمایا کہ اگر دونوں کے جانے کی جگہ ایک ہوتی تو میں دنیا میں عبد اللہ کی جیسی عیش و آرام کی زندگی پسند کرتا، اس تعریض پر عبد اللہ کے بھائی مسلمہ نے کہا امیر المومنین آپنے اپنے خاندان پر چوٹ کی، فرمایا میں صاحب فضل کی فضیلت کا ذکر نہیں چھوڑ سکتا[1]

۱۱ بکر بن عبد اللہ مزنی

نام ونسب، | بکر نام، باپ کا نام عبد اللہ تھا، نسبی تعلق قبیلہ مزینہ سے تھا،

فضل وکمال، | بکر علماء بصرہ میں تھے، اور اپنے علمی کمالات کی وجہ سے "شیخ البصرہ" حضرت حسن کے مقابلہ میں ان کا لقب "فتی البصرہ" تھا[2]

حدیث، | حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقۃ ماموناً ثبتاً ماموناً کثیر الحدیث حجۃ[3] صحابہ میں انھوں نے عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، اور مغیرہ بن شعبہؓ اور تابعین میں ابو رافع صائغ، ابو تمیمہ جہمی وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا، ثابت البنانی، سلیمان تیمی قتادہ، غالب القطان، عاصم الاحول، سعید بن عبد اللہ اور مطر الوراق ان کے تلامذہ ہیں، ان کی مرویات کی تعداد پچاس تک پہنچتی ہے[4]

فقہ، | فقہ میں بھی انھیں درک تھا، علامہ ابن سعد ان کے حفظ حدیث کے ساتھ انھیں فقیہ

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۲۰۸، [2] ایضاً ج ۷ ق اول ص ۱۵۲، [3] ایضاً، [4] تہذیب التہذیب ج اول ص ۴۸۴،

بھی لکھتے ہیں[۱]،

عہدۂ قضائی پیشکش سے انکار | ان کے فقہی کمال کی وجہ سے عہدۂ قضا ان کے سامنے پیش کیا گیا، مگر یہ اوس کی ذمہ داریوں سے بہت گھبراتے تھے، اس لئے قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، اور یہ معقول منطقی دلیل پیش کی کہ "خدائے وحدہ لاشریک کی قسم مجھے قضا میں کوئی درک نہیں ہے، اگر میں سچ کہتا ہوں تو ظاہر ہے کہ اس عہدہ کا اہل نہیں اور اگر غلط کہتا ہوں تو جھوٹا شخص قاضی بنائے جانے کے لائق نہیں[۲]،

مبتدعانہ عقائد سے نفرت | عقائد میں بکر صحابۂ کرام کے صاف اور سادہ عقیدہ کے پابند تھے، عقلی موشگافیوں کو سخت ناپسند اور جدت طرازیوں سے سخت نفرت کرتے تھے، اس زمانہ میں قدر کا مسئلہ چھڑ چکا تھا، اگر بکر اس کا ذکر بھی سن لیتے، تو اس کے کفارہ میں دو رکعت نماز ادا کرتے تھے[۳]،

فارغ البالی اور تحدیث نعمت | خدا نے بکر کو دنیاوی حیثیت سے بہت فارغ البال بنایا تھا، اور وہ تحدیث نعمت کے لئے امیرانہ اور عیش و راحت کی زندگی بسر کرتے تھے، خوش لباسی کے بڑے شایق تھے، چار چار ہزار تک کی قیمت کا لباس استعمال کرتے تھے، مزاج میں نفاست اتنی تھی کہ اس کے خلاف ادنیٰ سی بات بھی گوارا نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ چار سو کی ایک چادر خریدی، درزی نے لباس قطع کرنے کے لئے اس پر مٹی سے نشان لگانا چاہا، بکر نے روک دیا اور کافور پسوا کر اس سے نشان لگوایا[۴]،

فروتنی اور تواضع | لیکن اس امارت میں عجب و غرور مطلق نہ تھا، بلکہ اس قیمتی ملبوس میں وہ بے تکلف غرباء کے مجمعوں میں حدیث سنانے کے لئے چلے جاتے تھے[۵]،

بارگاہ ایزدی میں الحاح | اس فراغت و اطمینان کی حالت میں بھی وہ اپنے کو خدا کی بارگاہ کا ایک گدائے بے نوا سمجھتے تھے اور ہمیشہ اسکے فضل و کرم کے طالب رہا کرتے تھے، چنانچہ دعا کیا کرتے تھے،

---

[۱] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۵۲، [۲] ایضاً ص ۱۵۲، [۳] ایضاً ص ۱۵۲، [۴] ایضاً ص ۱۵۲ و ۱۵۳، [۵] ایضاً

خدایا مجھے اپنے فضل و کرم سے رزق عطا فرما تاکہ میں اور زیادہ شکر گذار ہوں صرف تیری ہی احتیاج ہے، تیرے ماسوا سے استغنا ہے، خدایا نہ میری امیدیں اور آرزوئیں میرے اختیار میں ہیں، اور نہ ناپسندیدہ باتوں کا روکنا میرے بس میں ہے، میرے تمام معاملات کسی اور کے ہاتھوں میں ہیں، دنیا میں کوئی محتاج مجھ سے زیادہ محتاج نہیں، یہ دعا کرکے فرماتے اے ابن آدم ایسی امید و آرزو نہ کر جو خدا کی تدبیر سے بے خوف نہ کردے، اور ایسا خوف و ہراس طاری کر جو خدا کی رحمت سے مایوس نہ کردے[1]

شرط رفاقت | آپ کے بعض اصول ہر شخص کے لئے لائق عمل ہیں، شرط رفاقت کے سلسلہ میں فرماتے تھے کہ اگر تمھارے ساتھی کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے اور تم اسکا اتنا بھی انتظار نہ کرو کہ وہ اپنا تسمہ درست کرے، یا وہ پیشاب کے لئے بیٹھے اور تم اس کے فارغ ہونے کا انتظار نہ کرو، تو تم اس کے ساتھی نہیں ہو[2]

زیادہ باتیں مضر ہیں | فرماتے تھے زیادہ باتیں نہ کیا کرو، اگر تم نے صحیح اور درست باتیں کیں تو اس کا کوئی ذخیرہ نہ ملے گا، اور اگر غلط کیں تو تم سے ان کا مواخذہ ہوگا[3]

وفات | سنہ ۱۲۳ھ میں بصرہ میں وفات پائی، مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جنازہ پر خلقت ٹوٹی پڑتی تھی[4]

۱۴- ثابت بن اسلم بنانی

نام و نسب | ثابت نام ابو محمد کنیت، نسباً قریش کی شاخ بنی سعد سے اور بصرہ کے صاحب علم و عمل تابعین میں تھے

فضل و کمال | علمی اعتبار سے وہ بصرہ کے ممتاز علماء میں تھے، حافظ ذہبی انھیں امام و حجت اور ابن عماد حنبلی علم و فضل اور عبادت میں سادات تابعین میں لکھتے ہیں[5]

حدیث | انس بن مالک کے خاص اصحاب میں تھے، ان کی صحبت نے اون کو بڑا حافظ حدیث بنا دیا

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۱۲، [2] ایضاً، [3] ایضاً، [4] ایضاً ص ۱۵۲، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۱، و شذرات الذہب ج اول ص ۱۶۲،

تھا، ان کی مرویات کی تعداد ابن مدائنی کے بیان کے مطابق ڈھائی سو تک پہنچتی ہے[1] صحابہ میں انھوں نے انس بن مالکؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور غیر صحابہ میں عبداللہ بن مغفل، عمرو بن ابوسلمہ، شعیب، عبداللہ بن رباح، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، مطرف بن عبداللہ، ابورافع صائغ سے سماع حدیث کیا تھا[2]

حمید الطویل، شعبہ، جریر بن ابی حازم، معمر، ہمام، ابوعوانہ، جعفر بن سلیمان، سلیمان بن مغیرہ، داؤد بن ابی ہند، عطاء بن ابی رباح، عبداللہ بن عبید وغیرہ ان کے زمرۂ تلامذہ میں ہیں[3]

زہد و ورع ان کی شہرت ان کے علم سے زیادہ ان کے عمل اور زہد و ورع اور عبادت و ریاضت کی وجہ سے ہے صحابہ ان کے مذہبی اور اخلاقی اوصاف کے معترف تھے، حضرت انسؓ فرماتے تھے کہ ہر شے کی ایک کنجی ہوتی ہے ثابت خیر کی کنجی ہیں[4] بکر بن عبداللہ کہتے تھے، کہ جسے دنیا کا سب سے بڑا عابد دیکھنا ہو وہ ثابت کو دیکھ لے، میں نے ان سے بڑا عابد نہیں دیکھا[5]

سوز و گداز ان کا دل سوز و گداز کی آتش سوزاں تھا، گداز قلب سے ان کی آنکھیں ہر وقت اشکبار رہتی تھیں، اور اس بے قراری کے ساتھ روتے تھے کہ پسلیاں الٹ پلٹ جاتی تھیں، شدت گریہ سے آنکھیں خراب ہو گئی تھیں، اور انکے بے نور ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، لوگوں نے اتنی اشکباری پر عرض معروض کیا تو فرمایا، آنکھوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ روتی رہیں اور علاج کرنے سے انکار کر دیا[6]

عبادت و ریاضت ان کی زندگی کا سب سے زیادہ محبوب مشغلہ عبادت تھا، فرماتے تھے کہ کسی شخص میں خواہ ساری دنیا کی بھلائیاں کیوں نہ ہوں لیکن جب تک وہ روزے نماز کا پابند نہیں ہے، اس وقت تک وہ عابد نہیں ہو سکتا، جس مسجد کی طرف سے گذرتے تھے، اسمیں نماز ضرور پڑھتے تھے، تہجد کی نماز میں یہ آیت پڑھتے ہوئے

اکفرت بالذی خلقک من	اے انسان! تو اس سے کفر کرتا
تراب ثم من نطفۃ،	ہے جس نے تجھکو مٹی پھر نطفہ سے پیدا کیا،

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳ [2] ایضاً، [3] ایضاً، [4] ابن سعد ج ۷، ق ۲، ص ۳ [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۲ [6] ایضاً

بار بار تاثر کے ساتھ پڑھتے تھے، اور زار زار روتے تھے[1]،

صائم الدہر تھے کبھی روزہ ناغہ نہ ہوتا تھا[2]، ایک شبانہ یوم میں پورا قرآن ختم کرتے تھے[3]،

توبہ اور استغفار | غفار الذنوب کی بارگاہ میں توبہ اور استغفار بہت پسند تھا، فرماتے تھے "مجھ سے یہ پسند ہے کہ مجھ سے گناہ کبیرہ سرزد ہو، اور خدا سے استغفار کرکے اس گناہ کو چھوڑ دوں، اس کے مقابلہ میں کہ صغیرہ سرزد ہو اور استغفار اور اس کو چھوڑنے کی توفیق نہ ہو[4]،

موت کی یاد کا عمل پر اثر پڑتا ہے | فرماتے تھے کہ جو شخص موت کو زیادہ یاد کرتا ہے، اس کے اعمال پر اس کا نمایاں اثر ہوتا ہے[5]،

وفات | ۱۲۳ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت اسی سال سے اوپر عمر تھی[6]،

۱۳- جابر بن زید

نام ونسب | جابر نام، ابو الشعثاء کنیت، نسباً قبیلہ ازد سے تھے،

فضل وکمال | جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا، جابر نے بہت سے علماء صحابہ سے استفادہ کیا تھا، لیکن حبر الامۃ عبد اللہ بن عباس کی صحبت میں خصوصیت کے ساتھ زیادہ رہے تھے، اس تعلق سے وہ "صاحب ابن عباس" یعنی ابن عباس کے ساتھی کہلاتے تھے[7]، ان کے فیض صحبت نے جابر کا دامن علم نہایت وسیع کیا تھا، اور وہ اپنے عہد کے ممتاز ترین علماء میں تھے، حافظ ذہبی انھیں علمائے اعلام میں لکھتے ہیں[8]، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے، وہ ائمہ اور فقہائے تابعین میں ہیں[9]،

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۳۱، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۲، [3] ایضاً، [4] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۳۱، [5] ایضاً،
[6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۲، [7] ایضاً ص ۶۲، [8] ایضاً، [9] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۱۴۲،

قرآن قرآن، حدیث، فقہ، جملہ علوم میں انھیں یکساں کمال حاصل تھا، علوم قرآنیہ میں مہارت کی، ان کے استاد حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی تعلیم، خود قرآن کے بہت بڑے عالم تھے، یہ سند کافی ہے کہ وہ فرماتے تھے، اگر اہل بصرہ جابر بن زید کا قول اختیار کریں، تو کتاب اللہ کے بارہ میں اون کا علم نہایت وسیع ہوجائے،[1]

حدیث، حدیث کے بھی بڑے حافظ تھے، ابھی اوپر گذر چکا ہے، کہ حافظ ذہبی حفاظ حدیث میں انھیں علمائے اعلام کا درجہ دیتے ہیں، حدیث میں اونھوں نے عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، ابن زبیرؓ، حکم بن عمرو غفاریؓ، اور امیر معاویہ وغیرہ سے استفادہ کیا تھا، اور عمرو بن دینار، یعلی بن مسلم، ایوب سختیانی اور عمرو بن جزم وغیرہ ان کے زمرۂ تلامذہ میں ہیں،[2]

فقہ فقہ میں بھی ان کو بڑی مہارت تھی، علامہ نوویؒ انھیں ائمہ اور فقہائے تابعین میں لکھتے ہیں،[3] صحابہ اور تابعین ان کے تفقہ کے معترف تھے، ایک مرتبہ عبد اللہ بن عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ تم بصرہ کے فقہاء میں ہو، اور لوگوں کو فتوی دیتے ہو، اس کا ہمیشہ خیال رکھنا کہ کبھی نص قرآنی اور سنت کے خلاف فتوی نہ دینا، ورنہ تم خود ہلاک ہوگے، اور دوسروں کو ہلاک کروگے،[4]

ایوب حیرت آمیز استعجاب کے ساتھ ان کے تفقہ کا تذکرہ کرتے تھے،[5] ایاس بن معاویہ جو بصرہ کے نامور قاضی تھے کہتے تھے کہ جابر کے علاوہ اہل بصرہ کا کوئی حقیقی مفتی نہ تھا،[6] حضرت حسن بصری کی عدم موجودگی میں جابر افتاء میں ان کی قائم مقامی کرتے تھے،[7]

جابر ایک مرتبہ کسی سلسلہ میں قید ہوگئے تھے، قیاس یہ ہے کہ حجاج کے زمانہ میں جبکہ بہت سے صلحائے امت قید و بند کا شکار ہوئے تھے، جابر بھی اس کے مظالم کا نشانہ بنے ہوں گے، اہل بصرہ کو ان کے علم پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ قید کی حالت میں بھی انہی کی طرف رجوع کرتے تھے، قتادہ کا بیان

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۸، [2] ایضاً، [3] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۱۴۲، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۳، [5] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۳۱، [6] ایضاً، [7] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۸

ہے، کہ جابر بن زید قید کئے گئے تھے لوگوں نے خنثی کی میراث کے بارہ میں ان کے پاس استفتا بھیجا، اونھوں نے کہا کہ تم لوگ بھی خوب ہو مجھ کو قید کرتے ہو اور پھر مجھ ہی سے فتوی پوچھتے ہو، یہ جتا کر فتوی کا جواب دیا[۱]،

جامیت | جابر کی شخصیت جامع العلم تھی، وہ اپنے عہد کے سب سے بڑے عالم تھے عمرو بن دینار کہتے تھے کہ میں نے ابو الشعثاء سے زیادہ جاننے والا نہیں دیکھا[۲]، ان کی موت کے وقت قتادہ کی زبان پر یہ جملہ تھا، کہ "آج روے زمین کا علم دفن ہو گیا[۳]"،

کتابت پسند نہ تھی | اس عہد کے بعض بزرگوں کی طرح جابر کو بھی علم کو قلم بند کرنا پسند نہ تھا، عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ جابر بن زید سے بعض لوگوں نے کہا کہ لوگ آپ سے جو سنتے ہیں اوس کو لکھ لیتے ہیں، اونھوں نے یہ سن کر کہا انا للہ وہ لوگ لکھ لیتے ہیں! ان کی ناپسندیدگی دیکھ کر ان کے بعض تلامذہ نے لکھنا ترک کر دیا[۴]،

فضائل اخلاق، | اس علم کے ساتھ وہ فضائل سے بھی آراستہ تھے، وہ عمل خیر کے مقابلہ میں دنیا کی تمام نعمتوں کو جوتے سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے، فرماتے تھے، کہ ساٹھ برس کی عمر ہونے کو آئی، اس طویل مدت میں بہت کچھ ملا، اور خدا نے بہت سی نعمتیں عطا فرمائیں لیکن اس خیر کے علاوہ جسے میں نے کیا ہے، باقی اور تمام نعمتیں میرے نزدیک جوتے سے بھی فروتر ہیں[۵]،

دولت | دولت اور ثروت کے مقابلہ میں مشکل ہی سے کوئی شخص قائم رہ سکتا ہے، لیکن جابر کو دولت کے مقابلہ میں بھی لغزش نہ ہوتی تھی، محمد بن حسین کہتے تھے کہ خدا جابر پر رحم کرے، وہ درہم کے مقابلہ میں بھی مسلمان تھے[۶]،

---

[۱] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۳۱، [۲] ایضاً، [۳] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۲، [۴] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۳۱، [۵] ایضاً، [۶] ایضاً،

ایک الزام سے برات | جابر کے پاس فرقہ اباضیہ (خارجی فرقہ کی ایک شاخ) کے افراد کی آمد ورفت رہتی تھی، اس لئے بعض لوگوں کو یہ گمان پیدا ہوگیا تھا کہ وہ بھی اس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، یا کم از کم ان کے خیالات سے متاثر ہیں، لیکن اس کی کوئی اصلیت نہ تھی، وہ اباضیہ سے ملتے جلتے ضرور تھے لیکن ان کے خیالات سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، اور انھوں نے بارہا اپنی زندگی میں اور آخر وقت مرض الموت میں اباضیہ کے عقائد سے اپنی برأت ظاہر کی، جب ان کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو ثابت البنانی نے پوچھا کہ آپ کی کوئی خواہش ہے، کہا حسن بصری کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں، اس وقت وہ (غالباً حکومت کے) خوف سے ابی خلیفہ کے گھر میں روپوش تھے، ان کو جابر کی خواہش کی اطلاع دی گئی، وہ فوراً آنے کے لئے آمادہ ہوگئے، ثابت نے روکا کہ پکڑ جانے کا خوف ہے، آپ نے جواب دیا خدا مجھ کو دشمنوں کی نظر سے بچائے گا، چنانچہ اسی وقت جابر کے پاس پہنچے، جابر میں اٹھنے کی طاقت نہ تھی، حسن بصری کو دیکھ کر سہارا لے کر اٹھے، حسن بصری نے انھیں کلمۂ طیبہ پڑھنے کی تلقین کی، انھوں نے کلام اللہ کی آیات تلاوت کیں، حسن بصری نے دم آخر اباضیہ کے مسئلہ کو صاف کرنے کے لئے پوچھا اباضیہ تم سے دوستی رکھتے ہیں، جابر نے کہا میں خدا سے ان سے برأت چاہتا ہوں، حسن بصری نے سوال کیا، نہروانیوں کے بارہ میں تمھارا کیا خیال ہے، جابر نے ان سے بھی برأت ظاہر کی، اس مسئلہ کو صاف کرنے کے بعد حسن بصری صبح تک انھیں رخصت کرنے کا انتظار کرتے رہے، لیکن ابھی وداع میں کچھ تاخیر تھی اس لئے صبح کے آثار نمودار ہونے کے بعد نماز جنازہ کے طور پر چار تکبیریں کہہ کے ان کے حق میں دعائے مغفرت کی اور صبح ہونے سے پہلے اپنے قیام گاہ لوٹ گئے[1]

وفات | اسی بیماری میں ۱۰۳ھ میں وفات پائی[2]

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۳۲، [2] ایضاً،

عہ شجرہ نسب نامہ یہ ہے۔ جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ؓ

۱۴۔ جعفر بن محمد الملقب بہ صادق

نام نسب، جعفر نام، ابو عبد اللہ کنیت، صادق لقب، آپ امام محمد الملقب بہ باقر کے صاحبزادے اور فرقۂ امامیہ کے چھٹے امام ہیں، نسب نامہ یہ ہے جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالبؓ آپ کی ماں فروہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے قاسم بن محمد کی لڑکی تھیں، نانہالی شجرہ یہ ہے، ام فروہ بنت قاسم بن محمد ابن عبد الرحمن بن ابی بکر اس طرح جعفر صادق کی رگوں میں صدیقی خون بھی شامل تھا،

پیدائش، ۸۰ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے[1]

فضل و کمال آپ اس خانوادۂ علم و عمل کے چشم و چراغ تھے جس کے ادنیٰ خدام مسند علم کے وارث ہوئے آپ کے والد امام باقر اس پایہ کے عالم تھے کہ باقر آپ کا لقب تھا، آپ کے حلقۂ درس سے امام اعظم ابو حنیفۃ النعمان جیسے اکابر امت نکلے، اس لئے جعفر صادق کو علم گویا وراثۃً ملا تھا، فضل و کمال کے لحاظ سے آپ اپنے وقت کے امام تھے، حافظ ذہبی آپ کو امام اور احد السادۃ الاعلام لکھتے ہیں[2]، اہلبیت کرام میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا، ابن حبان کا بیان ہے کہ فقہ، علم اور فضل میں سادات اہل بیت میں تھے[3]، امام نووی لکھتے ہیں کہ آپ کی امامت، جلالت اور سیادت پر سب کا اتفاق ہے[4]،

حدیث حدیث آپ کے جد امجد علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اقوال ہیں، اس لئے آپ سے زیادہ اس کا کون مستحق تھا، چنانچہ آپ مشہور حفاظ حدیث میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان کثیر الحدیث[5] حافظ ذہبی آپ کو سادات اور اعلام حفاظ میں لکھتے ہیں[6]، حدیث میں اپنے والد بزرگوار حضرت

۱؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۵۰، ۲؎ ایضاً ص ۱۴۹، ۳؎ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۴، ۴؎ تہذیب الاسماء ص ۱۵۰،
۵؎ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۴ بحوالہ ابن سعد، ۶؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۵۰،

امام باقر، محمد بن منکدر، عبید اللہ بن ابی رافع، عطا، عروہ، قاسم بن محمد، نافع اور زہری وغیرہ سے فیض پایا تھا، شعبہ، دونوں سفیان، ابن جریج، ابو عاصم، امام مالک، اور امام ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ آپ کے تلامذہ میں تھے[۱]

احترام حدیث | حدیث رسول کا اتنا احترام تھا کہ ہمیشہ طہارت کی حالت میں حدیث بیان کرتے تھے[۲]

فقہ | فقہ میں آپ کو اتنا کمال حاصل تھا کہ افقہ الفقہا رامام زمن، امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ میں نے جعفر بن محمد سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا[۳]

قیاس | گو آپ بہت بڑے فقیہ تھے لیکن مسائل دینیہ میں قیاس احتیاط کے خلاف سمجھتے تھے، ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان سے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تم دین میں قیاس کرتے ہو، قیاس کو دخل نہ دیا کرو، کیونکہ پہلا قیاس ابلیس نے کیا تھا[۴] (یعنی تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا، اور آدم کو مٹی سے، اس لئے میں اون کا سجدہ کیوں کروں)

علماء کا مرتبہ | آپ فرماتے تھے کہ فقہا رسولوں کے امین ہیں جب تک وہ سلاطین کی آستاں بوسی نہ کریں

اقوال | آپ کے اقوال وکلمات طیبات تہذیب اخلاق، علم وحکمت اور پند وموعظت کا دفتر ہیں۔ سفیان ثوری سے آپ نے ایک مرتبہ فرمایا، سفیان جب خدا تم کو کوئی نعمت عطا کرے اور تم اس کو ہمیشہ باقی رکھنا چاہو تو زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرو، کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے، کہ "اگر تم شکر ادا کروگے تو میں تم کو زیادہ دوں گا" جب رزق ملنے میں تاخیر ہو رہی ہو، تو استغفار زیادہ کرو، اللہ عزوجل اپنی کتاب میں فرماتا ہے،

استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم	اپنے رب سے مغفرت چاہو وہ بڑا مغفرت کرنیوالا ہے تم پر آسمان سے
مدرارا ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنت	موسلا دھار پانی برسائیگا اور دنیا میں مال اور اولاد سے تمہاری مدد
ویجعل لکم انہارا (سورہ نوح)	کریگا، اور آخرت میں تمہارے لئے جنت اور نہریں بنائیگا

۱ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۳، ۲ ایضاً ص ۱۰۵، ۳ تذکرة الحفاظ ج اول ص ۱۵۰، ۴ مختصر صفوة الصفوہ ص ۱۴۰،

جب تمہارے پاس سلطان وقت یا اور کسی کا کوئی حکم پہنچے تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ زیادہ پڑھو، وہ کشادگی کی کنجی ہے، جو شخص اپنی قسمت کے حصہ پر قناعت کرتا ہے وہ مستغنی رہتا ہے، اور جو دوسرے کے مال کی طرف نظر اٹھاتا ہے وہ فقیر مرتا ہے، جو شخص خدا کی تقسیم پر راضی نہیں ہوتا وہ خدا کو اس کے فیصلہ پر متہم کرتا ہے، جو شخص دوسرے کی پردہ دری کرتا ہے، خدا اس کے گھر کے خفیہ حالات کی پردہ دری کر دیتا ہے، جو بغاوت کے لئے تلوار کھینچتا ہے، وہ اسی سے قتل کیا جاتا ہے، جو اپنے بھائی کے لئے گڈھا کھودتا ہے، وہ خود اس میں گرتا ہے، جو سفیہوں کے پاس بیٹھتا ہے، وہ حقیر ہو جاتا ہے جو علماء سے ملتا جلتا ہے وہ معزز ہو جاتا ہے، جو برے مقامات پر جاتا ہے وہ بدنام ہو جاتا ہے، ہمیشہ حق بات کہو خواہ تمہارے موافق ہو یا مخالف آدمی کی اصل اس کی عقل ہے، اسکا حسب اس کا دین ہے، اس کا کرم اس کا تقویٰ ہے، تمام انسان آدم کی نسبت میں برابر ہیں، سلامتی بہت نادر چیز ہے، یہاں تک کہ اس کے تلاش کرنے کی جگہ بھی مخفی ہے، اگر وہ کہیں مل سکتی ہے تو ممکن ہے گوشۂ گمنامی میں ملے، اگر تم اس کو گوشۂ گمنامی میں تلاش کرو اور نہ ملے، تو ممکن ہے تنہا نشینی میں ملے، گوشۂ تنہائی گوشۂ گمنامی سے مختلف ہے، اگر گوشۂ تنہائی میں بھی تلاش سے نہ ملے تو سلف صالحین کے اقوال میں ملے گی،

استغفار، فرماتے تھے جب تم سے کوئی گناہ سرزد ہو تو اس کی مغفرت چاہو، انسان کی تخلیق کے پہلے سے اس کی گردن میں خطاؤں کا طوق پڑا ہے، گناہوں پر اصرار ہلاکت ہے،

دنیا، فرماتے تھے خدا نے دنیا کی طرف وحی کی ہے کہ جو شخص میری خدمت کرتا ہے تو اس کی خدمت کر اور جو تیری خدمت کرتا ہے، اسے تھکا دے،

اچھے کاموں کے شرائط فرماتے تھے بغیر تین باتوں کے اچھا کام مکمل نہیں ہوتا جب تم اسے کرو تو اپنے نزدیک اسے چھوٹا سمجھو، اس کو چھپاؤ اور اس میں جلدی کرو، جب تم اوس کو چھوٹا

سمجھو گے تب اس کی عظمت بڑھے گی، جب تم اس کو چھپاؤ گے اس وقت اس کی تکمیل ہو گی، اور جب تم اس میں جلدی کروگے تو خوشگواری محسوس کروگے،

حسن ظن | فرماتے تھے جب تمہارے بھائی کی جانب سے تمہارے لئے کوئی ناپسندیدہ بات ظاہر ہو تو اس کے جواز کے لئے ایک سے ستر تک اس کی تاویلیں تلاش کرو اگر پھر بھی نہ ملے تو سمجھو کہ اس کا سبب اور اس کی کوئی تاویل ضرور ہوگی جس کا تم کو علم نہیں،

اگر تم کسی مسلمان سے کوئی کلمہ سنو تو اسکو بہتر سے بہتر معنی پر محمول کرو جب وہ محمول نہ ہو سکے تو اپنے نفس کو ملامت کرو،

تہذیب و اخلاق | فرماتے تھے چار چیزوں میں شریف کو عار نہ کرنا چاہئے، اپنے باپ کی تعظیم میں اپنی جگہ سے اٹھنے میں، مہمان کی خدمت کرنے اور خود اوس کی سواری کی دیکھ بھال میں خواہ گھر میں سو غلام کیوں نہ ہوں، اور اپنے استاد کی خدمت کرنے میں،

ایک نکتہ | جب دنیا کسی کے موافق ہوتی ہے تو دوسروں کی بھلائیاں بھی اسے دیدیتی ہے اور جب منہ پھیر لیتی ہے تو خود اسکی خوبیاں بھی چھین لیتی ہے،[1]

فضائل اخلاق | آپ کی ذات فضائل اخلاق کا زندہ پیکر تھی، آپ کا ایک نظر دیکھ لینا، آپ کی خاندانی عظمت کی شہادت کے لئے کافی تھا، عمرو بن المقدام کا بیان ہے کہ جب میں جعفر بن محمد کو دیکھتا تھا تو نظر پڑتے ہی معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ نبیوں کے خاندان سے ہیں،[2]

عبادت و ریاضت | عبادت آپ کے شبانہ یوم کا مشغلہ تھی، آپ کا کوئی دن اور کوئی وقت عبادت سے خالی نہ ہوتا تھا، امام مالک کا بیان ہے، کہ میں ایک زمانہ تک آپ کی خدمت میں آتا جاتا رہا، آپ کو ہمیشہ یا نماز پڑھتے پایا، یا روزہ رکھے ہوئے یا قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے،[3]

انفاق فی سبیل اللہ | انفاق فی سبیل اللہ اور فیاضی و سیرچشمی اہل بیت کرام کا امتیازی اور مشترک

---

[1] یہ تمام اقوال مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۹ تا ۱۴۱ سے ماخوذ ہیں [2] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۵۰، [3] تہذیب ج ۲ ص ۱۰۴

وصف رہا ہے، جعفر صادق کی ذات اس وصف کا مکمل ترین نمونہ تھی، ہیاج بن بسطام روایت کرتے ہیں کہ جعفر صادق بسا اوقات گھر کا کل کھانا دوسروں کو کھلا دیتے تھے، اور خود ان کے اہل وعیال کے لئے کچھ نہ باقی رہتا تھا،[۵۱]

لباس امارت میں خرقہ فقر | آپ بظاہر اہل دنیا کے لباس میں رہتے تھے لیکن اندر لباسِ فقر مخفی ہوتا تھا،

سفیان ثوری کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ جعفر بن محمد کے پاس گیا اس وقت ان کے جسم پر خز کا جبہ اور دخانی خز کی چادر تھی، میں نے کہا یہ آپ کے بزرگوں کا لباس نہیں ہے، فرمایا وہ لوگ افلاس اور تنگ حالی کے زمانہ میں تھے، اور اس زمانہ میں دولت بہ رہی ہے، یہ کہہ کر انھوں نے اوپر کا کپڑا اوٹھا کر دکھایا تو خز کے جبہ کے نیچے پشمینہ کا جبہ تھا، اور فرمایا ثوری یہ ہم نے خدا کے لئے پہنا ہے، اور وہ تم لوگوں کے لئے جو خدا کے لئے پہنا تھا، اوس کو پوشیدہ رکھا ہے، اور جو تم لوگوں کے لئے تھا، اس کو اوپر رکھا ہے،[۵۲]

مذہبی اختلافات سے بچنے کی ہدایت، | مذہب میں جھگڑنا سخت ناپسند کرتے تھے فرماتے تھے، تم لوگ خصومت فی الدین سے بچو، اس لئے کہ وہ قلب کو پھنسا دیتی ہے اور نفاق پیدا کرتی ہے،[۵۳]

جرأت | نہایت جری نڈر اور بے خوف تھے، بڑے بڑے جبابرہ کے سامنے یہ بے باکی قائم رہتی تھی، ایک مرتبہ منصور عباسی کے اوپر ایک مکھی آکر بیٹھی وہ بار بار ہنکاتا تھا، اور مکھی بار بار آکر بیٹھتی تھی منصور اس کو ہنکاتے ہنکاتے عاجز آگیا، مگر وہ نہ ہٹی، اتنے میں جعفر پہنچ گئے، منصور نے ان سے کہا ابو عبد اللہ مکھی کس لئے پیدا کی گئی ہے، فرمایا جبابرہ کو ذلیل کرنے کے لئے،[۵۴]

حضرت ابو بکرؓ کے متعلق عقیدہ | گو تمام حق پرست اہل بیتِ کرام کو خلفاے اربعہ کے ساتھ یکساں عقیدت تھی لیکن جعفر صادق کی رگوں میں صدیقی خون بھی شامل تھا، اس لئے آپ کو حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ خاص تعلق تھا، اور وہ اپنے جد امجد حضرت علیؓ کی طرح ان پر بھی اپنا حق سمجھتے تھے، چنانچہ فرماتے

---

[۵۱] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۵۰، [۵۲] ایضاً، [۵۳] ایضاً، [۵۴] صفوۃ الصفوہ ص۱۴۱،

کہ مجھے علیؓ سے جتنی شفاعت کی امید ہے، اتنی ہی ابوبکر سے ہے[1]،

وفات، سنہ ۱۴۰ھ میں وفات پائی[2]۔

۱۵۔ حسن بن حسن

نام ونسب، حسن نام خاندانِ نبوت کے چشم وچراغ یعنی حضرت امام حسن بن علی علیہما السلام کے فرزند ارجمند اور آپ کے جانشین تھے، ماں کا نام خولہ تھا، ناںہالی نسب نامہ یہ تھا، خولہ بنت منظور بن زبان بن سیار بن عمرو بن جابر بن عقیل بن ہلال بن سمی بن مازن فزاری،

فضل وکمال، فضل وکمال کے لحاظ سے حسن کا کوئی قابلِ ذکر پایہ نہ تھا، تاہم اپنے جدامجد کی گفتگو یعنی احادیث نبوی کے امین تھے، اور اوس کو اپنے والد بزرگوار حضرت حسنؓ اور عبداللہ بن جعفر سے سنا تھا، آپ کے صاحبزادے ابراہیم، عبداللہ، حسن اور چچیرے بھائی حسن بن محمد بن حنفیہ اور حبان بن سدید کوفی، سعید بن ابی سعید، عبدالرحمٰن بن حفص اور ولید بن کثیر وغیرہ سے آپ نے روایتیں کی ہیں[3]۔

خلافت کے بارہ میں باطل عقائد کی تردید، حسن خلق میں اپنے بے نیاز عالم باپ حضرت حسن علیہ السلام کے خلف الصدق تھے، نسبی فخروغرور کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ تھا، بعض سادات کرام غالی مدعیانِ محبت اہل بیت کے فریب میں پھنس جاتے تھے، اگرچہ اون کے عقائد وخیالات سے اون کا دامن پاک ہوتا تھا، لیکن بعض حالات کی وجہ سے وہ ان کے ہفوات انگیز کر لیتے تھے،

لیکن حسن اس باپ کے فرزند تھے جس نے ملتی ہوئی خلافت چھوڑ دی، اس لئے وہ خلافت کے بارہ میں گمراہ کن خیالات کو سخت ناپسند کرتے تھے، اور برملا اون کی تردید کرتے تھے،

ایک مرتبہ آپ نے ایک غالی مدعی محبت سے فرمایا تم لوگوں کو دعویٰ ہے کہ تم ہم سے

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۱۴۶، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۱۵۰، [3] تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۲۶۳،

خدا کے لئے محبت کرتے ہو، اگر یہ دعویٰ صحیح ہے تو ہم جب تک خدا کی اطاعت کریں تم ہم سے محبت کرو، اور جب اوس کی نافرمانی کریں تو ہم سے دشمنی کرو، آپ کے یہ خیالات سنکر ایک شخص نے کہا کہ آپ لوگ تو رسول اللہ (صلعم) کے قرابت دار اور اہل بیت میں سے ہیں، آپ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے اگر اللہ تعالیٰ بغیر اپنی اطاعت کے محض قرابت رسول کی وجہ سے کسی سے رکنے والا ہوتا، تو سب سے زیادہ ان لوگوں کو فائدہ پہنچتا جس کے مادری اور پدری سلسلے ہم سے زیادہ رسول اللہ سے قریب ہیں، خدا کی قسم مجھ کو خوف ہے کہ ہم میں (اہلبیت) کے گنہگار کو عام گنہگاروں سے دگنا عذاب دیا جائیگا، اور یہ امید بھی ہے کہ ہماری جماعت کے مطیع اور محسن کو اجر بھی دونا ملے گا، تم لوگوں کی حالت پر افسوس ہے خدا سے ڈرو اور ہمارے بارے میں قول حق کہو، کیونکہ وہ اس چیز کو جسے تم چاہتے ہو بدرجہ اتم پورا کرنے والا ہے، اور ہم بھی قول حق ہی سے تم سے راضی ہو سکتے ہیں،

پھر فرمایا کہ جو کچھ تم لوگ کہتے ہو، اگر وہ خدا کے دین کی بات ہے، تو ہمارے بزرگوں نے ہمارے ساتھ بڑی برائی کی کہ انھوں نے اس کو نہ ہمیں بتایا اور نہ اس کی جانب رغبت دلائی، یہ سن کر اس رافضی نے کہا کیا مولیٰ علیؓ کے بارہ میں رسول اللہ صلعم نے ارشاد نہیں فرمایا ہے کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمایا ہاں کہا ہے لیکن اگر اس سے مراد خلافت اور حکومت ہوتی تو نماز، روزہ حج اور زکوٰۃ وغیرہ اسلامی ارکان کی طرح اس کی بھی وضاحت اور تصریح فرما دیتے، اور صاف صاف ارشاد فرماتے کہ لوگو میرے بعد یہ تمہارے ولی ہیں، کیونکہ مسلمانوں کے سب سے بڑے خیر خواہ رسول اللہ صلعم تھے، (اس لئے آپ کو ایک دینی مسئلہ میں صریح حکم دینا چاہئے تھا) اگر تم لوگوں کے قول کے مطابق یہ صحیح مان لیا جائے کہ اللہ اور اس کے رسول نے علیؓ کو خلافت اور رسول اللہ کے بعد ان کی جانشینی کے لئے منتخب فرمایا ہے، تو ایسی صورت میں علی سب سے بڑے مجرم اور خطاکار ٹھہرتے ہیں، کہ اونھوں نے اس چیز کو جس کے قیام کا رسول اللہ صلعم نے حکم دیا تھا چھوڑ دیا[1]

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۲۳۵،

ابوالعباس سفاح سے تعلقات و مراسم

ابوالعباس سفاح عباسی، حسن اور ان کے بھائی عبداللہ دونوں کو بہت مانتا تھا، یہ دونوں طالبین کی جماعت کے ساتھ اس کے پاس جاتے تھے، وہ ان کی خدمت کرتا تھا، عبداللہ پر اتنا مہربان تھا کہ دربار میں جانے کے لیے ان پر پورے لباس کی پابندی نہ تھی، اور وہ بلا تکلف محض معمولی کرتہ پہن کر سفاح کے سامنے چلے جاتے تھے، ان کے ساتھ یہ غیر معمولی برتاؤ دیکھ کر لوگ ان سے کہتے تھے، کہ امیر المومنین تمہارے علاوہ کسی کو اس لباس میں نہیں دیکھتے تم کو انھوں نے اپنا فرزند تصور کیا ہے،

لیکن ان تعلقات و مراسم اور اس شفقت و کرم کے باوجود سفاح کو ان کے لڑکوں محمد اور ابراہیم کی جانب سے اپنی مخالفت کا بڑا خطرہ تھا، ایک دن اس نے عبداللہ سے پوچھا کہ تمہارے دونوں لڑکے اپنے خاندان والوں کے ساتھ میرے پاس کیوں نہیں آتے، عبداللہ خاموش رہے، سفاح نے دوبارہ پھر پوچھا، عبداللہ نے حسن سے اس کا تذکرہ کیا، انھوں نے کہا، اگر اب وہ سوال کرے تو کہہ دینا کہ ان کے چچا (یعنی خود حسن) کو ان کا حال معلوم ہے، ان سے پوچھیے، عبداللہ نے کہا تم میرے لئے اتنی بڑی ذمہ داری برداشت کروگے، انھوں نے کہا ہاں،

چنانچہ سفاح نے جب دوبارہ پھر پوچھا تو عبداللہ نے کہہ دیا کہ امیر المومنین ان کے چچا کو ان کا علم ہے، سفاح نے حسن کو بلا کر ان سے پوچھا، انھوں نے جواب دیا کہ پہلے آپ یہ بتائیے کہ میں آپ سے کس طرح کی گفتگو کروں، خلافت کی عظمت و جلالت کو ملحوظ رکھ کر یا چچیرے بھائی کی طرح، سفاح نے کہا بالکل بے تکلف جیسے بھائی بھائی سے کرتا ہے، حسن نے کہا میں آپ کو خدا کا واسطہ دلا کر آپ سے سوال کرتا ہوں کہ اگر خدا نے خلافت کا کوئی حصہ محمد اور ابراہیم کے لئے مقدر کر دیا ہے، تو کیا آپ اور آپ کے ساتھ سارے روئے زمین کی طاقت اس کوشش خدا کی تقدیر کو روک سکتی ہے، سفاح نے کہا نہیں، حسن نے کہا میں آپ کو خدا کا واسطہ دلا کر پوچھتا

ہوں کہ اگر خدا نے ان کی قسمت میں کچھ نہیں لکھا ہے تو کیا وہ دونوں سارے روئے زمین کی حمایت اور کوشش سے کچھ پالیں گے، سفاح نے کہا نہیں، حسن نے کہا تو پھر آپ ان بیرمرد (عبد اللہ) کی ان نعمتوں اور الطاف وعنایات کو جو آپ ان پر کرتے ہیں بے لطف اور مکدر کیوں کرتے ہیں حسن کی اس گفتگو کے بعد سفاح نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کبھی ان دونوں کا تذکرہ نہ کرے گا، اور مرتے وقت تک اس عہد پر قائم رہا،

قید اور وفات، | لیکن اس کے جانشین منصور نے اس کا لحاظ نہیں رکھا، اور محمد اور ابراہیم کے جرم میں حسن اور عبد اللہ دونوں بھائیوں کو گرفتار کرکے قید کر دیا، چنانچہ دونوں نے قید ہی میں ۱۴۵ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت حسن کی عمر اٹھاسی سال کی تھی[1]

۱۷ حسن بصری

نام ونسب | حسن نام، ابو سعید کنیت، والد کا نام یسار تھا، علمی کمالات کے لحاظ سے سرخیلِ علماء اور اخلاقی وروحانی فضائل کے اعتبار سے سرتاجِ اولیاء تھے،

ان کے والدین غلام تھے، ان کی غلامی کے بارہ میں مختلف بیانات ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ ان کے والد میسان کے قیدیوں میں تھے، انس بن مالک کی پھوپھی ربیع بنت نضر نے خرید کر آزاد کیا تھا، دوسری روایت یہ ہے کہ ان کے والد اور والدہ دونوں بنی نجار یعنی ایک انصاری کی غلامی میں تھے، انھوں نے بیوی کے مہر میں بنی سلمہ کو دیدیا تھا، بنی سلمہ نے ان کو آزاد کر دیا، تیسری روایت یہ ہے کہ ان کے والد حضرت زید بن ثابتؓ کے غلام تھے، اور ان کی ماں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی لونڈی تھیں، ان اختلافات سے قطع نظر کرکے اتنا مسلم ہے کہ یسار اور ان کی بیوی

---

[1] یہ واقعات تاریخ خطیب ج ۹، صفحہ ۲۹۳، ۲۹۴ سے ماخوذ ہیں،

لونڈی غلام تھے، اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا آخری روایت زیادہ مستند ہے،

ام المومنین ام سلمہ کی رضاعت | حسن بصری آخر عہد فاروقی میں جب کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کو دو سال باقی رہ گئے تھے یعنی ۲۱ھ میں پیدا ہوئے، ام المومنین ام سلمہ کی غلامی کی نسبت سے اون کو وہ شرف میسر ہوا جو کم خوش قسمتوں کے حصہ میں آیا ہوگا، ان کی ماں لونڈی تھیں، اس لئے اکثر گھر کے کام کاج میں لگی رہتی تھیں، جب وہ حسن بصری کو چھوڑ کر کسی کام میں لگ جاتیں، اور وہ رونے لگتے، تو حضرت ام سلمہؓ اون کو بہلانے کے لئے دودھ منہ میں دیدیتیں، پھر انکی ماں لوٹ کر دودھ پلاتیں، اس طرح اون کو ام المومنین کی رضاعت کا شرف حاصل ہوا،

حسن بصری حضرت ام سلمہؓ کے سایۂ شفقت میں پلے تھے، اُن کے علاوہ دوسری ازواج مطہرات کے گھروں میں بھی اون کی آمد و رفت رہتی تھی، ان کا خود بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت تک جب کہ اون کی عمر تیرہ چودہ سال کی تھی وہ بے تکلف ازواج مطہرات کے گھروں میں آتے جاتے تھے[۱]،

علمی کمالات، | حسن بصری ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے جب کہ صحابۂ کرام کی بڑی تعداد موجود تھی اور ایسے مقام پر ان کی نشو و نما ہوئی تھی جہاں کی گلی گلی علوم نبوی کا مخزن تھی پھر انھیں صحبت ایسے بزرگوں کی میسر آئی جو تعلیمات اسلامی کا زندہ نمونہ اور اخلاق نبوی کی مجسم تصویر تھے، اس لئے ان کا دامن علم و عمل فضل و کمال اور زہد و ورع جملہ اخلاقی اور روحانی فضائل سے مالا مال ہوگیا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان الحسن جامعا، عالما عالیا، رفیعا، فقیھا، ماموناً، عابدا ناسکا، کبیر العلم فصیحا، جمیلا وسیما[۲]، حسن بصری جامع کمالات تھے، عالم تھے، بلند مرتبت رفیع المنزلت تھے، فقیہ تھے، مامون تھے، عابد و زاہد تھے، وسیع العلم تھے، فصیح و بلیغ اور حسین و جمیل

---

[۱] یہ تمام بیانات ابن سعد ج ۷ ق ۱ تذکرہ حسن بصری سے ماخوذ ہیں، [۲] ایضاً ص ۱۱۵،

تھے، غرض وہ جملہ ظاہری اور باطنی نعمتوں سے مالامال تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں، حافظ، علامۃ، من بحور العلم فقیہ النفس، کبیر الشان، عدیم النظیر، ملیح التذکیر، بلیغ الموعظۃ، راس فی انواع الخیر،[۱] علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ مشہور عالم تھے، ان کی جلالت شان پر سب کا اتفاق ہے،[۲]

اکابر علماء کی رائے | اس عہد کے تمام علماء اور ارباب کمال کا ان کی جلالت شان پر اتفاق ہے، امام شعبی کہتے تھے کہ میں نے اس ملک (عراق) کے کسی شخص کو بھی ان سے افضل نہیں پایا، قتادہ لوگوں کو ہدایت کرتے تھے کہ اس شخص (حسن بصری) کا دامن پکڑو، میں نے رائے میں اس سے زیادہ کسی شخص کو عمر بن الخطاب کے مشابہ نہیں دیکھا، اعمش کہتے تھے کہ حسن حکمت کو محفوظ رکھتے تھے، اور اس کو بولتے تھے امام باقر فرماتے تھے، کہ ان کی باتیں انبیاء کی باتوں کے مشابہ ہیں، غالب القطان کہتے تھے کہ اس عہد کے علماء پر حسن کو ایسی ہی فضیلت حاصل تھی جیسے طیور میں باز کو گوریوں پر ہوتی ہے، جو شخص ان زمانہ کے سب سے بڑے عالم کو دیکھنا چاہے، اسے حسن کو دیکھنا چاہئے، عمرو بن مرہ کہتے تھے کہ مجھے اہل بصرہ پر حسن اور محمد دو شیخوں کی وجہ سے رشک ہے، یونس بن عبید اللہ اور حمید الطویل کہتے تھے کہ میں نے بہت سے فقہا کو دیکھا لیکن حسن سے زیادہ کسی کو کامل المروۃ نہیں پایا، عطاء بن ابی رباح لوگوں کو ہدایت کرتے تھے کہ تم لوگ اس شخص (حسن) کی طرف مسائل میں رجوع کیا کرو، وہ بہت بڑے عالم، امام اور مقتدا ہیں، امام مالک فرماتے تھے کہ تم لوگ حسن بصری سے مسائل پوچھا کرو کیونکہ انہوں نے محفوظ رکھا اور ہم نے بھلا دیا، بعض لوگ یہاں تک کہتے تھے کہ اگر حسن نے سن شعور میں عہد صحابہ پایا ہوتا تو یہ بزرگوار رائے میں ان کے محتاج ہوتے،[۳]

اگرچہ حسن بصری جامع العلوم تھے لیکن ان کی زندگی زیادہ تر عبادت و ریاضت اور

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۲، ۲۔ تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۱۶۱، ۳۔ یہ تمام بیانات ابن سعد ج ۷، ق ۲ تذکرہ حسن بصری سے ماخوذ ہیں،

روحانی مشاغل میں بسر ہوتی تھی، اس لئے ان کے علمی مرتبہ کے مقابلہ میں ان کی تفصیلات بہت کم ملتی ہیں، تاہم جتنے حالات ملتے ہیں وہ سرسری اندازہ لگانے کے لئے کافی ہیں، ان کو تفسیر، فقہ اور حدیث جملہ مذہبی علوم میں یکساں دستگاہ حاصل تھی،

تفسیر | مفسر کی حیثیت سے اونھوں نے کوئی خاص شہرت حاصل نہیں کی لیکن تفسیر کی تعلیم انھوں نے بڑی محنت سے حاصل کی تھی، بارہ برس کے سن میں وہ حافظ قرآن ہوگئے تھے، ابوبکر الہذلی کا بیان ہے کہ جب تک وہ ایک سورۃ کی تفسیر و تاویل اور شان نزول وغیرہ سے پوری واقفیت نہ حاصل کر لیتے تھے، اس وقت تک آگے نہ بڑھتے تھے[1] اس محنت نے اون کو قرآن کا بڑا عالم بنا دیا[2] تھا، اور قرآن پر اون کی نظر اتنی وسیع تھی کہ وہ تفسیر کا درس دیتے تھے[3]

حدیث | حدیث میں ان کا جو درجہ تھا، اس کا اندازہ حافظ ذہبی کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے کہ وہ علامہ اور علم کے سمندروں میں تھے[4]، حدیث میں اونھوں نے ان بزرگوں سے فیض پایا تھا جن میں سے اکثر اس فن کے اساطین اور رکن اعظم تھے، چنانچہ صحابہ میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، انس بن مالکؓ، جابر بن معاویہؓ، معقل بن یسارؓ، ابی بکرہؓ، عمران بن حصینؓ، اور جندب بجلیؓ سے براہ راست استفادہ کیا تھا، اور عمر بن الخطابؓ، ابن کعبؓ، سعد بن عبادہؓ، عمار بن یاسرؓ، ابوہریرہؓ، ثوبانؓ، عثمان بن ابی العاصؓ اور معقل بن سنانؓ سے بالواسطہ مستفید ہوئے تھے، صحابہ کے علاوہ اکابر تابعین کی ایک بڑی جماعت سے سماع حدیث کیا تھا[5]،

شائقین حدیث کا مرجوعہ | جہاں تک ان کے حالات سے پتہ چلتا ہے، غالباً اون کا کوئی خاص

---

[1] شذرات الذہب ج اول ص ۱۳۷، [2] تہذیب التہذیب تذکرہ جابر بن زید [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۲، [4] ایضاً [5] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۶۴،

حلقۂ درس نہ تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا جو رنگ تھا اس کی وجہ سے وہ یہ سلسلہ پسند نہ کرتے تھے، اور انھیں حدیث بیان کرنا بار معلوم ہوتا تھا، اور وہ اس فرض کو بالاستکراہ ادا کرتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ "اگر خدا نے اہل علم سے عہد نہ لیا ہوتا تو میں تم لوگوں کے سب سوالات میں حدیث نہ بیان کرتا۔[1]"

تاہم ان کی شخصیت ایسی تھی کہ لوگ ان کا دامن نہ چھوڑتے تھے، اکثر شائقینِ علم خود ان کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید ہوتے تھے، اور جہاں وہ جاتے تھے خلق اللہ کا مرجع بن جاتے تھے، مکہ تک میں جو مدینہ کے بعد علم کا دوسرا مرکز تھا، لوگوں کا ہجوم لگ جاتا تھا، اہل مکہ آپ کو تخت پر بٹھا کر حدیثیں سنتے تھے، اور مجاہد، عطاء اور طاؤس جیسے اکابر علماء سننے والوں میں ہوتے تھے، اور ان کی زبان پر یہ کلمہ ہوتا تھا، کہ ہم نے اس شخص کا مثل نہیں دیکھا[2]"

روایت بالمعنی | آپ احادیث کو بالفاظہا روایت کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے، اور صرف معنی اور مطلب کے ادا ہو جانے کو کافی سمجھتے تھے عموماً آپ کی روایات بالمعنی ہوتی تھیں[3]، اکثر الفاظ میں اختلاف اور کمی بیشی ہو جاتی تھی لیکن معنی ایک ہی رہتے تھے[4]

تلامذہ | روایتِ حدیث سے دامن بچانے کے باوجود آپ کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا ان کی مختصر فہرست یہ ہے، حمید الطویل، یزید بن ابی مریم ایوب، قتادہ، بکر بن عبد اللہ مزنی، جریر بن ابی حازم، ابو الاشہب، ربیع بن صبیح، سعید جریری، سعد بن ابراہیم، سماک بن حرب، ابن عون، خالد الحذاء، عطاء بن سائب، عثمان البتی، قرہ بن خالد، مبارک بن فضالہ، یعلی بن زیاد، ہشام بن حسان، یونس بن عبید، منصور بن زاذان، سعید بن ہلال، مجاہد اور عطاء اور طاؤس وغیرہ[5]

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۱۱، [2] ایضاً [3] ایضاً، [4] ایضاً، [5] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۶۴،

فقہ فقہ کے وہ بہت بڑے امام اور بصرہ کے مفتی اعظم تھے، قتادہ کا بیان ہے، کہ حسن حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم تھے[1] ایوب کا بیان ہے کہ حسن سے بڑا فقیہ مری آنکھوں نے نہیں دیکھا، ربیع بن انس کا بیان ہے، کہ میں کامل دس سال تک حسن کے پاس آتا جاتا رہا، اور ان سے ہمیشہ نئے نئے مسائل معلوم ہوتے تھے[2]

ابن سعد کی ایک روایت سے جس کا ذکر آئندہ آئے گا معلوم ہوتا ہے، کہ آپ نے حدیث وفقہ میں بعض کتابیں بھی لکھی تھیں،

رائے وقیاس، اس تفقہ کے ساتھ آپ میں مجتہدانہ نظر تھی، چنانچہ جن مسائل میں روایتی سند نہ ہوتی تھی، اس میں رائے اور قیاس سے اجتہاد کرتے تھے، ایک مرتبہ ابوسلمہ بن عبد الرحمن نے آپ سے پوچھا کہ آپ جن جن مسائل میں لوگوں کو فتوی دیتے ہیں، کیا ان سب میں آپ کے پاس سماعی سند ہوتی ہے، فرمایا نہیں خدا کی قسم سب میں سماعی سند نہیں ہوتی لیکن ہماری رائے سائلوں کی رائے سے ان کے لئے بہتر ہوتی ہے[3]،

لیکن ان کی رائے اصابت وصحت میں اصحاب رائے صحابہ کے برابر ہوتی تھی، ابو قتادہ لوگوں کو مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرتے تھے، اور کہتے تھے، خدا کی قسم میں نے ان کی رائے سے زیادہ کسی کی رائے کو عمر بن الخطاب کی رائے کے مشابہ نہیں دیکھا[4] بعض ارباب علم تو یہاں تک ان کی اصابت رائے اور دقت نظر کے معترف تھے کہتے تھے کہ اگر حسن سن شعور میں عہد صحابہ میں ہوتے تو وہ بزرگوار رائے میں ان کے محتاج ہوتے[5]،

زبان وادب، ان مذہبی علوم کے علاوہ وہ زبان وادب کے بڑے ماہر اور فصیح وبلیغ تھے،

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۱۱، [2] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۶۵، [3] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۲۰، [4] ایضاً ص ۱۱۱ [5] ایضاً تذکرہ حسن بصری،

ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ فصاحت زبان اور عربیت میں رویہ بن عجاج کے مشابہ تھے[1]

اربابِ علم کی صحبت، اگرچہ آپ تعلیم و تعلم سے دامن بچاتے تھے لیکن اربابِ علم کی صحبت اور ان سے علمی مذاکرہ اور ذکر و فکر کا شغل بہت مرغوبِ خاطر تھا، ایک مرتبہ چند اہل علم آپ سے ملنے کے لئے آئے اور باتوں باتوں میں دوپہر کا وقت آگیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ گیا، ان کے صاحبزادے نے حاضرین سے کہا آپ لوگوں نے وال پر بہت بار ڈالا، اب انھیں آرام لینے دیجئے، ابھی تک انھوں نے کھایا تک نہیں ہے، یہ سنکر آپ نے صاحبزادے کو تنبیہ فرمائی کہ ان لوگوں کی دید سے زیادہ میرے لئے کوئی آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں، جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں تو باہم حدیث بیان کرتے ہیں، خدا کا ذکر اور اس کی تحمید و تقدیس کرتے ہیں، یہاں تک کہ قیلولہ کا موقع بھی نہیں ملتا[2]

حقیقی عالم، آپ کے نزدیک تنہا بارِ علم سے کوئی شخص عالم کہلانے کا مستحق نہ ہوتا تھا، بلکہ اس کے لئے بہت سے شرائط تھے بعض بے عمل اور تنگ نظر علما آپ کے مسائل پر معترض ہوتے اس وقت آپ ان کے جواب میں حقیقی عالم کے اوصاف بیان فرماتے ایک مرتبہ مطر الوراق نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا اور عرض کیا، فقہا آپ کی مخالفت کرتے ہیں، فرمایا تیری ماں تجھکو روئے، تو نے فقیہ دیکھا بھی ہے، اور جانتا بھی ہے، کہ فقیہ کسے کہتے ہیں، فقیہ وہ ہے جو زاہد و متورع ہو، اپنے سے بلند مرتبہ کی پرواہ نہ کرتا ہو، اور اپنے سے کم رتبہ والے کا مذاق نہ اڑاتا ہو، اور خدا نے اس کو جو علم عطا کیا ہے اس سے قلیل دنیاوی منفعت نہ حاصل کرتا ہو[3]

علم باطن، گو حسن بصری علوم ظاہری میں بھی شیخ الاسلام کا درجہ رکھتے تھے لیکن یہ علوم ان کے لئے سرمایۂ فخر و امتیاز نہ تھے، ان کا اصل اور حقیقی مقام عرفان و حقیقت کا کنگرہ تھا، جہاں فقہا کی نظر بھی نہیں پہنچ سکتی، اس عالم بے کیف و کم کے وہ فرماں روا تھے۔ ان کی ذات تصوف کا منبع

---

[1] شذرات الذہب ج اول ص ۱۳۶، [2] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۲۲، [3] ایضاً ص ۱۲۹،

اور علم باطن کا سرچشمہ تھی، تصوف کی تمام نہریں اسی سرچشمہ سے پھوٹتی ہیں، چنانچہ تصوف کے اکثر بڑے بڑے سلاسل آپ ہی کے واسطہ سے حضرت علی (رضی) تک منتہی ہوتے ہیں، اس طرح گویا آپ ہی کے واسطہ سے دنیا میں یہ دریائے نور رواں ہوا،

اگرچہ محدثین کے نزدیک حضرت علیؓ سے آپ کا استفادہ روحانی ثابت نہیں ہے، لیکن ارباب تصوف کا اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصری حضرت علیؓ ہی کے فیض یافتہ تھے، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ "ارباب طریقت کے نزدیک (حسن بصری) حضرت علیؓ کی جانب یقینی منسوب ہیں محدثین کے نزدیک یہ انتساب ثابت نہیں ہے، لیکن شیخ احمد قشاشی نے اپنی کتاب عقد الفرید فی سلاسل اہل التوحید میں ایک تشفی بخش بحث کے ذریعہ سے اہل تصوف کی تائید کی ہے" ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے، کہ حسن بصری نے حضرت علیؓ سے فیض پایا ہے[1]،

سلف سے لیکر خلف تک تمام اکابر صوفیا حضرت حسن بصری کو اس سلسلۂ نورانی کا سرچشمہ اور شیخ الشیوخ مانتے ہیں، ان کے اقوال سے سند لاتے ہیں صوفیاء کے تذکروں میں اس کا نام سرفہرست ہوتا ہے، ان کے اقوال تعلیم تصوف کا نصاب مانے جاتے ہیں،

شیخ فرید الدین ان الفاظ کے ساتھ ان کا ذکر شروع کرتے ہیں "آن پروردۂ نعمت، آن خو کردۂ فتوت، آن کعبۂ علم وعمل، آں خلاصۂ ورع وحلم، آں سبق بردہ بصاحب صدری، صدر سنت حسن بصری رضی اللہ عنہ مناقب او بسیار است ومحامد او بے شمار[2]"،

شیخ علی بن عثمان ہجویری المتوفی ۴۶۵ھ[3]، اپنی کتاب کشف المحجوب میں جو فارسی میں تصوف کی سب سے قدیم کتاب ہے لکھتے ہیں "امام عصر فرید دہر ابو علی الحسن بن ابی الحسن بصری رضی اللہ عنہم

---

[1] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، ص۳۱ و ص۱۰۱، [2] تذکرۃ الاولیاء فرید الدین عطار ج اول ص۲۴ [3] ان کے سنہ وفات میں اختلاف ہے ۴۵۶ھ سے لیکر ۴۶۵ھ تک کسی سنہ میں وفات پائی،

.... وے را قدرے و خطرے بزرگ است نزدیک اہل طریقت لطیف الاشارہ بود است اندر علم و معاملت[1]

شیخ ابوالنصر سراج المتوفی ۳۷۸ھ اور شیخ شہاب الدین سہروردی وغیرہ اکابر صوفیہ نے اپنی کتابوں کتاب اللمع اور عوارف المعارف میں حسن بصری کے اقوال سے استناد کیا ہے[2]

فضائل واخلاق روحانی اور اخلاقی کمالات کے اعتبار سے حسن بصری زہد و ورع کا مجسم پیکر اور فضائل اخلاق کی مجسم تصویر تھے، ہر مسلمان کے لئے فضائل اخلاق کا معیار صحابۂ کرام کی زندگی ہے اس معیار کے مطابق حسن بصری صحابۂ کرام کا مثنیٰ تھے، اگرچہ انھوں نے رسالت کا مقدس زمانہ نہیں دیکھا تھا، اور آنحضرت صلعم کی صحبت سے مشرف نہ تھے، لیکن ان کے اخلاق اسی مقدس سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے، تابعین کی جماعت میں ان سے زیادہ کوئی شخص صحابۂ رسول سے مشابہ نہ تھا، ان کی ہر ادا سے شان صحابیت آشکارا تھی اکابر تابعین کو اس کا اعتراف تھا حضرت ابو بردہ جو ایک بلند مرتبہ تابعی ہیں فرماتے تھے کہ میں نے کسی غیر صحابی کو حسن سے زیادہ اصحاب رسول سے مشابہ نہیں دیکھا[3] امام شعبی نے ستر صحابۂ کرام کو دیکھا تھا، اور اس شرف میں وہ شاید حسن بصری سے بھی ممتاز تھے، لیکن اس کے باوجود ان کی بڑی عظمت کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کے صاحبزادے نے ان سے پوچھا ابا میں دیکھتا ہوں کہ جیسا برتاؤ آپ اس شیخ (حسن بصری) کے ساتھ کرتے ہیں، ویسا کسی دوسرے شخص کے ساتھ نہیں کرتے ہیں، شعبی نے جواب دیا بیٹا میں نے رسول اللہ صلعم کے ستر اصحاب کو دیکھا ہے، اور حسن سے زیادہ کسی کو ان سے مشابہ نہیں پایا[4]

سوز و گداز تمام محاسن کا سرچشمہ سوز و گداز قلب ہے، اسی سے عبادت و ریاضت زہد و ورع وغیرہ

---

[1] کشف المحجوب نسخہ قلمی دار المصنفین، [2] دیکھو کتاب اللمع و عوارف المعارف، [3] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۱۵، [4] ایضاً،

تمام اخلاقی اور روحانی فضائل کے سوتے پھوٹتے ہیں، حسن کا دل ایسا شکستہ ساز تھا جس سے درد کے سوا کوئی نغمہ نہ نکلتا تھا، یونس کا بیان ہے، کہ ان پر ہمیشہ حزن اور غمگینی چھائی رہتی تھی، ان کے لب ہنسی سے بالکل ناآشنا تھے، فرماتے تھے کہ مومن کی ہنسی قلب کی غفلت کا نتیجہ ہے، زیادہ ہنسنے سے دل مرجاتا ہے[1]، کلام پاک کی آیات پڑھ کر شدت تاثر سے زار زار رویا کرتے تھے[2]،

خشیت الٰہی خشیت الٰہی کا اس قدر غلبہ تھا کہ ہر آن لرزاں رہتے تھے، یونس بن عبید کا بیان ہے کہ جب حسن آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اپنے کسی عزیز قریب کو دفن کئے ہوئے آرہے ہیں، جب بیٹھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایسے قیدی ہیں جس کی گردن مارے جانے کا حکم دیا جا چکا ہے، اور جب دوزخ کا ذکر کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دوزخ صرف انہی کے لئے بنائی گئی ہے[3]،

زہد و ورع اس پرسوز بلکہ پرکیف فطرت کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کی زندگی سرتاپا زہد و ورع میں ڈوبی ہوئی تھی، ان کی ذات عبادت و ریاضت اور زہد و ورع کا مجموعہ تھی، حجاج الاسود کا بیان ہے، کہ ایک شخص آرزو کیا کرتا تھا کہ کاش مجھے حسن کا زہد، ابن سیرین کا ورع، عامر بن عبد قیس کی عبادت اور سعید بن مسیب کا تفقہ میسر آئے، لوگوں نے دیکھا تو یہ تمام اوصاف حسن کی تنہا ذات میں جمع تھے[4]، ان کی مجلس میں آخرت کے علاوہ کسی شے کا تذکرہ ہی نہ ہوتا تھا، اشعث کا بیان ہے، کہ ہم جب حسن کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ہم سے نہ کوئی دنیاوی خبر پوچھی جاتی اور نہ کوئی خبر دی جاتی، بس صرف آخرت کا ذکر رہتا تھا[5]،

عبادت کے بعض خاص احوال فرائض و سنن کے علاوہ آپ کی خاص عبادت تنہائی میں ہوتی تھی، اس وقت آپ اس عالم آب و گل کے علاوہ کسی دوسرے عالم میں ہوتے تھے، حمید کا بیان ہے کہ ہم ایک مرتبہ

۱؎ ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۲۴ و ص ۱۲۵، ۲؎ ایضاً ص ۱۲۷، ۳؎ شذرات الذہب ج اول ص ۱۳۸، ۴؎ ابن سعد ص ۱۲۰، ۵؎ ایضاً ص ۱۲۱،

مکہ میں تھے کہ شعبی نے حسن سے تخلیہ کی ملاقات کی خواہش ظاہر کی، میں نے حسن سے اسکا ذکر کیا، انھوں نے کہا جب دل چاہے آئیں، ملاقات ہو جائے گی، چنانچہ وہ ایک دن آئے، میں دروازے پر موجود تھا، میں نے ان سے کہا اس وقت حسن گھر میں تنہا موجود ہیں اندر جاؤ، لیکن تنہا جانے کی انکی ہمت نہ پڑی اسلئے انھوں نے مجھ سے بھی ساتھ چلنے کی خواہش کی، میں بھی ساتھ ہو لیا، جس وقت ہم لوگ اندر پہنچے اس وقت حسن قبلہ رو ایک عجیب عالم میں کہہ رہے تھے، ابن آدم تو نیست تھا ہست کیا گیا، تو نے مانگا تجھ کو دیا گیا، لیکن جب تیری باری آئی اور تجھ سے مانگا گیا تو تو نے انکار کر دیا، افسوس تو نے کتنا برا کام کیا، یہ کہہ کر وہ بے خبر ہو جاتے تھے، پھر ہوش میں آکر یہی کلمات دہراتے، یہ رنگ دیکھ کر شعبی نے مجھ سے کہا لوٹ چلو، اس وقت شیخ کسی اور عالم میں ہے[1]،

عمل اور اخلاص فی العمل آپ کے نزدیک زہد محض زبانی دعووں اور ظاہری وضع بنانے کا نام نہ تھا بلکہ اصل شئے عمل و اخلاص تھا، فرماتے تھے کہ انسان جو کچھ کہتا ہے اگر اوس کو کچھ کرتا بھی ہو تو یہ فضیلت ہے، اور اگر کرنے سے زیادہ کہتا ہے تو وہ عار ہے[2]، آپ کی زندگی سرتاپا عمل تھی، ابوبکر ہذلی کا بیان ہے کہ وہ جب تک خود ایک کام نہ کر لیتے تھے، اس وقت تک دوسروں کو اسکے کرنے کی ہدایت نہ کرتے تھے، اور جب تک خود کسی کام کو چھوڑ نہ دیتے تھے اس وقت تک دوسرے کو اس سے منع نہ کرتے تھے، یونس بن عبید سے کسی نے پوچھا تم کسی ایسے شخص کو جانتے ہو جو حسن بصری کے ایسے اعمال کرتا ہو، اونھوں نے ان کے ایسے اعمال کرنا تو کجا میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو زبان سے ان کی جیسی باتیں کہتا ہو[3]،

بغیر اخلاص کے محض حلقہ نشینی اور گلیم پوشی کو فریب تصور کرتے تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے،

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۲۴، [2] ایضاً ص ۱۳۳، [3] شذرات الذہب ج اول ص ۱۳۷ و ص ۱۳۸،

کہ ہمارے حلقہ میں بہت سے لوگ بیٹھتے ہیں لیکن اس سے ان کی غرض دنیا ہوتی ہے، ایک مرتبہ آپ کے سامنے گلیم پوشوں کا تذکرہ کیا گیا، فرمایا یہ لوگ دل کی گہرائیوں میں غرور کے بت چھپائے ہیں اور ظاہری لباس سے تواضع اور فروتنی ظاہر کرتے ہیں بخدا یہ اپنی گلیم گدائی میں بیش قیمت ردا پوشوں سے زیادہ مغرور ہیں[1]، ع

بزیر دلق مرقع کمندہا دارند،

کلاہ تری، اس پر فریب وضع سے بچنے کے لئے آپ کبھی کبھی اچھا لباس بھی پہن لیتے تھے کلثوم بن جوشن کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حسن یمنی جبہ اور ردا اوڑھ کر نکلے اس پوشاک میں دیکھ کر فرقد نے اعتراض کیا کہ آپ جیسے شخص پر یہ لباس زیب نہیں دیتا، آپ نے جواب دیا ابن ام فرقد تم کو یہ معلوم نہیں کہ دوزخیوں کا بڑا حصہ گلیم پوشوں میں سے ہوگا[2]، ع

اے بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد

فریب نفس کا خوف، انسان کا سب سے بڑا دشمن خود اس کا نفس ہے، جو اس کو کبھی قبولیت عامہ اور شہرت طلبی، کبھی ریاکاری اور کبھی عجب وغرور کے فریب میں مبتلا کرکے برباد کر دیتا ہے، حضرت حسن بصری اس پر فریب اور چمکیلے سراب سے بہت خائف رہتے تھے، اور اٹھتے بیٹھتے یہ دعا کرتے تھے کہ "خدایا شرک، غرور، نفاق، ریا، حب شہرت طلبی اور اپنے دین میں شک وشبہ سے ہمارے قلوب کو بچا، اے مقلب القلوب ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم اور استوار رکھ، اور اسلام قیم کو ہمارا دین بنا[3]"

عوام کی عقیدت کو بڑا ابتلا سمجھتے تھے، غالب القطان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حسن مسجد آئے، ان کی سواری کا گدھا واپس جا چکا تھا، اس لئے انھیں واپس پہنچانے کے لئے میں نے اپنا

۱؎ ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۲۳، ۲؎ ایضاً، ۳؎ ایضاً ص ۱۲۸،

گدھا منگالیا، اس کی عادت تھی کہ اکثر سواری کی ٹانگ پکڑ لیا کرتا تھا، اس لئے میں نے حفاظت کے خیال سے اس کی لگام پکڑلی، حسن کی سواری تھی اس لئے بہت سے آدمی ساتھ ہو گئے انھیں دیکھ کر حسن نے کہا تمھارا برا ہو اگر مسلمان اپنے نفس کا جائزہ نہیں لیتا ہے اور وہ اپنی حقیقت سے آگاہ نہیں کہ وہ بالکل تہی دامن ہے، ان لوگوں کے جوتوں کی چاپ ضعیف انسان کے دل کو برباد کرنے کے کافی ہے،[1]

فریب نفس اور عجب و غرور سے بچنے کے لئے اپنی تعریف سننا پسند نہ کرتے تھے سعید بن محمد ثقفی کا بیان ہے کہ اگر کوئی شخص حسن کے منہ پر ان کی تعریف کرتا تھا، تو وہ انھیں سخت ناگوار ہوتی تھی، اور اگر لوگ ان کے لئے دعا کرتے تو وہ اس سے خوش ہوتے تھے،[2]

جہاد فی سبیل اللہ، عموماً عابدان شب زندہ دار کے حجروں کی برودت راہِ خدا میں جانبازی کی حرارت کو سرد کر دیتی ہے، لیکن حسن بصری کی رگوں کا خون ہمیشہ جہاد فی سبیل اللہ میں گرنے کے لئے جوش زن رہتا تھا، اگرچہ چند مہمات کے علاوہ جہاد میں اون کی شرکت کی تصریح نہیں ملتی لیکن ارباب سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ بچپن سے ان کے دل میں جہاد فی سبیل اللہ کا ولولہ ساری تھا، اور اونھوں نے سن شعور کو پہنچنے کے بعد جہاد کو مشغلۂ حیات بنا لیا تھا،[3]

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکثر مہمات میں شریک رہے ہوں گے، لیکن تصریح کے ساتھ کابل، اندقان، اور زابلستان کی مہمات کے علاوہ اور دوسری مہمات میں شرکت کا پتہ نہیں چلتا،[4] غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک خاموش اور شہرت سے نفور بزرگ تھے، جہاد سے غرض نام و نمود نہیں بلکہ حصولِ شرف تھا، اس لئے عام سپاہی کی حیثیت سے شریک ہوتے رہے ہوں گے، جن کا تذکرہ عموماً تاریخوں میں نہیں ہوتا،

۱؎ ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۲۲، ۲؎ ایضاً ص ۱۲۹، ۳؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۱، ۴؎ ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱۱۵،

ظلم کی تلوار کے مقابلہ میں توبہ کی سپر ظالم حکومتوں اور جابر امراء کے مقابلہ میں اعلان حق اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صلحائے امت کا خاص طغرائے امتیاز رہا ہے، لیکن اس باب میں حسن بصری کا طرزِ عمل ان سے مختلف تھا، وہ ان کے مقابلہ میں سکوت افضل سمجھتے تھے، عمارہ بن مہران کا بیان ہے کہ حسن بصری سے لوگوں نے کہا آپ امراء کے پاس جاکر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیوں نہیں فرماتے، جواب دیا مومن کو اپنا نفس ذلیل نہ کرنا چاہئے، اس زمانہ کے امراء کی تلواریں ہماری زبانوں سے آگے بڑھ گئی ہیں، جب ہم اون سے گفتگو کرتے ہیں تو وہ ہمیں تلوار سے جواب دیتے ہیں[1] ان حالات میں آپ ظلم کی تلوار کے مقابلہ میں توبہ کی ڈھال استعمال کرنے کی ہدایت کرتے تھے، ابو مالک کا بیان ہے کہ حسن سے جب کہا جاتا کہ آپ میدان میں نکل کر ان حالات کو بدلتے کیوں نہیں، تو فرماتے کہ اللہ تعالیٰ تلوار سے نہیں بلکہ توبہ سے بدلتا ہے[2] آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب لوگ اپنے حکمراں کی جانب سے آزمایش میں مبتلا کئے جائیں اور اس پر صبر کریں تو خدا اون کو جلد اس مصیبت سے نکال دے، لیکن وہ تلوار نکال لیتے ہیں اور اس پر اعتماد کرنے لگتے ہیں، خدا کی قسم اس کا کبھی کوئی اچھا نتیجہ نہیں نکلتا،

شورو فتن سے کنارہ کشی، اسی لئے آپ شورو فتن اور انقلاب سے علحدہ رہتے تھے، چنانچہ امویوں کے زمانہ میں بڑے بڑے سیاسی انقلابات ہوئے، مختلف اوقات میں مختلف جماعتیں ان کے خلاف اٹھیں، لیکن حضرت حسن بصری اپنے اصول کی بنا پر کبھی ان میں شریک نہ ہوئے بلکہ دوسروں کو بھی اس میں پڑنے سے روکتے تھے، چنانچہ عبد الملک کے زمانہ میں جب ابن اشعث نے اور یزید بن عبد الملک کے زمانہ میں ابن مہلب نے علمِ بغاوت بلند کیا تو کچھ آدمیوں نے حضرت حسن بصری سے پوچھا کہ ان فتنوں میں شرکت کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے فرمایا فریقین

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱۲۵، [2] ایضاً ص ۱۲۵،

میں سے کسی کا ساتھ نہ دو، ایک شامی نے کہا امیرالمومنین کا بھی ساتھ نہ دیں، آپ نے شامی کو ہاتھوں سے دھکا دیکر اس کا جملہ دہرا کر فرمایا ہاں امیرالمومنین کا ساتھ بھی نہیں،

ابن اشعث حجاج کے خلاف اٹھا تھا، اور ایک بڑی جماعت جسمیں بعض اکابر تابعین بھی تھے اس کے ساتھ ہوگئی تھی، عقبہ بن عبدالغافر، ابوالجوزار اور عبداللہ بن غالب، چند سربرآوردہ آدمیوں نے آکر ان سے پوچھا، ابوسعید اس طاغیہ (حجاج) سے جو خون ناحق بہاتا ہے، حرام مال لیتا ہے، تارک نماز ہے، ایسا ہے ویسا ہے، لڑنے کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے، فرمایا میرے نزدیک نہ لڑنا چاہئے اس لئے کہ اگر وہ خدا کا عذاب ہے تو تم اسے تلوار سے نہیں دور کر سکتے اور اگر یہ آزمایش ہے تو اس پر صبر کرنا چاہئے تاآنکہ خدا خود اس کا فیصلہ کردے، خدا بڑا فیصلہ کرنے والا ہے،

ابن اشعث کی شورش کے زمانہ میں حسن بصری خود بڑی آزمایش میں پھنس گئے تھے، لیکن جان پر کھیل کر کسی نہ کسی طرح اپنے کو اس سے نکالا، آپ کی شخصیت کی وجہ سے بصرہ کیا سارے عراق پر آپ کا اثر تھا، آپ کی دامن کشی کی وجہ سے بہت سے محتاط ابن اشعث کا ساتھ دینے میں پہلو بچاتے تھے، اس لئے لوگوں نے اس سے کہا اگر تم چاہتے ہو کہ جس طرح لوگ جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے گرد جانبازی دکھاتے تھے، اسی طرح تمھارے لئے جان دیں تو حسن کو کسی نہ کسی طرح میدان میں لاؤ، اس مشورہ پر ابن اشعث زبردستی آپ کو کھینچ لے گیا، آپ جبراً و قہراً چلے تو گئے، لیکن لوگ جیسے ہی آپ کی طرف سے غافل ہوئے، آپ جان پر کھیل کر ایک دریا میں پھاند پڑے، اور کسی نہ کسی طرح جان بچا کر نکل آئے،

اسی زمانہ میں ایک شخص سعید بن ابی الحسن نے جو حجاج کے مخالفین میں تھا، اور لوگوں کو اس کے خلاف ابھارا کرتا تھا، حسن بصری سے پوچھا کہ ہم نے نہ امیرالمومنین کی اطاعت

سے منہ موڑا ہے اور نہ ان کو تخت سے اتارنا چاہتے ہیں، بلکہ ہم کو صرف اسلئے امیرالمومنین سے برہمی ہے کہ اونھوں نے حجاج جیسے جابر شخص کو حاکم بنایا ہے، ایسی صورت میں آپ کی کیا رائے ہے اور اہل شام کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے، آپ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا! لوگو! خدا نے حجاج کو محض عقوبت کے لئے مسلط کیا ہے، اس لئے تلوار سے عقوبت خداوندی کا مقابلہ نہ کرو، بلکہ صبر وسکون اور خاموشی سے کام لو، اور بارگاہ خداوندی میں سکون اور تضرع سے کام لو تم نے شامیوں کے بارہ میں میرے رائے پوچھی ہے، میرا خیال ہے کہ حجاج انھیں دنیا کا لقمۂ تر دے کر ان سے ہر کام کرا سکتا ہے[1]،

اظہار حق | لیکن اس سے یہ نہ قیاس کرنا چاہئے کہ حکام اور سلاطین کے مقابلہ میں وہ ہر موقع پر خاموشی ہی سے کام لیتے تھے، بلکہ جب ان کے مقابلہ میں خیالات کے اظہار کا موقع آجاتا تھا تو پھر وہ بلا خوف وخطر اپنے حقیقی خیالات ظاہر کردیتے تھے، یزید بن عبدالملک کے زمانہ میں جب عمر بن ہبیرہ خراسان اور عراق کا والی ہوا، تو اس نے عراق کے اکابر علماء حسن بصری، محمد بن سیرین اور امام شعبی کو بلاکر ان سے بطور استفتا سوال کیا کہ یزید خدا کا خلیفہ ہے، خدا نے اس کو بندوں پر اپنا نائب بنایا ہے، اور ان سے اس کی اطاعت اور ہم حکام سے اسکے احکام کی تعمیل کا وعدہ لیا ہے، آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ اس نے ہم کو والی بنایا ہے، اور ہمارے پاس احکام بھیجتا ہے، میں اس کی تعمیل کرتا ہوں، ان حالات میں آپ کی اس بارہ میں کیا رائے ہے، ابن سیرین اور شعبی نے گول جواب دیا، حسن بالکل خاموش تھے، ابن ہبیرہ نے ان سے پوچھا آپ اپنا خیال ظاہر کیجئے، اونھوں نے جواب دیا ابن ہبیرہ! یزید کے بارہ میں خدا کا خوف کر، اور خدا کے معاملہ میں اس کا خوف نہ کیا کر، خدا تجھ کو یزید سے بچا سکتا ہے، لیکن یزید تجھکو

[1] یہ تمام واقعات ابن سعد ج ۷، ق اول صفحہ ۱۱۹،۱۲۰ سے ماخوذ ہیں،

خدا سے نہیں بچا سکتا، وہ زمانہ قریب ہے کہ خدا تیرے پاس ایسا فرشتہ بھیجے گا جو تجھ کو تخت حکومت
سے اتار کر اور قصر کی وسعت سے نکال کر قبر کی تنگی میں ڈال دے گا، اس وقت تیرے اعمال کے
سوا کوئی اور شے تجھ کو نجات نہ دلا سکے گی، خدا نے بادشاہ اور حکومت کو اپنے دین اور اپنے بندوں
کی امداد و اعانت کے لئے بنایا ہے، اس لئے خدا کی دی ہوئی حکومت کے ذریعہ سے تم خدا کے
دین اور اس کے بندوں پر تم سوار نہ ہو جاؤ، خدا کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہ کرنی چاہئے[1]

مسئلہ تقدیر: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بصری قدری تھے[2] لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اس
شہرت کی وجہ غالباً یہ ہے کہ بعض اکابر تابعین اس باب میں اتنے متشدد تھے کہ قدریوں سے ملنا
بھی پسند نہ کرتے تھے، اور حسن بصری ان سے ملنے جلنے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتے تھے، اس لئے ناواقفوں
نے اس میل جول کی وجہ سے قدریوں کے خیالات کو ان کی طرف منسوب کر دیا، حالانکہ اون کا دامن
اس سے پاک تھا، عمر کا بیان ہے کہ قدری حسن کے پاس آتے جاتے تھے لیکن ان کے خیالات
ان کے مخالف تھے، حسن کہتے تھے ابن آدم خدا کو ناراض کر کے کسی انسان کی خوشنودی حاصل
نہ کر، خدا کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہ کر، خدا کے افضال پر کسی انسان کی تعریف نہ کر،
جو شے خدا نے تجھے نہیں دی، اس پر کسی انسان کو ملامت نہ کر، خدا نے خلق اور خلائق کو پیدا کر دیا
اور وہ اپنی تخلیق کے اصول پر چل رہے ہیں، جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اپنی حرص سے اپنے
رزق میں اضافہ کر سکتا ہے تو اگر اس کا یہ گمان صحیح ہے تو ذرا اپنی عمر بڑھا کر دکھا دے، اپنا
رنگ بدل دے، اپنے اعضا و جوارح میں کوئی اضافہ کر دے[3] جب ایسا نہیں کر سکتا تو معلوم ہوا
انسان کا کوئی دخل نہیں ہے، ہر شے تقدیر الٰہی پر چل رہی ہے،

اصل یہ ہے کہ ان کے بعض مشتبہ اقوال سے یہ غلط نتیجہ نکالا گیا ہے، اگر کسی حد تک وہ اس سے

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۱۲۸ و ص ۱۲۹، [2] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱۲۲، [3] ایضاً ص ۱۲۵،

متاثر بھی تھے تو آخر میں اس سے رجوع کر لیا تھا، اصمعی اپنے والد کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ حسن کبھی قدر کے بعض حصوں پر گفتگو کرتے تھے لیکن پھر اس سے رجوع کر لیا تھا، قاضی عطار بن یسار قدری تھے ان کی زبان میں جادو کا اثر تھا، وہ اور سعید جہنی حسن کے پاس آتے تھے، اور ان سے سوالات کرتے تھے، اور کہتے تھے ابوسعید یہ سلاطین و فرماں روا مسلمانوں کا خون بہاتے ہیں اور ان کا مال لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے یہ اعمال خدا کی تقدیر کے مطابق ہیں، حسن یہ سن کر کہتے وہ دشمنان خدا جھوٹے ہیں، اس تردید اور بعض اس قبیل کے دوسرے واقعات سے لوگوں نے انکے قدری ہونے کا نتیجہ نکالا ہے[1]، حالانکہ ظاہر ہے کہ یہ ایک خاص موقع تھا جس کو عقیدۂ قدر سے کوئی تعلق نہیں،

بعض اقوال اور کلمات طیبات

بے کار اور بے نتیجہ باتیں بہت کم کرتے تھے، ان کی گفتگو کا بیشتر حصہ حکمت اور موعظت کے موتی ہوتے تھے[2]، ان کے بہت سے حکیمانہ اقوال کتابوں میں ملتے ہیں، جو معنویت اور بلاغت ادا کے اعتبار سے پند و موعظت اور علم و حکمت کا دفتر ہیں، جن سے بہت سے اخلاقی اور روحانی اسرار و حکم پر روشنی پڑتی ہے، اس لئے بعض اقوال یہاں نقل کئے جاتے ہیں،

(۱) فرماتے تھے جو وسوسے ایسے ہیں کہ پیدا ہوتے ہیں اور نکل جاتے ہیں وہ شیطان کی جانب سے ہیں، ان کے ازالہ میں ذکر خدا اور تلاوت قرآن سے مدد لینی چاہئے، اور جو پیدا ہو کر قائم ہو جاتے ہیں وہ نفس کی جانب سے ہیں، ان کے دور کرنے میں نماز روزہ اور ریاضت سے مدد لینی چاہئے، (۲) خدا جس بندہ کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے، اس کو اہل و عیال کی بندشوں میں نہیں پھنساتا ہے، (۳) متواضع ہونے کی یہ شرط ہے کہ گھر سے باہر کسی کو بھی ملے تو اوس کو اپنے سے افضل

---

[1] شذرات الذہب ج اول صفحہ ۱۳۸، [2] ایضاً صفحہ ۱۳۶،

اور برتر سمجھے، (۴) جب بندہ گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے تو اس سے خدا کے ساتھ اس کی قربت میں اضافہ ہوتا ہے، (۵) ایک شخص نے آپ سے اپنے قلب کی قساوت کی شکایت کی، فرمایا اسکو ذکر و فکر کی جگہوں میں لیجایا کرو، (۶) مردہ کے لئے سب سے بڑے خود اس کے گھر والے ہوتے ہیں، کہ اس پر روتے ہیں، حالانکہ اس کے مقابلہ میں اس کے قرض کا ادا کرنا ان پر آسان نہیں ہوتا ہے، (۷) ایک شخص کی عداوت کے بدلہ میں ہزار آدمیوں کی دوستی بھی نہ خریدو، (۸) طمع عالم کو رسوا کردیتی ہے، (۹) انسان کا علانیہ اپنے نفس کی مذمت کرنا درحقیقت اس کی مدح ہے، (۱۰) اپنے بھائیوں کی عزت کرو تو ہمیشہ اون کے ساتھ تمھاری دوستی قائم رہے گی، (۱۱) اگر اپنی موت کی رفتار پر ابن آدم کی نظر ہوتی ہے، تو وہ اپنے فریب امید کا دشمن بنجاتا، (۱۲) جو شخص عاجزی کے لئے خدا کے سامنے صوف پہنتا ہو تو خدا اسکی نگاہ اور قلب کا نور بڑھاتا ہے، اور جو پندار کے لئے پہنتا ہے وہ سرکشوں کے ساتھ جہنم میں پھینک دیا جائیگا (۱۳) کاش میں کوئی ایسا کھانا کھالیتا جو میرے پیٹ میں اینٹ بن جاتا، کیونکہ میں نے سنا ہے کہ اینٹ پانی میں تین سو برس تک باقی رہتی ہے، (۱۴) ایک مرتبہ تذکرہ ہو رہا تھا کہ فقیہ ایسا ایسا کہتے ہیں، فرمایا تم لوگوں نے فقیہ دیکھا بھی ہے، فقیہ وہ ہے جو دنیا سے کنارہ کش ہو، دین میں بصیرت رکھتا ہو، خدائے عزوجل کی عبادت پر مداومت کرتا ہو، (۱۵) خدا کی قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ جس شخص نے مال و زر کو عزت دی خدا نے اسکو ذلیل کیا، (۱۶) عقلمند کی زبان قلب کے پیچھے ہے جب وہ کچھ کہنا چاہتا ہے تو پہلے قلب کی طرف رجوع کرتا ہے، اگر وہ بات اس کے فائدہ کی ہوتی ہے، تو کہتا ہے، ورنہ رک جاتا ہے، اور جاہل کا قلب اس کی زبان کی نوک پر رہتا ہے، وہ قلب کی طرف رجوع نہیں کرتا، جو زبان پر آتا ہے بک جاتا ہے، (۱۷) دنیا درحقیقت تمھاری سواری ہے، اگر تم اس پر سوار ہوگئے تو وہ تم کو (اپنی پیٹھ پر)

اٹھائے گی اور اگر وہ تم پر سوار ہوگئی تو تم کو ہلاک کر ڈالے گی، (۱۸) جب تم کسی شخص سے دشمنی کرنا چاہو تو پہلے اس پر نظر کرو اگر وہ خدا کا مطیع ہے تو اس سے بچو، کیونکہ خدا اوس کو کبھی تمھارے قبضہ میں نہ دیگا، اور تمھارے لئے اوس کو تنہا نہ چھوڑے گا، اور اگر وہ خدا کا نافرمان ہے تو تم کو اس کی عداوت کی ضرورت ہی نہیں، اپنے نفس کو خوامخواہ اس کی عداوت میں پریشان نہ کرو، (یعنی وہ خود ہلاک ہو جائیگا، خدا کی دشمنی اس کے لئے کافی ہے) (۱۹) جو شخص خدا کی اطاعت کرتا ہو اس سے دوستی تم پر ضروری ہے، کیونکہ جو شخص صالح آدمی کو دوست رکھتا ہے، وہ گویا خدا کو دوست رکھتا ہے، (۲۰) میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس نے دنیا چاہی ہو، اور اسے آخرت ملی ہو، اس کے برخلاف جو آخرت چاہتا ہے اسے دنیا بھی مل جاتی ہے، (یعنی پھر ایسی چیز کیوں نہ چاہی جائے جس سے دونوں چیزیں مل جائیں،) (۲۱) اسلام یہ ہے کہ تم اپنے قلب کو خدا کے سپرد کر دو اور ہر مسلمان تمھارے ہاتھوں سے محفوظ رہے، (۲۲) محبت کا متوالا ہمیشہ مست و بے خود رہتا ہے، اسے صرف محبوب کا مشاہدۂ جمال ہوشیار کرتا ہے،[۱]

وفات | بعض خاصان حق کو دنیا سے چھوٹنے سے پیشتر وصل محبوب کے اشارات مل جاتے ہیں، خود قرآن نے وفات نبوی کا اشارہ کر دیا تھا، بعض آدمیوں کو عالم رویا میں حسن بصری کی وفات کا بھی اشارہ مل گیا تھا، چنانچہ ان کی وفات سے چند دنوں پیشتر ایک شخص نے خواب دیکھا کہ ایک طائر نے مسجد کی سب سے خوبصورت کنکری اٹھا لی، مشہور معبر خواب ابن سیرین نے اس کی یہ تعبیر دی کہ حسن کا انتقال ہو جائیگا،[۲]

اس خواب کے چند ہی دنوں کے بعد حسن بصری مرض الموت میں مبتلا ہوئے، دوران علالت میں فرماتے تھے کاش انسان نے اپنی صحت و تندرستی کے زمانہ میں بیماری کے دن

---

[۱] یہ اقوال مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۴۴ تا ص ۱۴۶ سے ماخوذ ہیں، [۲] ابن خلکان ج اول ص ۱۲۹،

کے لئے کچھ رکھ چھوڑا ہوتا، وقت آخر اپنے صاحبزادے کو اپنی کتابیں اکٹھا کرنے کا حکم دیا انھوں نے حکم کی تعمیل کی، اس کے بعد خادم کو تنور جلانے کا حکم دیا اسنے جلایا اور چشم زدن میں علوم و فنون کا سارا دفتر جل کر خاکستر ہو گیا کہ اب اس کا وقت آگیا تھا،

صد کتاب و صد ورق در نار کن　　　جان و دل را جانب دلدار کن

صرف ایک کتاب باقی رہنے دی[۵۱] ممکن ہے یہ قرآن کے متعلقات میں رہی ہو جس کو احتراماً چھوڑ دیا ہو،

دم آخر کاتب کو بلا کر لکھوایا کہ حسن اس کی شہادت دیتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ و ان محمد رسول اللہ جس نے موت کے وقت صدق دل سے اس کی شہادت دی وہ جنت میں داخل ہوگا[۵۲]

ان تیاریوں سے فراغت کے بعد ۱۱۰ھ میں شب جمعہ کو سفر آخرت کیا، محدث ایوب اور حمید الطویل نے غسل دیا[۵۳]، دوسرے دن بعد نماز جمعہ عاشق کا جنازہ اٹھا، بڑی دھوم سے اٹھا ساری خلقت جنازہ پر ٹوٹ پڑی، شہر اتنا خالی ہو گیا، کہ اس دن جامع بصرہ میں کوئی عصر کی نماز پڑھنے والا نہ تھا[۵۴]

حلیہ، حضرت حسن بصری جمال معنوی کے ساتھ حسن ظاہری سے بھی آراستہ تھے، صورۃً نہایت حسین جمیل تھے[۵۵] اس حسن کے ساتھ خدا نے وجاہت اور رعب بھی عطا فرمایا تھا جس مجمع میں بیٹھتے تھے، سب میں ممتاز نظر آتے تھے، عاصم احول کا بیان ہے، کہ اونھوں نے ایک مرتبہ بصرہ جاتے وقت امام شعبی سے پوچھا کہ بصرہ میں آپ کی تو کوئی ضرورت نہیں، ہو شعبی نے کہا

---

۵۱ ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۲۷، ۵۲ ایضاً ص ۱۲۶، ۵۳ ایضاً ص ۱۲۹، ۵۴ ابن خلکان ج اول ص ۱۲۸،

۵۵ ابن سعد ج اول ص ۱۱۵،

حسن کو میرا سلام پہنچا دینا، عاصم نے کہا میں ان کو پہچانتا نہیں ہوں، شعبی نے یہ نشان بتایا کہ بصرہ میں داخل ہونے کے بعد تم کو جو سب سے زیادہ حسین شخص نظر آئے اور تمہارے دل پر جس کا سب سے زیادہ رعب پڑے اسی کو سلام پہنچانا، اس نشان پر عاصم نے سلام پہنچایا جو ٹھیک حسن بصری کو پہنچا[1]

لباس، اس حسن ظاہری کے ساتھ بڑے خوش لباس اور جامہ زیب تھے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے آپ ظاہری وضع وقطع میں زیادہ تقشف کو پسند نہ کرتے، بلکہ اوس کو جامۂ ریا سمجھتے تھے، اسی لئے نہایت بیش قیمت اور خوبصورت کپڑے استعمال کرتے تھے مشہور مشہور مقامات کے عمدہ کپڑے منگاتے تھے شطار کا کتان یمن کی چادر اور پھول دار چادریں استعمال کرتے تھے، لباس میں جبہ، ردا اور عمامہ پورے کپڑے ہوتے تھے، بغیر عمامہ کے گھر سے باہر نہ نکلتے تھے[2]

۱۷۔ حکم بن عتیبہ

نام ونسب، حکم نام، ابو عبداللہ کنیت کندہ کے غلام تھے،

فضل وکمال، علمی اعتبار سے کوفہ کے ممتاز ترین علما میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں "کان الحکم بن عتیبہ ثقۃ فقیھا عالما رفیعا کثیر الحدیث"[3] اکابر علما ان کے کمالات کے معترف تھے، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ کوفہ میں حکم کا مثل نہ تھا، اس عہد کے تمام علما ان کی دولت علم کے سامنے دامن احتیاج پھیلاتے تھے مجاہد بن رومی کہتے تھے کہ مجھکو حکم کے حقیقی کمال کا پورا اندازہ اس وقت ہوتا تھا جب بڑے بڑے علما مسجد منی میں جمع ہوتے تھے، اور وہ سب ان کی دولت علم کے دست نگر معلوم ہوتے تھے[4]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۶۴، [2] ابن سعد ج ۷ ق اول تذکرہ حسن بصری، [3] ایضاً ج ۶ ص ۲۳۱

[4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۰،

حدیث | کوفہ کے ممتاز حفاظِ حدیث میں تھے، حافظ ذہبی انھیں حافظ اور شیخ کوفہ[1] اور علامہ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں[2]، حدیث میں اونھوں نے صحابہ میں ابوجحیفہ، زید بن ارقم، عبد اللہ بن اوفیٰ اور تابعین میں قاضی شریح، قیس ابن ابی حازم، موسیٰ بن طلحہ، یزید بن شریک تیمی، عبداللہ بن شداد، سعید بن جبیر، مجاہد، عطاء، طاؤس، قاسم بن مخیمرہ، مصعب بن سعد، محمد بن کعب قرظی اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہ سے فیض اٹھایا تھا،

آپ کے تلامذہ میں اعمش، منصور، ابو اسحاق سبیعی، ابو اسحاق شیبانی، قتادہ، آبان بن صالح، حجاج بن دینار، اوزاعی، مسعر، شعبہ اور ابوعوانہ جیسے علماء تھے،[3]

فقہ | ابراہیم نخعی ائمہ فقہ میں تھے، حکم ان کے خاص اصحاب میں تھے،[4] ان کے فیضِ صحبت نے انکو کوفہ کا بہت بڑا فقیہ بنا دیا تھا، عبدہ بن ابی لبابہ کہتے تھے کہ میں نے دونوں کناروں کے درمیان حکم سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا[5]، لیث بن سلیم کہتے تھے کہ حکم امام شعبی سے بھی بڑے فقیہ تھے[6]،

شعبی کی جانشینی | شعبی کے بعد کوفہ کی مسند علم انہی کے حصہ میں آئی، اسرائیل بیان کرتے ہیں کہ حکم کو میں نے سب سے پہلے شعبی کی موت کے دن جانا، ان کی موت کے بعد ایک شخص کوئی مسئلہ پوچھنے آیا لوگوں نے اس سے کہا حکم بن عتیبہ کے پاس جاؤ،[7]

عبادت و ریاضت | اس علم کے ساتھ وہ بڑے عبادت گذار بھی تھے، عباس دوری کا بیان ہے کہ وہ صاحب عبادۃ وفضل تھے، پابندی سنت میں خاص اہتمام تھا، کان صاحبۃ سنۃ واتباع[5]،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۴، [2] ابن سعد ج ۶ ص ۲۳۱، [3] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۳۳
[4] ایضاً، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۴، [6] ابن سعد ج ۶ ص ۲۳۱، [7] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۳۳،

عظمت و احترام | ان کے علمی اخلاقی کمالات کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ان کی بڑی عظمت تھی، مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ مدینہ آتے تھے تو لوگ ان کے لئے رسول اللہ صلعم کا ساریہ خالی کر دیتے تھے، اس میں وہ نماز پڑھتے،[۱]

وفات | ہشام بن عبد الملک کے عہد خلافت ۸۵ھ میں وفات پائی،[۲]

۱۸- خارجہ بن زید

نام و نسب، | خارجہ نام ابوزید کنیت مشہور صحابی زید بن ثابتؓ کے صاحبزادے ہیں نسب نامہ یہ ہے، خارجہ بن زید بن ثابت بن ضحاک بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبد مناف بن مالک بن نجار، ماں کا نام جمیلہ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، جمیلہ بنت سعد بن الربیع بن عمرو بن مالک بن امرالقیس ابن مالک بن ثعلبہ خزرجی،

فضل و کمال | خارجہ کے والد حضرت زید بن ثابتؓ علمائے صحابہ میں تھے، خصوصاً حفظ قرآن میں جماعت صحابہ میں ممتاز تھے، کلام اللہ انہی کی زیر نگرانی مدون ہوا تھا، خارجہ نے اسی آغوش علم میں پرورش پائی تھی، باپ کے فیض تعلیم سے ان کا شمار انکے عہد کے کبار علماء میں ہوگیا تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ کبار علماء میں تھے[۳] امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ علم میں امام بارع تھے، اور ان کی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے،[۴]

حدیث | حدیث میں انھوں نے اپنے والد زیدؓ اپنے چچا یزیدؓ اسامہ بن زید، سہل بن سعد عبدالرحمن ابن ابی عمرہ سے سماع حدیث کیا تھا، خود ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے لڑکے سلیمان

---

۱ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۴، ۲ ابن سعد ج ۶ ص ۲۳۱، ۳ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۰،

۴ تہذیب الاسماء نووی ج اول ق اول ص ۱۷۲،

بھتیجے سعد اور قیس بن سعد اور عام لوگوں میں عبداللہؓ بن عمرو بن عثمان، مطلب عبداللہ اور یزید ابن قسیط وغیرہ لائق ذکر ہیں[1]،

فقہ، فقہ ان کا امتیازی فن تھا، اس میں وہ امامت اور اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے، چنانچہ مدینہ کے سات مشہور فقہا میں ایک ان کا نام بھی تھا[2]،

فرائض، حضرت زید بن ثابتؓ فرائض کے بھی بڑے عالم تھے، اس لئے خارجہ کو یہ دولت گویا وراثۃً ملی تھی، چنانچہ علمائے مدینہ میں وہ اور طلحہ بن عبداللہ بن عوف میراث تقسیم کرتے تھے، اور تقسیم کے وثیقے لکھتے تھے، اور اس میں ان کا قول سند مانا جاتا تھا[3]،

وفات، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہدِ خلافت ۱۰۰ھ میں وفات پائی، وفات سے کچھ دنوں پہلے خواب دیکھا کہ ستر سیڑھیاں بنائی ہیں، انھیں بنانے کے بعد گر پڑے، اسی سال انتقال ہو گیا، وفات کے وقت پورے ستر سال کی عمر تھی، ابوبکر بن محمد والی مدینہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی[4]،

حلیہ اور لباس، خارجہ کا جسم نہایت سڈول اور خوبصورت تھا، خز کی چادر اوڑھتے تھے، سپید عمامہ باندھتے تھے اور بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے[5]،

اولاد، وفات کے بعد متعدد اولادیں یادگار چھوڑیں، لڑکوں میں زید، عمر، عبداللہ، محمد اور لڑکیوں میں حبیبہ، حمیدہ، ام یحییٰ، اور ام سلیمان تھیں، اور یہ سب اولادیں ام عمرو بنت حزم کے بطن سے تھیں[6]،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۷۵، [2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۷۵، [3] ایضاً، [4] ابن سعد ج ۵ ص ۱۹۴، [5] ایضاً، [6] ایضاً،

۱۹- خالد بن معدان

نام ونسب: خالد نام، ابوعبداللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، خالد بن معدان بن ابی کریب کلابی،

فضل وکمال: خالد کو علم وفن کے ساتھ خاص ذوق وشغف تھا اور وہ ان کا مشغلۂ حیات بن گیا تھا، بحیر کا بیان ہے کہ میں نے ان سے زیادہ علم سے چسپاں رہنے والا نہیں دیکھا[1]، اس ذوق نے انکو حمص کا ممتاز عالم بنا دیا تھا،[2]

حدیث: حدیث کے وہ بڑے حافظ تھے، ستر صحابہ سے ملاقات کا شرف حاصل تھا[3]، ان میں سے ثوبانؓ، ابن عمرؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، عتبہ بن عبدالسلمیؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، مقدام بن معدیکربؓ اور ابوامامہ سے سماع حدیث کیا تھا، عبادہ بن ثابتؓ، ابودرداءؓ، معاذ بن جبلؓ، ابوعبیدہؓ، ابوذر غفاریؓ اور عائشہ صدیقہؓ سے مرسل روایات کی ہیں،[4]

فقہ: فقہ میں بھی انھیں پورا درک تھا، صحابہ کرام کی جماعت کے بعد فقہائے شام کے تیسرے طبقہ میں ان کا شمار تھا،[5]

حلقۂ درس: ان کا حلقۂ درس بھی تھا لیکن شہرت سے اس قدر گھبراتے تھے کہ جب حلقہ زیادہ بڑھا تو شہرت کے خوف سے درس وتدریس کی مسند اٹھا دی،[6]

تلامذہ: ان کے تلامذہ میں بحیر بن سعید، محمد بن ابراہیم تیمی، ثور بن یزید، حریز بن عثمان، عامر بن حشیب، حسان بن عطیہ، اور فضیل بن فضالہ وغیرہ لائق ذکر ہیں،[7]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۸۰۔ [2] ایضاً، [3] ایضاً، [4] تہذیب التہذیب ج ۳ ص۱۱۹، [5] ایضاً [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۸۰۔ [7] تہذیب التہذیب ج ۳ ص۱۱۸،

کتابت علم، انھوں نے اپنے تمام معلومات قلم بند کرلئے تھے، ان کے تلمیذ بحیر کا بیان ہے کہ ان کا سارا علم ایک مصحف میں تھا،[1]

ارباب علم کا اعتراف، اس عہد کے بڑے بڑے ائمہ ان کے علمی کمالات کے معترف تھے، سفیان ثوری کہتے تھے کہ میں خالد بن معدان پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا،[2] امام اوزاعی ان کی بڑی عظمت کرتے تھے، اور لوگوں کو ان کی لڑکی عبدہ کے پاس بھیجکر ان کے طریقے معلوم کراتے تھے[3]

عبادت، اس علم کے ساتھ وہ عمل کی دولت سے بھی مالا مال تھے، ابن حبان ان کو بہترین خدا کے بندوں میں لکھتے ہیں،[4] دن بھر میں ستر ہزار تسبیحیں پڑھتے تھے،[5] عبادت وریاضت کا نشان پیشانی پر تاباں تھا،[6]

موت کا ذوق، موت خاصانِ خدا کے لئے پیام وصل ہے، اس لئے خالد اس سے خوفزدہ ہونے کے بجائے اس کے مشتاق رہتے تھے، چنانچہ کہتے تھے کہ اگر موت کوئی ایسا علم ہوتی، جس کی جانب مسابقت کی جاسکتی، تو میں سب سے پہلے اسکے پاس پہنچتا اور اس شخص کے سوا جو اپنی قوت سے آگے بڑھ جاتا، اور کوئی مجھ سے بازی نہ لے جاسکتا،[7]

وفات، یزید بن عبد الملک کے عہد میں یہ ذوق پورا ہوا، اور ۱۰۳ھ میں وفات پائی، وفات کے دن روزے سے تھے،[8]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۰، [2] ایضاً، [3] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۱۹، [4] ایضاً، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۰، [6] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱۶۲ [7] ایضاً، [8] ایضاً،

۲۰- داؤد بن دینار

نام ونسب | داؤد نام، ابوبکر کنیت، طہمان القشیری کے غلام تھے، اصل وطن سرخس تھا، لیکن بصرہ میں سکونت اختیار کرلی تھی[1]،

فضل وکمال، | داؤد کا پیشہ خیاطی تھا[2]، لیکن یہ پیشہ انھیں تحصیل علم اور کسب کمال سے نہ روک سکا، انھوں نے خیاطی کے ساتھ ساتھ قرآن، حدیث اور فقہ میں اتنا کمال حاصل کرلیا، کہ حافظ ذہبی انھیں امام حافظ اور مفتی لکھتے ہیں[3]،

تعلیم قرآن، | قرآن کے ساتھ انھیں خاص شغف تھا، اس شغف کا باعث ایک خاص واقعہ ہوا جو خود انہی کی زبان میں یہ ہے کہ میں ایک مرتبہ طاعون میں مبتلا ہوا، بیہوشی کی حالت میں مجھے نظر آیا کہ میرے پاس دو آدمی آئے ہیں، ان میں سے ایک نے میری زبان کی جڑ کو اور دوسرے نے میرے تلوے کو دبا کر ایک نے دوسرے سے پوچھا کیا چیز معلوم ہوتی ہے، دوسرے نے جواب دیا تسبیح تکبیر اور کچھ مسجد کی طرف چلنا اور تھوڑی سی قرآن کی قرأت، میں نے اس وقت تک قرآن حاصل نہ کیا تھا بیماری سے اٹھنے کے بعد ہمہ تن تعلیم قرآن کی طرف متوجہ ہوگیا، اور اس کو حاصل کرلیا[3]،

حدیث | حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقۃ کثیر الحدیث[4] حافظ ذہبی امام حافظ اور ثبت لکھتے ہیں[5] حدیث میں انھوں نے ابوالعالیہ، سعید بن مسیب، ابوعثمان نہدی

۱؎ تہذیب التہذیب ج ۳ ص۲۰۴، ۲؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۳۱، ۳؎ ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۰، ۴؎ ایضاً، ۵؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۳۱،

شعبی، عکرمہ، عزرہ بن عبد الرحمٰن، محمد بن سیرین، ابو الزبیر، مکحول شامی وغیرہ سے سماع کیا تھا، اور شعبہ، ثوری، مسلمہ بن علقمہ، ابن جریج، حماد، وہیب بن خالد، عبد الوارث بن سعید، عبد الاعلیٰ ابن الاعلیٰ، یحییٰ القطان، یزید بن زریع، اور یزید بن ہارون وغیرہ ان کے زمرۂ تلامذہ میں تھے،[۱]

ان کی مرویات کی تعداد دو سو تک پہنچتی ہے،[۲] کیفیت کے اعتبار سے ان کی مرویات کے متعلق ائمہ فن کی یہ رائے تھی، امام احمد بن حنبل فرماتے تھے، کہ "وہ ثقہ ہیں، ثقہ ہیں" ایک مرتبہ کسی نے داؤد کے بارے میں آپ سے پوچھا، آپ نے فرمایا داؤد جیسے شخص کے متعلق بھی پوچھنے کی ضرورت ہے،[۳] ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ متقنین فی الروایہ میں تھے،[۴] عجلی کہتے ہیں کہ وہ ثقہ جید الاسناد اور رفیع تھے،[۵] ان کی روایات صحاح کی تمام کتابوں میں ہیں،

فقہ ان کے تفقہ کے لئے یہ سند کافی ہے کہ بصرہ جیسے علمی مرکز کے مفتی تھے،[۶]

قوت استدلال اس علم کے ساتھ اون کا دماغ نہایت عقلی تھا، قوتِ استدلال ایسی زبردست تھی کہ بڑے سے بڑے معترضین کو دو جملوں میں خاموش کر دیتے تھے، ایک مرتبہ شام گئے، وہاں غیلان قدری سے ملاقات ہوئی، اس نے کہا میں آپ سے چند مسائل پوچھنا چاہتا ہوں، آپ نے جواب دیا تم پچاس مسائل پوچھ سکتے ہو لیکن مجھے دو سوالوں کی اجازت دو، غیلان نے کہا، فرمائیے، آپ نے سوال کیا خدا نے انسان کو سب سے افضل کون سی شے عطا کی ہے؟ غیلان نے کہا عقل، فرمایا اچھا بتاؤ عقل اختیاری شے ہے کہ جس کا دل چاہے لے اور جس کا دل چاہے نہ لے، یا خدا کی جانب سے تقسیم ہوتی ہے، غیلان ان چند جملوں کو سنکر خاموشی سے چلا گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا، اس وقت داؤد نے کہا عقل ہی کی طرح خدا نے ایمان و مذہب

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۰۴، [۲] تہذیب الکمال ص ۱۱۱، [۳] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۰۴، [۴] ایضاً، [۵] ایضاً، [۶] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۱،

ہر شے تقسیم فرمائی ہے، خدا ہی کی قوت اصل ہے[1] اور جب تمام امور خدا کی طرف سے ہوئے تو پھر قدر کہاں رہ گیا،

عمل | اس علم کے ساتھ داؤد نے عمل کی دولت سے بھی وافر حصہ پایا تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ راس فی العلم والعمل تھے[2]، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ صالح آدمی تھے[3]، راستہ چلتے خدا کا ذکر کرتے تھے[4]، چالیس سال تک مسلسل روزے رکھے اور گھر والوں کو خبر تک نہ ہونے پائی، صبح کو گھر سے کھانا لے کر دوکان چلے جاتے تھے اور راستہ میں اس کو خیرات کر دیتے تھے، اور شام کو گھر واپس ہو کر افطار کرتے تھے[5]،

وفات | ۱۳۹ھ میں حج سے واپسی میں راستہ میں وفات پائی[6]،

۲۱۔ ربیع بن خثیم

نام ونسب | ربیع نام، ابو یزید کنیت، نسباً قبیلہ ثعلبہ کی ایک شاخ ثور سے تھے، نسب نامہ یہ ہے ربیع بن خثیم بن عائذ بن عبد اللہ بن منقذ بن ثور ثوری، ربیع ان تابعین میں ہیں، جنھوں نے رسالت کا مقدس دور پایا تھا، لیکن شرف صحابیت سے محروم رہے، تاہم وہ اس عہد کے برکات سے مالا مال تھے، اور عمل و علم اور زہد و تقوی کے اعتبار سے ممتاز ترین تابعین میں ہیں،

فضل و کمال | جیسا کہ آئندہ سطور سے معلوم ہوگا کہ ربیع صاحب علم تابعین میں تھے، لیکن ان کے علم کی روشنی کو زہد و ورع کے نور نے مدھم کر دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ علم سے زیادہ تقوی میں مشہور ہیں، ورنہ جہاں تک ان کے علمی کمالات کا تعلق ہے اس میں بھی وہ اپنے اقران میں

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۱، [2] ایضاً، [3] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۰۴، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۲

[5] ایضاً ص ۱۳۱، [6] ایضاً و ابن سعد ج ۶، ق ۲ ص ۲۰۰،

ممتاز تھے، اونھوں نے زمانہ ایسا پایا تھا جب علما صحابہ کی بڑی جماعت موجود تھی، چنانچہ صحابہ میں اونھوں نے عبد اللہ بن مسعودؓ اور ابو ایوب انصاریؓ سے فیض اٹھایا تھا[1] عبد اللہ بن مسعودؓ سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ مستفید ہوئے تھے، ان کی بارگاہِ علم میں ربیع کو اتنا تقرب حاصل تھا کہ جب وہ اون کی خدمت میں حاضر ہوتے تو جب تک دونوں کی تنہائی کی صحبت ختم نہ ہو جاتی اور دونوں کی ضرورتیں پوری نہ ہو جاتیں اس وقت تک کسی کو اندر داخل ہونے کی اجازت نہ ملتی، ابن مسعودؓ پر ان کے فضائل و کمالات کا اتنا اثر تھا کہ وہ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ ابو یزید اگر تم کو رسول اللہ صلعم دیکھتے تو تم سے محبت فرماتے، جب میں تم کو دیکھتا ہوں تو متواضعین یاد آتے ہیں[2]

عبد اللہ بن مسعودؓ کی صحبت وہ تھی جس نے معمولی معمولی انسانوں کو صیقل علم سے جلا دیکر چمکا دیا، ربیع تو فطرۃً نہایت صالح اور صاحبِ استعداد تھے، اس لئے وہ ابن مسعودؓ کے علمی برکات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوئے،

قرآن ربیع کو قرآن، حدیث، فقہ جملہ علوم میں درک حاصل تھا، علمی حیثیت سے قرآن کے ساتھ زیادہ شغف تھا، جس کا ذکر آیندہ آئے گا، قرآن کی تفسیر و تاویل آیاتِ قرآنی سے استدلال اور مناسب مواقع پر آیات کو چسپاں کرنے کا بڑا ملکہ تھا، اپنی واعظانہ تقریروں میں وہ نہایت موزونیت سے آیاتِ قرآنی کو کھپاتے تھے، جس کا اندازہ اون کے مواعظ سے ہوتا ہے، ان کا وعظ عموماً یہ ہوتا تھا،

اے خدا کے بندے، ہمیشہ بھلی بات کہا کر، اور بھلائی پر عمل کیا کر، ہمیشہ بھلی خصلتوں پر رہا کر، اپنی مدت (حیات) کو زیادہ نہ سمجھ، اپنے قلب کو سخت نہ بنا، اور ان لوگوں کا مصداق نہ بن جو کہتے ہیں ہم نے سنا حالانکہ وہ نہیں سنتے،

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۲، [2] ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۷،

لاتکونوا کالذین قالوا سمعنا — ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو کہتے ہیں کہ ہم نے سنا

وہم لا یسمعون (انفال۔۳) — حالانکہ نہیں سنتے،

اے خدا کے بندے اگر تو اچھے کام کرتا ہے تو ایک کے بعد دوسرا برابر کئے جا، کیونکہ عنقریب تجھے وہ دن پیش آنے والا ہے، جب تجھ کو یہ حسرت رہ جائیگی، کہ کاش زیادہ اچھے کام کئے ہوتے، اگر تجھ سے کچھ برائیاں سرزد ہو چکی ہیں تو بھی اچھے کام کر، کہ خدا فرماتا ہے،

ان الحسنات یذھبن السیئات — بھلائیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں اور

ذالک ذکریٰ للذاکرین، (ہود۔۱۰) — نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے،

اے بندہ خدا خدا نے اپنی کتاب میں جو علم تجھے عطا کیا ہے، اس پر اس کا شکر ادا کر، اور جو اس نے تجھکو نہیں دیا بلکہ اپنے لئے مخصوص رکھا، اس کو اس کے جاننے والے کے سپرد کر اور بناوٹ نہ کر کیونکہ خدا فرماتا ہے[1]،

قل ما اسئلکم علیہ — (اے پیغمبر) کہدے کہ میں اس پر تجھ سے

من اجر وما انا من المتکلفین — کوئی اجر نہیں مانگتا، اور میں تکلف کرنے

ان ھو الا ذکر للعالمین — والوں میں نہیں ہوں، قرآن دونوں عالم

ولتعلمن نباہ بعد — کے لئے نصیحت ہے، اور ایک وقت آئیگا،

حین (ص۔۵) — جب تم کو اس کی حقیقت معلوم ہوگی،

حدیث حدیث میں انھیں حافظ ذہبی امام اور قدوہ لکھتے ہیں[2]، عبد اللہ بن مسعودؓ، ابوایوب انصاریؓ، عمرو بن میمونؓ اور عبد الرحمن بن ابی لیلیٰؓ وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا، اور ابراہیم نخعی، امام شعبی، منذر ثوری، ہلال بن یساف اور بکر بن ماعز وغیرہ جیسے اکابر ان کے تلامذہ میں تھے[3]

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۵، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵، [3] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۲،

معیار کے اعتبار سے اون کی روایات کا جو پایہ تھا، اس کا اندازہ ان آرا سے ہو سکتا ہے، امام شعبی کہتے ہیں کہ ربیع سچائی کا معدن ہیں، ابن معین کہتے تھے کہ ربیع جیسے شخص کے متعلق کچھ پوچھنے گچھنے کی ضرورت نہیں[1]،

فقہ، اگرچہ ربیع نے فقہ کی حیثیت سے کوئی شہرت حاصل نہیں کی لیکن ان کے تفقہ کے لئے یہ سند کافی ہے کہ وہ فقیہ الامت عبداللہ بن مسعودؓ کے جن کے فتاوی پر عراقی فقہ کی بنیاد ہے تربیت یافتہ اور خاص اصحاب میں تھے لیکن جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، ان کی ان حیثیتوں کو ان کے زہد و ورع نے بالکل دبا دیا تھا،

بنی ثور کی بعض خصوصیات، عموماً ہر خاندان میں کچھ نہ کچھ خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جو کم و بیش اس کے تمام افراد میں پائی جاتی ہیں، کوئی خاندان علم و فن میں ممتاز ہوتا ہے، کوئی زہد و ورع میں، کوئی اور کسی خاص وصف میں، ربیع کا خاندان یعنی بنی ثور عبادت و ریاضت میں نمایاں اور ممتاز تھے شہرمہ کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ میں بنی ثور سے زیادہ فقیہ اور عبادت گذار شیوخ اور کسی قبیلہ میں نہیں دیکھے، ابی بکر زبیدی اپنے باپ کی زبانی بیان کرتے ہیں، کہ میں نے ثوریوں اور عرنیوں سے زیادہ مسجد میں بیٹھنے والا کوئی خاندان نہیں دیکھا[2]،

زہد و ورع، ربیع اسی عبادت گذار قبیلہ کے فرزند تھے جو نسبی اور روحانی کمالات میں سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز تھا، وہ نہ صرف اپنے قبیلہ بلکہ جماعت تابعین کے عابد ترین افراد میں تھے، ان کا شمار ان چند تابعین میں تھا جو زہد و ورع کے لحاظ سے پوری جماعت میں ممتاز تھے[3]، ان کے زہد و ورع اور عبادت و ریاضت پر تمام علما اور مصنفین کا اتفاق عام ہے، امام شعبی کا بیان ہے، کہ ربیع اپنی جماعت میں سب سے زیادہ متورع تھے[4] ابی عبیدہ بیان کرتے ہیں

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ صہ ۲۴۲، [2] ابن سعد ج ۶ صہ ۱۳۳، [3] تہذیب التہذیب ج ۳ صہ ۲۴۲، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول صہ ۵۶،

کہ میں نے ربیع سے زیادہ لطیف العبادۃ نہیں دیکھا[1]، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ربیع کا زہد اوران کی عبادت اس قدر مشہور ہے کہ اس کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں[2]،

خشیتِ الٰہی، تمام اعمالِ حسنہ کا سرچشمہ خشیتِ الٰہی ہے، ربیع پر اتنی خشیت طاری رہتی تھی، کہ روتے روتے داڑھی آنسوؤں سے تر ہوجاتی تھی، عذابِ دوزخ کا معمولی نمونہ دیکھ کر بیہوش ہوجاتے تھے، اعمش بیان کرتے ہیں، کہ ایک مرتبہ ربیع لوہار کی بھٹی کی طرف سے گذرے تو بھٹی دیکھکر بے ہوش ہوگئے[3]،

شب بیداری، ان کی عبادت کا خاص وقت شب کی تاریکی تھا، ساری ساری رات عبادت کرتے تھے، پُرموعظت آیات پڑھتے تھے، اور شدتِ تاثر میں انکو دہراتے دہراتے صبح کردیتے انکے غلام نسیر بن ذعلوق بیان کرتے ہیں کہ ربیع رات کی تاریکی میں تہجد پڑھتے پڑھتے جب اس آیت پر پہنچے:-

ام حسب الذین اجترحوا	کیا جنھوں نے برائیاں کی ہیں یہ گمان
السیئات ان نجعلھم	کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر
کالذین آمنوا وعملوا الصالحات	کریں گے جنھوں نے اچھے اعمال کئے انکی
سواءً محیاھم ومماتھم	زندگی اور موت برابر ہے، وہ لوگ کیا ہی
ساءَ ما یحکمون، (جاثیہ-۲)	برا فیصلہ کرتے ہیں،

تو اس کو دہراتے دہراتے صبح کر دیتے تھے[4]،

جماعت کا اہتمام، نماز باجماعت کبھی ناغہ نہ ہوتی تھی، آخر عمر میں فالج کے اثر سے چلنے پھرنے

[1] ابن سعد ج ۶ ص۱۲۷، [2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص۲۴۲، [3] ابن سعد ج ۶ ص۱۳۱، [4] تہذیب الکمال ص۱۱۵، [5] ابن سعد ج ۶ ص۲۳،

معذور ہوگئے تھے لیکن اس وقت بھی نماز با جماعت قضا نہ ہوتی تھی، دوسروں کے سہارے گھسٹتے ہوئے مسجد پہنچتے تھے، ابوحیان اپنے والد کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ ربیع فالج سے بالکل معذور ہوگئے تھے لیکن نماز کے لئے پیروں سے گھسٹتے ہوئے یا دوسروں کا سہارا لے کر مسجد میں آتے تھے، لوگ کہتے ابویزید اس مجبوری کی حالت میں تو آپ کو گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے، جواب دیتے "حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح" سننے کے بعد جہاں تک ہو سکے اسکا جواب دینا چاہئے، خواہ گھٹنے کے بل چلنا پڑے[1]،

جہاد لوجہ اللہ اگرچہ ربیع ایک زاہد گوشہ نشین تھے، اسی لئے وہ خلافت راشدہ کے دور میں موجود ہونے کے باوجود اس عہد کی عملی زندگی میں نہیں نظر آتے، لیکن جہاد فی سبیل اللہ کے لئے گوشۂ عزلت سے باہر نکل آتے تھے، اور یہ جہاد بھی اس قدر خالص اور لوجہ اللہ ہوتا تھا، کہ مالِ غنیمت بھی اپنے تصرف میں نہ لاتے تھے، بلکہ جو کچھ ملتا تھا، اس کو خدا ہی کی راہ میں صرف کر دیتے تھے، عبد خیر بیان کرتے ہیں، کہ میں ایک جنگ میں ربیع کا رفیقِ جہاد تھا، ہمیں انھیں غنیمت میں بہت سے غلام اور مویشی ملے، چند دنوں کے بعد مجھے اون کے پاس جانے کا اتفاق ہوا تو ان میں سے کوئی شے نظر نہ آئی میں نے پوچھا وہ غلام اور مویشی کیا ہوئے، اس مرتبہ انھوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا جب میں نے دوبارہ پوچھا تو فرمایا، لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ[2]

انفاق فی سبیل اللہ انفاق فی سبیل اللہ ان کا خاص وصف تھا، اوپر کے واقعہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ ان چیزوں کو زیادہ خیرات کرتے تھے، جو انھیں زیادہ پسند خاطر ہوتی تھیں، آپ کو شیرینی مرغوب تھی، اس لئے جب کوئی سائل آتا، تو اسے شکر دیتے، لوگ آپ سے کہتے کہ وہ شکر کیا کریگا، اس کے لئے تو اس سے بہتر روٹی ہے، جواب دیتے خدا فرماتا ہے، ویطعمون الطعام

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۳۲، [2] ایضاً ص ۱۳۳،

علی حبہ[۵۱]،

حاجت مند نادار اور مجنوں پڑوسیوں کو اچھے اچھے کھانے پکوا کر کھلاتے تھے، منذر ثوری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ربیع نے اپنے گھر والوں سے خبیص (ایک قسم کا کھانا) پکانے کو کہا چونکہ وہ اپنے لئے کبھی کسی چیز کی فرمائش نہیں کرتے تھے، اس لئے اون کی بیوی نے بڑے اہتمام سے خبیص تیار کیا، ان کے پڑوس میں ایک دیوانہ رہتا تھا، ربیع نے خبیص لیجا کر اپنے ہاتھ سے اس کو کھلایا، اس کے منہ سے لعاب بہتا جاتا تھا، جب کھلا کر گھر واپس آئے تو بیوی نے کہا ہم نے زحمت اٹھا کر اتنے اہتمام سے پکایا اور تم نے لیجا کر ایک ایسے شخص کو کھلا دیا جو یہ بھی نہیں سمجھ سکتا کہ اس نے کیا کھایا، آپ نے جواب دیا خدا تو جانتا ہے[۵۲]،

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کی زندگی کا نہایت اہم فریضہ تھا، جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا، وہ نہایت خاموش اور عزلت نشین تھے، لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے یہ عزلت نشینی اور خاموشی ٹوٹ جاتی تھی، آپ کے پاس جو شخص آتا اس سے فرماتے اچھی باتیں کہا کرو اور خود اچھی باتوں پر عمل کیا کرو ہمیشہ بھلائی پر رہا کرو، جہاں تک ہو سکے نیک کاموں میں زیادتی کرو اور برے کاموں میں کمی اپنے دلوں کو سخت نہ بنالو، تمہاری مدت زیادہ نہیں ہے، ان لوگوں میں نہ ہو جو زبان سے تو کہتے ہیں ہم سنتے ہیں لیکن حقیقتاً نہیں سنتے[۵۳]

جو شخص نصیحت کی درخواست کرتا اسے قرآنی احکام لکھوا دیتے، ایک شخص نے درخواست کی کہ کچھ وصیت فرمایئے، اس کی درخواست پر کاغذ منگا کر قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم سے لعلکم تتقون تک قرآن کی آیات لکھوا دیں اس شخص نے کہا میں آپ کے پاس اس لئے آیا تھا کہ آپ مجھے کچھ وصیت کریں گے، فرمایا بس انہی پر عمل کرو[۵۴]،

---

۵۱ ابن سعد ج ۶ ص ۱۳۱ ۵۲ ایضاً، ۵۳ ایضاً ص ۱۳۰، ۵۴ ایضاً،

پندار تقوی سے احتراز اس راہ کی سب سے کٹھن منزل پندار تقوی سے بچنا ہے، جہاں بڑے بڑے زاہدوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں، اور عبائے زہد کے دامن پندار کے داغ سے داغدار بنجاتے ہیں لیکن ربیع کا یہ خاص کمال تھا کہ وہ تقوی کے اس درجہ کمال پر ہونے کے باوجود گنہگاروں کے لیے بھی اپنی زبان سے کوئی ناروا کلمہ نکالتے تھے نسیر بن ذعلوق کا بیان ہے کہ کسی نے ربیع سے پوچھا کہ آپ لوگوں کو برا نہیں کہتے آپ نے جواب دیا خدا کی قسم مجھے خود اپنے نفس پر طمینان نہیں ہے، کہ دوسروں کو برا کہوں، لوگوں کا عجیب حال ہے کہ وہ دوسروں کے گناہوں پر تو خدا سے ڈرتے ہیں لیکن خود اپنے گناہوں کی جانب سے بے خوف ہیں،[1]

شدت احتیاط ربیع کو اوامر و نواہی کے باب میں اتنا اہتمام تھا اور وہ چھوٹی چھوٹی اور معمولی معمولی باتوں میں اتنی احتیاط برتتے تھے، کہ ہر شخص کا ذہن بھی ان کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا، بکر بن ماعز کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ربیع کی بچی نے ان سے کہا، ابا میں کھیلنے جاتی ہوں فرمایا جاؤ، اچھی باتیں کہو، چھوٹی بچی اس کو کیا سمجھتی، وہ سر ہو گئی کہ میں کھیلنے جاتی ہوں لوگوں نے ربیع سے کہا آپ اسے کھیل کے لئے کیوں نہیں جانے دیتے، فرمایا میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے آج کے نامۂ اعمال میں یہ لکھا جائے کہ میں نے کھیل کا حکم دیا،[2] نرد شیر کا کھیل گو لہو لعب میں ہے، اس لئے اس کی ممنوعیت کی حیثیت بھی اسی حد تک ہے لیکن ربیع شدت احتیاط میں کہتے تھے کہ میں نرد شیر کے پانسوں کو اپنے ہاتھوں سے الٹنے کے مقابلہ میں سور کے گوشت کو اٹھا لینا زیادہ پسند کرتا ہوں،[3]

انکسار و تواضع ان کمالات پر انکسار و تواضع کا یہ حال تھا کہ پاخانہ تک اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے تھے، ایک شخص نے کہا، اس کام کے لئے دوسرے لوگ موجود ہیں، جواب دیا میں چاہتا

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۹، [2] ایضاً ص ۱۳۱، [3] ایضاً ص ۱۳۲،

ہوں کہ گھر کے کاروبار میں بھی حصہ لوں، ان کی خاکساری کو دیکھ کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے، کہ تم کو دیکھ کر متواضعین کی یاد آجاتی ہے[۱]، کسی موقع پر بھی اُنکی زبان سے برا کلمہ نہ نکلتا تھا کسی سے تکلیف بھی پہونچتی تو اس کو دعا دیتے، ایک مرتبہ مسجد میں نمازیوں کا ہجوم زیادہ تھا، جب جماعت کھڑی ہونے لگی، اور لوگ آگے بڑھے تو ایک شخص نے جو ربیع کے پیچھے تھا، ان سے کہا آگے بڑھو لیکن کثرتِ اژدہام سے آگے راستہ نہ تھا اس لئے ربیع آگے نہ بڑھ سکے، اس نے غصہ میں پیچھے سے ان کی گردن میں کونچا دیا، انھوں نے گردن موڑ کر صرف اس قدر کہا، خدا تم پر رحم کرے، خدا تم پر رحم کرے، اس شخص نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو ربیع تھے، انھیں دیکھکر وہ فرطِ ندامت سے رونے لگا[۲]،

مجمعوں سے احتراز، ربیع نہایت تنہائی پسند تھے، نہ کہیں آتے جاتے تھے، نہ کسی مجمع میں بیٹھتے تھے، امام شعبی کا بیان ہے کہ ربیع جب سے سنِ شعور کو پہنچے نہ کسی مجلس میں بیٹھے نہ کسی شاہراہ پر گئے، اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے تھے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ میں کسی مقام پر جاؤں اور وہاں کوئی ایسی چیز دیکھوں جس میں شہادت میں بلایا جاؤں، اور شہادت نہ دے سکوں، یا کسی بوجھل آدمی کو دیکھوں اور اوس کی مدد نہ کرسکوں، یا مظلوم کو دیکھوں اور اس کی اعانت نہ کرسکوں[۳]،

سکوت وخاموشی، وہ گھر میں بھی عموماً خاموش رہتے تھے، بہت کم باتیں کرتے تھے، فضول کلمہ تو زبان سے نکلتا ہی نہ تھا، ایک شخص کا جو آپ کی خدمت میں بیس سال تک رہا تھا بیان ہے کہ میں نے بیس سال کی طویل مدت میں ان کی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہیں سنا جس پر نکتہ چینی کی جاسکے[۴]، اس شخص کا بیان ہے کہ میں نے بیس سال کے عرصہ میں ربیع کو کلمۂ خیر کے علاوہ

[۱] ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۷، [۲] ایضاً ص ۱۳۰، [۳] ایضاً ص ۱۲۵، [۴] ایضاً ص ۱۲۸،

دوسرا کلمہ زبان سے نکالتے ہوئے نہیں دیکھا[1] ایک تیمی کا بیان ہے کہ میں ڈو سال تک ربیع کے پاس بیٹھا اس دوران میں اونھوں نے مجھ سے انسانوں کے دنیاوی حالات کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا، صرف ایک مرتبہ اتنا پوچھا کہ تمھاری ماں زندہ ہیں، اور تمھارے محلہ میں کے مسجدیں ہیں[2]، وہ دوسروں کو بھی فضول گوئی سے منع کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ باتیں کم کیا کرو، اگر ہو سکے تو فضول باتوں کے بجائے، سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ، اور اللہ اکبر، کا ورد کیا کرو، لوگوں کو اچھی باتیں کرنے کی تلقین کیا کرو، بری باتوں سے روکا کرو، قرآن پڑھا کرو، خدا سے بھلائی کی درخواست کیا کرو، اور شر سے پناہ مانگا کرو[3]،

دوسروں پر اخلاق کا اثر | ربیع گو خاموش اور عزلت نشین تھے لیکن پھول کی خوشبو اور آفتاب کی روشنی قید نہیں کی جاسکتی، اس لئے ان کی گوشہ گیری کے باوجود ان کی نکہتِ اخلاق ہر طرف پھیل گئی اور ہر شخص ان کے اخلاقی فضائل سے متاثر ہو گیا شقیق روایت کرتے ہیں، کہ ہم عبد اللہ بن مسعودؓ کے چند اصحاب کے ساتھ ربیع کی ملاقات کو گئے، ایک شخص نے راستہ میں پوچھا کہاں جاتے ہو، ہم نے کہا ربیع سے ملنے کے لئے، اس نے کہا تم لوگ ایسے شخص کے پاس جارہے ہو کہ جب وہ کوئی بات کہتا ہے، تو جھوٹ نہیں کہتا جب وعدہ کرتا ہے، تو وعدہ خلافی نہیں کرتا، اگر اس کے پاس امانت رکھو تو اس میں خیانت نہیں کرتا[4]،

کسی انسان کی حقیقی عظمت اس کے معاصرین کا اعتراف ہے، ربیع کے معاصرین ان سے اتنا متاثر تھے کہ ان کے مقابلہ میں ذہنی بڑائی اپنی طرف منسوب کرنا پسند نہ کرتے تھے، ایک شخص نے ابو وائل سے پوچھا کہ تم بڑے ہو، یا ربیع، اونھوں نے جواب دیا کہ سن میں ان سے بڑا ہوں لیکن وہ عقل میں مجھ سے بڑے ہیں[5]،

---

[1] ابن سعد ج ۶ صفحہ ۱۲۵، [2] ایضاً صفحہ ۱۲۹، [3] ایضاً، [4] ایضاً صفحہ ۱۲۷، [5] ایضاً صفحہ ۱۳۰،

بیماری میں توکل علی اللہ | توکل اور اعتماد علی اللہ کے اصل معنی ہیں کہ کوشش کرکے کسی کام کی کامیابی اور ناکامیابی کو خدا کے حوالہ کر دینا، لیکن توکل کا ایک درجہ اس سے بھی بلند ہے، جو صرف خاصانِ خدا کا حصہ ہے، وہ یہ کہ دنیاوی وسائل ہی نہ اختیار کئے جائیں، اور اس کو خدا کے حوالہ کر دیا جائے، ربیعؓ اسی درجۂ قصوی پر فائز تھے، کہ وہ موت وزیست کے سوال کے موقع پر بھی دنیاوی وسائل نہ اختیار کرتے تھے، فالج جیسے موذی اور زندہ درگور کر دینے والے مرض میں مبتلا تھے، لیکن کسی طرح علاج نہیں کرتے تھے، لوگ ان سے کہتے کاش آپ علاج کر لیتے، فرماتے، عاد وثمود اور اصحاب رس سب گزر گئے، ان کے درمیان بہت سے قرن تھے، اور ان میں علاج کرنے والے بھی موجود تھے لیکن نہ تو علاج کرنے والے ہی باقی رہ گئے، اور نہ علاج کرانے والے سب مٹ گئے[1]،

وفات | اس توکل کا نتیجہ یہ ہوا کہ فالج کے مرض نے مرض الموت کی شکل اختیار کر لی، دمِ آخر انھوں نے لوگوں کے روبرو یہ اعترافات کئے کہ میں اپنے نفس پر اللہ کو گواہ بناتا ہوں، وہ اپنے نیک بندوں کی شہادت انھیں بدلہ دینے اور ثواب دینے کے لئے کافی ہے، میں خدا کی ربوبیت اسلام کے دین محمد صلعم کی نبوت اور رسالت اور قرآن کی امامت سے راضی ہوں، اور اپنی ذات اور اس شخص سے جو میری اطاعت کرے، اس بات پر راضی ہوں کہ ہم سب عابدین کے زمرہ میں خدا کی عبادت کریں، اور حمد کرنے والوں میں اس کی حمد کریں اور مسلمانوں کی خیر خواہی کریں[2]، ان وصیتوں کے بعد واصل بحق ہوئے، یہ کوفہ پر عبید اللہ بن زیاد کی ولایت کا زمانہ تھا[3]،

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۳۴، [2] ایضاً، [3] ایضاً،

۴۲- ربیعہ بن فروخ الملقب بہ "رائی"

نام ونسب، ربیعہ نام، ابوعثمان کنیت، "رائی" لقب، باپ کا نام فروخ، اور کنیت ابوعبدالرحمن تھی، فروخ قبیلہ بنی تمیم بن جرہ کے غلام تھے، اس غلام کے گھر میں ربیعہ پیدا ہوئے جو آگے چل کر اقلیم علم کے تاجدار بنے،

فضل وکمال فضل وکمال کے اعتبار سے، ربیعہ ائمہ تابعین میں تھے، ان کی علمی جلالت شان تمام علما ومحدثین میں مسلم تھی، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ربیعہ کی توثیق جلالت اور علمی اور عقلی عظمت پر تمام علما اور محدثین کا اتفاق ہے[۱]، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ امام تھے، حافظ تھے، فقیہ تھے، مجتہد تھے اور رائے میں انھیں خاص بصیرت تھی، اس لئے ربیعۃ الرائے کہلاتے تھے[۲]، خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ تھے، اور فقہ وحدیث کے حافظ تھے[۳]،

پیدائش وتعلیم، ربیعہ کے ابتدائی اور تعلیمی حالات نہایت سبق آموز اور دلچسپ ہیں، ابھی وہ شکم مادر میں تھے کہ ان کے والد فروخ کو خراسان کی مہم میں چلا جانا پڑا، اور کچھ ایسے اتفاقات پیش آتے گئے کہ وہ کامل ستائیس برس تک وطن نہ آسکے، ربیعہ کی ماں نہایت عاقلہ اور عاقبت اندیش خاتون تھیں، ربیعہ کی پیدائش کے بعد ان کو ان کی تعلیم وتربیت کا بڑا خیال تھا، چنانچہ شوہر کی عدم موجودگی میں انھوں نے پوری توجہ سے لڑکے کی تعلیم وتربیت دلائی اور شوہر کا کل اندوختہ جس کی تعداد تیس ہزار اشرفی تھی، ربیعہ کی تعلیم پر صرف کر دیا، ربیعہ خود نہایت ذہین، طباع اور شائق تھے، اس لیے انھوں نے بہت جلد تعلیم حاصل کر لی، اور آغاز شباب ہی میں وہ جملہ علوم

---

[۱] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۱۸۹، [۲] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۴۷، [۳] تاریخ خطیب ج ۸ ص ۴۲۱،

میں کامل ہوگئے، چھبیس ستائیس سال کی عمر میں ان کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا، اور ان کی ذات مرجع خلائق بن گئی،

ستائیس سال کے بعد اون کے والد گھر واپس آئے، گھر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا، باپ بیٹے دونوں ایک دوسرے سے ناواقف تھے، ربیعہ باہر نکلے تو دروازہ پر ایک اجنبی کو دیکھ کر سخت برہم ہوئے، اور کہا دشمن خدا تو میرے گھر پر حملہ کرتا ہے، فروخ نے جواب دیا دشمن خدا تو میرے حرم میں گھسا ہوا ہے، دونوں میں یہانتک گفتگو بڑھی کہ باہم دست وگریبان ہوگئے، یہ شور وہنگامہ سن کر پاس پڑوس کے آدمی جمع ہوگئے، یہاں آکر دیکھا تو دونوں آدمی گتھے ہوئے تھے ربیعہ فروخ سے لپٹے ہوئے کہہ رہے تھے کہ خدا کی قسم تجھکو حاکم شہر کے پاس لیجائے بغیر نہ چھوڑونگا فروخ کی زبان پر بھی یہی کلمات تھے، اتنے میں حضرت انس بن مالکؓ پہنچ گئے، اور فروخ سے کہا، بڑے میاں آپ کسی دوسرے گھر میں ٹھہر جایئے، اس وقت فروخ نے اپنا تعارف کرایا کہ میں بنی فلاں کا غلام ہوں، میرا نام فروخ ہے، اور یہ میرا گھر ہے، اون کی آواز سن کر ان کی بیوی گھر سے نکل آئیں، اور انھیں پہچان کر بیٹے سے کہا کہ یہ تمھارے باپ ہیں، اور شوہر کو بتایا کہ یہ تمھارا فرزند ہے، جسے تم حمل کی حالت میں چھوڑ گئے تھے، یہ پردہ اٹھنے کے بعد دونوں باپ بیٹے گلے مل کر خوب روئے گھر میں داخل ہونے کے بعد فروخ نے بیوی سے اندوختہ کے متعلق پوچھا اور کہا میرے پاس چار ہزار دینار اور ہیں، بیوی کل روپئے بیٹے کی تعلیم میں صرف کر چکی تھیں، جواب دیا ابھی ایسی جلدی کیا ہے، روپیہ حفاظت سے دفن ہے، اطمینان سے نکالوں گی، اس وقت ربیعہ کی ذات طالبان علم کا مرجع بن چکی تھی، مسجد نبوی میں ان کا حلقۂ درس قائم تھا جس میں مدینہ کے بڑے بڑے ارباب علم، عمائد اور اشراف شریک ہوتے تھے، ربیعہ معمول کے مطابق وقت پر مسجد چلے گئے، اون کی ماں نے درس کا وقت پہچان کر شوہر سے کہا ذرا مسجد نبوی میں جاکر نماز

پڑھاؤ، فروخ مسجد گئے تو دیکھا کہ ایک شخص کے گرد لوگوں کا ہجوم لگا ہوا ہے، امام مالک، حسن بن زید، ابن ابو علی لہبی، اوبساحقی وغیرہ مدینہ کے شرفاء اور اکابر حلقۂ درس میں شریک ہیں، فروخ یہ ہجوم دیکھکر قریب چلے گئے، لوگوں نے تھوڑا سا راستہ دیدیا، ربیعہ نے درس میں خلل پڑنے کے خیال سے سر جھکا لیا، فروخ نے لوگوں سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں، انھوں نے بتایا، ربیعہ بن ابی عبدالرحمن، فروخ یہ سن کر فرط مسرت میں بول اٹھے، خدا نے میرے لڑکے کو یہ رتبہ عطا کیا، اور گھر جاکر بیوی سے کہا میں نے تمھارے لڑکے کو ایسے رتبہ پر دیکھا کہ اس سے قبل کسی صاحب علم فقہ کو نہ دیکھا تھا، شوہر کی زبان سے یہ اعتراف سننے کے بعد بیوی نے کہا، اب بتاؤ کیا چاہتے ہو بیٹے کی یہ عظمت وشان یا تیس ہزار اشرفیاں، فروخ نے جواب دیا، خدا کی قسم لڑکے کی عظمت وشان، بیوی نے کہا تو پھر تمکو معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے تمھاری کل دولت اس کی تعلیم میں صرف کردی، فروخ نے کہا خدا کی قسم ٹھکانے لگی[۱]،

حدیث: ربیعہ کی شہرت زیادہ تر ان کے فقہی کمال کی وجہ سے ہے، لیکن وہ حدیث کے بھی ممتاز حفاظ میں تھے، ان کے حفظ حدیث پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے، علامہ ابن سعد انھیں ثقہ اور کثیر الحدیث[۲]، خطیب بغدادی حافظ فقہ وحدیث[۳] اور حافظ ذہبی امام اور حافظ حدیث لکھتے ہیں[۴]، ان کی حدیث دانی ان کے معاصرین میں مسلم تھی، ایک مرتبہ عبدالعزیز بن ابی سلمہ عراق گئے، تو اہل عراق نے ان سے کہا کہ ربیعۂ "رائی" کی حدیثیں سنی ہیں، انھوں نے کہا تم لوگ انکو ربیعۂ "رائی" کہتے ہو، خدا کی قسم میں نے ان سے زیادہ کسی کو سنت پر حاوی نہیں دیکھا[۵]،

حدیث میں ان کے درجہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یحییٰ بن سعید جو ان کے رشید تلمیذ

[۱] تاریخ خطیب ج ۸ ص ۴۲۱ و ۴۲۲، [۲] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۵۹، بحوالہ ابن سعد، [۳] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۲۱
[۴] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۴۱، [۵] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۲۴،

تھے، ان کی زندگی ہی میں، صاحبِ درس "محدث" بن گئے تھے، اور ربیعہ کی عدم موجودگی میں حدیث کا درس دیتے تھے[۱]

صحابہ میں ربیعہ نے انسؓ بن مالک اور سائب بن یزید اور تابعین میں محمد بن یحیی بن حبان، ابن مسیب، قاسم بن محمد، ابن ابی لیلی، اعرج، مکحول، حنظلہ بن قیس اور عبد اللہ بن یزید وغیرہ جیسے محدثین سے استفادہ کیا تھا اور یحیی بن سعید، ان کے بھائی عبدربہ، سلیمان التیمی، مالک، شعبہ، دونوں سفیان، حماد بن سلمہ، اور لیث وغیرہ اکابر محدثین ان کے تلامذہ میں تھے[۲]

فقہ | لیکن ربیعہ کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا، اس میں وہ امامت و اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور اپنے تمام معاصرین پر فائق تھے، ان کے فقہی کمالات میں ان کی فطری استعداد کو بہت بڑا دخل تھا، وہ نہایت ذہین اور طباع تھے، یحیی بن سعید کہتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ زیرک نہیں دیکھا، دوسری روایت میں ہے کہ میں نے ان سے زیادہ صحیح عقل والا نہیں دیکھا،[۳]

اس ذہانت و ذکاوت نے ان میں اجتہاد، استنباط، اور تفریع مسائل کا خاص ملکہ پیدا کر دیا تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ربیعہ امام، حافظ، فقیہ اور مجتہد تھے، رائے میں انھیں اتنی بصیرت حاصل تھی کہ "رائی" ان کا لقب ہو گیا تھا،[۴]

اس فقہی کمال کی وجہ سے وہ مدینۃ العلم مدینہ کی مسند افتا پر فائز ہوئے، کان صاحب الفتوی بالمدینۃ[۵] عباسی حکومت کے قیام کے بعد سفاح عباسی نے ان کو بلا کر عہدۂ قضا پر ممتاز کیا،[۶] امام مالک ان کے تلامذۂ خاص میں تھے، ربیعہ کی موت کے بعد ان کی زبان پر یہ حسرت کلمہ تھا کہ "ربیعہ کے بعد فقہ کا مزا جاتا رہا"،[۷] امام ابو حنیفہ جو فقہ رائے اور قیاس کے امام اعظم ہیں،

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۲۳، [۲] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۵۸، [۳] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۲۳، [۴] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۴۱، [۵] تاریخ خطیب ج ۸ ص ۴۲۱، [۶] ایضاً ص ۴۲۱ [۷] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۲۲،

ربیعہ کی خدمت میں استفادہ کے لئے آتے تھے، اور ان کے اقوال وآرار کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے[۱]

فتاوی میں احتیاط، لیکن اس قوت اجتہاد اور رائے اور قیاس میں اس ملکہ کے باوجود وہ اس قدر محتاط تھے، کہ مسائل میں اپنی رائے اور قیاس کو دخل نہ دیتے تھے، اور بغیر سند کے جواب دینا سخت ناپسند کرتے تھے، عبدالعزیز بن ابی سلمہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ربیعہ کے مرض الموت میں ان سے کہا کہ ہم لوگوں نے آپ ہی سے فیض پایا ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ ایسے مسائل پوچھتے ہیں جس کے بارے میں ہمارے پاس کوئی سند نہیں ہوتی، اور ہم کو یہ یقین ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں ہماری رائے اون کی رائے سے بہتر ہوگی، ایسی حالت میں کیا ہم اپنی رائے سے فتویٰ دیدیا کریں، یہ سن کر ربیعہ سہارا لے کر اٹھ بیٹھے، اور فرمایا عبدالعزیز تم پر افسوس ہے، کسی مسئلہ میں بغیر علم کے جواب دینے سے یہ بہتر ہے کہ تم جاہل مرجاؤ، اس جملہ کو تین مرتبہ دہرایا،[۲]

حلقہ درس، ربیعہ کی ذات مرجع خلائق تھی، ان کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، اس میں مدینہ کے تمام بڑے بڑے علما، عمائد اور شرفار شریک ہوتے تھے، امام مالک یحیی انصاری، امام اوزاعی اور شعبہ وغیرہ ائمہ اسی حلقۂ درس کے فیض یافتہ تھے خطیب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شمار کیا گیا تو چالیس بڑے بڑے عمامہ پوش ان کے حلقۂ درس میں تھے[۳]

تلامذہ، ربیعہ کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا، ممتاز تلامذہ میں امام مالک، یحیی انصاری، سفیان ثوری، شعبہ، لیث، اوزاعی، ابن عیینہ، سلیمان بن ہلال وغیرہ لائق ذکر ہیں، عام تلامذہ کی فہرست نہایت طویل ہے،[۴]

ربیعہ کے معاصرین کا اعتراف، ربیعہ کے تمام معاصرین میں اون کی علمی فضیلت مسلم تھی، عبیداللہ بن

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۲۲ [۲] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۵۹ [۳] ایضاً و تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۵۸،

[۴] تاریخ خطیب ج ۸ ص ۴۲۳،

عمر کہتے تھے کہ ربیعہ ہماری مشکلات کے عقدہ کشا، ہمارے عالم اور ہم سب میں افضل تھے[1] معاذ

ابن معاذ کا بیان ہے کہ سوار بن عبداللہ کہتے تھے کہ میں نے کسی کو ربیعہ رائی سے بڑا عالم نہیں دیکھا، میں نے

ان سے پوچھا حسن اور ابن سیرین کو بھی نہیں، انھوں نے کہا حسن اور ابن سیرین کو بھی نہیں[2]

یحییٰ بن سعید انصاری اگرچہ ربیعہ کے خوشہ چینوں میں تھے لیکن عمر میں ان کے برابر تھے

اور صاحب درس و افتا تھے لیکن ربیعہ کی موجودگی میں درس نہیں دیتے تھے[3]

معاصرین تو پھر بھی برابر کے لوگ تھے، ربیعہ کے شیوخ تک ان کی وسعت علم کے

قائل تھے، چنانچہ قاسم بن محمد سے جو ان کے شیوخ میں ہیں، جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو اگر

قرآن و حدیث میں اس کا جواب مل جاتا تو وہ خود بتا دیتے، ورنہ سائل کو ربیعہ کے پاس بھیجدیتے[4]

زہد و عبادت، اس علم کے ساتھ وہ بڑے عابد و زاہد تھے، ابن زید کا بیان ہے کہ ربیعہ بن ابی

عبدالرحمٰن ایک مدت دراز تک عبادت گذار رہے، رات و دن نمازیں پڑھتے تھے لیکن

پھر جب انھوں نے علمی مجلسوں میں شرکت شروع کی اس وقت ان کا یہ رنگ قائم نہ رہ سکا،[5]

بے نیازی، ربیعہ زر و مال کی جانب سے بڑے بے نیاز تھے، سلاطین اور خلفار تک کا احسان

اٹھانا پسند نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ وہ سفاح عباسی کے پاس غالباً عہدۂ قضا کے سلسلہ میں

انبار گئے، سفاح نے بطور نذر ایک رقم پیش کی، ربیعہ نے اسے قبول نہ کیا، ان کے انکار پر

سفاح نے لونڈی کی خریداری کے نام سے پانچ ہزار کی رقم دینی چاہی، مگر آپ نے

اسے بھی نہ لیا،[6]

فیاضی لیکن وہ خود اپنے مال میں بڑے فیاض اور سیر چشم تھے، ان کا مال دوسروں کے لئے

وقف تھا، ابن زید کا بیان ہے، کہ مدینہ میں ربیعہ سے زیادہ دوستوں، دوست کے لڑکوں

[1] تاریخ خطیب ج ۸ ص ۴۲۳ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً [5] ایضاً [6] ایضاً ص ۴۲۵

اور عام سائلین کے لئے اپنے مال میں فیاض نہ تھا[۱]

گویائی کا لطیفہ، ربیعہ بڑے گویا اور لسان تھے، کہا کرتے تھے کہ خاموش آدمی خواب اور گونگے پن کی حالت میں ہوتا ہے، وہ ہر وقت باتیں کیا کرتے تھے، ایک دن حسب معمول اپنی مجلس میں باتوں کی پھلجھڑی چھوڑ رہے تھے کہ ایک اعرابی آیا، اور دیر تک خاموشی کے ساتھ ان گل فشانیوں کو سنتا رہا، ربیعہ سمجھے کہ وہ ان کی باتوں سے مسحور ہو رہا ہے، اعراب کی فصاحت و بلاغت مشہور و مسلم ہے، ربیعہ نے غالبًا داد لینے کے لئے اس سے سوال کیا کہ تم لوگوں کے نزدیک بلاغت کی کیا تعریف ہے، اس نے جواب دیا "ادائے معنی کے ساتھ الفاظ میں اختصار" ربیعہ نے پھر پوچھا اور عجز بیان کسے کہتے ہیں، اعرابی نے جواب دیا جس میں تم مبتلا ہو، یہ پر لطف جواب سن کر ربیعہ سخت شرمندہ ہوئے[۲]

وفات، ربیعہ کے سنہ وفات اور جائے وفات دونوں کے بارہ میں دو بیانات ہیں، سنہ کے بارہ میں یہ اختلاف ہے کہ ۱۳۰؁ھ یا ۱۳۶؁ھ میں وفات پائی، جائے وفات کے بارہ میں یہ اختلاف ہے کہ ایک بیان کے مطابق انبار میں اور دوسرے بیان کے مطابق مدینۃ الرسول میں انتقال کیا، ۱۳۶؁ھ والی روایت زیادہ مستند ہے[۳]

۴۳- رجاء بن حیوۃ

نام و نسب، رجاء نام، ابو نصر کنیت، نسب نامہ یہ ہے، رجاء بن حیوۃ بن جرول بن الاحنف ابن السمط بن امرؤ القیس بن عمرو الکندی اردنی رجاء کے دادا جرول صحابی تھے،

فضل و کمال، فضل و کمال کے اعتبار سے رجاء شام کے اکابر علماء میں تھے، علامہ ابن سعد

۱؎ تاریخ خطیب ج ۸ ص ۴۲۴، ۲؎ ابن خلکان ج اول ص ۱۸۳، ۳؎ تاریخ خطیب ج ۸ ص ۴۲۶،

لکھتے ہیں، کان ثقۃ عالما فاضلا کثیر العلم[1]، علامہ نووی لکھتے ہیں ان کی جلالت اور ان کی
شخصی اور علمی فضیلت پر سب کا اتفاق ہے[2]،

حدیث | وہ حدیث اور فقہ دونوں میں یکساں کمال رکھتے تھے، حافظ ذہبی انھیں امام اور شیخ
اہل الشام لکھتے ہیں[3]، مطر الوراق کہتے تھے کہ رجاء بن حیوۃ سے افضل شامی اور ان سے زیادہ
روایت میں فقیہ شخص سے میں نہیں ملا[4]،

عبداللہ بن عمرو بن العاص، عدی بن عمیرہ، عبادہ بن صامت، عبدالرحمن بن غنم، معاویہ،
نواس بن سمعان، ابودرداء، ابوسعید خدری، ابوامامہ، مسور بن مخرمہ، قبیصہ بن ذویب، ابو صالح
السمان اور وراد کاتب وغیرہ سے سماعِ حدیث کیا تھا، اور عدی بن عدی، ابن عجلان، ثور بن
یزید، ابن عون، مطر الوراق، زہری، محمد بن جحادہ اور حمید الطویل وغیرہ آپ کے زمرۂ تلامذہ میں ہیں[5]

روایت میں الفاظ کی پابندی | روایتِ حدیث میں بہت محتاط تھے، حدیثوں کو الفاظ کی پابندی کیساتھ
روایت کرتے تھے[6]،

فقہ | حدیث سے زیادہ فقہ میں انکو دستگاہ تھی، مطر الوراق کہتے تھے کہ میں نے کسی شامی کو ان سے
زیادہ فقیہ نہیں دیکھا[7]، ابن حبان انھیں فقہائے شام میں لکھتے ہیں[8]، ان کے تفقہ کی ایک سند یہ بھی ہے
کہ وہ منصبِ قضا پر ممتاز تھے[9]،

علماء میں رجاء کا درجہ | ان کے ہمعصر علماء میں ان کا درجہ نہایت بلند تھا، اس عہد کے تمام علماء ان کے
کمالاتِ علمی کے معترف تھے، مکحول جو شام کے بڑے نامور عالم تھے، ان کو اپنا شیخ اپنا آقا اور

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۶۱، [2] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۹۰، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۵،
[4] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۶۵، [5] ایضاً ص ۲۶۵، [6] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۶۱، [7] تذکرۃ الحفاظ
ج اول ص ۱۰۵، [8] تہذیب التہذیب ج اول ص ۲۶۶، [9] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۹۰،

سارے اہل شام کا سردار کہتے تھے[1]، ان کی موجودگی میں مکحول خود کسی مسئلہ کا جواب نہ دیتے تھے، موسیٰ بن یسار کا بیان ہے کہ ایک شخص نے مکحول سے مسجد میں کوئی مسئلہ پوچھا، انھوں نے اس سے کہا ہمارے شیخ اور ہمارے سردار رجاء بن حیوۃ سے پوچھو[2]، ابن عون کہتے تھے کہ رجاء کا مثل شام میں نہیں دیکھا، ابن سیرین کا مثل عراق میں اور قاسم کا مثل حجاز میں نہیں دیکھا[3]،

زہد و عبادت۔ اس علم کے ساتھ وہ بڑے عابد و زاہد تھے، ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ شام کے عباد گذار اور زاہد لوگوں میں تھے[4]، ان کے زہد و تقویٰ کی وجہ سے مسلمہ بن عبدالملک کہتا تھا کہ کندہ کے تین آدمیوں کے طفیل میں خدا پانی برساتا ہے، اور دشمنوں پر مدد دیتا ہے، ان میں ایک رجاء ہیں[5]،

امراء سے استغنا۔ اس زہد و تقویٰ کی وجہ سے وہ امراء اور سلاطین سے ہمیشہ بے نیاز رہے، اور کسی کے آستانہ پر حاضری نہیں دی، ایک مرتبہ ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ حاکم وقت کے پاس کیوں نہیں جاتے، جواب دیا مجھکو اس رب العلمین کی ذات کافی ہے، جس کے لئے میں نے ان کو چھوڑا ہے[6]،

ایک اہم کارنامہ۔ ان کا سب سے اہم کارنامہ اور سب سے بڑی مذہبی خدمت یہ ہے کہ انھی نے سلیمان بن عبدالملک کو عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ بنانے کا مشورہ دیا تھا[7]،

وفات۔ ۱۱۲ھ میں وفات پائی[8]،

حلیہ۔ آخر عمر میں سر اور داڑھی کے بال سپید ہو گئے تھے، سر میں خضاب لگاتے تھے اور داڑھی کو نورانی چھوڑ دیا تھا،

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۹، [2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۶۵، [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۵، [4] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۶۶، [5] تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۱۹۱، [6] ایضاً، [7] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۵، [8] ایضاً،

۴۲۔ زر بن حبیش

نام ونسب | زر نام، ابو مریم کنیت، نسباً اسدی تھے، نسب نامہ یہ ہے، زر بن حبیش بن حباشہ ابن اوس بن بلال اسدی،

فضل وکمال | زر مخضرمی تھے، یعنی انھوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا تھا، اس لئے اون کو کبار صحابہ کی صحبت کا موقعہ ملا، ان کے فیض نے انھیں جلیل القدر تابعی بنا دیا، امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ کبار تابعین میں تھے، ان کی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے[1]، حافظ ذہبی ان کو امام اور قدوہ لکھتے ہیں[2]،

قرآن | قرآن کے ممتاز قاری اور عالم تھے، حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں، کان عالماً بالقرأت قارئاً فاضلاً[3]، قرآن کا درس بھی دیتے تھے، عاصم بن بہدلہ انہی کے حلقۂ درس کے فیض یافتہ تھے[4]،

حدیث | حدیث کے بڑے حافظ تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقۃ کثیر الحدیث[5] حافظ ذہبی ائمہ حفاظ میں لکھتے ہیں، حدیث میں اونھوں نے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، ابوذرؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، عبد الرحمن بن عوفؓ، عباس بن مطلبؓ، سعید بن زیدؓ، حذیفہ بن یمانؓ، ابی ابن کعبؓ، وغیرہ جیسے اکابر صحابہ سے روایتیں کی ہیں،

ابراہیم نخعی، عاصم بن بہدلہ، منہال بن عمرو، عیسی بن عاصم، عدی بن ثابت، امام شعبی، زبید الیامی، اور ابو اسحٰق شیبانی وغیرہ آپ کے خوشہ چینوں میں تھے[6]،

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۹۶، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۹، [3] استیعاب ج اول ص ۲۱۲،

[4] تذکرۃ الحفاظ ج ۶ ص ۸، [5] ابن سعد ج ۶ ص ۷، [6] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۲۱،

ادب | مذہبی علوم کے علاوہ زرعربی زبان کے بہت بڑے فاضل تھے، زبان میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جیسے بزرگ ان سے استفادہ کرتے تھے[1]،

اختلافِ رائے کیساتھ اتحادِ عمل | ان لوگوں کے لئے جن کی زبانیں ادنیٰ ادنیٰ اختلاف پر آپس میں تیر و نشتر چلاتی ہیں، بلکہ اس کے آگے بڑھ کر جنگ وجدال کی نوبت آجاتی ہے، ان بزرگوں کا یہ نمونہ قابلِ تقلید ہے، کہ ان میں خواہ کتنا ہی اختلافِ مسلک ہوتا تھا لیکن اگر اس کا تعلق اصولِ اسلام سے نہ ہوتا تو سب وشتم کجا اس کا اثر ان کے تعلقات پر تک نہ پڑتا، اور ایک دوسرے کے احترام میں سرمو فرق نہ آنے دیتے، زر علوی تھے، اور ایک دوسرے تابعی ابووائل عثمانی دونوں ایک ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے، اور باہم اس اختلافِ مسلک کا تذکرہ تک نہ کرتے تھے، دونوں ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتے تھے، اور ابووائل زر کا بڑا احترام کرتے تھے[2]،

توہینِ مذہب پر غیظ وغضب | لیکن شعائرِ مذہب کی اہانت میں یہ مصالحت اور درگذر غیظ وغضب میں بدل جاتا تھا، ایک مرتبہ زر اذان دے رہے تھے، ایک انصاری کا ادھر سے گذر ہوا، اس نے کہا ابو مریم میں تم کو اس سے بالاتر سمجھتا تھا، اذان کی یہ توہین سنکر انھوں نے کہا جب تک میں زندہ رہوں گا تم سے ایک لفظ نہ بولوں گا[3]،

وفات | زر نے بڑی طویل عمر پائی، آخر عمر میں اعضا میں رعشہ پیدا ہوگیا تھا[4]، باختلافِ روایت ۸۱ھ یا ۸۲ھ یا ۸۳ھ میں وفات پائی[5]، وفات کے وقت ۱۲۲ سال کی عمر تھی،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۴۹، [2] ابن سعد ج ۶ ص۷۱، [3] تہذیب التہذیب ج ۳، ص۳۲۲، [4] ابن سعد ج ۶ ص۷۱

[5] تہذیب التہذیب ج ۳ ص۳۲۲،

۲۵- زید بن اسلم

نام و نسب، زید نام ابو اسامہ کنیت حضرت عمرؓ کی غلامی کا شرف رکھتے تھے،

فضل و کمال، زید اس بزرگ اور محترم ہستی کے غلام تھے جس کے ادنیٰ صحبت یافتہ علم و عمل کے پیکر بن گئے، زید تو خاص غلاموں میں تھے، انھوں نے آقا سے زیادہ آقازادہ یعنی حضرت عبد اللہؓ کے سرچشمۂ علم سے فیض حاصل کیا، ان کے فیضِ صحبت نے زید کو دولتِ علم سے مالا مال کر دیا تھا، اور ان کا شمار علمائے مدینہ میں ہونے لگا تھا، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں، کان من اھل الفقہ والعلم[1]

تفسیر قرآن، زید کو قرآن، حدیث، فقہ، جملہ مذہبی علوم میں پورا درک تھا، وہ قرآن کی تفسیر کے بڑے عالم تھے، ابن حجر لکھتے ہیں، کان عالما بتفسیر القرآن[2]

حدیث، حدیث میں بھی ان کے علم کا دائرہ وسیع تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقۃ کثیر الحدیث[3] صحابہ میں انھوں نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، انس بن مالکؓ، جابر بن عبد اللہ، عائشہ صدیقہؓ، ربیعہ بن عباد دئلی، سلمہ بن اکوع، اور تابعین میں ابو صالح السمان، عطار بن یسار، حمران بن علی بن حسین، بسر بن سعید، اعرج، عبد الرحمن بن دعلہ، عبد الرحمن بن سعید، قعقاع بن حکیم، اور عیاض ابن عبد اللہ بن سعد وغیرہ سے سماع کیا تھا[4]

ان کے لڑکے عبد اللہ، عبد الرحمن اور اسامہ، مالک بن انس، ابن عجلان، ابن جریج، سلیمان ابن ہلال، حفص بن میسرہ، داؤد بن قیس الفرار، ایوب سختیانی، جریر بن حازم، عبید اللہ بن عمر، ابن اسحٰق

[1] تہذیب التہذیب، ج ۳ ص ۳۹۶ [2] ایضاً، [3] ایضاً بحوالہ ابن سعد،

[4] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۵ و تہذیب الاسماء،

محمد بن جعفر بن ابی کثیر وغیرہ ان کے تلامذہ میں تھے[۱]

فقہ، | فقہ میں خصوصیت کے ساتھ زیادہ درک تھا، حافظ ذہبی، امام نووی، حافظ ابن حجر سب انکو بالاتفاق فقیہ مدینہ لکھتے ہیں[۲]،

حلقہ درس | مسجد نبوی میں زید کا حلقہ درس تھا جس میں بڑے بڑے فقہاء اور اکابر مدینہ شریک ہوتے تھے، اعرج کا جو اس حلقہ کے ایک رکن تھے، بیان ہے کہ زید بن اسلم کے حلقۂ درس میں چالیس بڑے بڑے فقہاء شریک ہوتے تھے، ان میں باہم اتنی ہمدردی تھی کہ ہر شخص کا مال دوسرے کی ضرورت کے لئے وقف تھا، اس درس میں ایسی حدیثوں پر بحث و مباحثہ میں وقت ضائع نہیں کیا جاتا تھا جس میں کوئی افادی پہلو نہ ہو[۳]،

امام زین العابدین اپنے خاندانی حلقہ کو چھوڑ کر اس حلقہ میں شریک ہوتے تھے، نافع بن جبیر نے ان پر اعتراض کیا کہ آپ اپنی خاندانی مجلس کو چھوڑ کر ابن خطابؓ کے غلام کے درس میں شریک ہوتے ہیں، آپ نے جواب دیا آدمی اسی مجلس میں شریک ہوتا ہے، جس سے اس کے دین کو کوئی فائدہ پہنچتا ہو[۴]،

وقار وہیبت، | زید اگرچہ غلام تھے لیکن، ان کی علمی جلالت کی وجہ سے سب پر ان کی ہیبت چھائی رہتی تھی، مالک بن عجلان بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر کسی کا اتنا رعب نہ تھا جس قدر زید بن اسلم کا ہیبت سے لوگوں کو سوال کرنے اور پوچھنے تک کی ہمت نہ پڑتی تھی، جب اون کا دل چاہتا خود سے حدیثیں بیان کرتے، جب خاموش ہو جاتے تو پھر کسی کو سوال کرنے کی ہمت نہ ہوتی[۵]،

محبوبیت، | اس ہیبت کے ساتھ ان کو بڑی محبوبیت اور مقبولیت حاصل تھی، وہ لوگوں کے محبوب القلوب تھے

[۱] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۵، [۲] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۸ و تہذیب التہذیب حوالہ مذکور،
[۳] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۰۰، [۴] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۱۹، [۵] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۶

انکے صاحبزادے عبدالرحمن کا بیان ہے کہ میرے والد کبھی کبھی مجھ کو اپنے کسی ہم جلیس کے پاس کام سے بھیجتے تھے، یہ میرا سر چومتے اور سہلا کر کہتے خدا کی قسم تمہارے والد مجھے میری اولاد اور میرے گھر والوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں، اگر خدا ان دونوں میں سے کسی ایک کو اٹھانا چاہے اور ہم کو انتخاب کا اختیار دے تو ہم زید کی زندگی اور سلامتی کے مقابلہ میں اپنی اولاد اور اپنے اہل و عیال کا اٹھ جانا پسند کریں گے،[۱]

ابو حازم دعا کیا کرتے تھے کہ خدایا مجھے زید کی موت کا دن نہ دکھانا، ان کے سوا میری ذات اور میرے مذہب کے لئے کوئی پسندیدہ اور نفع بخش باقی نہیں رہا ہے[۲]،

اخلاق، | علمی کمالات کے ساتھ زید اخلاقی فضائل سے بھی آراستہ تھے، امام نووی لکھتے ہیں، کہ وہ صالح تابعی تھے[۳]، ان کو ایک نظر دیکھ لینے سے عبادت کی قوت پیدا ہوتی تھی، ابو حازم کہتے تھے، خدایا تو خوب جانتا ہے کہ میں زید کو اس لئے دیکھتا ہوں کہ اون کو دیکھنے سے تیری عبادت کی طاقت آتی ہے، جب اون کی نظر کا یہ اثر ہے تو اون سے ملاقات اور گفتگو کا کیا اثر ہوگا،[۴]

وفات، | ۱۳۶ھ میں انتقال کیا،

۲۶- سالم بن عبداللہ

نام و نسب، | سالم نام، ابو عمر کنیت حضرت عمرؓ کے نامور فرزند حضرت عبداللہؓ کے خلف الصدق تھے، دادھیال کی طرح ان کا ننھیال بھی روشن و تاباں تھا حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں یزدگرد شاہنشاہ ایران کی جو لڑکیاں گرفتار ہوئی تھیں ان میں سے ایک عبداللہؓ کو دی گئی تھی، سالم اسی کے بطن سے تھے، اس طرح ان کی رگوں میں ایران کے شاہی خاندان کا خون

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۶، [۲] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۹، [۳] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۰۲، [۴] ایضاً،

بھی شامل تھا[۵۱]،

فضل وکمال | سالم کے والد حضرت عبداللہؓ ان صحابہ میں تھے جو علم وعمل کا پیکر اور زہد و ورع کی تصویر تھے، ان کی تعلیم و تربیت نے انھیں بھی اپنا مثنیٰ بنا دیا تھا، ارباب سیر کا متفقہ بیان ہے کہ عمرؓ کی تمام اولادوں میں سب سے زیادہ ان سے مشابہ عبداللہ تھے، اور عبداللہؓ کی اولادوں میں اون کے مشابہ سالم تھے[۵۲]، اس طرح سالم گویا عمر فاروقؓ کا نقش ثانی تھے،

ان کا شمار مدینہ کے ان تابعین میں تھا، جو اقلیم علم وعمل دونوں کے فرماں روا تھے، علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ سالم فقیہ، حجت اور ان مخصوص علماء میں تھے، جن کی ذات علم وعمل دونوں کی جامع تھی[۵۳]، امام نووی لکھتے ہیں، کہ سالم کی امامت، جلالت، زہد و ورع اور علوے مرتبت پر سب کا اتفاق ہے[۵۴]،

تفسیر | تفسیر، حدیث، فقہ جملہ فنون میں انکو یکساں درک تھا، لیکن شدت احتیاط کی وجہ سے قرآن کی تفسیر نہ بیان کرتے تھے[۵۵]، اسی لئے مفسر کی حیثیت سے اونھوں نے کوئی خاص شہرت نہیں حاصل کی،

حدیث | حضرت عبداللہ بن عمرؓ حدیث کے رکن اعظم تھے، سالم نے زیادہ تر انہی کے خرمن سے خوشہ چینی کی تھی، ان کے علاوہ اکابر صحابہ میں ابوہریرہؓ، ابو ایوبؓ انصاری، اور عائشہؓ صدیقہ وغیرہ سے بھی استفادہ کیا تھا[۵۶]، ان بزرگوں کے فیض سے ان کا دامن علم نہایت وسیع ہو گیا تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ سالم ثقہ کثیر الحدیث اور عالی مرتبہ لوگوں میں تھے[۵۷]،

تلامذہ، | حدیث میں عمرو بن دینار، امام زہری، موسیٰ بن عقبہ، حمید الطویل، صالح بن کیسان

---

[۵۱] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۳۶، [۵۲] ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۱، [۵۳] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۷، [۵۴] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۰۷، [۵۵] ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۳، [۵۶] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۳۶، [۵۷] ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۵،

عبید اللہ بن عمرو بن حفص، ابو واقد لیثی، عاصم بن عبد اللہ، عبد اللہ بن ابی بکر، اور ابو قلابہ جرمی جیسے اکابر محدثین ان کے تلامذہ میں تھے[1]،

فقہ، سالم کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا، اس میں وہ امامت کا درجہ رکھتے تھے، بعض ائمہ جن میں ایک ابن مبارک بھی ہیں ان کو مدینہ کے مشہور سات فقہا میں شمار کرتے تھے[2]، گو ساتویں فقیہ کی تعیین میں اختلاف ہے، مختلف اشخاص نے اپنی اپنی نظر و بصیرت کے مطابق مختلف نام لئے ہیں لیکن بہر حال اس زمرہ میں سالم کا نام بھی لیا جاتا ہے، ان کے فقہی کمالات کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ مدینہ کی صاحب افتا جماعت کے وہ ممتاز ممبر تھے[3]،

زہد و تقویٰ، سالم علم کے ساتھ عمل کے بھی اسی درجہ پر تھے، امام مالک فرماتے تھے کہ سالم کے زمانہ میں ان سے زیادہ زہد و ورع میں سلف صالحین سے مشابہ کوئی نہ تھا[4]، امام نووی اور حافظ ذہبی وغیرہ جملہ ارباب سیر ان کے زہد و ورع پر متفق البیان ہیں،

صحت عقیدہ، عقائد میں وہ سلف صالحین کے سادہ اور بے آمیز عقیدہ کے پابند تھے، اور بعد میں جو نکتہ آفرینیاں ہوئیں انھیں سخت ناپسند کرتے تھے، چنانچہ قدریوں پر جو قدر کی بنا پر خیر و شر کا عقیدہ رکھتے ہیں لعنت بھیجتے تھے[5]،

شدت احتیاط، وہ ہر چیز میں انتہائی احتیاط برتتے تھے، جس بات میں جھوٹ کا خفیف سا شائبہ بھی نکلتا اسے پسند نہ کرتے تھے، اس زمانہ میں ایک کپڑا "ست گزا" مشہور تھا جو سات گز سے کچھ کم ہوتا تھا، لیکن عرف عام میں وہ "ست گزا" ہی کہلاتا تھا، مروان بن جبیر بزاز کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سالم کپڑا خریدنے کے لئے آئے، میں نے ان کے سامنے "ست گزا" پھیلا دیا، وہ سات گز سے کچھ کم تھا، فرمایا تم نے تو سات گز کہا تھا، میں نے کہا ہم لوگ اسی کو "ست گزا" کہتے ہیں،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۳۶، [2] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۰۷، [3] اعلام الموقعین ج اول ص ۲۵، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۹، [5] ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۵،

فرمایا جھوٹ ایسا ہی ہوتا ہے[۱]،

خونِ مسلم کی حرمت | آپ کے نزدیک مسلمان کا خون اتنا محترم تھا کہ مجرم مسلمان پر بھی ہاتھ نہ اٹھاتے تھے، ایک مرتبہ حجاج نے آپ کو ایک ایسے شخص کے قتل کا حکم دیا، جو حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے معاونین میں تھا، آپ تلوار لے کر مجرم کی طرف بڑھے، اور پاس جاکر اس سے پوچھا تم مسلمان ہو؟ اس نے کہا ہاں مسلمان ہوں لیکن آپ کو جو حکم دیا گیا ہے، اسے پورا کیجئے، آپ نے پوچھا تم نے آج صبح کی نماز پڑھی ہے، اس نے کہا ہاں پڑھی ہے، یہ سن کر سالم لوٹ گئے اور حجاج کے سامنے تلوار پھینک کر کہا یہ شخص مسلمان ہے، آج صبح تک اس نے نماز پڑھی ہے، اور رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے صبح کی نماز پڑھ لی وہ خدا کے حفظ و امان میں آگیا، حجاج نے کہا ہم اس کو صبح کی نماز کے لئے تھوڑے ہی قتل کرتے ہیں، بلکہ اس لئے قتل کرتے ہیں کہ وہ قاتلینِ عثمانؓ کے معاونوں میں ہے، فرمایا اس کے لئے اور لوگ موجود ہیں جو عثمانؓ کے خون کا انتقام لینے کے ہم سے زیادہ حقدار ہیں، سالم کے والد حضرت عبد اللہؓ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو انھوں نے فرمایا سالم نے سمجھ داری کا کام کیا[۲]،

امراء کی دولت سے بے نیازی | آپ غیر خدا کے سامنے کسی حاجت کو پیش کرنا پسند نہ کرتے، اسی لئے امراء کی دولت اور اون کی داد و دہش سے اتنے بے نیاز تھے، کہ ان کی درخواست پر بھی کبھی خواہش کا اظہار نہ کرتے تھے، ہشام بن عبد الملک آپ کو بہت مانتا تھا، اور اتنا احترام کرتا تھا کہ آپ نہایت معمولی اور موٹے جھوٹے لباس میں بے محابا اس کے دربار میں چلے جاتے تھے اور وہ اسی لباس میں آپ کو تختِ شاہی پر ساتھ بٹھاتا تھا[۳]، ایک مرتبہ وہ حج کے لئے آیا، خانہ کعبہ میں دونوں سے ملاقات ہوئی، ہشام نے آپ سے درخواست کی کہ آپ کی جو ضروریات ہوں انھیں بیان کیجئے، آپ نے فرمایا خدا کے گھر میں کسی غیر سے نہ مانگونگا[۴]،

۱؎ ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۷، ۲؎ ایضاً ص ۱۴۸، ۳؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۷، ۴؎ ابن خلکان ج اول ص ۱۹۸،

پندو موعظت، آپ کی پند و موعظت نہایت موثر اور دلپذیر ہوتی تھی، ایک مرتبہ عمر بن عبد العزیز نے آپ کو لکھا کہ عمر بن الخطابؓ کے کچھ مسائل لکھ بھیجئے، آپ نے جواب میں لکھا عمر! ان بادشاہوں کو یاد کرو جن کی وہ آنکھیں بے نور ہوگئیں جو لذت نظر سے کبھی سیر نہ ہوتی تھیں، وہ پیٹ پھٹ گئے، جو الوان نعمت سے کبھی آسودہ نہ ہوتے تھے، آج وہ زمین کے ٹیلوں کے نیچے مردار پڑے ہیں، اگر وہ ہماری آبادی سے قریب ہوتے تو ان کی عفونت سے ناک نہ دیجاتی،[1]

باپ کی محبت، حضرت عبد اللہؓ اپنے والد بزرگوار حضرت عمرؓ کی طرح بال بچوں سے بہت کم دلچسپی رکھتے لیکن سالم کے ساتھ ان کے محاسن اور کمالات کی وجہ سے والہانہ شیفتگی تھی، چنانچہ سالم جب خاصے سن رسیدہ ہوگئے تھے، اس وقت بھی عبد اللہؓ انھیں چومتے تھے اور فرماتے تھے، تم لوگ تعجب نہیں کرتے کہ ایک بوڑھا ایک سن رسیدہ کو بوسہ دیتا ہے، ان کی اس غیر معتدل محبت پر لوگ ان پر نکتہ چینی کرتے تو جواب دیتے،[2]

يلومونني في سالم والومهم   وجلدة بين العين والانف سالم

"وہ لوگ مجھے سالم کے معاملہ میں ملامت کرتے ہیں اور میں اونکو ملامت کرتا ہوں سالم آنکھ اور ناک کے درمیانی چمڑے کی طرح عزیز ہیں،،

وفات، ذی الحجہ ۱۰۶ھ میں مدینہ میں وفات پائی، ہشام بن عبد الملک نے جو حج سے فراغت کے بعد مدینہ آیا ہوا تھا، نماز جنازہ پڑھائی، جنازہ میں خلقت کا اتنا ہجوم تھا کہ بقیع کے میدان میں نماز پڑھائی گئی،[3]

علیہ ولباس وغیرہ، سالم کی زندگی نہایت سادہ تھی، اس میں کہیں سے تکلف و تصنع کا رنگ نہ تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں، کہ اون کی زندگی نہایت خشک اور سادہ تھی، صوف کا لباس پہنتے تھے، پورے لباس کی قیمت دو درہم سے زیادہ نہ ہوتی تھی، غذا میں صرف روٹی اور روغن زیتون ہوتا تھا،[4] (فاروق اعظمؓ

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۱۹۸، [2] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۰۸ و ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۵ [3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۷،
[4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۵

کی زندگی بھی یہی تھی) گوشت بہت کم کھاتے تھے، اور لوگوں کو منع کرتے تھے کہ گوشت کم کھایا کرو اسمیں شراب کی جیسی تیزی ہوتی ہے[1]،

لیکن اس غذا کے باوجود جسم نہایت تروشاداب تھا، ایک مرتبہ ہشام نے حج کے موقعہ پر جبکہ لباس میں صرف احرام ہوتا ہے، ان کے جسم کی تازگی دیکھ کر پوچھا ابو عمیر کیا کھاتے ہو، انھوں نے کہا روٹی اور روغن زیتون، اس نے کہا یہ غذا کیسے کھائی جاتی ہے، فرمایا اسے ڈھک کر رکھ دیتا ہوں جب بھوک معلوم ہوتی ہے، اس وقت کھالیتا ہوں[2]،

اولاد، اپنے بعد کئی اولادیں یادگار چھوڑیں، عمر، ابوبکر، عبداللہ، عاصم، جعفر، عبدالعزیز، فاطمہ اور حفصہ[3]

۲۷ - سعید بن جبیر

نام و نسب، سعید نام، ابو عبداللہ کنیت، بنی والبہ بن حارث اسدی کے غلام تھے، اس نسبت سے وہ والبی کہلاتے ہیں، ان کا شمار ان تابعین میں ہے، جو علم و عمل کے مجمع البحرین تھے،

فضل و کمال، سعید کا آغاز اگرچہ غلامی سے ہوا، لیکن آگے چل کر وہ اقلیم علم کے تاجدار بنے، حافظ ذہبی انھیں علمائے اعلام میں لکھتے ہیں[4]، امام نووی کا بیان ہے کہ سعید تابعین کے ائمۂ کبار میں تھے تفسیر حدیث، فقہ، عبادت، اور زہد و ورع جملہ کمالات میں وہ کبار الہ اور سرگردہ تابعین میں تھے[5]

تعلیم، سعید نے گو اس زمانہ میں ہوش سنبھالا جب اکابر صحابہ کی بڑی تعداد اٹھ چکی تھی، پھر بھی باقیات صالحات میں عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابو سعید خدریؓ، ابوہریرہؓ، عائشہ صدیقہؓ اور انس بن مالکؓ وغیرہ علمائے صحابہ موجود تھے، سعید بن جبیر ان کے فیضان علم سے پورے

---

[1] ابن خلکان ج اول ص۱۹۰، [2] ایضاً، [3] ابن سعد ج ۵ ص۱۴۳، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۶۵، [5] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص۲۱۶،

طور سے مستفید ہوئے[1]، حبر الامۃ عبد اللہ بن عباسؓ کے خرمن کمال سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ خوشہ چینی کی تھی[2]۔

عبد اللہ بن عباسؓ کا حلقۂ درس اتنا وسیع اور جامع تھا کہ اس میں قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، فرائض، ادب و انشا اور شعر و شاعری جملہ علوم و فنون کا دریا بہتا تھا[3]، سعید بن جبیر اس بحر بے کراں سے زیادہ سیراب ہوئے، وہ نہایت پابندی سے اس حلقہ میں حاضر ہوتے تھے، ان کے تعلیم حاصل کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ باہر کے سائلین جو سوالات کرتے تھے اور جو مسائل پوچھتے تھے، اور ابن عباسؓ ان کے جو جوابات دیتے تھے، سعید خاموشی کے ساتھ اون کو سنا کرتے تھے، اور کبھی کبھی خود بھی کچھ پوچھ لیتے تھے، ان سوالات میں حدیثیں بھی ہوتی تھیں، اور فقہ کے مسائل بھی ہوتے تھے، لیکن انھیں قلمبند کرنے کے بارہ میں ابن عباسؓ کی ممانعت تھی[4]، اس لئے کچھ دنوں تک ابن جبیر بغیر لکھے ہوئے زبانی یاد کر لیا کرتے تھے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پھر لکھنے کی اجازت مل گئی تھی، چنانچہ اونھوں نے لکھنا شروع کر دیا تھا، بعض بعض دن اس کثرت سے مسائل پیش ہوتے تھے کہ لکھتے لکھتے ابن جبیر کی بیاض پر ہو جاتی تھی، اور انھیں کپڑوں اور ہتھیلیوں پر لکھنے کی نوبت آجاتی تھی، کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا کہ کوئی سائل نہ آتا اس دن ایک حدیث بھی لکھنے کی نوبت نہ آتی تھی، اور یوں ہی لوٹ آتے تھے[5]۔

عبد اللہ بن عباسؓ کے بعد انھوں نے ابن عمرؓ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا تھا، ان سے استفادہ کا سلسلہ ابن جبیر کے قیام کوفہ تک جب کہ وہ خود صاحب افتا ہو گئے تھے، قائم رہا، چنانچہ ان کا خود بیان ہے کہ جب کسی مسئلہ میں علمائے کوفہ میں اختلاف ہوتا تھا، تو میں اسے لکھ لیتا تھا اور ابن عمر سے پوچھتا تھا[6]۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۱، [2] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۴، [3] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۳۸، [4] ابن سعد ج ۶ ص ۱۶۹، [5] ایضاً ص ۱۸۰، [6]

ان بزرگوں کے فیض نے انھیں قرآن تفسیر، حدیث، فقہ اور فرائض وغیرہ جملہ مذہبی علوم کا دریا بنا دیا تھا،[1]

قرات، قرآن کے نہایت اچھے قاری تھے، قرأت ترجیع کے ساتھ کرتے تھے، لیکن گا کر قرآن پڑھنا سخت ناپسند کرتے تھے،[2] تمام مشہور قرأتوں کے عالم تھے، اسمٰعیل بن عبد الملک کا بیان ہے کہ سعید بن جبیر رمضان میں ہماری امامت کرتے تھے، معمول تھا کہ ایک شب کو عبد اللہ بن مسعودؓ کی قرأت کے مطابق قرآن سناتے تھے، ایک شب کو زید بن ثابتؓ کی قرأت کے مطابق اسی طریقہ سے وہ ہر شب کو باری باری سے تمام مشہور قاریوں کی قرأت سناتے تھے،[3]

تفسیر، قرات اور تفسیر دونوں فنون کی تعلیم انھوں نے اس فن کے امام حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے حاصل کی تھی،[4] آیاتِ قرآنی کی شانِ نزول اور ان کی تفسیر و تاویل پر پوری نظر تھی، جب اون کے سامنے قرآن کی کوئی آیة پڑھی جاتی تھی تو وہ اس کے مالہ و ماعلیہ بتا دیتے تھے، ابو یونس قزی کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ سعید بن جبیر کے سامنے یہ آیت

الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان — مگر ناتوان مردوں عورتوں اور لڑکوں میں سے،

پڑھی تو انھوں نے کہا، اس میں جن کا تذکرہ ہے، وہ مکہ کے کچھ مظلومین تھے، میں نے کہا میں ایسے ہی لوگوں (یعنی حجاج کے ستم رسیدہ) کے پاس سے آرہا ہوں، سعید نے کہا بھتیجے ہم لوگوں نے اسکے خلاف بڑی کوشش کی لیکن کیا کیا جائے خدا کی مرضی یہی ہے،[5]

اعمش روایت کرتے ہیں کہ سعید بن جبیر ان ارضی واسعة کی تفسیر میں بیان کرتے تھے کہ اس

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۱۲، [2] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۱، [3] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۵،
[4] ایضاً ص ۲۰۴، [5] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۳،

سے مراد یہ ہے کہ جب اس میں گناہ کیا جائے تو اس سے نکل جاؤ۔[1]

تفسیر کا درس۔ ابن جبیر تفسیر کا درس بھی دیتے تھے، ورقا بن ایاس بیان کرتے ہیں کہ عزرہ تفسیر کی کتاب (غالباً کاپی اور بیاض) اور دوات لے کر ابن جبیر کے پاس آتے جاتے تھے[2] لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تفسیر کا قلمبند کرنا ناپسند کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنے لئے آپ سے تفسیر قلمبند کرنے کی درخواست کی، آپ نے فرمایا تفسیر قلمبند کرنے کے مقابلہ میں مجھے یہ پسند ہے کہ میرا ایک پہلو مفلوج ہو جائے۔[3]

حدیث۔ حدیث کے اکابر حفاظ میں تھے، صحابہ میں اونھوں نے ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، انس بن مالکؓ، ابو سعید خدریؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، ابو ہریرہؓ، ابو مسعود بدریؓ، عائشہ صدیقہؓ اور عدی بن حاتمؓ وغیرہ سے سماعِ حدیث کیا تھا[4] حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے حلقۂ درس سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ مستفید ہوئے تھے، اوپر کے تعلیمی حالات سے حدیث میں اون کی وسعتِ معلومات کا اندازہ ہو گیا ہوگا، ان کی استعداد کی وجہ سے عبد اللہ بن عباسؓ ان پر زیادہ شفقت کرتے تھے، اور اون کی تعلیم میں خصوصیت برتتے تھے، ان کی خامیوں کو دور کرنے کے لئے کبھی کبھی وہ امتحاناً ان سے حدیثیں سنتے تھے، مجاہد کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن عباسؓ نے ابن جبیر سے کہا کہ حدیثیں سناؤ، اونھوں نے عرض کیا آپ کی موجودگی میں میں حدیث سناؤں، ابن عباسؓ نے کہا کہ یہ بھی خدا کی نعمت ہے، کہ تم میرے سامنے حدیث بیان کرو، اگر صحیح بیان کروگے، تو فبہا اور اگر کہیں غلطی ہوگی تو میں اس کی تصحیح کردوں گا۔[5]

بنی وداعہ کے موذن کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ ابن عباسؓ کے پاس گیا، وہ حریرہ کے

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۳۔ [2] ایضاً ص ۱۸۶۔ [3] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۵۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۱۔ [5] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۹۔

گدے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے، اور سعید اون کے پیروں کے پاس بیٹھے تھے[1] ابن عباسؓ ان سے کہہ رہے تھے، کہ تم نے مجھ سے بہت سی حدیثیں حفظ کی ہیں دیکھوں ان کو کیسے روایت کرتے ہو[2] ان کی اس توجہ نے ابن جبیر کو حفاظ حدیث کا امام اور سرگروہ بنادیا تھا، انکی مرویات کا بڑا حصہ ابن عباسؓ کی احادیث پر مشتمل ہے، اس سے حدیث میں ان کے درجہ کا اندازہ ہو جاتا ہے،

فقہ | فقہا کی جماعت میں بھی انھیں امتیازی درجہ حاصل تھا[3] اس فن کی تعلیم بھی اونھوں نے ابن عباسؓ ہی سے حاصل کی، اور اس میں بھی اونھوں نے ایسا کمال حاصل کرلیا تھا کہ مرکز فقہ کوفہ کے صاحب افتا تابعین میں ہوگئے تھے[4] کوفہ کے عہدۂ قضا پر بھی کچھ دنوں تک ممتاز رہے، پھر ابو بردہ بن موسیٰ اشعری قاضی کوفہ کے مشیر ہوگئے تھے[5] مرکز علم وافتا مکہ میں جب آنا ہوتا تھا، تو یہاں بھی افتا کا سلسلہ جاری رہتا تھا[6] حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ان کے فتووں پر اتنا اعتماد تھا کہ اگر کوفہ کا کوئی آدمی آپ سے فتوی پوچھنے کے لئے آتا، تو آپ اس سے فرماتے کیا سعید بن جبیر تمہارے یہاں نہیں ہیں[7] مسائل طلاق کے خصوصیت کے ساتھ بڑے عالم تھے، کان اعلم التابعین بالطلاق سعید بن جبیر[8]

فرائض | ریاضی کے بڑے ماہر تھے، اس لئے فرائض میں خاص ملکہ تھا، اکابر صحابہ فرائض کے سائلین کو ان کے پاس بھیجتے تھے، ایک مرتبہ ابن عمرؓ کے پاس فرائض کا ایک سائل آیا، آپ نے اس سے کہا ابن جبیر کے پاس جاؤ وہ مجھ سے زیادہ حساب جانتے ہیں، وہ تم کو وہی بتائیں گے جو فرض مقرر ہے[9] جب انھیں مدینہ جانے کا اتفاق ہوتا تھا تو علماے مدینہ ان سے فرائض سیکھتے تھے، امام زین العابدین

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۹، [2] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۱۶، [3] ایضاً، [4] اعلام الموقعین ج اول ص ۲۵، [5] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۴، [6] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۴، [7] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۱۶، [8] شذرات الذہب ج اول ص ۱۱۱، [9] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۱،

کا بیان ہے کہ سعید بن جبیر جب ہمارے یہاں سے گذرتے تھے، تو ہم لوگ اون سے فرائض اوران باتوں کو پوچھتے تھے جن سے خدا ہمکو فائدہ پہنچاتا تھا[1]

جامعیت غرض سعید بن جبیر کی ذات جملہ علوم وفنون کی جامع تھی، جو کمالات اور علماء میں فرداً فرداً تھے، وہ سب ان کی ذات میں تنہا مجتمع تھے خصیف کا بیان ہے کہ مسائل طلاق کے سب سے بڑے عالم سعید بن مسیب تھے، حج کے عطاء تھے، حلال وحرام کے طاؤس تھے، اور تفسیر کے مجاہد تھے، اور ان سب کی جامع سعید بن جبیر کی ذات تھی[2]

وہ علم کا ایسا سرچشمہ تھے، جس کی اس عہد کے تمام علماء کو احتیاج تھی، میمون بن مہران کا بیان ہے کہ سعید نے ایسے وقت میں انتقال کیا، کہ روے زمین پر کوئی ایسا شخص نہ تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو[3]

اشاعت علم علم وفن کا یہ ذخیرہ انھوں نے اپنی ذات تک محدود نہ رکھا، بلکہ جہاں تک ہو سکا اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچایا، آپ کے بعض کوتاہ نظر اصحاب آپ کو حدیث بیان کرنے پر ملامت کرتے تھے، آپ انھیں جواب دیتے مجھے تم سے اور تمھارے ساتھیوں سے حدیث بیان کرنا زیادہ پسند ہے، بہ نسبت اس کے کہ میں اسے اپنی قبر میں ساتھ لیجاؤں[4]،

تلامذہ آپ کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا، بعضوں کے نام یہ ہیں، آپ کے صاحبزادگان عبدالملک اور عبداللہ، یعلی بن حکیم، یعلی بن مسلم، ابو اسحٰق سبیعی، ابوالزبیر مکی، آدم بن سلیمان، اشعث بن ابی الشعثاء، ذر بن عبداللہ مرہبی، سالم الافطس، سلمہ بن کہیل، طلحہ بن مصرف، اور عطاء بن سائب وغیرہ[5]

ناقدروں سے بخل لیکن یہ علمی فیاضی انہی لوگوں کے لئے تھی، جو اس کے مرتبہ شناس اور قدرداں ہوتے تھے، ورنہ نا اہلوں سے وہ اسے چھپاتے تھے، محمد بن حبیب کا بیان ہے کہ سعید بن جبیر کے اصفہان

---

۱ ابن سعد ج ۶ صفحہ ۱۸۱، ۲ ابن خلکان ج اول صفحہ ۲۰۵، ۳ ابن سعد ج ۶ صفحہ ۱۸۶، ۴ ایضاً صفحہ ۱۸۱،

۵ تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۱۲،

کے قیام کے زمانہ میں جب لوگ ان سے حدیثیں پوچھتے تو وہ نہ بتاتے لیکن جب کوفہ آئے تو فیض
جاری کر دیا، لوگوں نے پوچھا ابو محمد کیا بات ہے، اصفہان میں تو آپ حدیثیں نہیں بیان کرتے تھے
اور کوفہ میں بیان کرتے ہیں، جواب دیا اپنی متاع وہاں پیش کرو جہاں اس کے قدر شناس ہوں[۱]
مذہبی کمالات، | مذہبی کمالات کے اعتبار سے بھی تابعین میں ابن جبیر کا درجہ نہایت ارفع تھا،
وہ عبادت و ریاضت اور زہد و ورع کا مجسم پیکر تھے،

سوز قلب و خشیت الٰہی، | گداز قلب اور خشیت الٰہی تمام مذہبی اور اخلاقی محاسن کا سرچشمہ ہے
ابن جبیر کا دل اتنا پر سوز تھا، اور ان پر خشیت الٰہی کا اتنا غلبہ تھا کہ ہر وقت ان کی آنکھیں اشکبار
رہتی تھیں، پردۂ شب کی تاریکی میں جو اون کی عبادت اور راز و نیاز کا خاص وقت تھا، زار
زار روتے تھے، روتے روتے ان کی آنکھوں کی بینائی کم ہو گئی تھی، اور ان سے پانی بہنے لگا تھا[۲]

نماز میں تاثر اور خشوع، | ان کی نماز تاثر اور خشوع و خضوع کی تصویر ہوتی تھی کبھی کبھی ایک ایک رکعت میں
پورا قرآن ختم کر دیتے تھے، پر موعظت آیات کو بار بار دہراتے تھے، سعید بن عبید کا بیان ہے کہ میں نے
سعید بن جبیر کو امامت کی حالت میں اس آیت

اذا الاغلال فی اعناقھم والسلاسل — جبکہ طوق انکی گردنوں میں ہونگے اور زنجیریں اور
یسحبون فی الحمیم (مومن - ۸) ❊ وہ کھولتا ہوا پانی پینے کیلئے گھسیٹے جاتے ہونگے،

کو بار بار دہراتے سنا ہے[۳]، قسم بن ایوب بیان کرتے ہیں کہ میں نے اون کو یہ آیت

واتقوا یوماً ترجعون فیہ — اس دن سے ڈرو جس دن خدا کی طرف
الی اللّٰہ ۔ (بقرہ - ۳۸) — لوٹائے جاؤ گے،

---

[۱] ابن خلکان ج اول صد ۲۱۴، [۲] مختصر صفوۃ الصفوہ صد ۱۵۱، و تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۷،
[۳] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۱،

بیس مرتبہ سے زیادہ دہراتے سنا ہے[1]،

ذکر و شغل | صبح صادق سے لیکر نماز فجر تک ذکر و شغل میں مصروف رہتے تھے، اس وقت خدا کے ذکر کے علاوہ کسی سے نہ بولتے تھے[2]،

رمضان میں عبادت، | رمضان میں ان کی عبادت بہت بڑھ جاتی تھی، مغرب سے عشا تک کا وقت جو عموماً روزہ داروں کے آرام و سکون کا وقت ہوتا ہے تلاوتِ قرآن میں گذرتا تھا[3]، رمضان کے زمانہ میں کبھی کبھی ایک نشست میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے[4]، اپنے قبیلہ کی مسجد میں اعتکاف کرتے تھے[5]،

حج | حجوں کی صحیح تعداد نہیں بتائی جا سکتی لیکن مختلف روایات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اکثر حج کرتے تھے، اور وفورِ شوق میں کوفہ ہی سے احرام باندھ کر نکلتے تھے[6]، مکہ کے قیام کے زمانہ میں طواف کبھی ناغہ نہ ہوتا تھا، گرفتاری کے زمانہ میں جس کے حالات بعد میں آئیں گے پا بجولاں طواف کرتے تھے[7]،

تلاوتِ قرآن | تلاوتِ قرآن سے خاص شغف تھا، عموماً دو راتوں میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے، سفر اور بیماری کی حالت میں صرف اس معمول میں فرق آتا تھا[8]،

تحقیرِ نفس | اپنے نفس کو اس قدر حقیر سمجھتے تھے کہ گنہگاروں کو ان کے گناہوں پر ٹوکتے ہوئے شرماتے تھے، فرماتے تھے کہ میں ایک شخص کو گناہ میں مبتلا دیکھتا ہوں، لیکن خود اپنا نفس اپنی نگاہ میں اتنا حقیر ہے کہ دوسرے کو ٹوکتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے[9]،

غیبت سے احتراز، | غیبت کرنا، اور غیبت سننا دونوں باتیں سخت ناپسند تھیں، مسلم البطین کا بیان ہے کہ سعید اپنے سامنے کسی کو کسی کی غیبت نہ کرنے دیتے تھے، غیبت کرنے والے سے فرماتے کہ جو کچھ تم کو کہنا ہے اس شخص کے منہ پر کہو[10]،

۱؎ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۶۶، ۲؎ مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۵۱، ۳؎ ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۱، ۴؎ ابن خلکان ج ۱ ص ۲۰۵، ۵؎ ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۲، ۶؎ ایضاً ص ۱۸۳، ۷؎ ایضاً ص ۱۸۲، ۸؎ ایضاً ص ۱۸۱، ۹؎ مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۵۱، ۱۰؎ ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۲،

عبادت کے معنی عبادت آپ کے نزدیک محض روزہ نماز اور تسبیح وتہلیل کا نام نہ تھا، بلکہ اس کے ایک خاص معنی اور اس کا ایک جامع مفہوم تھا، آپ کے نزدیک اطاعت سب سے اہم عبادت تھی، فرماتے تھے کہ جو شخص خدا کی اطاعت کرتا ہے، وہ ذاکر ہے، اور جو نافرمانی کرتا ہے وہ ذاکر نہیں ہے خواہ وہ کتنی ہی تسبیح اور تلاوت قرآن کیوں نہ کرے، آپ سے کسی نے سوال کیا سب سے بڑا عبادت گذار کون ہے، فرمایا جو شخص گناہوں میں مبتلا ہو کر پھر اس سے تائب ہو گیا، اور جب اس نے اپنے گناہوں کو یاد کیا تو اس کے مقابلہ میں اپنے اعمال کو بے حقیقت سمجھا،[۱]

علمائے سوء کا خطرہ امت مسلمہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ علمائے سوء کو سمجھتے تھے، ہلال بن خباب نے ایک مرتبہ آپ سے پوچھا، لوگوں کی ہلاکت کہاں سے ہوگی، فرمایا ان کے علماء کے ہاتھوں،[۲]

سیر وسیاحت سعید بن جبیر ایک زمانہ تک مدینہ میں رہے، پھر یہاں سے نکل کر عجم چلے گئے، کچھ دنوں عراق کے مختلف شہروں میں پھرتے رہے، پھر کوفہ میں سکونت اختیار کرلی،[۳] کوفہ کے زمانہ قیام میں کچھ دنوں عبداللہ بن عتبہ بن مسعود قاضی کوفہ کے کاتب اور کچھ دنوں ابوبردہ بن ابوموسیٰ اشعری کے کاتب رہے،[۴]

حجاج پر اثر، حجاج انھیں بہت مانتا تھا، اور ان کی بڑی عزت کرتا تھا، چنانچہ انھیں جامع کوفہ کا امام مقرر کیا تھا، اور کوفہ کے عہدۂ قضا پر بھی ممتاز کر دیا تھا، لیکن پھر اہل کوفہ کے اس احتجاج پر کہ قاضی کسی عربی النسل کو ہونا چاہئے، حجاج نے ابن جبیر کو علحدہ کرکے ابوبردہ بن ابوموسیٰ اشعری کو ان کی جگہ مقرر کیا، لیکن ان کو ہدایت کر دی کہ وہ بغیر ابن جبیر کے مشورہ کے کوئی کام نہ کیا کریں گے،[۵]

حجاج کی مخالفت، لیکن ابن جبیر حجاج کی ان عزت افزائیوں سے مطلق متاثر نہ تھے، اور برابر دل میں اس کے مظالم کو برا سمجھتے رہے، چنانچہ جب ابن اشعث نے اس کے خلاف علم مخالفت بلند کیا

---

[۱] مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۵۱، [۲] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۳، [۳] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۵، [۴] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۳، [۵] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۵،

تو ابن جبیر اوس کے ساتھ ہوگئے،

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عبد الملک کے زمانہ میں سیستان کے فرماں روا رتبیل کی روش باغیانہ ہو چلی تھی اور وہ کبھی کبھی خراج روک لیتا تھا، اس لئے حجاج نے عبید اللہ بن ابی بکرہ کو اسکی تنبیہ پر مامور کیا، انھوں نے ۷۹ھ میں سیستان پر فوج کشی کی اور بہت دور تک پامال کرتے ہوئے چلے گئے، لیکن غلطی سے پیچھے کی حفاظت کا کوئی سامان نہ کیا، اس لئے رتبیل نے ہر طرف سے گھیر کر نہایت سخت شکست دی، اور مسلمانوں کو بڑا مالی اور جانی نقصان اٹھا کر ناکام واپس آنا پڑا، حجاج کو اس شکست کا سخت غم ہوا اوس نے دوبارہ محمد بن عبد الرحمن بن اشعث کو چالیس ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا، اور سعید بن جبیر کو فوج کی تنخواہ تقسیم کرنے کی خدمت سپرد کی، ابن اشعث نے رتبیل کے حدود حکومت میں پہنچکر بہت سے علاقوں کو فتح کر لیا، اور مزید پیش قدمی ایک سال کے لئے روک کر حجاج کو اس کی اطلاع دیدی، حجاج رتبیل سے بہت برافروختہ تھا، اس لئے اس نے لکھا کہ یہ آرام کا موقع نہیں ہے، اس لئے میرا حکم پہنچتے ہی فوراً پیشقدمی شروع کر دو، اور اگر تم سے یہ کام نہیں ہو سکتا تو فوج کی کمان اپنے بھتیجے اسحاق کے سپرد کر دو، ابن اشعث نے مصلحۃً پیش قدمی روکی تھی، اس لئے وہ اس حکم پر بگڑ گیا، اور رتبیل سے مصالحت کرکے حجاج کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا، فوج تمام تر عراقی تھی جو حجاج کے مظالم سے پہلے سے برہم تھی اس لئے اس نے ابن اشعث کا پورا ساتھ دیا، اور رفتہ رفتہ حجاج کی مخالفت نے عبد الملک کی مخالفت کی شکل اختیار کر لی، ابن جبیر نے بھی ابن اشعث کا ساتھ دیا، اور ابن اشعث سیستان سے عراق پہنچا، حجاج بھی مقابلہ کے لئے نکلا، دونوں میں مہینوں جنگ جاری رہی، اور ابن اشعث نے عراق کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا، اس مخالفت میں کوفہ کے بہت سے علماء اور قراء بھی ابن اشعث کے ساتھ ہو گئے تھے، ابن جبیر

لہ یہ واقعات ابن اثیر ج ۵ سے ملخصاً ماخوذ ہیں،

اس جماعت کے سرگروہ تھے اور میدان جنگ میں لوگوں کو حجاج اور بنی امیہ کے خلاف یہ کہکر ابھارتے تھے کہ "انکی ظالمانہ حکومت ان کی بے دینی، خدا کے بندوں پر اون کے مظالم، نمازوں میں تاخیر اور مسلمانوں کی تذلیل و تحقیر پر اون کا مقابلہ کرو"[1]،

لیکن اس جوش مخالفت میں بھی حق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا، ایک غلام زبرقان اسدی کا آقا حجاج کے حامیوں میں تھا، غلام مذکور نے ابن جبیر سے پوچھا ایسی حالت میں کہ میرا آقا حجاج کے ساتھ ہے، اگر میں ابن اشعث کے ساتھ ہوجاؤں اور لڑکر جان دیدوں تو مجھ پر اس کا مواخذہ تو نہ ہوگا، ابن جبیر نے جواب دیا، تم مت لڑو، اگر تمہارا آقا یہاں موجود ہوتا تو تم کو لے کر حجاج کی طرف سے لڑتا[2]،

شکست اور گرفتاری اگرچہ ابتدا میں ابن اشعث کی قوت نہایت مضبوط تھی، اور اس نے عراق کا بڑا حصہ فتح کرلیا تھا، لیکن اس مخالفت میں اوس نے حکومت کو بھی شامل کرلیا تھا، اس لئے زیادہ دنوں تک مقابلہ دشوار تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیر جماجم کے معرکہ میں اس کو نہایت فاش شکست ہوئی، اس کی قوت بالکل پاش پاش ہوگئی، اور وہ شکست کھاکر سیستان بھاگ گیا،

اس شکست کے بعد ابن جبیر مکہ چلے آئے، یہاں کے والی خالد بن عبداللہ قسری نے انھیں گرفتار کرکے حجاج کے پاس بھجوادیا، وہ ان سے خار کھائے ہوئے تھا، اس لئے انھیں دیکھتے ہی اسکی آنکھوں میں خون اتر آیا، اور دونوں میں حسب ذیل مکالمہ ہوا،

حجاج۔ تمہارا کیا نام ہے؟

ابن جبیر۔ سعید بن جبیر،

حجاج ۔ نہیں، بلکہ اس کے برعکس شقی بن کسیر،

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۵، [2] ایضاً ص ۱۸۲،

ابن جبیر:	میری ماں تم سے زیادہ میرے نام سے واقف تھیں،
حجاج	تمہاری ماں بھی بدبخت تھی اور تم بھی بدبخت ہو،
ابن جبیر	غیب کا علم کسی دوسری ذات کو ہے،
حجاج :	میں تمہاری دنیا کو دہکتی ہوئی آگ سے بدل دوں گا،
ابن جبیر:	اگر مجھکو یقین ہوتا کہ یہ تمہارے اختیار میں ہے، تو میں تم کو معبود بنا لیتا،
حجاج :	محمد (صلعم) کے بارہ میں تمھارا کیا خیال ہے؟
ابن جبیر:	وہ امام ہدیٰ اور نبی رحمت تھے،
حجاج ،	علیؓ اور عثمانؓ کے بارہ میں کیا رائے ہے، وہ جنت میں ہیں یا دوزخ میں؟
ابن جبیر:	اگر میں وہاں گیا ہوتا، اور وہاں کے رہنے والوں کو دیکھے ہوتا تو بتا سکتا تھا (غیب کے سوال کا میں کیا جواب دے سکتا ہوں)
حجاج	خلفاء کے بارہ میں تمھاری کیا رائے ہے؟
ابن جبیر:	میں اون کا وکیل نہیں ہوں،
حجاج .	ان میں سے تم کس کو زیادہ پسند کرتے ہو؟
ابن جبیر	جو میرے خالق کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ تھا،
حجاج .	خالق کے نزدیک کون سب سے زیادہ پسندیدہ تھا؟
ابن جبیر:	اس کا علم اس ذات کو ہے جو بھیدوں اور ان کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے،
حجاج .	عبدالملک کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟
ابن جبیر	تم ایسے شخص کے متعلق کیا پوچھتے ہو جس کے گناہوں میں سے ایک گناہ تمھارا وجود ہے،

حجاج — تم ہنستے کیوں نہیں ،؟

ابن جبیر — وہ کس طرح ہنس سکتا ہے ، جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے ، اور مٹی کو آگ کھا جاتی ہے ،

حجاج — پھر ہم لوگ تفریحی مشاغل سے کیوں ہنستے ہیں ،؟

ابن جبیر — سب کے دل یکساں نہیں ہوتے ،

حجاج — تم نے کبھی تفریح کا سامان دیکھا بھی ہے ،

یہ پوچھ کر حجاج نے عود اور بانسری بجانے کا حکم دیا اس کا نغمہ سنکر ابن جبیر رو دیئے ، حجاج نے کہا یہ رونے کا کیا موقع ہے ، موسیقی تو ایک تفریحی چیز ہے ، ابن جبیر نے جواب دیا نہیں وہ نالۂ غم ہے بانسری کی پھونک نے مجھے وہ آنے والا بڑا دن یاد دلا دیا جس دن صور پھونکا جائے گا ، اور عود ایک کاٹے ہوئے درخت کی لکڑی ہے ، جو ممکن ہے ناحق کاٹی گئی ہو ، اور اس کے تار ان بکریوں کے پٹھوں کے ہیں جو ان کے ساتھ قیامت کے دن اٹھائی جائیں گی ، یہ سنکر حجاج بولا ، سعید تمھاری حالت بھی افسوس کے قابل ہے ، اونھوں نے جواب دیا وہ شخص افسوس کے قابل نہیں ہے ، جو آگ سے نجات دیکر جنت میں داخل کیا گیا ، اس گفتگو کے بعد پھر مکالمہ شروع ہو گیا ،

حجاج — کیا میں نے تم کو کوفہ کا امام نہیں بنایا تھا ؟

ابن جبیر — ہاں بنایا تھا ،

حجاج — کیا میں نے تم کو عہدۂ قضا پر نہیں ممتاز کیا ، اور جب کوفہ والوں نے تمھاری مخالفت کی کہ قاضی عربی النسل ہونا چاہیئے ، تو میں نے ابو بردہ کو قاضی بنایا اور اون کو ہدایت کر دی کہ وہ بغیر تمھارے مشورہ کے کوئی کام نہ کریں ،

ابن جبیر — یہ بھی صحیح ہے ،

حجاج — کیا میں نے تم کو اپنا ندیم خاص نہیں بنایا حالانکہ وہ سب سردارانِ عرب تھے

ابن جبیر	ہاں یہ بھی درست ہے،
حجاج	کیا میں نے تم کو ایک لاکھ کی خطیر رقم حاجت مندوں میں تقسیم کرنے کے لئے نہیں دی، اور پھر اوس کا کوئی حساب کتاب نہیں مانگا،
ابن جبیر	ہاں دی،
حجاج	ان احسانات کے بعد پھر تم کو کس چیز نے میری مخالفت پر آمادہ کیا،
ابن جبیر	میری گردن میں ابن اشعث کی بیعت کا طوق تھا،
حجاج	ایک دشمن خدا کی بیعت کا اتنا پاس تھا، اور امیر المومنین کی بیعت اور خدا کا کوئی پاس نہ تھا، خدا کی قسم میں تم کو قتل کرکے واصل جہنم کئے بغیر اس جگہ سے نہ ہٹوں گا، بتاؤ تم کس طرح قتل کیا جانا پسند کرتے ہو؟
ابن جبیر	خدا کی قسم تم دنیا میں جس طرح مجھے قتل کروگے، خدا تم کو آخرت میں اسی طرح قتل کرے گا،
حجاج	کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم کو معاف کردوں؟
ابن جبیر	اگر تم معاف کردوگے تو وہ خدا کی جانب سے ہوگا (تمھارا احسان نہ ہوگا)
حجاج	تو میں تم کو قتل کردوں گا،
ابن جبیر	اللہ تعالیٰ نے میرا ایک وقت مقرر کردیا ہے، اس وقت تک پہنچنا ضروری ہے، اس کے بعد اگر میرا وقت آگیا ہے، تو پھر وہ ایک فیصل شدہ امر ہے اس سے مفر نہیں ہے، اور اگر عافیت مقدر ہے، تو وہ بھی خدا کے ہاتھ میں ہے،

قتل کا حکم اور استقلال و استقامت،	اس گفتگو کے بعد حجاج نے جلاد کو قتل کرنے حکم دیا، یہ حکم سنکر

حاضرین میں سے ایک شخص رونے لگا، ابن جبیر نے اس سے پوچھا تم روتے کیوں ہو، اس نے کہا آپ کے قتل پر، فرمایا، اس کے لئے رونے کی ضرورت نہیں، یہ واقعہ تو خدا کے علم میں پہلے سے موجود تھا، پھر یہ آیت تلاوت کی،

ما اصاب من مصیبۃ فی الارض	زمین میں جو مصیبتیں بھی آتی ہیں، یا تمہارے نفسوں کو
ولا فی انفسکم الا فی کتاب	پہنچتی ہیں قبل اسکے کہ ہم ان کو پیدا کریں کتاب
قبل ان نبراھا، (حدید-۳)	میں لکھی ہیں،

مقتل میں لیجانے سے پہلے اپنے صاحبزادے کو دیکھنے کے لئے بلایا، وہ آئے تو وہ بھی رونے لگے، آپ نے ان سے فرمایا تم روتے کیوں ہو، ستاون سال کے بعد تمہارے باپ کی زندگی تھی ہی نہیں، پھر رونے کا کون سا مقام ہے،

غرض نہایت صبر و استقلال کے ساتھ ہنستے ہوئے مقتل کی طرف چلے، حجاج کو اطلاع دی گئی کہ اس وقت بھی ابن جبیر کے لبوں پر ہنسی ہے، اس نے واپس بلا کر پوچھا تم ہنس کس بات پر رہے تھے، فرمایا "خدا کے مقابلہ میں تمہاری جرأتوں اور تمہارے مقابلہ میں اس کے حلم پر"

آخری مشاغل

یہ سنکر حجاج نے اپنے سامنے ہی قتل کا چمڑا بچھانے کا حکم دیا، چمڑا بچھائے جانے کے بعد حجاج نے قتل کا اشارہ کیا، اس وقت ابن جبیر نے کہا اتنی مہلت دو کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں، حجاج نے کہا اگر مشرق کی سمت رخ کرو تو اجازت مل سکتی ہے، فرمایا کچھ حرج نہیں، اینما تولوا فثم وجہ اللہ، پھر یہ آیت تلاوت کی،

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ	میں نے ایکسو ہو کر اپنا رخ اس ذات کی طرف
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ	کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا
مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ، (انعام-۹)	کیا اور میں مشرکوں میں نہیں ہوں،

حجاج نے حکم دیا سر کے بل جھکا دو، یہ حکم سنکر ابن جبیر نے راہِ تسلیم و رضا میں خود سر کو خم کر دیا اور یہ آیت پڑھی،

منھا خلقناکم و فیھا نعیدکم	اسی (زمین) سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور
و منھا نخرجکم تارۃ اخری،	اسی میں تم کو لوٹائیں گے، اور پھر اسی میں سے
(طٰہٰ - ۳)	تم کو دوبارہ نکالیں گے،

اور کلمۂ شہادت پڑھکر بارگاہ ایزدی میں دعا کی کہ "خدایا میرے قتل کے بعد پھر اس کو (حجاج) کسی کے قتل پر قادر نہ کرنا"،

شہادت | جلاد شمشیر برہنہ موجود تھا، حجاج کے حکم سے دفعۃً تلوار چمکی اور ایک کشتۂ حق کا سر زمین پر تڑپنے لگا، زمین پر گرنے کے بعد زبان سے آخری کلمہ لا الہ الا اللہ نکلا،

ایک تعجب انگیز امر | اس سلسلہ میں یہ واقعہ لائق ذکر ہے، کہ ابن جبیر کے جسم سے عام قتل ہونے والوں سے بہت زیادہ خون نکلا تھا، حجاج نے اطبا کو بلا کر اس کا سبب دریافت کیا کہ اور مقتولوں کے جسم سے خون بہت کم نکلتا ہے، اور ان کے جسم سے خون کے فوارے رواں تھے، اطبا نے جواب دیا کہ خون روح کے تابع ہے، جن لوگوں کو پہلے قتل کیا گیا، ان کی روح قتل سے پہلے ہی اس کے حکم ہی سے تحلیل ہو چکی تھی، اور ابن جبیر کی روح پر اس کا کوئی اثر نہ تھا[1]

یہ واقعہ شعبان ۹۴ھ میں پیش آیا، اس وقت ابن جبیر کی عمر باختلاف روایت ۵۷ یا ۴۹ سال کی تھی،

حسن بصری پر اثر | سعید بن جبیر کی شخصیت ایسی تھی کہ تمام اکابر تابعین اس واقعہ سے سخت متاثر ہوئے، حضرت حسن بصری نے فرمایا "خدایا ثقیف کے فاسق (حجاج) سے اس کا انتقام لے، خدا کی قسم اگر سارے روے زمین کے باشندے بھی ان کے قتل میں شریک ہوتے، تو خدا ان سب کو

[1] یہ تمام حالات ابن خلکان ج اول صفحہ ۲۰۵ و صفحہ ۲۰۶، و شذرات الذہب ج اول صفحہ ۱۰۹ و صفحہ ۱۱۱ اور ابن سعد ج ۶ صفحہ ۱۸۴ و صفحہ ۱۸۵ کی مختلف روایات میں غیر مرتب طور سے ہیں، ہم نے انھیں سلسلہ وار کر دیا ہے،

منہ کے بل دوزخ میں جھونک دیتا۔[1]

حلیہ — حلیہ یہ تھا، رنگ سیاہ، سر اور داڑھی دونوں سپید، خضاب لگانا پسند نہ کرتے تھے، کسی نے وسمہ کے خضاب کے بارہ میں پوچھا، فرمایا خدا تو بندہ کے چہرے کو نور سے روشن کرتا ہے، اور بندہ اس کو سیاہی سے بجھا دیتا ہے۔[2]

حجاج کا انجام — سعید کی آخری بدعا بے اثر نہ رہی، ان کا خون ناحق رنگ لایا، چنانچہ ان کے مقتول ہونے کے بعد ہی حجاج سخت دماغی امراض اور توہم میں مبتلا ہو کر چند ہی دنوں کے بعد بستر مرگ پر لیٹ گیا، بیماری کی حالت میں اس کو بے ہوشی کے دورے ہوتے تھے، بیہوشی اور غنودگی کی حالت میں اسے نظر آتا تھا کہ ابن جبیر اپنے کپڑے سمیٹے ہوئے اس سے پوچھ رہے ہیں کہ "دشمن خدا تو نے مجھے کس جرم میں قتل کیا"؟ یہ خواب پریشان دیکھ کر وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھتا تھا، اور کہتا تھا مجھے سعید سے کیا واسطہ، اسی مجنونانہ حالت میں ۹۵ھ میں مر گیا، اس طرح ابن جبیر کے قتل کے بعد اسے دوسرے آدمیوں کے قتل کرنے کا موقع نہ مل سکا۔[3]

اس کی موت کے بعد اس کو ایک شخص نے خواب میں دیکھا، پوچھا خدا نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا، اس نے کہا ہر مقتول کے بدلہ میں مجھے ایک ایک مرتبہ قتل کیا گیا، اور ابن جبیر کے انتقام میں ستر مرتبہ۔[4]

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۶، [2] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۶، [3] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۶،
[4] ایضاً،

۲۸۔ سعید بن مسیب

نام و نسب، سعید نام ابو محمد کنیت، نسب نامہ یہ ہے سعید بن مسیب بن حزن بن ابی وہب ابن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب قرشی مخزومی، ان کی ماں قبیلہ اسلم سے تھیں، نانہالی شجرہ یہ ہے، ام سعید بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن الاوقص سلمی[1]

ابن مسیب بڑے جلیل القدر تابعی اور ان نفوس قدسیہ میں تھے، جو اپنے علم و عمل کے اعتبار سے ساری دنیائے اسلام کے امام اور مقتدیٰ مانے جاتے تھے، ان کے والد مسیب اور دادا حزن دونوں صحابی تھے، فتح مکہ کے دن مشرف باسلام ہوئے تھے، آنحضرت صلعم ایسے ناموں کو جن کے معنی میں برائی کا پہلو نکلتا ہو پسند نہ فرماتے تھے، اس لئے حزن کا نام جس کے معنی غم کے ہیں بدل کر سہیل رکھنا چاہا، لیکن حزن نے جن میں اس وقت تک قدامت پرستی کا جذبہ باقی تھا یہ عذر کیا کہ یا رسول اللہ یہ نام والدین کا رکھا ہوا ہے، اور اس نام سے مشہور بھی ہو چکا ہوں، اس لئے اس کو نہ بدلئے، ان کے عذر پر آنحضرت صلعم نے رہنے دیا، لیکن اس نام کی نحوست کا یہ اثر تھا کہ سعید بن مسیب کا بیان ہے، کہ ہمارے گھر میں ہمیشہ غمگینی چھائی رہی[1]،

پیدائش، باختلاف روایت ۱۵ھ یا ۱۷ھ جلوس عمری میں سعید بن مسیب پیدا ہوئے، ایک بیان یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ کی وفات سے دو سال پہلے تولد ہوئے، لیکن پہلی روایت زیادہ معتبر ہے[2]،

عہد معاویہ، ابن مسیب خلافت راشدہ کے آخری دور میں بالکل کم سن تھے، اس لئے اس عہد

---

[1] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۸۸، [2] ایضاً،

کا ان کا کوئی واقعہ قابلِ ذکر نہیں ہے، امیر معاویہ کے زمانہ میں بھی وہ عملی زندگی میں کہیں نظر نہیں آتے بعض روایات سے اس قدر معلوم ہوتا ہے، کہ وہ تحصیلِ علم سے فارغ ہو کر مسندِ علم وافتا کی زینت بن چکے تھے[1]

ابن زبیرؓ کی بیعت سے اختلاف | عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانہ سے ان کے حالات کا پورا پتہ چلتا ہے، اور اس کا آغاز ان کی حق گوئی سے ہوتا ہے، وہ ایسے حق گو اور حق پرست تھے، کہ خلفاء اور سلاطین کے مقابلہ میں بھی ان کی زبان خاموش نہ رہتی تھی، چنانچہ ان کی تاریخ کا آغاز ہی خلفاء کے ساتھ اختلاف سے ہوتا ہے، عبداللہ بن زبیرؓ نے جب خلافت کا دعویٰ کیا، اور جابر بن اسود، اہل مدینہ سے ان کی بیعت لینے کے لئے آیا، تو ابن مسیب نے اختلاف کیا، اور کہا جب تک تمام مسلمانوں کا کسی ایک شخص پر اتفاق نہ ہو جائے، اس وقت تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرنی چاہئے،[2]

کوڑوں کے مقابلہ میں اعلان حق، ابن مسیب مدینہ کے ممتاز ترین بزرگ تھے، ان کی مخالفت کے معنی یہ تھے کہ مدینہ سے ایک ہاتھ بھی بیعت کے لئے نہ بڑھتا، اس لئے جابر نے حکومت کے گھمنڈ میں آپ کو کوڑوں سے پٹوایا، لیکن آپ کی حق گو زبان جبر و تشدد سے رکنے والی نہ تھی، چنانچہ وہ عین سزا کی حالت میں بھی اعلانِ حق کرتی رہی، جابر کے چار بیویاں تھیں، ایک کو اس نے طلاق دیکر عدت گذرنے سے پہلے پانچویں شادی کر لی تھی، جو صریحًا حرام ہے، چنانچہ ٹھیک اس وقت جب اون پر کوڑے برس رہے تھے، وہ کہہ رہے تھے کہ کتاب اللہ کا حکم سنانے سے مجھے کوئی چیز نہیں روک سکتی، خدا فرماتا ہے، انکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلاث و رباع، اور تو نے چوتھی کی عدت ختم ہونے سے قبل پانچویں عورت سے

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۹۰، [2] ایضاً،

شادی کرلی جو تیرے دل میں آئے کر گذر، عنقریب تجھ پر برا وقت آنے والا ہے، اس واقعہ کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ مقتول ہوگئے،[1] ابن زبیرؓ کو اپنے مقتول ہونے سے پہلے ابن مسیب کے ساتھ جابر کی اس گستاخی کا علم ہوچکا تھا، وہ ان کے مرتبہ شناس تھے، اس لئے انھوں نے جابر کو خط لکھ کر سخت تنبیہ کی اور لکھا کہ ان سے کوئی تعرض نہ کرو،[2]

عبدالملک سے اختلاف

عبداللہ بن زبیرؓ کے بعد عبدالملک خلیفہ ہوا، اس کے ساتھ بھی ابن مسیب کا اختلاف قائم رہا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اموی حکومت کا بانی اور مجدد مروان بن حکم اپنے بعد علی الترتیب عبدالملک اور اس کے بعد اس کے بھائی عبدالعزیز کو خلیفہ بنا گیا تھا، مروان کے بعد عبدالملک کی نیت میں فتور پیدا ہوا، اس نے عبدالعزیز کو ولیعہدی سے خارج کرکے اپنے لڑکوں ولید اور سلیمان کو ولیعہد بنانے کا ارادہ کیا، لیکن پھر قبیصہ بن ذویب کے سمجھانے سے کہ اس میں آپ کی بڑی بدنامی ہے، رک گیا، عبدالملک کی خوش قسمتی سے چند ہی دنوں کے بعد عبدالعزیز کا انتقال ہوگیا،[3]

عبدالعزیز کے انتقال کے بعد عبدالملک کے لئے میدان بالکل صاف ہوگیا، اور اس نے ولید اور سلیمان کو ولیعہد بنا کر ان کی بیعت کے لئے صوبہ داروں کے نام فرمان جاری کردیئے چنانچہ ہشام بن اسمٰعیل والی مدینہ نے اہل مدینہ سے بیعت لے کر سعید بن مسیب کو بلایا، انھوں نے کہا میں بغیر سوچے سمجھے بیعت نہیں کرسکتا، ایک بیان یہ ہے کہ اُنھوں نے یہ جواب دیا کہ میں عبدالملک کی زندگی میں دوسری بیعت نہیں کرسکتا،[4]

کوڑوں کی مار اور قید کی سزا

ان کے اس جواب پر ہشام نے انھیں کوڑوں سے پٹوایا، اور تشہیر کراتے ہوئے راس الثنیۃ تک جہاں مجرموں کو سولی دیجاتی تھی بھیجا، سعید بن مسیب سولی کیلئے

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۹۱، [2] ایضاً ص ۹۱، [3] ابن اثیر ج ۴ ص ۴۰۹، [4] ابن سعد ج ۵ ص ۹۲،

بالکل تیار ہو کر گئے تھے، چنانچہ سولی کے وقت ستر کھل جانے کے خیال سے جانگھیا پہن لی تھی لیکن

رسن البتہ لیجانے کا منشا رغالباً محض تخویف تھا، اس لئے وہاں لیجاکر پھر لوٹا یا گیا، واپسی کے وقت

ابن مسیب نے پوچھا، اب واپس کہاں لئے جاتے ہو، جواب ملا قید خانہ، چنانچہ واپس لاکر قید خانہ میں ڈالدیئے

گئے، اور ہشام نے ان کی مخالفت اور اپنی کارگذاری کی اطلاع بارگاہ خلافت بھجوادی[۱]،

استقلال، قید خانہ میں انھیں لوگوں کے ذریعہ سے سمجھا بجھا کر رام کرنے کی کوشش کی گئی، چنانچہ

ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے ان سے مل کر گفتگو کی اور کہا سعید تم بالکل سٹھیا گئے ہو، انھوں نے

جواب دیا ابوبکر خدا سے ڈرو اور اوس کو سب قوتوں سے بڑھ کر سمجھو، ابوبکر وہی دہرلتے رہے کہ

کہ تم تو اور زیادہ سٹھیا گئے ہو کسی طرح نرم ہی نہیں پڑتے، آخر میں ابن مسیب نے جھلا کر جواب دیا خدا کی قسم تمہارے

دل اور آنکھ دونوں کی روشنی جاتی رہی ہو، یہ رنگ دیکھ کر ابوبکر واپس چلے آئے، ہشام نے

پچھوا بھیجا کہ سعید مار کے بعد کچھ نرم پڑے، ابوبکر نے جواب دیا تمہارے اس سلوک کے بعد سے

خدا کی قسم وہ پہلے سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں، اب اپنا ہاتھ روک لو[۲]،

رہائی، قبیصہ بن ذویب عبدالملک کے پرائیوٹ سکریٹری تھے، تمام شاہی ڈاک پہلے ان کے

پاس آتی تھی، یہ پڑھکر اسکو عبدالملک کے سامنے پیش کرتے تھے، چنانچہ ہشام کا خط بھی جسمیں اس نے

عبدالملک کو اپنی کارگذاریوں کی اطلاع دی تھی پہلے قبیصہ کے ہاتھ میں پڑا، یہ بڑے عاقبت

اندیش اور مصلحت شناس، اس سے بڑھ کر سعید بن مسیب کے مرتبہ شناس تھے، اس لئے ہشام کی

کارگذاری پڑھ کر بہت برہم ہوئے، اور اسی وقت عبدالملک کے پاس خط لیجا کر کہا امیر المومنین

ہشام خود رائی سے جو چاہتا ہے کرتا ہے، ابن مسیب کو اس طرح مارتا اور اون کی تشہیر کراتا ہے

خدا کی قسم وہ اس تشدد اور مار سے اور زیادہ سخت ہو جائیں گے، اگر وہ بیعت نہ کریں تب بھی

---

[۱] ابن سعد ج ۵ ص ۹۳، [۲] ایضاً ص ۹۴،

ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے، وہ ان لوگوں میں نہیں ہیں جن سے رخنہ اندازی اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کی برائی کا خطرہ ہو، وہ اہل سنت والجماعۃ میں ہیں، آپ خود سعید کو اس کی معذرت لکھئے، عبد الملک نے کہا تم ہی اپنی طرف سے لکھدو، اور یہ ظاہر کردو کہ ہشام نے میرے منشار کے خلاف تمام کارروائی کی ہے، چنانچہ قبیصہ نے اسی وقت ابن مسیب کو خط لکھدیا، اونھوں نے اسے پڑھ کر کہا کہ جس نے مجھ پر ظلم کیا ہے، اس کے اور میرے درمیان خدا ہے[1]،

ابن مسیب کو خط بھجوانے کے بعد عبد الملک نے ہشام کو بھی ایک تنبیہی اور ملامت آمیز خط بھیجا اور لکھا کہ خدا کی قسم ابن مسیب مارے جانے کے بجائے صلہ رحم کے زیادہ مستحق ہیں، مجھکو خوب معلوم ہے، کہ ان سے کسی مخالفت اور تفرقہ کا خطرہ نہیں ہے[2]، یہ خط پڑھ کر ہشام سخت نادم اور شرمسار ہوا، اور ابن مسیب کو رہا کر دیا[3]،

ولید کا زمانہ | ولید کے ساتھ ابن مسیب کی کوئی مخالفت نہیں ہوئی لیکن جیسا کہ آئندہ چل کر معلوم ہوگا اونھوں نے کبھی اس کے سامنے سر نیاز نہیں جھکایا،

حجاج کا طرز عمل، | لیکن یہ عجیب حیرت انگیز بات ہے کہ اموی خلفار کے مقابلہ میں اس بے نیازی اور خودداری کے باوجود حجاج نے جو ہر اس شخص کا جو امویوں کا بندہ فرمان نہ ہو سخت دشمن تھا، ابن مسیب کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی، لوگوں کو اس پر سخت حیرت تھی، چنانچہ بعض آدمیوں نے ابن مسیب سے پوچھا بھی کیا بات ہے، حجاج نہ آپ کے پاس کسی کو بھیجتا ہے، نہ آپ کو اپنی جگہ سے ہٹاتا ہے، نہ کوئی تکلیف پہنچاتا ہے، آپ نے فرمایا خدا کی قسم مجھے خود اس کا سبب نہیں معلوم، ایک واقعہ البتہ اس کے ساتھ پیش آیا ہے، ایک مرتبہ وہ اپنے باپ کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا، اور رکوع اور سجدہ ٹھیک نہیں کرتا تھا، میں نے تنبیہ کے لئے، ایک

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۹۳، [2] ایضاً، [3] ایضاً ص ۹۴،

مٹھی کنکریاں اس پر اٹھا کے ماری تھیں، لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے بعد سے اس کی نماز درست ہوگئی،[1]

وفات: ولید ہی کے عہد ۹۴ھ میں سعید بن مسیب بیمار پڑے، اس بیماری نے مرض الموت کی شکل اختیار کر لی، دم آخر اپنے صاحبزادے محمد کو بلا کر تجہیز و تکفین وغیرہ کے متعلق وصیت کی کہ مرنے کے بعد جنازہ پر سرخ چادر نہ اڑھائی جائے، جنازہ کے پیچھے آگ نہ لیجائی جائے، ایسے بین کرنے والے ساتھ نہ ہوں جو وہ اوصاف بیان کریں جو مجھ میں نہیں ہیں، کسی کو جنازہ اٹھنے کی اطلاع نہ دیجائے، صرف چار آدمی اٹھانے کے لئے کافی ہیں، قبر پر خیمہ نہ لگایا جائے،

احتضار کی حالت میں نافع بن جبیر نے محمد سے کہا کہ بستر کو قبلہ رخ کر دو، ابن مسیب نے سنکر کہا اس کی ضرورت نہیں ہے اسی (قبلہ) پر پیدا ہوا ہوں، اسی پر مروں گا اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت میں اسی پر اٹھوں گا،

تھوڑی دیر کے بعد غشی طاری ہوگئی، اس وقت نافع نے بستر کو قبلہ رخ کر دیا، ابن مسیب کو ہوش آیا، تو پوچھا بستر کو کس نے پھیرا، کسی کو جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی، لیکن ہوش کی حالت میں نافع کو کہتے سن چکے تھے، اس لئے خود ہی جواب دیا کہ نافع نے کیا ہوگا، پھر فرمایا اگر میں مسلمان ہوں تو خواہ کسی سمت مروں، قبلہ ہی کی جانب رخ رہے گا، اور اگر ملت اسلام پر نہیں ہوں اور دل قبلہ کی جانب نہیں ہے تو پھر رخ کو قبلہ کی طرف پھیرنے سے کوئی فائدہ نہیں، میں مسلمان ہوں جس سمت بھی رخ ہو قبلہ ہی کی طرف ہوگا،

وفات کے وقت آلائش دنیا سے کچھ دینار پاس تھے ان کے متعلق بارگاہ ایزدی میں معذرت کی، خدایا تو خوب جانتا ہے کہ میں نے ان کو محض اپنی آبرو اور اپنے دین کی حفاظت

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۹۵،

کے لئے رکھ چھوڑا تھا،

اسی مرض میں ۹۴ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت پچھتر سال کا سن شریف تھا، یہ عجب اتفاق ہے کہ اس سال بہت سے بڑے بڑے فقہار کا انتقال ہوا، اسی لئے اس سنہ کو سنۃ الفقہار کہا جاتا تھا[۱]

فضل و کمال: سعید بن مسیب گو ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے، جب رسالت کا مقدس اور پر بہار دور ختم ہو چکا تھا، لیکن ابھی موسم بہار کو گذرے ہوئے زیادہ زمانہ نہیں ہوا تھا، اور مدینہ کی گلی گلی عہدِ رسالت کے پر بہار پھولوں سے بھری ہوئی تھی، دو چار کے سوا اکثر اکابر صحابہ جو علوم نبوی کے وارث تھے، مدینۃ العلم کے زیب مسند تھے، ابن مسیب کو علم کا فطری ذوق تھا، ان کے ذوق و شوق اور ان بزرگوں کے فیض نے انھیں علم و عمل کا مجمع البحرین بنا دیا، وہ بالاتفاق اپنے زمانہ میں علم و عمل اور جملہ علمی اور اخلاقی فضائل و کمالات میں یگانہ و یکتا تھے، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی امامت و جلالت علمی فضیلت اور جملہ اعمال خیر میں ان کے معاصرین پر ان کے تفوق اور برتری پر تمام علمار کا اتفاق ہے، ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ میں تمام اہل مدینہ کے سردار تھے[۲]، حافظ ذہبی انکو امام شیخ الاسلام اور اجلہ تابعین میں لکھتے ہیں[۳]، ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ ان کی ذات میں حدیث، تفسیر، فقہ، زہد و ورع اور عبادت جملہ علمی اور عملی کمالات جمع تھے[۴]،

تفسیر قرآن: جیسا کہ ابن عماد کے بیان سے معلوم ہوتا ہو کہ تفسیر قرآن میں بھی انکو پورا کمال حاصل تھا، لیکن قرآن میں شدتِ احتیاط کی وجہ سے اونھوں نے بحیثیت مفسر کوئی شہرت نہیں حاصل کی، قرآن کی تفسیر میں وہ اتنے محتاط اور متشدد تھے کہ آیاتِ قرآنی کی تفسیر و تاویل

---

[۱] ابن سعد ج ۵ ص۱۰ و ص۱۰۱، [۲] تہذیب الاسمار ج اول ق اول ص۲۲۰، [۳] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۴۶

[۴] شذرات الذہب ج اول ص۱۰۳،

میں کبھی لب کشائی نہ کرتے تھے، جب اون سے قرآن کے متعلق کچھ پوچھا جاتا تو جواب دیتے کہ میں قرآن میں کچھ نہ کہونگا[1] اسی احتیاط کی وجہ سے ان کی قرآنی مہارت ظاہر نہ ہوسکی،

حدیث | حدیث رسول کا انھیں خاص ذوق تھا، ایک ایک حدیث کے لئے وہ کئی کئی رات اور کئی کئی دن سفر کرتے تھے[2]، ایک طرف انکا یہ ذوق و شوق تھا، دوسری طرف ان کا مولد و منشا یعنی مدینۃ الرسول اکابر صحابہ سے جو علم حدیث کے اساطین تھے بھرا ہوا تھا، حضرت عثمانؓ، علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرو بن العاصؓ زید بن ثابتؓ، حسان بن ثابتؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، ابوہریرہؓ، ابودردار انصاریؓ، ابوذر غفاریؓ ابوقتادہ انصاریؓ، حکیم بن حزامؓ، جبیر بن مطعمؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، صفوان بن امیہؓ، مسور بن مخرمہؓ جابر بن عبداللہؓ، ابوسعید خدریؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، معمر بن عبداللہؓ، عبداللہ بن زید حارثیؓ عتاب بن اسیدؓ، عثمان بن ابی العاصؓ وغیرہ صحابۂ کرام کی بڑی جماعت موجود تھی، ابن مسیب نے ان تمام خرمنوں سے خوشہ چینی کی مشہور حافظ حدیث صحابی حضرت ابوہریرہؓ ان کے خسر تھے، اس تعلق سے ان سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ فیض یاب ہوئے تھے، چنانچہ ان کی مرویات کا بڑا حصہ ابوہریرہ ہی کی احادیث پر مشتمل ہے[3] حافظہ اتنا قوی تھا کہ ایک مرتبہ جو بات کانوں میں پڑجاتی تھی، وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتی تھی[4] اس حافظہ اور ذوق و شوق سے حدیث میں سعید بن مسیب کا دامن علم نہایت وسیع کر دیا تھا،

علماء کا اعتراف | ان کے عہد کے تمام علماء انکے کمال حفظ حدیث کے معترف تھے، مکحول جو خود بڑے امام اور محدث تھے کہتے تھے، کہ میں نے علم کی تلاش میں ساری دنیا کا سفر

---

[1] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۰۱، [2] ایضاً صفحہ ۰۰، [3] تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۸۶ و تہذیب الاسماء ج اول ق اول صفحہ ۲۲۰، [4] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۹۰،

کیا، لیکن سعید بن مسیب جیسا عالم کوئی نہیں ملا[1]، امام زین العابدین فرماتے تھے کہ سعید بن مسیب گذشتہ آثار کے سب سے بڑے واقف کار تھے[2]، علی بن مدائنی کہتے ہیں کہ میں تابعین کی جماعت میں سعید بن مسیب سے زیادہ وسیع العلم کسی کو نہیں جانتا[3]،

روایات کا پایہ محدثین اور ارباب فن کے نزدیک ان کی مرویات کا پایہ اتنا بلند تھا کہ امام احمد بن حنبل وغیرہ ان کی مرسلات کو بھی صحاح کا درجہ دیتے تھے[4]، امام شافعی فرماتے تھے کہ سعید کی مرسلات ہمارے نزدیک حسن ہیں[5]، اگرچہ حضرت عمرؓ سے سعید کا سماع ثابت نہیں ہے، لیکن امام احمد ان سے بھی ان کی روایت کو حجت سمجھتے تھے[6]، یحیی بن معین ان کی مرسلات کو حسن بصری کی مرسلات پر ترجیح دیتے تھے[7]، علی بن مدائنی کہتے تھے کہ کسی مسئلہ میں سعید بن مسیب کا صرف یہ کہدینا کہ اس بارہ میں سنت موجود ہے، کافی ہے[8]،

فقہ سعید بن مسیب کا خاص فن فقہ تھا، وہ اس عہد کے مدینہ کے ان سات مشہور فقہاء میں سے تھے، جو اس فن کے امام مانے جاتے تھے[9]، پھر ان میں بلکہ پوری جماعت تابعین میں ان کا پایہ سب سے بلند تھا، ابن حبان کا بیان ہے کہ سعید بن مسیب اپنے زمانہ میں اہل مدینہ کے سردار اور فتوی میں ان سب پر فائق تھے، ان کو فقیہ الفقہاء کہا جاتا تھا، قتادہ کہتے تھے کہ میں نے ابن مسیب سے زیادہ حلال و حرام کا جاننے والا نہیں دیکھا، سلیمان بن موسی کا بیان ہے کہ سعید بن مسیب افقہ التابعین تھے[10]، باہر کے جو طالبین فقہ مدینہ آتے تھے، انھیں سیدھے ان کا گھر بتادیا جاتا تھا، میمون بن مہران کا بیان ہے کہ میں جب مدینہ گیا اور وہاں کے سب سے بڑے فقیہ کو پوچھا، تو

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص۲۲۰، [2] ابن سعد ج ۵ ص۹۰، [3] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص۲۲۰، [4] تذکرة الحفاظ ج اول ص۴۷، [5] تہذیب التہذیب ج ۴ ص۸۶، [6] ایضاً [7] ایضاً، [8] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص۲۲۰، [9] اعلام الموقعین ج اول ص۲۵، [10] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص۲۲۰،

لوگوں نے سعید بن مسیب کے گھر پہنچا دیا[1] عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا بیان ہے کہ عبادلہ اربعہ یعنی عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے بعد ساری دنیائے اسلام میں فقہ کی مسند موالی کے قبضہ میں آگئی تھی، مکہ کے فقیہ عطار تھے، یمن کے طاؤس، یمامہ کے یحییٰ بن ابی کثیر، بصرہ کے حسن بصری، کوفہ کے ابراہیم نخعی، شام کے مکحول اور خراسان کے عطار خراسانی، صرف مدینہ کی مسند ایک قرشی یعنی سعید بن مسیب کے حصہ میں رہی،[2]

شیخین کے فیصلوں سے واقفیت، اگرچہ سعید بن مسیب نے آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ نہیں پایا، عہد فاروقی میں بہت صغیر السن تھے، لیکن اپنے ذاتی ذوق و شوق سے وہ آنحضرت صلعم اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے فیصلوں کے سب سے بڑے واقف کار بن گئے تھے، وہ خود فرماتے تھے، کہ اب مجھ سے زیادہ رسول اللہ صلعم اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے فیصلوں کا جاننے والا کوئی نہیں ہے، حضرت عمرؓ کے فیصلوں سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ واقفیت رکھتے تھے، اسی لئے وہ "راویہ عمرؓ" کہلاتے تھے[3]، حضرت عمرؓ کے احکام اور فیصلوں کے بارہ میں ان کا علم اتنا وسیع تھا کہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہ تک جو خود خیر الامۃ تھے، اپنے والد بزرگوار کے بعض حالات کے متعلق ان سے معلومات حاصل کرتے تھے[4]

فقہ میں حضرت عمرؓ کا مرتبہ محتاج بیان نہیں، آپ کے زمانہ میں صدہا نئے مسائل پیدا ہوئے، آپ نے ان جدید مسائل کے متعلق قوانین بنائے اور فیصلے دیئے، یہ سارا ذخیرۂ معلومات ابن مسیب کے حصہ میں آیا، حضرت عثمانؓ کے فیصلوں سے بھی واقفیت تھی،[5]

صحابہ کا اعتراف، یہ خصوصیت و جامعیت تابعی کیا کسی صحابی میں بھی مشکل سے نکل سکتی تھی،

---

[1] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۹۰ [2] شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۱۰۲ [3] ایضاً صفحہ ۸۹ [4] تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۸۶

[5] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۸۹

اسی لئے وہ عہدِ صحابہ ہی میں صاحب افتا ہو گئے تھے[1] اور بڑے بڑے صحابہ اون کی اس اہلیت کو تسلیم کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے واللہ وہ مفتیوں میں سے ایک ہیں[2] کبھی کبھی سائلین کو ان کے پاس بھیجدیتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا، آپ نے اس سے کہا سعید بن مسیب کے پاس جاؤ اور وہ جو جواب دیں وہ مجھے بھی آکر بتانا، اس نے اس حکم کی تعمیل کی، ابن عمرؓ نے جواب سنکر فرمایا میں تم لوگوں سے کہتا نہ ہوں کہ وہ علماء میں ہیں[3]،

اکابر علماء اور تابعین کا اعتراف و استفادہ

اس عہد کے تمام بڑے بڑے علماء اور اکابر تابعین ان کے کمالات کے اتنے معترف تھے کہ مشکل مسائل میں وہ خود ان کی طرف رجوع کرتے تھے، اور دوسروں کو ان سے استفادہ کرنے کی ہدایت کرتے تھے، حضرت حسن بصری جیسے بزرگ کو جب کسی مسئلہ میں اشکال پیش آتا تھا، تو وہ ان کے پاس لکھ بھیجتے تھے[4]

امام ابن شہاب زہری کا بیان ہے کہ عبداللہ بن ثعلبہ نے مجھ کو ہدایت کی تھی کہ اگر تم فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس شیخ (سعید بن مسیب) کا دامن پکڑو[5]،

حضرت عمر بن عبدالعزیز بغیر ان سے پوچھے ہوئے کوئی فیصلہ ہی نہیں کرتے تھے، اور ان کا اتنا احترام کرتے تھے، کہ انھیں اپنے پاس بلانے کی زحمت نہ دیتے تھے، بلکہ آدمی کے ذریعہ سے پچھوا بھیجتے تھے، فرماتے تھے کہ مدینہ میں کوئی عالم ایسا نہ تھا جو اپنے علم کو لے کر خود میرے پاس نہ آیا ہو، لیکن ابن مسیب کا علم میرے پاس لایا جاتا تھا[6]،

ایک مرتبہ ایک شخص کو ابن مسیب کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے کے لئے بھیجا، وہ پوچھنے کے

---

[1] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۹۰، [2] تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۸۶، [3] ابن خلکان ج اول صفحہ ۲۰۶، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۴۷، [5] تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۸۶، [6] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۹۰،

بجائے انھیں بلائے گیا، عمر بن عبد العزیز نے انھیں دیکھ کر فرمایا، اس نے غلطی سے آپ کو تکلیف دی، میں نے تو صرف پوچھنے کے لیے بھیجا تھا،[۱]

تلامذہ، | ابن مسیب کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا، بعض مشہور اور ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں، سالم بن عبد اللہ بن عمر، زہری، قتادہ، شریک بن ابی نمیر، ابو الزناد، سعد بن ابراہیم، عمرو بن مرہ، یحییٰ بن سعید انصاری، داؤد بن ابی ہند، طارق بن عبد الرحمن، عبد الحمید بن جبیر، شعبہ، عبد الخالق بن سلمہ، عبد المجید بن سہیل، عمرو بن مسلم، امام باقر، ابن منکدر، ہاشم بن ہاشم بن عتبہ اور یونس بن یوسف وغیرہ[۲]

ذوق سخن | سعید بن مسیب اگرچہ خالص مذہبی بزرگ تھے لیکن اس کے باوجود ان کو شعر و سخن کا خاصا مذاق تھا، وہ اسے خلاف تقوی نہیں سمجھتے تھے، کسی نے آپ سے کہا کہ عراق میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو شعر و شاعری کو برا سمجھتے ہیں، فرمایا ان لوگوں نے عجمی تقشف اختیار کر لیا ہے[۳]، آپ خود تو شعر نہیں کہتے تھے لیکن شعر سننا پسند کرتے تھے[۴]

تعبیر خواب، | آپ کے صحیفۂ کمال کا ایک نمایاں باب تعبیر خواب بھی ہے، آپ کو اس سے ایک طبعی مناسبت تھی، اس فن کو آپ نے حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اسماء سے جنھوں نے اپنے والد بزرگوار سے سیکھا تھا حاصل کیا تھا،[۵]

آپ کی تعبیروں کی بڑی شہرت تھی، اور بکثرت لوگ آپ کے پاس تعبیر لینے کے لئے آتے تھے، جب کوئی شخص آتا اور تعبیر کے لئے خواب بیان کرتا، تو آپ تفاؤلاً پہلے فرماتے کہ تم نے اچھی بات دیکھی[۶] اس موقع پر ہم یہاں چند خواب اور ان کی تعبیریں نقل کرتے ہیں،

---

[۱] ابن سعد ج ۵ ص ۹۱، [۲] تہذیب التہذیب، ج ۴ ص ۸۵، [۳] کتاب العمدہ ابن رشیق ص ۱۱، [۴] ابن سعد ج ۵ ص ۹۱، [۵] ایضاً ص ۹۱، [۶] ایضاً ص ۹۲،

عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالملک کی جنگ کے زمانہ میں ایک شخص نے آپ سے بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ عبدالملک کو میں نے چت لٹا کر پھر منہ کے بل کر کے اس کی پیٹھ میں چار میخیں ٹھونک دی ہیں، یہ خواب سن کر انھوں نے اس شخص سے کہا تم نے خود یہ خواب نہیں دیکھا ہے، اس نے کہا نہیں میں ہی نے دیکھا ہے، سعید نے کہا اگر تم صحیح نہیں بیان کرتے تو میں خود بتائے دیتا ہوں، ان کے اس کہنے پر اس شخص نے اقرار کیا کہ میں نے نہیں بلکہ ابن زبیرؓ نے دیکھا ہے، اور مجھے آپ کے پاس تعبیر کے لئے بھیجا ہے، فرمایا اگر تم نے خواب صحیح بیان کیا ہے تو عبدالملک ابن زبیرؓ کو قتل کر دے گا، اور اس کی صلب سے چار خلیفہ ہوں گے،

ایک اور شخص نے خواب دیکھا کہ عبدالملک نے چار مرتبہ مسجد نبوی کے سامنے پیشاب کیا ہے سعید بن مسیب نے اس کی یہ تعبیر دی کہ عبدالملک کی صلب سے چار خلیفہ ہوں گے،

ان دونوں خوابوں کی تعبیر بالکل صحیح نکلی ابن زبیرؓ عبدالملک کے مقابلہ میں مقتول ہوئے، اور عبدالملک کے چار لڑکے خلیفہ ہوئے، ولید، سلیمان، یزید ثانی اور ہشام،

شریک بن نمیر نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ میرے دانت میرے ہاتھوں میں گر گئے ہیں، اور میں نے انھیں دفن کر دیا، ابن مسیب نے انکی یہ تعبیر دی کہ تم اپنے خاندان کے اپنے ہم سنوں کو دفن کرو گے،

ایک اور شخص نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا کہ اپنے ہاتھ میں پیشاب کر رہا ہوں سعید نے تعبیر دی کہ تمھاری بیوی تمھاری محرم ہے، تحقیقات کی تو واقعی اس شخص کی بیوی اس کے رضاعی محرمات میں سے نکلی،

مسلم الخیاط کا بیان ہے کہ ایک شخص نے یہ خواب بیان کیا کہ ایک کبوتر مسجد کے منارہ پر آ کر بیٹھ گیا، آپ نے تعبیر دی کہ حجاج جعفر بن ابی طالب کی پوتی سے شادی کرے گا،

ایک اور شخص نے اپنا خواب بیان کیا، کہ ایک بکرا ثنیۃ الوداع سے دوڑتا ہوا آیا، اور کہنے لگا ذبح کرو، ذبح کرو، میں نے ذبح کر دیا، ابن مسیب نے تعبیر دی کہ ابن صلا، مر جائیں گے ابن صلا، مدینہ کے موالی میں تھے، اور لوگوں کے ساتھ سعی کیا کرتے تھے،

عبد الرحمن بن سائب کا بیان ہے کہ قبیلہ فہم کے ایک آدمی نے بیان کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ آگ میں گھس رہا ہے، ابن مسیب نے تعبیر دی کہ تم اپنی موت سے پہلے بحری سفر کرو گے اور تمھاری موت قتل کے ذریعہ سے ہوگی، عبد الرحمن کا بیان ہے کہ واقعی اس شخص نے سمندر کا سفر کیا، اور دوران سفر میں ہلاک ہوتے ہوتے بچا، پھر قدید کے معرکہ میں مقتول ہوا،

حصین بن عبید اللہ کا بیان ہے، کہ میری خواہش کے باوجود میرے کوئی اولاد نہ ہوتی تھی، میں نے خواب دیکھا کہ میری گود میں کسی نے ایک انڈا پھینک دیا ہے، میں نے ابن مسیب سے بیان کیا، انھوں نے کہا وہ انڈا عجمی مرغی کا ہے، تم عجم میں رشتہ پیدا کرو، چنانچہ میں نے ایک عجمی لونڈی کو بیوی بنا لیا، اس کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا،

ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں سایہ میں بیٹھا ہوں، پھر اٹھکر دھوپ میں چلا گیا، ابن مسیب نے کہا خدا کی قسم اگر تمھارا خواب سچا ہے تو تم اسلام کے دائرہ سے نکل جاؤ گے، یہ سنکر اس شخص نے اپنے بیان کی تصحیح کی، کہ مجھے زبردستی دھوپ میں لایا گیا، لیکن پھر میں موقع پاکے نکل آیا، اسوقت ابن مسیب نے تعبیر میں یہ ترمیم کر دی کہ تم کفر پر مجبور کئے جاؤ گے، یہ تعبیر بالکل صحیح نکلی، یہ شخص عبد الملک کے زمانہ میں کسی جنگ میں قید ہو کر زبردستی کفر پر مجبور کیا گیا، لیکن پھر چھوٹ کر مدینہ واپس آیا، یہ واقعہ خود یہ شخص بیان کرتا تھا، [1]

---

[1] یہ تمام خواب اور اسکی تعبیریں ابن سعد ج ۵ ص ۹۱ تا ص ۹۳ سے ماخوذ ہیں،

کلمات طیبات، سعید بن مسیب کے کلمات طیبات اور حکیمانہ اقوال پند و موعظت اور حکمت و دانائی کا ایک دفتر ہیں،

فرماتے تھے کہ شیطان جب کسی شے میں انسان سے مایوس ہو جاتا ہے تو اوس کو عورتوں کے ذریعہ سے پورا کرتا ہے[1] میں اپنے نفس کے بارہ میں سب سے زیادہ عورتوں سے خوف کرتا ہوں، لوگوں نے عرض کیا ابو محمد آپ جیسے ضعیف العمر آدمی کو تو عورتوں کی خواہش باقی نہیں رہجاتی، اور نہ خود عورتیں ایسے شخص کی خواہش مند ہوتی ہیں، (پھر کیا خطرہ) فرمایا لیکن جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں وہ ایسا ہی ہے[2]،

فرماتے تھے کہ خدا کی اطاعت کرنا بندوں کے لئے اپنے نفس کی سب سے بڑی عزت کرنا ہے، اور اس کی سب سے بڑی تحقیر خدا کی نافرمانی ہے،

دنیا ایک فرومایہ شے ہے اور ہر اس فرومایہ کی طرف مائل ہوتی ہے، جو بغیر حق کے اسے حاصل کرتا ہے، بے جا وسیلوں سے طلب کرتا ہے، اور بے محل صرف کرتا ہے،

اس دولت دنیا میں کوئی خیر نہیں ہے جسکو انسان اس نیت سے حاصل نہیں کرتا کہ اس کے ذریعہ سے وہ اپنے مذہب اور اپنی شرافت کو بچائے اور صلہ رحم کرے،

ظلم کے اعوان و انصار کو جب بھی دیکھو تو دل سے اون کے مظالم سے نفرت کرو، تاکہ تمھارے اچھے اعمال برباد نہ ہو جائیں،

تمام انسان خدا کی پناہ و نگرانی میں اعمال کرتے ہیں، جب خدا انھیں رسوا کرنا چاہتا ہے تو اوس کو اپنی پناہ و نگرانی سے نکال دیتا ہے، اسوقت لوگوں میں اسکا پردہ فاش ہو جاتا ہے کوئی شریف کوئی عالم اور کوئی باکمال ایسا نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی عیب نہ ہو،

---

[1] مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۱، [2] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۰۱،

لیکن ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے عیوب بیان نہ کرنے چاہئیں، اور یہ وہ ہیں جن کے فضائل ان کی خامیوں سے زیادہ ہوں، انکی خامیوں سے ان فضائل کی وجہ سے درگذر کرنا چاہئے،[۱]

آپ کے غلام برد نے ایک مرتبہ آپ سے بعض آدمیوں کی کثرت عبادت کا تذکرہ کیا کہ وہ لوگ ظہر سے عصر تک برابر عبادت کرتے رہتے ہیں، آپ نے فرمایا برد خدا کی قسم یہ عبادت نہیں ہے، تم جانتے بھی ہو عبادت کسے کہتے ہیں، عبادت کہتے ہیں امور الٰہی میں غور و فکر کرنے اور اسکے محارم سے بچنے کو،[۲]

فضائل اخلاق، | علمی کمالات کے ساتھ سعید بن مسیب فضائل اخلاق کی دولت سے بھی مالا مال تھے، انکو خدا نے اقلیم علم و عمل دونوں کی یکساں فرماں روائی عطا فرمائی تھی،

زہد و ورع، | وہ بڑے عابد و زاہد اور متورع بزرگ تھے، ابن حبان لکھتے ہیں کہ ابن مسیب فقہ دین داری، زہد و ورع، عبادت و ریاضت جملہ فضائل میں سادات تابعین میں تھے،[۳] امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی علمی جلالت واتقاء انکی دینی عظمت و بزرگی پر سلف و خلف کے اقوال متفق ہیں،[۴]

جماعت کا اہتمام، | نماز راس العبادات ہے، سعید بن مسیب کو جماعت میں اتنا اہتمام تھا، کہ چالیس سال اور ایک روایت کے مطابق پچاس سال تک ایک وقت کی بھی نماز باجماعت ناغہ نہیں ہوئی،[۵] کبھی ایسے وقت مسجد آنے کا اتفاق نہیں ہوا جب لوگ نماز تمام کرکے واپس جا رہے ہوں،[۶]

ان پرآشوب زمانوں میں بھی جب کہ مدینہ میں گھر سے باہر قدم نکالنا اپنے کو ہلاکت کے منہ میں ڈالنا ہوتا تھا، ابن مسیب سے مسجد نہ چھوٹتی تھی، مدینہ کی تاریخ میں حرہ کا واقعہ نہایت مشہور

---

۱ یہ تمام اقوال مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۳۰ و ص ۱۳۱ سے ماخوذ ہیں، ۲ ابن سعد ج ۵ ص ۱۰۰، ۳ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۸۶، ۴ تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۔ ۵ ابن سعد ج ۵ ص ۹۱، ۶ ایضاً ص ۹۱،

واقعہ ہے، یہ واقعہ یزید اور عبداللہ بن زبیرؓ کے اختلاف کے زمانہ میں پیش آیا تھا اہل مدینہ نے جب عبداللہ بن زبیرؓ کی حمایت میں عبداللہ بن حنظلہ کو سردار بنا کر یزید کی بیعت توڑ دی تھی اس وقت یزید کی فوجیں تین دن تک برابر مدینۃ الرسول میں قتل عام کرتی، اور رأس کو لوٹتی رہیں، اس پر آشوب زمانہ میں کوئی شخص گھر سے باہر قدم رکھنے کی ہمت نہ کرتا تھا مسجد نبوی بالکل سناٹا رہتا تھا، ایسے نازک وقت میں بھی سعید بن مسیب مسجد ہی میں جاکر نماز پڑھتے تھے، بنی امیہ انھیں دیکھ کر کہتے اس بوڑھے مجنون کو دیکھو کہ اس حالت میں بھی مسجد نہیں چھوڑتا)

نماز باجماعت کے خیال سے علاج اور صحت کے لئے بھی ایسے مقامات پر نہ جاتے تھے، جہاں نماز باجماعت کا انتظام نہ ہو سکتا آپ کی آنکھ میں کچھ شکایت پیدا ہو گئی تھی لوگوں نے مشورہ دیا کہ مدینہ کے باہر عقیق چلے جائیے، وہاں کے سبزہ زار سے آپ کی آنکھوں کو فائدہ پہنچے گا، فرمایا رات اور صبح کی نماز کی حاضری کو کیا کروں،[۱]

ابن شہاب زہری کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابن مسیب سے دیہات کی خوبی اور اس کی پرلطف زندگی کا تذکرہ کر کے ان سے کہا کیا اچھا ہوتا آپ کچھ دنوں کے لئے دیہات چلے جاتے فرمایا رات کی نماز کی حاضری کس طرح ہوگی،[۲]

عبادت شب اور محاسبۂ نفس: آپ کی عبادت کا اصل وقت تاریکی شب میں تھا، اس وقت وہ اپنے نفس کا بھی محاسبہ کرتے تھے، روزانہ رات گئے اپنے نفس سے خطاب کرتے کہ برائیوں اور بدیوں کا سرچشمہ اٹھ، میں تجھ کو اس اونٹ کی طرح خستہ کر کے چھوڑوں گا، جو خستگی اور ماندگی سے چلنے میں لڑکھڑاتا ہو، یہ کہہ کر تہجد میں مشغول ہو جاتے تھے اور صبح تک پڑھتے رہتے، پھر کھڑے کھڑے دونوں پاؤں سوج جاتے تھے، صبح کو پھر نفس سے مخاطب ہو کر فرماتے کہ تجھے

---

[۱] ابن سعد ج ۵ ص ۹۶، [۲] ایضاً ص ۹۶، [۳] ایضاً

اسی کا حکم دیا گیا ہے، اور تو اسی کے لئے پیدا کیا گیا ہے[1]، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہو کہ آپ نے پچاس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی[2]،

روزے، ممنوعہ ایام کے علاوہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، مغرب کے وقت افطار کے لئے گھر سے پینے کی کوئی چیز آتی تھی اسی سے مسجد میں افطار کرتے تھے[3]،

حج حج بہت کم ناغہ ہوتا تھا، قریب قریب ہر سال حج کرتے تھے آپ کے حجوں کی مجموعی تعداد پچاس تک پہنچتی ہے[4]، بنی امیہ نے مخاصمت کی وجہ سے درمیان میں کچھ دنوں کے لئے ان کو حج سے روک دیا تھا، علی بن زید نے ایک مرتبہ ان سے کہا کہ آپ کی قوم کا خیال ہے کہ آپ کو حج سے اس لئے روکا گیا ہو کہ آپ نے اپنے اوپر یہ لازم کر لیا تھا کہ جب کعبہ کو دیکھیں گے، تو آل مروان کے لئے بد دعا کریں گے، فرمایا یہ صحیح نہیں ہے، لیکن میں ہر نماز میں ان کے لئے بد دعا کرتا ہوں، ساری عمر میں صرف ایک حج یا عمرہ فرض ہو، اور میں بیس حج سے زیادہ کر چکا ہوں، تمھاری قوم میں بہتیرے ایسے آدمی ہیں جنھیں دینداری کا دعویٰ ہو، اور وہ حج اور عمرہ کر کے مر جاتے ہیں، لیکن ان کا حج نہیں ہوتا، میں تو نفل کے حج اور عمرہ سے جمعہ کی نماز کو زیادہ ترجیح دیتا ہوں[5]،

تلاوت قرآن کی تلاوت کبھی ناغہ نہ ہوتی تھی، سفر کی حالت میں سواری پر تلاوت کرتے تھے[6]،

محرمات الٰہی کا احترام، آپ خدا کی تمام محترم چیزوں کی بڑی عظمت کرتے تھے، انبیاء و رسل کا اتنا احترام کرتے تھے کہ ان کے نام پر اپنے لڑکوں کے نام رکھنا پسند نہ کرتے تھے، قرآن اور مسجد کی اتنی عظمت کرتے تھے کہ اس کی تصغیر بھی گوارا نہ تھی ابن حرملہ کا بیان ہے کہ سعید بن مسیب

---

[1] صفوۃ الصفوہ ص ۱۳۱، [2] ایضاً، [3] ابن سعد ج ۵ ص ۹۳، [4] صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۱، [5] ابن سعد ج ۵ ص ۹۵
[6] ایضاً ص ۹۶، [7] ایضاً ص ۹۹،

کہتے تھے کہ مصحف اور مسجد یعنی چھوٹا قرآن اور چھوٹی مسجد نہ کہا کرو، خدا نے جس چیز کو بڑائی بخشی ہے اس کی عظمت کیا کرو، خدا نے جس کو بڑائی دی ہے وہ بڑی اور اچھی ہے[1] احادیث رسول کا اتنا احترام تھا کہ بیماری کی حالت میں بھی اس کو سناتے وقت اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے، ایک مرتبہ کسی شخص نے بیماری کی حالت میں آپ سے ایک حدیث پوچھی آپ لیٹے ہوئے تھے فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے، سائل نے کہا میں چاہتا تھا کہ آپ زحمت نہ اٹھاتے، آپ نے فرمایا میں لیٹے لیٹے رسول اللہ صلعم کی حدیث بیان کرنا برا سمجھتا ہوں[2]،

اخلاق و عادات، عادات و خصائل میں سعید بن مسیب صحابۂ کرام کا نمونہ تھے، بڑے بڑے صحابہ ان کے اخلاقی کمالات کے معترف تھے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ اگر رسول اللہ صلعم ان کو دیکھتے تو خوش ہوتے[3]،

نرمی و مصالحت، طبعاً بڑے نرم اور صلح پسند تھے، اختلاف اور جنگ و جدال کو سخت ناپسند کرتے تھے، عمران بن عبد اللہ خزاعی کا بیان ہے کہ سعید بن مسیب کسی سے جھگڑتے نہ تھے، اگر کوئی شخص اون کی چادر چھیننا چاہتا تو وہ اس کو خود اس کی طرف پھینک دیتے[4]،

شدت احتیاط، منہیات کے بارہ میں اس قدر محتاط تھے کہ بچوں کے کھیل تک میں اس کا لحاظ رکھتے تھے، چنانچہ اپنی لڑکی کو ہاتھی دانت کی گڑیا کھیلنے کی اجازت نہ دیتے تھے[5]،

جرأت و حق گوئی، لیکن اعلان حق میں ان کی یہ نرمی درشتی اور سختی سے بدل جاتی تھی، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ سعید بن مسیب بڑے حق گو تھے[6]، حق کے معاملہ میں وہ کبھی خاموش نہیں رہتے تھے، اس سلسلہ میں انھوں نے جو جو تکلیفیں اٹھائیں ان کے حالات اوپر گذر چکے ہیں، بنی امیہ کے

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۹۱، [2] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۱، [3] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۶، [4] ابن سعد ج ۵ ص ۹۹،

[5] ایضاً، [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۹،

مقابلہ میں ان کی تیغ زبان ہمیشہ بے نیام رہتی تھی، وہ کسی موقعہ پر بھی ان کی عیب چینی سے باز نہ رہتے تھے، مطلب بن سائب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں ابن مسیب کے ساتھ بازار میں بیٹھا ہوا تھا کہ بنی مروان کا ہرکارہ ادھر سے گذرا، سعید نے اس سے پوچھا تم بنی مروان کے ہرکارے ہو؟ اس نے کہا ہاں، پوچھا تم نے ان کو کس حال میں چھوڑا، اس نے کہا اچھے حال میں، ابن مسیب نے کہا وہ انسانوں کو بھوکا رکھتے ہیں اور کتوں کا پیٹ بھرتے ہیں، یہ سن کر ہرکارہ غصہ سے بھر گیا، میں نے سمجھا بجھا کر کسی طرح اسے واپس کیا اور سعید سے کہا خدا تمھاری مغفرت کرے، تم کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو، اونھوں نے کہا احمق چپ رہ، خدا کی قسم جب تک میں خدا کے حقوق کی حفاظت کرتا ہوں اسوقت تک وہ مجھے ان کے قبضہ میں نہ دے گا[1]،

خلفاء اور سلاطین سے بے نیازی، خلفاء اور سلاطین کے مقابلہ میں سعید بن مسیب کی بے نیازی بے اعتنائی کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی، اونھوں نے متعدد اموی خلفاء کا زمانہ پایا، لیکن ان میں سے کسی کے سامنے سرخم نہیں کیا، سرخم کرنا تو بڑی بات ہے، اونھوں نے ان کو قابل التفات بھی نہیں سمجھا، عبد الملک کے ساتھ اون کے متعدد واقعات اس قسم کے پیش آئے، جن سے ان کی عظمت کا حقیقی اندازہ ہوتا ہے، اگر عبد الملک کبھی ان سے ملنے کی خواہش بھی کرتا تھا، تو وہ انکار کر دیتے تھے، ایک مرتبہ وہ مدینہ گیا اور مسجد نبوی کے دروازہ پر کھڑے ہو کر انھیں ملنے کے لئے بلا بھیجا، عبد الملک کے آدمی نے ان کے پاس جا کر کہا امیر المومنین دروازہ پر کھڑے ہیں، آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں، اونھوں نے جواب دیا نہ امیر المومنین کو مجھ سے کوئی ضرورت ہے، اور نہ مجھے ان سے، اگر امیر المومنین کی کوئی ضرورت ہو بھی تو وہ پوری نہیں

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۴۷،

نہیں ہوسکتی، آدمی نے جاکر عبدالملک کو یہ جواب سنا دیا اس نے پھر اس کو واپس کیا کہ دوبارہ جاکر کہو، لیکن اگر وہ اب بھی نہ آئیں تو زبردستی نہ کرنا، آدمی نے دوبارہ جاکر کہا، پھر وہی جواب ملا، عبدالملک کے آدمی نے یہ خشک جواب سنکر کہا، اگر امیرالمومنین نے ہدایت نہ کر دی ہوتی تو میں تمھارا سر لیجاتا، امیرالمومنین تم کو بار بار بلا بھیجتے ہیں اور تم اس قسم کا جواب دیتے ہو، ابن مسیب نے کہا اگر وہ میرے ساتھ کوئی بھلائی کرنا چاہتا ہے تو وہ میں تمھیں بخشتا ہوں، اور اگر اس کا کچھ اور ارادہ ہے تو میں اس وقت تک جبوۃ[1] نہ کھولوں گا جب تک وہ جو کچھ کرنا چاہتا ہو اسے کر نہ گذرے، عبدالملک کے آدمی نے پھر واپس جاکر یہ جواب سنایا، اس نے سنکر کہا خدا ابو محمد پر رحم کرے، ان کی سختی بڑھتی ہی جاتی ہے[2]،

ایک مرتبہ اور عبدالملک مدینہ آیا ہوا تھا، ایک رات اسے نیند نہیں آئی، اس نے حاجب کو حکم دیا، مسجد میں جاکر دیکھو اگر مدینہ کا ہمارا کوئی قصہ خواں ہو تو بلالے آؤ، حاجب مسجد آیا، لیکن ایسے ناوقت یہاں کون ملتا، سعید بن مسیب ذکر و شغل میں مشغول تھے، حاجب انھیں پہچانتا نہ تھا، ان کے سامنے جاکر کھڑا ہو گیا، اور انگلی کے اشارہ سے بلایا، لیکن یہ اپنی جگہ بیٹھے رہے، حاجب نے یہ خیال کرکے کہ یہ شخص عمداً متوجہ نہیں ہو رہا ہے قریب جاکر اشارہ کیا اور کہا میں نے تم کو اشارہ کیا تھا، تم نے دیکھا نہیں، ابن مسیب نے کہا اپنی ضرورت بیان کرو، حاجب نے کہا امیرالمومنین کی آنکھ کھل گئی ہے، انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ کسی باتیں کرنے والے کو لے آؤں اس لئے تم چلو، ابن مسیب نے پوچھا کیا مجھ کو بلایا ہے؟ حاجب نے کہا نہیں، انھوں نے کہا تھا کہ جاکر دیکھو کہ اہل شہر میں سے ہمارا کوئی قصہ خواں ہے، میں نے تم سے زیادہ مستعد کسی کو نہیں پایا، یہ سنکر ابن مسیب نے کہا امیرالمومنین سے جاکر کہدو کہ میں ان کا قصہ خواں نہیں ہوں،

---

[1] جبوہ کہتے ہیں، ایک خاص نشست کے طریقہ کو جس میں کپڑہ باندھ کر بیٹھتے ہیں، [2] ابن سعد ج ۵ ص ۹۵،

یہ جواب سن کر حاجب سمجھا کہ یہ کوئی دیوانہ آدمی ہے، اس لئے لوٹ گیا اور عبدالملک سے کہا کہ مسجد میں صرف ایک بوڑھا شخص نظر آیا میں نے اس کو اشارہ کیا، مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا، پھر میں نے اس کے پاس جاکر کہا کہ امیر المومنین نے مجھے کسی باتیں کرنے والے کو بلانے کے لئے بھیجا ہے، اس شخص نے جواب دیا کہ امیر المومنین سے جاکر کہہ دو کہ میں ان کا قصہ خواں نہیں ہوں عبدالملک ان کے مزاج سے خوب واقف تھا اس لئے یہ واقعہ سن کر اس نے کہا وہ سعید بن مسیب ہیں انھیں چھوڑ دو۔[1]

عبدالملک کو ایسے ایسے تلخ جواب دیتے تھے کہ معمولی آدمیوں کو بھی نہیں دیئے جاسکتے ایک مرتبہ اس نے ان سے کہا ابو محمد اب میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ اگر اچھا کام کرتا ہوں تو اس کی کوئی خوشی نہیں ہوتی، اور اگر برا کام کرتا ہوں تو اس کا کوئی رنج نہیں ہوتا، فرمایا آپ کا قلب پورے طور سے مر گیا۔[2]

عبدالملک کے بعد ولید کے ساتھ بھی ان کا یہی طرز عمل رہا، مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع کرانے کے بعد جب ولید اس کے معائنہ کے لئے آیا تو مسجد میں جس قدر آدمی تھے سب ہٹا دیئے گئے، ابن مسیب بھی مسجد کے ایک گوشہ میں تھے انھیں اٹھانے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی، ایک شخص نے اتنا کہا کہ اس وقت اگر آپ ہٹ جاتے تو اچھا ہوتا، آپ نے جواب دیا میرے اٹھنے کا جو وقت ہے اس سے پہلے نہ اٹھوں گا، عرض کیا گیا اچھا نہ اٹھئے لیکن کم از کم اتنا کیجئے کہ جب امیر المومنین ادھر سے گذریں تو سلام کے لئے کھڑے ہو جائیے، فرمایا خدا کی قسم میں اس کے لئے نہیں کھڑا ہو سکتا، حضرت عمر بن عبدالعزیز ولید کو مسجد کا معائنہ کرا رہے تھے، یہ ابن مسیب کے مرتبہ شناس اور ان کی طبیعت سے واقف تھے اس لئے ولید کی نظر سے بچانے کے لئے

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۲۶، [2] ابن اثیر ج ۴ ص ۳۱۵

اس کو دوسری سمتوں میں ادھر اودھر پھراتے رہے لیکن جب وہ قبلہ کی طرف بڑھا، تو اسکی نظر ابن مسیب پر پڑ گئی، اس نے پوچھا یہ شیخ کون ہیں؟ سعید تو نہیں ہیں، عمر بن عبد العزیز رضی نے جواب دیا ہاں، اور ساتھ ہی انکی جانب معذرت کے طور پر انکی معذوریاں بیان کرنے لگے، کہ اب وہ بہت ضعیف ہو گئے ہیں، آنکھوں سے کم دکھائی دیتا ہے، اگر وہ آپ کو پہچانتے تو سلام کے لیے ضرور اٹھتے، ولید نے کہا ہاں میں ان کی حالت سے واقف ہوں، میں خود ان کے پاس جاتا ہوں، چنانچہ گھومتا گھامتا سعید کے پاس پہنچا، اور عرض کیا شیخ کیسا مزاج ہے، شیخ نے اپنی جگہ سے بیٹھے بیٹھے جواب دیا الحمد للہ اچھا ہوں، لیکن اتنا اخلاق برتا کہ جواب میں ولید کا مزاج پوچھ لیا، اس مختصر گفتگو کے بعد ولید یہ کہتا ہوا لوٹ گیا کہ یہ پرانی یادگار ہیں، لہ

پردہ پوشی اگرچہ سعید احکام خداوندی کے باب میں نہایت متشدد تھے، لیکن کسی کے گناہ کی پردہ دری پسند نہ کرتے تھے، اور دوسروں کو پردہ پوشی کی تلقین کرتے تھے، ابن حرملہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں صبح کو باہر نکلا تو ایک شخص کو نشہ کی حالت میں پایا، اس کو زبردستی اپنے گھر گھسیٹ لایا، اس کے بعد سعید سے ملاقات ہوئی ان سے میں نے پوچھا کہ ایک شخص نے ایک شخص کو نشہ کی حالت میں پایا، اس صورت میں وہ کیا کرے، اس کو حاکم کے سپرد کر کے اس پر حد جاری کرائے؟ ابن مسیب نے جواب دیا، اگر تم اس کو اپنے کپڑے سے چھپا سکو تو چھپا لو، یہ سن کر میں گھر واپس آیا، اس وقت وہ شخص ہوش میں آچکا تھا، مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرہ پر شرمندگی طاری ہو گئی، میں نے اس سے کہا تم کو شرم نہیں آتی، اگر تم صبح اسی حالت میں پکڑ لیے جاتے، تو تم پر حد جاری کی جاتی تو لوگوں کی نگاہ میں تمہاری کیا آبرو رہ جاتی، تم زندگی ہی میں مردہ ہو جاتے، تمہاری شہادت نا قابل قبول ہو جاتی، یہ نصیحت سن کر اس شخص

لہ ابن اثیر ج ۴ ص ۲۳۸،

نے کہا، خدا کی قسم اب آئندہ کبھی ایسا نہ کروں گا، غرض اس پردہ پوشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہمیشہ کیلئے تائب ہو گیا،[1]

ایک سبق آموز واقعہ | ابن مسیب کی لڑکی کی شادی کا واقعہ، ایثار، ہمدردی، غربت پسندی اور سادگی مختلف حیثیتوں سے نہایت سبق آموز ہے، ان کی ایک لڑکی نہایت حسین و جمیل اور تعلیم یافتہ تھی، عبد الملک اس کو اپنی بہو بنانا چاہتا تھا، چنانچہ اپنے ولیعہد کے لئے ابن مسیب کے پاس پیغام بھیجا، مگر انھوں نے انکار کر دیا، عبد الملک نے بہت دباؤ ڈالا اور مختلف قسم کی سختیاں کیں، لیکن سعید انکار پر قائم رہے اور چند دنوں کے بعد قریش کے ایک نہایت معمولی اور غریب آدمی ابو وداعہ کیساتھ اسکی شادی کر دی، یہ واقعہ خود ان کے داماد کی زبان سے سنو،

ان کا بیان ہے کہ میں سعید بن مسیب کے پاس پابندی سے جاکر بیٹھتا تھا، ایک مرتبہ چند دن غیر حاضری کے بعد جانے کا اتفاق ہوا، ابن مسیب نے پوچھا، اتنے دن تک کہاں غائب رہے، میں نے کہا میری بیوی کا انتقال ہو گیا تھا، اس لئے حاضر نہ ہو سکا، فرمایا مجھے کیوں نہ خبر دی میں بھی تجہیز و تکفین میں شریک ہوتا، تھوڑی دیر کے بعد جب میں اٹھنے لگا تو انھوں نے کہا تم نے دوسری بیوی کا کوئی انتظام کیا، میں نے جواب دیا میں غریب نادار دو چار پیسے کی حیثیت کا آدمی ہوں، میرے ساتھ کون شادی کرے گا، فرمایا میں کروں گا، تم تیار ہو، میں نے کہا بہت خوب، سعید نے اسی وقت دو یا تین درہم پر میرے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح پڑھا دیا، میں وہاں سے اٹھا تو فرط مسرت میں میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں گھر پہنچکر رخصتی کے لئے قرض کی فکر میں پڑ گیا،

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص۱۰۱،

شام کے وقت سعید بن مسیب نے اپنی لڑکی کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا، پہلے دو رکعت نماز خود پڑھی اور دو رکعت لڑکی سے پڑھوائی، اس کے بعد اس کو لئے ہوئے داماد کے گھر پہنچے، داماد کا بیان ہے کہ میں مغرب کے بعد روزہ افطار کرنے جا رہا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے پوچھا کون ہے، جواب ملا سعید، میں سوچنے لگا کہ سعید بن مسیب تو اپنے گھر اور مسجد کے علاوہ کہیں آتے جاتے نہیں یہ سعید کون ہیں، اٹھ کر دروازہ کھولا تو دیکھا سعید بن مسیب تھے انھیں دیکھ کر میں نے کہا آپ نے کیوں زحمت گوارا کی مجھے بلا بھیجا ہوتا فرمایا نہیں مجھے تمھارے پاس آنا چاہیے تھا، میں نے عرض کیا فرمائیے کیا ارشاد ہے، فرمایا تم مجرد آدمی تھے اور تمھاری بیوی موجود تھی میں نے خیال کیا کہ تنہا کیوں رات بسر کرو، اس لئے تمھاری بیوی کو لے کر آیا ہوں، لو یہ تمھاری بیوی ہے، وہ ان کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی، انھوں نے اس کو دروازے کے اندر کر کے باہر سے دروازہ بند کر لیا، میری بیوی شرم سے گر پڑی، میں نے اندر سے دروازہ بند کر لیا اسکے بعد چھت پر چڑھکر پڑوسیوں کو پکارا اور ان کے سامنے شادی کا اعلان کیا کہ آج سعید بن مسیب نے اپنی لڑکی کا عقد میرے ساتھ کر دیا، اور اسے میرے گھر پہنچا گئے، میری ماں کو خبر ہوئی تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر بغیر سنوارے ہوئے تم اس کے پاس گئے تو تمھارے چہرہ پر نظر نہ ڈالوں گی، چنانچہ تین دن تک انھوں نے اسکو دستور کے مطابق بنایا سنوارا، بننے سنورنے کے بعد میں نے اس کو دیکھا تو وہ نہایت حسین، کتاب اللہ کی حافظ، سنت رسول اللہ صلعم کی عالم، اور حقوق شوہری کی واقف کار عورت نکلی۔[1]

ذریعہ معاش اگرچہ ابن مسیب بڑے عابد و زاہد اور دنیا سے کنارہ کش بزرگ تھے لیکن اسقدر ترک دنیا ناپسند کرتے تھے، جس سے انسان اپنی عزت نہ قائم رکھ سکے، اور دوسروں کیساتھ

---

[1] ابن خلکان ج اول ص۲۰۷، یہ واقعہ مختصراً ابن سعد میں بھی ہے،

سلوک نہ کرسکے[1] اس لئے کسب معاش کے لئے تجارت کا پاک شغل اختیار کیا تھا، روغن زیتون وغیرہ کی تجارت کرتے تھے[2]

ایک زمانہ میں حکومت کی طرف سے وظیفہ ملتا تھا لیکن پھر اسے لینا بند کر دیا تھا، ان کے وظیفہ کی تیس ہزار سے زیادہ رقم بیت المال میں جمع تھی، کئی مرتبہ انھیں اس کے لینے کے لئے بلایا گیا، لیکن انھوں نے انکار کر دیا، اور کہا مجھے اس وقت تک اس کی حاجت نہیں ہے جب تک خدا میرے اور بنی مروان کے درمیان فیصلہ نہ کردے[3]

حلیہ و لباس، آخر عمر میں سر اور داڑھی دونوں کے بال سپید ہو گئے تھے، جو کبھی یوں ہی رہتے تھے، اور کبھی داڑھی میں خضاب کرتے تھے، مونچھیں کبھی بہت باریک اور کبھی ذرا موٹی کتروا تے تھے، لباس میں کوئی خاص اہتمام نہ تھا، لیکن بالعموم اچھا پہنتے تھے، سپید لباس زیادہ مرغوب خاطر تھا، اور وہی زیادہ استعمال کرتے تھے، عمامہ البتہ سیاہ ہوتا تھا، کبھی سپید عمامہ بھی باندھ لیتے تھے، کبھی کبھی کلاہ بھی استعمال کرتے تھے، طیلسانی کپڑا زیادہ مرغوب تھا، اس میں کتان کی گھنڈی ہوتی تھی، کبھی باریک ابریشم کی چادر استعمال کرتے تھے، کپڑے پورے پہنتے تھے، ازار، قمیص، لمبا کرتا، موزہ اور عمامہ، کبھی کبھی پاجامہ بھی پہنتے تھے[4]

۵۳۔ سلمہ بن دینار

نام و نسب، سلمہ نام، ابو حازم کنیت، نسلاً عجمی تھے، ان کے والد دینار ایرانی تھے، اور ان کی ماں رومی تھیں، ابن سعد بن ابی سفیان مخزومی کے غلام تھے، اس نسبت سے مخزومی کہلاتے تھے۔

فضل و کمال، اگرچہ وہ ماں باپ دونوں کی جانب سے عجمی نژاد تھے، لیکن اسلام کے فیض

۱؎ مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۴۳، ۲؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۲۷، ۳؎ ایضاً ص ۹۵، ۴؎ ایضاً ص ۱۰۳ و ص ۱۰۴

مساوات نے ان کو مدینہ کے شیوخ اور وہاں کے عابد وزاہد علماء کے گروہ میں شامل کر دیا تھا،
حافظ ذہبی لکھتے ہیں، "الواعظ الزاھد عالم المدینۃ وشیخھا"[1] امام نووی لکھتے ہیں:
ان کی توثیق وجلالت اور مدح وثنا پر سب کا اتفاق ہے[2]،

حدیث | حدیث کے بڑے حفاظ میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقۃ کثیر الحدیث[3]
حدیث میں انھوں نے صحابہ میں سہیل بن سعد الساعدیؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ
کے خرمن علم سے خوشہ چینی کی تھی لیکن محدثین کے نزدیک آخر الذکر دونوں بزرگوں سے ان کا سماع
ثابت نہیں ہے، غیر صحابی علماء میں ایک جماعت کثیر سے روایتیں کی ہیں، ان میں سے بعض کے
نام یہ ہیں ابو امامہ بن سہل بن حنیف، سعید بن مسیب، عامر بن عبد اللہ بن زبیر، عبد اللہ بن ابی
قتادہ، نعمان بن ابی عیاش، یزید بن رومان، عبید اللہ بن مقسم، ابراہیم بن عبد الرحمن، بعجہ بن
عبد اللہ، ابو صالح السمان، ابو سلمہ بن عبد الرحمن، اور ابن منکدر وغیرہ،

زہری، عبید اللہ بن عمرو بن اسحق، ابن عجلان، ابن ابی ذئب، مالک، حماد، سفیان،
سلیمان بن بلال، سعید بن ابی ہلال، عمرو بن علی، ابو غسان المدنی، ہشام بن سعد، وہیب بن خالد،
ابو صخر حمید بن زیادہ الخراط، اسامہ بن زید لیثی، محمد بن جعفر بن ابی کثیر اور فلیح بن سلیمان النمری
وغیرہ آپ کے حلقۂ تلامذہ میں ہیں[4]،

فقہ | فقہ میں بھی انھیں پورا درک تھا، اور وہ مدینہ کے مشہور فقیہ تھے، حافظ ذہبی، اور امام
نووی سب انھیں فقہا میں لکھتے ہیں[5]، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ النفس تھے، ان کے مناقب
بہت ہیں، وہ فقیہ ثبت اور بلند مرتبہ تھے[6] ان کے تفقہ کی ایک سند یہ ہے، کہ وہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۱، [2] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۰۱، [3] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۴۴، بحوالہ ابن سعد
[4] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۴۳، [5] دیکھو تذکرۃ الحفاظ و تہذیب الاسماء حوالہ مذکور، [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۹،

مدینۃ الرسول کے قاضی تھے[1]

وعظ و پند مدینہ میں وعظ و پند کے فرائض بھی انجام دیتے تھے[2]

زہد و عبادت عبادت و ریاضت کے لحاظ سے ان کا شمار صلحائے مدینہ میں تھا، ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ مدینہ کے عابد و زاہد لوگوں میں تھے[3] حافظ ذہبی، امام نووی اور ابن حجر وغیرہ سب انکے نام کے ساتھ "زاہد" کا لقب لکھتے ہیں، غرض جماعت تابعین میں وہ ہر اعتبار سے نہایت ممتاز تھے، محمد بن اسحٰق بن خزیمہ کا بیان ہے کہ ان کے زمانہ میں کوئی ان کا مثل نہ تھا[4]

امراء اور سلاطین سے بے نیازی امراء و سلاطین سے ہمیشہ بے نیاز رہے، کبھی ان کی آستان بوسی کا ننگ گوارا نہ کیا، سلیمان بن عبد الملک نے ایک مرتبہ ان کو امام زہری کی وساطت سے بلا بھیجا، انھوں نے زہری سے کہا اگر اس کو مجھ سے کوئی ضرورت ہے تو اوس کو خود میرے پاس آنا چاہئے، رہا میں تو میری اس سے کوئی ضرورت نہیں ہے[5]

عقل و فرزانگی مذہبی اور اخلاقی کمالات کے ساتھ ان کو حکمت سے بھی وافر حصہ ملا تھا عبد الرحمن ابن زید بن اسلم کا بیان ہے، کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا، ابو حازم کے منہ سے زیادہ جس کے منہ سے حکمت قریب ہو[6] ابن خزیمہ کا بیان ہے کہ حکم و مواعظ میں ان کے زمانہ میں کوئی ان کا مثل نہ تھا[7]

حکیمانہ مقولے آپ کے بعض حکیمانہ مقولوں سے آپ کی حکمت کا اندازہ ہو سکتا ہے، فرماتے تھے کہ وہ تمام اعمال جن کی وجہ سے موت کا آنا گراں گذرتا ہو ان کو چھوڑ دو، پھر جس وقت بھی موت آجائے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، جو بندہ اپنے اور اپنے رب کے درمیانی فرائض و تعلقات

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۴۲، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۹، [3] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۴۲،
[4] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۰۸، [5] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۴۴، [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۹، [7] شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۰۸

کو اچھے اور درست رکھتا ہے تو خدا اس کے اور دوسرے بندوں کے درمیان تعلقات کو درست رکھتا ہے، اور جو بندہ اپنے اور خدا کے درمیانی فرائض میں کوتاہی کرتا ہے، تو خدا اس کے اور دوسرے بندوں کے درمیانی فرائض میں کوتاہی پیدا کر دیتا ہے، ایک شخص سے تعلقات خوش گوار رکھنا بہت سے لوگوں کے ساتھ تعلقات خوشگوار رکھنے سے زیادہ آسان ہے یعنی اگر ایک خدا سے تعلقات خوشگوار رہوں تو ساری دنیا سے خوشگوار ہو جائینگے[1] ایک مرتبہ خلیفہ ہشام نے آپ سے پوچھا کہ میں حکومت کی ذمہ داریوں کے مواخذہ سے کس طرح بچ سکتا ہوں، فرمایا بہت آسان ہے ہر چیز کو جائز طریقہ سے لو، اور جائز مصرف میں اس کو صرف کرو، ہشام نے کہا یہ وہی شخص کر سکتا ہے، جس کو ہوائے نفس سے بچنے کی خدا کیجانب سے تائید حاصل ہو،[2]

وفات، سنہ۱۲۷ھ میں وفات پائی[3]

۳۰- سلیمان بن طرخان تیمی

نام ونسب، سلیمان نام، ابو معتمر کنیت، نسباً مری تھے، لیکن بنی تیم میں بود و باش اختیار کر لینے کی وجہ سے تیمی مشہور ہو گئے تھے، بصرہ کے بڑے عابد و زاہد تابعین میں تھے کان من العباد المجتہدین[4]،

فضل وکمال، اگرچہ سلیمان کا طغرائے کمال ان کا زہد و ورع اور ریاضت و عبادت ہے، لیکن علمی حیثیت سے بھی وہ بصرہ کے علمائے کبار میں تھے، حافظ ذہبی حافظ امام اور شیخ الاسلام کے القاب کے ساتھ ان کا تذکرہ کرتے ہیں[5]،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۱۹، [2] ایضاً، [3] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص۱۸، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۳۵،

حدیث: حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے، علامہ ابن سعد انھیں ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں[1] اس عہد کے اکابر محدثین ان کی حفظ حدیث دانی کے معترف تھے، سفیان ثوری کہتے تھے کہ بصرہ کے حفاظ تین ہیں، ان میں ایک سلیمان کا نام تھا،[2]

صحابہ میں انھوں نے انس بن مالک رضؓ اور تابعین میں حسن بصری، اعمش، قتادہ، طاؤس ابو اسحٰق سبیعی، ابو عثمان نہدی، ابو نضرہ عبدی، نعیم بن ابی ہند، ابی المنہال، ثابت البنانی ابو مجلز، یزید بن عبداللہ بن شخیر، سعید بن ہلال اور یحییٰ بن معمر وغیرہ سے استفادہ کیا تھا[3]

ان کی مرویات کی تعداد دو سو تک پہنچتی ہے،[4] ان کی ثقاہت و صداقت کا یہ پایہ تھا کہ شعبہ ان سے زیادہ کسی کو سچا نہ سمجھتے تھے[5] اس لئے ان کے شک کو بھی یقین کا درجہ دیتے تھے[6]

احتیاط فی الروایہ: اس حفظ کے باوجود وہ حدیث بیان کرنے میں اتنے محتاط تھے کہ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے وقت ان کا رنگ بدل جاتا تھا،[7]

ان کے تلامذہ کا دائرہ خاصہ وسیع تھا، ان میں معتمر، شعبہ، دونوں سفیان، زائدہ، زہیر حماد بن سلمہ، ابن علیہ، ابن مبارک، عبدالوارث بن سعید، ابراہیم بن سعد، جریر، حفص بن غیاث عیسیٰ بن یونس، معاذ بن معاذ، ہشیم، قطان اور محمد بن عبداللہ انصاری قابل ذکر ہیں[8]

زہد و ورع: لیکن ان کا اصل طغرائے کمال ان کا زہد و ورع اور ان کی عبادت و ریاضت ہے علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ بڑے سخت عبادت گذار لوگوں میں تھے[9] ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ عابد و زاہد قائم اللیل صائم النہار اور خدا کے مطیع لوگوں میں تھے[10]

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۱، [2] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۰۲، [3] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۰۱، [4] ایضاً، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۵، [6] ایضاً، [7] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۰۱، [8] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۵، [9] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۰۱، [10] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱۹، [11] شذرات الذہب ج اول ص ۲۱۲،

خشیتِ الٰہی | خدا کا خوف ان کی رگ رگ و پے میں جاری و ساری تھا، یحییٰ القطان کہتے تھے کہ میں نے سلیمان سے زیادہ خدا کا خوف کرنے والا نہیں دیکھا[1]

عبادت و ریاضت، | ساری ساری رات عبادت کرتے تھے، عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے، ان کے صاحبزادے معتمر بھی باپ کا صحیح نمونہ تھے، دونوں باپ بیٹے رات بھر گھوم گھوم کر مختلف مسجدوں میں نماز پڑھتے تھے[2] معتمر کا بیان ہے کہ چالیس سال تک انھوں نے عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی[3] ہر سجدہ میں ستر مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہتے تھے، اور عصر سے لے کر مغرب تک تسبیح پڑھتے تھے[4]

روزوں کے ساتھ بھی یہی شغف تھا، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن ناغہ دیکر[5]

صدقہ و خیرات، | صدقہ بکثرت کرتے تھے، جریر کا بیان ہے کہ سلیمان ہر وقت صدقہ کیا کرتے تھے، جب صدقہ کے لئے کوئی چیز نہ ملتی تھی تو اس کے بدلہ میں دو رکعت نماز ہی پڑھ لیتے[6]

حسنِ عمل | غرض ان کی زندگی کا ہر لمحہ حسنِ عمل میں گذرتا تھا، حماد بن سلمہ کا بیان ہے کہ جب ہم عبادت خدا کے اوقات میں سلیمان کے پاس جاتے تو ان کو اطاعت ہی کرتے پاتے، معلوم ہوتا تھا کہ ان میں معصیت کا مادہ ہی نہ تھا[7]

مواخذہ کا خوف | لیکن اس ہمہ زندگی کے باوجود انھیں اپنے اعمال پر اعتماد نہ تھا، کہ خدا کے یہاں کیا معاملہ پیش آنے والا ہے، فضیل بن عیاض کا بیان ہے کہ سلیمان سے کسی نے کہا کہ آپ آپ ہی ہیں، آپ کے مثل کون ہے، فرمایا ایسا نہ کہو مجھے نہیں معلوم کہ میرا رب میرے ساتھ کیا معاملہ کریگا،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۵، [2] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۸، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۵، [4] ایضاً، [5] ایضاً [6] ایضاً، [7] ایضاً،

اس لئے کہ اس نے خود فرمایا ہے کہ بدا لھم من اللہ ما لم یکونوا یحتسبون ان کے لئے اللہ کی جانب سے ایسی بات ظاہر ہوگی جس کا وہ لوگ گمان بھی نہ کرتے تھے[۱]

ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں مواخذہ کا خوف کرتے تھے، سعید بن عامر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سلیمان بیمار ہوئے، بیماری کی حالت میں رونے لگے کسی نے پوچھا رونے کا کیا سبب ہے؟ فرمایا ایک مرتبہ میں ایک قدری کے پاس سے گذرا تھا، تو اسے سلام کیا تھا، مجھے خوف ہے، کہ اس کا مجھ سے مواخذہ نہ کیا جائے[۲]

امر بالمعروف و نہی عن المنکر: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی حسن عمل کا ایک بڑا درجہ ہے، سلیمان اس کو ایک ضروری فرض سمجھتے تھے اور امراء کے قصور و محلات میں جاکر اس فرض کو ادا کرتے تھے[۳]

ایک لائق غور نکتہ: زمانہ کا کوئی دور سہولت پسند افراد بلکہ جماعتوں سے خالی نہیں رہا ہے، اور آج کل تو ہر شخص مذہب میں آسانی ڈھونڈھتا ہے، اس قبیل کے اشخاص آسانی کے لئے کسی خاص مسلک کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے اور دلیل یہ دیتے ہیں، کہ جب تمام ائمہ برحق، ان کی رائیں صحیح اور ان کے مسلک درست ہیں، تو پھر کسی خاص امام اور خاص مسلک کی پابندی کیوں ضروری ہے، اور "الدین یسر" کے ماتحت ان سب کے آسان مسائل کیوں نہ اختیار کئے جائیں، سلیمان اس قسم کی سہل پسندی کے مفاسد میں ایک دلچسپ نکتہ ارشاد فرماتے تھے کہ اگر تمام علماء کی "رخصتوں" یعنی جائز کردہ چیزوں اور ان کی لغزشوں کو تم اختیار کرلو تو تمہاری ذات میں ساری برائیاں جمع ہو جائیں گی[۴]

وفات: ۱۴۳ھ میں وفات پائی[۵]، وفات کے وقت ستاون سال کی عمر تھی[۶]

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۵، [۲] ایضاً، [۳] طبقات کبریٰ امام شعرانی ج اول ص ۳۲، [۴] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۵، [۵] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱۸، [۶] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۰۱

۳۱- سلیمان بن یسار

نام ونسب، سلیمان نام، ابو تراب کنیت، ام المومنین حضرت میمونہؓ کی غلامی کا شرف رکھتے تھے، پھر انھوں نے ان کو مکاتب بنا دیا تھا، اس غلامی نے سلیمان کو علم وعمل کی دولت سے مالا مال کر دیا تھا،

حرم نبوی میں آمد ورفت، حضرت میمونہؓ کی غلامی کے توسل سے سلیمان حضرت عائشہؓ وغیرہ کی خدمت میں آتے جاتے تھے، اور وہ ان کی غلامی کے زمانہ تک ان سے پردہ نہ کرتی تھیں، چنانچہ خود سلیمان کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر باریابی کی اجازت چاہی، آپ نے آواز پہچان کر فرمایا تم نے آزادی کے متعلق جو طے کیا تھا، اسے پورا کیا؟ میں نے عرض کیا ہاں، لیکن ابھی تھوڑا سا باقی ہے، فرمایا تو اندر چلے آؤ، تم اس وقت تک غلام ہو جب تک تمھارے ذمہ کچھ بھی باقی ہے[1]،

فضل وکمال، سلیمان اولاً خود ذاتی صلاحیت اور استعداد کے لحاظ سے نہایت ذہین اور سمجھدار تھے[2]، پھر انھیں ام المومنین کی غلامی کے تعلق سے مدینہ میں رہنے اور صحابۂ کرام کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا تھا، اس لئے وہ مدینہ کے ممتاز ترین علماء میں ہو گئے[3]، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت اور علمی کمال پر سب کا اتفاق ہے[4]،

۱؎ ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۰، ۲؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۹، ۳؎ تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۳۴ ۴؎ ایضاً ص ۳۵،

قرآن | ان کو قرآن حدیث فقہ جملہ علوم میں درک تھا، قرآن کے ممتاز قاریوں میں تھے[۱]

حدیث | جس کے وہ خادم تھے وہ حدیثِ نبوی کا سرچشمہ تھا، اس لئے اس سے سیراب ہونے کا ان سے زیادہ کسے موقع مل سکتا تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ عالی مرتبہ رفیع المنزلت فقیہ اور کثیر الحدیث تھے[۲]

انھوں نے حدیث میں ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور میمونہؓ کے خرمن کمال سے زیادہ خوشہ چینی کی تھی، ان کے علاوہ اکابر صحابہ میں زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، فضل بن عباسؓ، ابوہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ، مقداد بن اسودؓ، عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ، اور عام محدثین میں جعفر بن عمرو بن امیہ ضمری، عبداللہ بن حارث بن نوفل، عبدالرحمن ابن جابر، عراک بن مالک، مالک بن ابی عامر اصبحی وغیرہ سے فیض یاب ہوئے تھے[۳]

تلامذہ | حدیث میں ان کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں عمرو بن دینار، عبداللہ بن دینار، عبداللہ بن فضل ہاشمی، ابوالزناد، بکیر بن الاشج، جعفر بن عبداللہ ابن حکم، سالم ابوالنضر صالح بن کیسان، عمرو بن میمون، محمد بن ابی حرملہ، زہری، مکحول، نافع، یحییٰ بن سعید انصاری، یعلی بن حکیم اور یونس بن سیف وغیرہ[۴]

فقہ | سلیمان کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا، اس میں وہ امامت اور اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ علم اور ائمۂ اجتہاد میں تھے[۵] وہ مدینہ کے ان سات مشہور فقہا میں تھے جو اس عہد کے امام فقہ مانے جاتے تھے[۶] مسائلِ طلاق کے خصوصیت کے ساتھ بڑے عالم تھے، قتادہ کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ مدینہ گیا، اور لوگوں سے پوچھا کہ یہاں طلاق کے مسائل کا

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۹، [۲] ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۱، [۳] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۸، [۴] ایضاً،
[۵] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۰، [۶] تہذیب الاسماء و تذکرۃ الحفاظ حوالہ مذکورہ،

سب سے بڑا عالم کون ہے، لوگوں نے سلیمان بن یسار کا نام بتایا[۱]

بعض علما فقہ میں انھیں ان ائمہ پر جن کی علمی عظمت مسلم تھی، ترجیح دیتے تھے، چنانچہ محمد بن حنفیہ کے صاحبزادے حسن انھیں سعید بن مسیب سے زیادہ فہیم سمجھتے تھے، خود ابن مسیب ان کے اتنے معترف تھے کہ جب ان کے پاس کوئی مستفتی آتا تھا، تو اسے سلیمان کے پاس بھیج دیتے تھے[۲] اور فرماتے تھے موجودہ لوگوں میں سب سے بڑے عالم وہی ہیں[۳]

زہد و ورع، زہد و عبادت کے اعتبار سے بھی ممتاز شخصیت رکھتے تھے، ابو زرعہ کا بیان ہے کہ سلیمان بن یسار مدنی فاضل اور عبادت گذار تھے[۴]، عجلی ان کے فضائل علمی کے ساتھ ان کی عبادت و ریاضت کی شہادت دیتے ہیں[۵]

عفت، بڑے عفیف و پاک دامن تھے، اگرچہ تابعین کی مقدس جماعت کے لئے عفت و پاک دامنی کوئی بڑا وصف نہیں ہے، لیکن ترغیبات اور آزمائش و امتحان کے موقع پر پورا اترنا ہر شخص کے لئے کمال ہے، سلیمان نہایت حسین و جمیل شخص تھے، ایک مرتبہ ایک عورت نے آپ کے گھر کے اندر آکر دام ڈالنا چاہا، آپ گھر سے نکل کر بھاگ گئے[۶]

وفات، آپ کے زمانہ وفات کے بارہ میں کئی روایتیں ہیں، ان سب میں زیادہ معتبر یہ ہے کہ ۱۰۷ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت ۷۳ سال کی عمر تھی[۷]

---

[۱] ابن خلکان ج اول ص ۲۱۳، [۲] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۹، [۳] شذرات الذہب ج اول ص ۱۳۴، [۴] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۳۵، [۵] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۳۰، [۶] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۰، [۷] ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۰

۴۲۔ قاضی شریح بن حارث

نام و نسب، شریح نام ابو امیہ کنیت نسب نامہ یہ ہے، شریح بن حارث بن قیس بن الجہم ابن معاویہ بن عامر بن رائش بن حارث بن معاویہ بن ثور بن مرتع بن کندہ کندی، بعض روایتوں میں نسب نامہ کے اوپر کے ناموں میں کچھ تھوڑا سا اختلاف ہے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ شریح نسلاً عرب نہ تھے، بلکہ عجم کے ان خانوادوں میں سے تھے، جو کندہ کے حلیف بن کر یمن میں آباد ہو گئے تھے،

عہد رسالت، شریح عہد رسالت میں موجود تھے، اور بعض روایتوں کے مطابق وہ آنحضرت صلعم کے شرف زیارت سے بھی مشرف ہوئے، لیکن یہ بیان صحیح نہیں ہے، اسلام کے شرف سے تو بیشک وہ اسی عہد میں مشرف ہو گئے تھے، لیکن دولت دیدار سے محروم رہے حافظ ابن حجر کا بھی یہی فیصلہ ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ خلفاء اربعہ کے زمانہ کے شریح کے حالات بہت ملتے ہیں، لیکن کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا، جس سے رسول اللہ صلعم سے ان کی ملاقات ثابت ہوتی ہو،[1]

علامہ ابن سعد اور حافظ ابن عبد البر وغیرہ تمام ارباب سیر و طبقات اسی کے قائل ہیں، اور شریح کو تابعین ہی میں شمار کرتے ہیں، البتہ تابعین کے زمرہ میں وہ نہایت ممتاز شخصیت رکھتے تھے، اور تاریخ اسلام کے مشہور قاضی تھے،

فضل و کمال، شریح نے بہت سے اکابر صحابہ کو پایا تھا، اور ان کی صحبت اٹھائی تھی پھر وہ فطرۃً

---

[1] اصابہ ج ۲ ص ۲۰۲،

نہایت ذہین وطباع تھے[1]، اس لئے علمی اعتبار سے انھوں نے اپنے اقران میں نہایت ممتاز حیثیت حاصل کرلی تھی، امام نووی لکھتے ہیں کہ شریح کی توثیق، دینداری، فضل و کمال ذکاوت اور ان کی روایات سے احتجاج پر سب کا اتفاق ہے[2]، حافظ صفی الدین خزرجی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے جلیل القدر اور ذکی علماء میں تھے[3]۔

حدیث بصرہ کے ممتاز حفاظ حدیث میں تھے، صحابہ میں انھوں نے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ جیسے اکابر کے خرمن کمال سے خوشہ چینی کی تھی، امام شعبی، ابووائل، قیس بن ابی حازم، ابن سیرین، عبدالعزیز بن رفیع، مجاہد بن جبیر، عطاء بن سائب، انس بن سیرین، اور ابراہیم نخعی جیسے ائمہ ان کے زمرۂ تلامذہ میں تھے[4]۔

فقہ اگرچہ شریح حدیث کے بھی حافظ تھے لیکن ان کا خاص فن فقہ تھا، حافظ ذہبی اور ابن حجر وغیرہ ان کا خصوصی فن فقہ ہی کو شمار کرتے ہیں، اور ان کے نام کے ساتھ فقیہ کا لقب لکھتے ہیں[5]، وہ مرکز فقہ کوفہ کی جماعت افتاء کے ایک رکن تھے[6]۔

قیافہ و شاعری حدیث و فقہ کے علاوہ وہ عرب کے مروجہ فنون قیافہ اور شاعری میں بھی درک رکھتے تھے[7]؛ شاعری میں اتنا کمال حاصل تھا کہ بعض مواقع پر وہ نظم میں فیصلہ دیتے تھے، عرب میں شاعری کا اتنا چرچا تھا کہ عورتیں تک اس شراب سے مست تھیں، ایک مرتبہ ایک عورت کے خلاف جس کے ایک لڑکا تھا اور اپنے شوہر کی موت کے بعد اس نے دوسری شادی کرلی تھی اس کی ساس نے قاضی شریح کے یہاں دعویٰ دائر کیا، عورت کا دعویٰ تھا کہ لڑکے کی ولی وہ ہے کیونکہ اس کی ماں ہے اور ساس کا دعویٰ تھا کہ بہو کے عقد ثانی کے بعد حق

---

[1] استیعاب ج ۲ ص ۶۷۔ [2] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۴۴۔ [3] تہذیب الکمال ص ۱۴۵۔ [4] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۴۴۔ [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۵ و تہذیب التہذیب حوالہ مذکور۔ [6] اعلام الموقعین ج اول ص ۲۱۔ [7] ابن سعد ج ۶ ص ۹۱۔

تولیت اسے ملنا چاہیے، ساس نے نظم میں اپنا دعویٰ پیش کیا،

یا ابا امیۃ اتیناک ۔۔۔ وانت المرأ ناتیہ
اتاک ابنی واُماہ ۔۔۔ وکلتانا نفدیہ
تزوجت فھا تیہ ۔۔۔ ولا یذھب بک الیتہ
فلوکنت تایمت ۔۔۔ مما نازعتنی فیہ
الا یا ایھا القاضی ۔۔۔ ھذی قصتی فیہ

یعنی ابو امیہ ہم آپ کے پاس انصاف کے لئے آئے ہیں، میرا لڑکا (پوتا) اور اسکی ماں تیرے پاس آئے ہیں اور ہم دونوں اس پر فدا ہیں (بہو سے خطاب) جب تم نے دوسری شادی کر لی تو لڑکا مجھے دیدو زبردستی مت کرو، بیوہ ہو جانے کے بعد تم اس کے بارہ میں مجھ سے کیوں جھگڑا کرتی ہو، (قاضی سے خطاب) قاضی صاحب لڑکے کے بارہ میں ہم دونوں کا یہ قصہ ہے،

بہو نے ساس کے دعویٰ کا یہ جواب دیا،

یا ایھا القاضی ۔۔۔ قد قالت لک الجدہ
وقولی فاستمع منی ۔۔۔ ولا تبطرنی ردہ
اعزی النفس عن ابنی ۔۔۔ وکبدی حملت کبدہ
فلما کان فی حجری ۔۔۔ یتیما ضائعا وحدہ
تزوجت رجاء الخیر ۔۔۔ من یکفینی فقدہ،
ومن یظھر لی ودہ ۔۔۔ ومن یکفل لی رفدہ

قاضی صاحب دادی یعنی میری ساس کا بیان آپ نے سن لیا اب میرا بھی سنئے، اور اوس کو رد نہ کیجئے، میں اپنے لڑکے سے اپنے دل کو تسلی دیتی ہوں، میں نے ہمیشہ اس کو کلیجے سے لگائے

رکھا ہے، میری بیوہ گود میں تنہائی کی وجہ سے اس یتیم کے ضائع جانے کا خطرہ تھا، اس لئے میں نے اس کی بھلائی اور اس کی نگہداشت کے خاطر ایسے شخص سے شادی کر لی جو اسکو ضائع نہ ہونے دے، اور اس کی کفالت کر سکے [۱]

چونکہ ساس بہو دونوں نے نظم میں دعویٰ پیش کیا تھا، اس لئے قاضی شریح نے نظم ہی میں اس کا یہ فیصلہ دیا،

قد فهم القاضي ما قلتما — وقضى بينكما ثم فصل

بقضاء بيّن بينكما — وعلى القاضي جهد ان عقل

قال للصبي بيني بالصبي — وخذي ابنك من ذات العلل

انها لو صبرت كان لها — قبل دعواها تبغيها البدل

تم دونوں نے جو کچھ کہا قاضی نے اسے سمجھا، اور تم دونوں کے درمیان ایک صحیح فیصلہ کر دیا، اگر قاضی سمجھدار ہو تو اس کوشش کرنا فرض ہے، پھر دادی سے کہا لڑکے کو اس حیلہ ساز سے لیکر الگ ہو جا اگر وہ نکاح نہ کرتی تو بچہ اسکے پاس رہتا،

قضا کی استعداد و قابلیت

ایک قاضی کے لئے جن اوصاف اور قابلیتوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ تمام شریح کی ذات میں بدرجہ اتم موجود تھیں فضل و کمال کا حال تم اوپر پڑھ چکے ہو، طبعاً وہ نہایت ذہین، ذکی، طباع، فریس اور فہیم تھے، پیچیدہ سے پیچیدہ اور ظاہر فریب سے ظاہر فریب معاملات کی تہ تک پہنچ جاتے تھے، اس کی مثالیں آیندہ آئیں گی، ان اوصاف نے ان میں قدرۃً قضا کی نہایت اعلیٰ استعداد پیدا کر دی تھی حضرت علیؓ جن کو زبان رسالت سے "اقضاهم علی" کی سند ملی تھی، شریح کو "اقضی العرب" عرب کا سب سے بڑا قاضی فرماتے تھے [۲]

عہدۂ قضا پر تقرر

عہدۂ قضا پر تقرر سے پہلے ان کی یہ استعداد و صلاحیت مشہور ہو چکی تھی، اور

لہ ابن سعد ج ۶ ص ۹۲، ۲ استیعاب ج ۲ ص ۲۷، ۳ تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۴۳،

لوگ متنازعہ فیہ معاملات میں ان کو حَکَم بناتے تھے، چنانچہ اسی سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے ان کے ایک فیصلہ کو دیکھ کر انھیں کوفہ کا قاضی بنا دیا،

وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے بشرط پسندیدگی ایک گھوڑا خریدا، اور امتحان کے لئے ایک سوار کو دیا، گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہو گیا، حضرت عمرؓ نے اسکو واپس کرنا چاہا، گھوڑے کے مالک نے لینے سے انکار کر دیا، اس پر نزاع ہوئی، اور شریح ثالث بنائے گئے، انھوں نے یہ فیصلہ دیا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جا سکتا ہے، ورنہ نہیں[۱]،

ایک دوسری روایت میں اس واقعہ کی شکل یہ ہے کہ گھوڑا امتحان میں ہلاک ہو گیا، حضرت عمرؓ نے اس کو واپس کرنا چاہا، اس پر تنازعہ ہوا، اور شریح حکم مقرر ہوئے، انھوں نے فیصلہ کیا کہ جس کو خریدا ہے اُسے لو، یا جس حالت میں لیا تھا اسی حالت میں واپس کرو، اس فیصلہ پر حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا قاضی بنا دیا[۲]،

قاضی شریح نے اس خدمت کو اس قابلیت، اس خوش اسلوبی اور اس دیانت سے ادا کیا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے لیکر عبد الملک کے زمانہ تک مسلسل ساٹھ برس قاضی رہے[۳] اس طویل مدت میں بڑے بڑے انقلابات و حوادث ہوئے، خلافت راشدہ کا دور ختم ہو کر اموی حکومت کا آغاز ہوا، ابن زبیرؓ اور امویوں میں خونریز لڑائیاں ہوئیں، ساری دنیائے اسلام میں انقلاب برپا ہوا، لیکن شریح بدستور مسند قضا پر متمکن رہے، ابن زبیرؓ اور عبد الملک کی جنگ کے زمانہ میں اپنا دامن بچانے کے لئے صرف چند برسوں کے لئے مستعفی ہو گئے تھے[۴]،

۱؎ کتاب الاوائل الباب السابع ذکر القضاۃ، ۲؎ ابن سعد ج ۶ ص ۹۱، ۳؎ استیعاب ج ۲ ص ۶۱۰، ۴؎ ابن خلکان ج اول ص ۲۲۴

فیصلوں میں عدل | ایک قاضی کا سب سے مقدم فرض اور سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ وہ فیصلہ کرنے میں کسی خارجی اور داخلی اثر سے متاثر نہ ہو، اور کسی حالت میں بھی حق و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے، شریح میں یہ وصف اس حد تک تھا کہ وہ قانون اور حق و انصاف کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی شخصیت اور بڑے سے بڑے تعلق کی پرواہ نہ کرتے تھے، ایک معمولی شخص کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ کے خلاف فیصلہ دینے کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے، اگر ان کا لڑکا بھی قانون کی زد میں آجاتا تھا، تو اس کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کے ایک لڑکے نے ایک ملزم کی ضمانت کی، ملزم بھاگ گیا، شریح نے اس کے بدلہ میں لڑکے کو قید کر دیا[۱]، ایک مرتبہ ان کے اردلی نے ایک شخص کو کوڑوں سے مارا، انھوں نے مضروب سے اس کو کوڑے لگوائے[۲]،

ایک مرتبہ ان کے ایک ہم خاندان نے ایک شخص پر کچھ ناروا ظلم کیا، شریح نے اسکو ایک ستون میں بندھوا دیا، جب وہ فیصلہ کرکے اٹھے، تو اس شخص نے کچھ کہنا چاہا، شریح نے کہا مجھ سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ میں نے تم کو نہیں قید کیا ہے، بلکہ حق نے قید کیا ہے[۳]،

اس حد تک انصاف، عدل گستری کا کوئی غیر معمولی نمونہ نہیں ہے، شریح کی عدالت کے ایسے واقعات بھی ہیں، جن کی مثالیں مشکل سے مل سکتی ہیں، ان کے ایک لڑکے اور چند دوسرے اشخاص کے درمیان کسی حق کے بارے میں جھگڑا تھا، لڑکے نے ان سے واقعات بتا کر پوچھا کہ اگر میرا حق نکلتا ہو اور مقدمہ میں کامیابی کی امید ہو تو میں دعویٰ کردوں ورنہ خاموش رہوں، شریح نے مقدمہ کی نوعیت پر غور کرکے دعویٰ کرنے کا مشورہ کیا، لیکن جب

---

[۱] ابن سعد ج ۶ ص ۹۲، [۲] ایضاً ص ۹۵، [۳] ایضاً ص ۹۳،

مقدمہ شریح کے سامنے پیش ہوا، تو انھوں نے لڑکے کے خلاف فیصلہ دیا، فیصلہ دیکر جب گھر واپس آئے تو لڑکے نے کہا اگر میں نے پہلے آپ سے مشورہ نہ کر لیا ہوتا، تو مجھ کو آپ سے کوئی شکایت نہ ہوتی لیکن مشورہ دینے کے بعد آپ نے مجھے ذلیل کیا، شریح نے جواب دیا، جانِ پدر تو مجھے ان لوگوں کے جیسے روے زمین بھر کے آدمیوں سے زیادہ عزیز ہے، لیکن خدا مجھے تجھ سے بھی زیادہ عزیز ہے، جب تو نے مجھ سے مشورہ کیا تو مقدمہ دیکھنے کے بعد مجھے ان لوگوں کا حق نظر آیا، اگر میں اس وقت تجھ سے اس کو ظاہر کر دیتا تو تو ان سے صلح کر لیتا، اور ان لوگوں کا حق ضائع ہو جاتا[1]

شہادت میں سچائی کا اہتمام؛ یوں تو کسی زمانہ میں بھی جھوٹی شہادتوں کا انسداد ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے لیکن شریح حتی الامکان اخلاقی حیثیت سے جھوٹی شہادتوں کو روکنے کی کوشش کرتے تھے، اور گواہوں کو سمجھا کر جھوٹی شہادت سے روکتے تھے، اگر اس میں ناکامی ہوتی تو اسی شہادت پر فیصلہ دیدیتے، کیونکہ شہادت کے مقابلہ میں ذاتی علم کی کوئی حیثیت نہیں،

ابن سیرین کا بیان ہے کہ شریح کو جب ثبوت کے گواہ مشکوک نظر آتے لیکن ان کی ظاہری صداقت پر کوئی گرفت نہ ہو سکتی، تو وہ پہلے گواہوں سے کہتے کہ میں نے تم کو طلب نہیں کیا ہے، اگر تم واپس جانا چاہو تو میں تم کو نہیں روکوں گا، تمھاری شہادت پر اس مقدمہ کا فیصلہ ہوگا، تمھاری شہادت سے میں امن محفوظ ہو جاتا ہوں لیکن تم بھی اپنے کو بچاؤ، اگر گواہ اس سمجھانے پر بھی باز نہ آتا تو چونکہ قاضی کسی گواہ کو شہادت سے نہیں روک سکتا اس لئے شریح مجبوراً اسکی شہادت پر فیصلہ کر دیتے، لیکن دوسرے فریق سے کہدیتے کہ مجھ کو یقین ہے کہ تم اس معاملہ میں ظالم ہو، لیکن چونکہ میں اپنے خیال و گمان پر فیصلہ نہیں کر سکتا بلکہ ثبوت کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں، اس لئے مجبور ہوں، لیکن یہ امر اپنی جگہ پر ہے کہ جو چیز

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۹۲،

خدا نے تم پر حرام کی ہے، میرا فیصلہ اسے حلال نہیں کر سکتا،[۱]

عزیز قریب کی شہادت کا قانون، حدیث میں اعزۂ قریب کی شہادت کی کوئی ممانعت نہیں ہے، اس لئے ایک عزیز کے مقدمہ میں دوسرے ثقہ عزیز کی شہادت قبول کرنے میں کوئی مذہبی رکاوٹ نہیں ہے، ابن ابی شیبہ کا بیان ہے کہ قاضی شریح نے عزیز کے مقابلہ میں عزیز کی شہادت ناقابل اعتبار قرار دی، اور یہ قانون بنادیا کہ لڑکے کی شہادت باپ کے متعلق، باپ کی شہادت لڑکے کے متعلق، بی بی کی شہادت شوہر کے متعلق، شوہر کی شہادت بی بی کے متعلق، آقا کی شہادت غلام کے متعلق، اور غلام کی شہادت آقا کے متعلق اور اجیر کی شہادت اس شخص کے متعلق جس نے اس کو اجرت پر کیا ہو قبول نہیں کیجا سکتی، اس اصول پر وہ اس سختی سے عامل تھے کہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں حسنؓ کی شہادت مسترد کر دی، اس کا واقعہ یہ ہے، کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی زرہ کہیں گر پڑی اور ایک ذمی کے ہاتھ لگی، حضرت علیؓ نے شریح کی عدالت میں دعوی کیا، شریح نے ذمی سے پوچھا تمہارا کیا جواب ہے، اس نے کہا، میری ملکیت کا ثبوت یہ ہے کہ زرہ میرے قبضہ میں ہے، شریح نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ کے پاس اس کی کوئی شہادت ہے کہ زرہ گر گئی تھی، انھوں نے حضرت حسنؓ اور قنبر کو شہادت میں پیش کیا، شریح نے کہا قنبر کی شہادت تو قبول کرتا ہوں، لیکن حسنؓ کی شہادت مسترد کرتا ہوں، حضرت علیؓ نے فرمایا آپ نے رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد نہیں سنا ہے کہ الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنۃ، شریح نے کہا سنا ہے لیکن میں باپ کے مقابلہ میں لڑکے کی شہادت معتبر نہیں سمجھتا، اس فیصلہ کو حضرت علیؓ نے تسلیم کر لیا، اور زرہ یہودی کے پاس رہنے دی، اس واقعہ کا یہودی پر اتنا اثر ہوا کہ اسنے خود اقرار کر لیا کہ زرہ آپ ہی کی ہے،

[۱] ابن سعد ج ۶ ص ۹۰،

اور تمہارا دین سچا ہے، مسلمانوں کا قاضی امیرالمومنین کے خلاف فیصلہ کرتا ہے، اور وہ بلاچون وچرا اسے ختم کر دیتا ہے، میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد خدا کے سچے رسول تھے، حضرت علیؓ کو اس کے اسلام سے اتنی مسرت ہوئی کہ اس یادگار میں انھوں نے زرہ اپنی طرف سے اسکو دیدی،[1]

اگرچہ فقہ کی کتابوں میں یہ قانون حدیث کے حوالہ سے ہے، لیکن صاحب نصب الرایہ نے تصریح کر دی ہے، کہ یہ حدیث نہیں بلکہ شریح کا قول ہے،[2]

خفیہ تحقیقات شریح سے پہلے اسلامی عدالت میں خفیہ تحقیقات کا طریقہ رائج نہ تھا، سب سے پہلے اسکو شریح نے جاری کیا، چونکہ یہ نئی بات تھی اس لئے لوگوں نے اعتراض کیا کہ تم نے بدعت جاری کی، انھوں نے جواب دیا جب لوگوں نے نئی نئی باتیں جاری کیں تو میں نے بھی جاری کی،[3] (یعنی جب سے نئے نئے جرائم ہونے لگے تو مجھ کو بھی نئے اصول اختیار کرنے پڑے)

جھوٹے حلف پر سچی شہادت کو ترجیح تنہا حلف کو چنداں اہمیت نہ دیتے تھے، چنانچہ ثبوت کے ساتھ قسم لیتے تھے،[4] کیونکہ وہ ثبوت کو قسم سے زیادہ اہم سمجھتے تھے، ایک مقدمہ میں ایک مدعی نے اپنے فریق سے قسم لی، قسم لینے کے بعد اس کے خلاف ثبوت پیش کیا، شریح نے کہا عادل ثبوت جھوٹی قسم سے زیادہ معتبر ہے،[5]

اہل مقدمہ کو صفائی اور ثبوت کا موقع مدعی کو ثبوت اور ملزم کو صفائی کا پورا موقع دینا ہر عدالت کا منصبی فرض ہے، اس باب میں شریح میں یہ خاص خصوصیت تھی، کہ وہ مقدمہ فیصل کر دینے کے بعد بھی فریقین کو اگر وہ کچھ کہنا چاہتے تو کہنے کی موقع دیتے تھے، احنف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں شریح کی عدالت میں گیا، انھوں نے ایک شخص کے خلاف فیصلہ دیا، اس نے کہا ابھی جلدی

[1] شذرات الذہب ج اول ص۸۵، [2] نصب الرایہ باب یقبل شہادتہ ومن لا یقبل [3] محاضرۃ الاوائل ص۹۷
[4] ابن سعد ص۹۶، [5] ایضاً ص۹۱،

نہ کیجئے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں، اسے سن لیجئے، شریح نے اسے موقع دیا جب، وہ کہہ چکا تو کہا کیا میں چھوڑ دوں، تم نے بہت فضول باتیں کیں تم نے جو کچھ کہا ہے اس پر ثبوت پیش کرو،[1]

وہ خود اپنے فیصلے کے خلاف اپیل سننے کے لئے تیار رہتے تھے، چنانچہ کہا کرتے تھے، کہ جو شخص میرے فیصلہ کے خلاف دعویٰ کرے تو میرا فیصلہ اس وقت تک قائم کریگا جب تک مدعی اس دعویٰ کو ثابت نہ کردے، "حق بہر حال میرے فیصلے کے مقابلہ میں زیادہ حق ہے"[2]

غیر جانبداری، | وہ بالکل غیر جانبدارانہ مقدمات کرتے تھے کسی فریق کے ساتھ کوئی رعایت نہ کرتے تھے، چنانچہ وہ نہ کسی فریق سے جرح میں کمی کرتے تھے، اور نہ کسی فریق کو کوئی پوائنٹ بتاتے تھے[3]

رازداری، | مقدمات میں پوری رازداری سے کام لیتے تھے، اور اس کی روئیداد کسی پر بھی ظاہر نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کے لڑکے نے اپنے ایک مقدمہ کے سلسلہ میں کچھ پوچھا، انھوں نے جواب دیا کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم کو تمھارے فریق پر بھڑکاؤں[4]،

خاندانی رواج، | مقدمات میں خاندانی رواج کو قبول نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک مرتبہ چند غزالوں نے ایک مقدمہ دائر کیا، ان میں سے بعض نے کہا کہ اس مقدمہ میں ہمارا خاندانی دستور یہ رہا ہے، شریح نے کہا "تمھارے خاندانی دستور تمھارے گھر تک ہیں[5]"،

دلالوں کی مخالفت، | شریح کو اہلِ مقدمہ کے دلالوں کے سخت مخالف تھے، انھیں اپنی عدالت سے نکلوا دیتے تھے، اور لوگوں کو ان سے بچنے کی ہدایت کرتے تھے[6]

رشوت میں احتیاط | رشوت سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا ہے، مہذب دور میں رشوت ہدایا و تحائف کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس سے بچنا بہت مشکل ہے، اسلئے شریح ہدیہ تو قبول کر لیتے تھے لیکن رشوت

---

[1] ابن سعد ج ۶ صـ ۹۲، [2] ایضاً صـ ۹۳، [3] ایضاً صـ ۹۲، [4] ابن سعد ترجمہ شریح، [5] ابن سعد ج ۶ صـ ۹۴، [6] ایضاً صـ ۹۲،

سے محفوظ رہنے کے لئے فوراً اس کا بدل کر دیتے تھے[۱]

آداب قضا۔ شریح جب گھر سے عدالت جانے لگتے، تو یہ کلمات کہتے "عنقریب ظالم اس حصہ کو جان لے گا، جو اس نے کم کیا ہے، اور ظالم کو سزا کا اور مظلوم کو مدد کا انتظار کرنا چاہیے"[۲] بھوک اور غصہ کی حالت میں مقدمہ نہ کرتے تھے، اور عدالت سے اٹھ جاتے تھے[۳]

فیصلوں کی مقبولیت۔ عموماً عدالت کے حکام جمہور کو خوش نہیں رکھ سکتے، عام حالات میں انکے فیصلوں سے کسی نہ کسی جماعت کو شکایت ضروری ہے، لیکن شریح کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی، ان کے فیصلوں سے پبلک بہت مطمئن رہتی تھی، جابر بن زیاد کا بیان ہے کہ شریح ہمارے یہاں بصرہ میں قریب قریب ایک سال تک قاضی رہے، اس قلیل مدت میں انھوں نے ایسی بے مثل قضاوت کی کہ اس کے قبل اور مابعد کی تاریخ میں اسکی نظیر نہیں ملتی[۴]

ان کے فیصلے علمی درس ہوتے تھے۔ ان کے فیصلے اس قدر پر معلومات اور فاضلانہ ہوتے تھے کہ ان کی عدالت فقہاء کی درس گاہ بن گئی تھی، بڑے بڑے علماء فقہی واقفیت حاصل کرنے کے لئے ان کے فیصلے سننے کو آتے تھے مکحول کا جو خود بہت بڑے عالم تھے، بیان ہے، کہ میں چھ مہینہ تک شریح کی عدالت میں معلومات حاصل کرنے کے لئے جاتا رہا، میں ان سے کچھ پوچھتا نہ تھا، ان کے فیصلے میرے معلومات کے لئے کافی ہوتے تھے[۵]

نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی۔ چونکہ شریح نہایت ذہین اور طباع تھے، اس لئے وہ اہل مقدمہ کی ظاہری حالت سے دھوکا نہ کھاتے تھے، ایک مرتبہ ایک عورت نے ایک مرد پر استغاثہ دائر کیا، اور عدالت میں آکر زار و قطار رونے لگی، امام شعبی بھی موجود تھے، انھوں نے شریح سے کہا یہ عورت مظلوم معلوم ہوتی ہے، شریح نے کہا رونا مظلومیت کا ثبوت نہیں ہے،

۱؎ ابن سعد ج ۶ ص ۹۹، ۲؎ ایضاً ص ۹۳، ۳؎ ایضاً ص ۹۴، ۴؎ ایضاً ص ۹۵، ۵؎ ایضاً،

برادران یوسف بھی باپ کے پاس روتے ہی ہوئے آئے تھے[1]

فضائل اخلاق | شریح فضائل اخلاق اور عادات وخصائل میں اس عہد سعادت کا بہترین نمونہ تھے،

عبادت | علمی فضائل و کمالات کیساتھ وہ بڑے دیندار اور عبادت گذار تھے[2] قضا کی ذمہ داریوں اور مشغولیتوں کے باوجود ان کا کافی وقت عبادت میں گذرتا تھا، ان کے غلام ابو طلحہ کا بیان ہے، کہ جب وہ صبح کی نماز پڑھ کر واپس آتے تھے تو گھر کے دروازے بند کرکے قریب قریب آدھے دن تک مشغول رہتے تھے، اور قیاس یہ ہے کہ وہ نماز پڑھتے رہتے تھے[3]

سلام میں سبقت | طبعاً نہایت خوش اخلاق اور منکسر مزاج تھے، اتنی بڑی شخصیت رکھنے اور ایسے جلیل القدر عہدہ پر ممتاز ہونے کے باوجود سلام میں ہمیشہ خود سبقت کرتے تھے، قاسم کا بیان ہے کہ کوئی شخص سلام میں شریح پر سبقت نہیں کرسکتا تھا، عیسیٰ بن حارث کا بیان ہے کہ میں ہمیشہ سبقت کرنے کی کوشش کرتا تھا، مگر کبھی کامیاب نہ ہوا[4]، میرا ان کا اکثر راہ میں سامنا ہوتا تھا، میں اس انتظار میں رہتا کہ اب سلام کروں اب سلام کروں کہ اتنے میں وہ قریب پہنچکر السلام علیکم کہدیتے[5]

فتنہ سے کنارہ کشی | وہ فتنہ و فساد ناپسند کرتے تھے، ان کی زندگی میں بڑے بڑے سیاسی انقلابات ہوئے، عبدالملک اور ابن زبیرؓ کا ہنگامہ برسوں جاری رہا جس کی لپیٹ سے بہت کم لوگ محفوظ رہ سکے لیکن شریح کا دامن اس سے بھی بچا رہا، اس ہنگامہ کے زمانہ میں وہ چند برسوں کے لئے مستعفی ہوگئے تھے،[6] اس میں پڑنے سے وہ اتنی احتیاط برتتے تھے کہ کسی سے اس کے حالات تک نہ پوچھتے تھے، لوگ بھی ان کی بے تعلقی دیکھ کر ان سے کوئی تذکرہ نہ کرتے تھے[7]

---

[1] الطریق الحکمیہ ابن قیم ص۲۵، [2] تہذیب الاسماء ج ۱ ق ۱ ص ۲۴۴، [3] ابن سعد ج ۶ ص ۹۵، [4] ایضاً ص ۹۱، [5] ایضاً،

[6] ابن خلکان جلد اول ص ۲۲۴، [7] ابن سعد ج ۶ ص ۹۱،

دوسروں کی راحت کا لحاظ | دوسروں کی راحت کا اتنا خیال تھا کہ اپنے لیے کسی کو ادنیٰ تکلیف دینا بھی پسند نہ کرتے تھے اپنے گھر کے تمام پرنالے اندر لگاتے تھے کہ اس کے پانی سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے[۱] اس معاملہ میں وہ اتنے مبالغہ سے کام لیتے تھے کہ اگر ان کے گھر میں کوئی موت ہو جاتی تو دوسروں کی زحمت کے خیال سے کسی کو خبر نہ کرتے، اور راتوں رات دفن کر دیتے اگر کوئی شخص مریض کی حالت پوچھتا تو کہدیتے، اب سکون ہے، اپنے لڑکوں تک کو انھوں نے بغیر اطلاع دیئے ہوئے دفن کر دیا،[۲]

ظرافت و خوش طبعی | طبیعت میں ظرافت و خوش طبعی کا مادہ زیادہ تھا کان رجلاً مزاحاً، کبھی کبھی سنجیدہ مواقع پر بھی ان کی ظرافت گلفشانی کر جاتی تھی، ایک مرتبہ عدی بن ارطاۃ نے ان کے سامنے ایک دعویٰ پیش کیا، دونوں میں حسب ذیل گفتگو ہوئی،[۳]

عدی	آپ کہاں ہیں؟
شریح	تمھارے اور دیوار کے بیچ میں،
عدی	میں آپ کے سامنے کچھ باتیں پیش کرنا چاہتا ہوں،
شریح	فرمائیے میں سننے کے لئے تیار ہوں،
عدی	میں شام کا رہنے والا ہوں،
شریح	اتنے دور دراز مقام کے (مزاحاً)
عدی	میں نے آپ کے یہاں شادی کی ہے،
شریح	بالرفاء والبنین، (شادی مبارک ہو)
عدی	میں اپنی بیوی کو ساتھ لیجانا چاہتا ہوں،

[۱] ابن سعد ج ۶ ص ۹۰، [۲] ایضاً ص ۹۹، [۳] ابن خلکان ج اول ص ۲۲۴،

شریح	شوہر اپنی بیوی کا حقدار اور مختار ہے،
عدی	لیکن اس نے اپنے گھر میں رہنے کی شرط کر لی تھی،
شریح	تو پھر شرط پوری کرنی چاہئے،
عدی	آپ ہمارا فیصلہ کر دیجئے،
شریح	فیصلہ کر دیا،
عدی	کس کے خلاف
شریح	تمہاری ماں کے لڑکے کے (یعنی تمہارے)
عدی	کس کی شہادت پر،
شریح	تمہارے ماموں کی بہن کے لڑکے کی شہادت پر (یعنی خود تمہاری شہادت پر) کیونکہ عدی نے خود اقرار کر لیا تھا کہ بیوی سے گھر میں رہنے کی شرط کر لی تھی،

لطائف؛ ان کی ظرافت اور بذلہ سنجی کی وجہ سے بعض اوقات دلچسپ لطائف پیش آجایا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک بدوی نے ان سے پوچھا تم کس خاندان سے ہو، انھوں نے ظرافت میں جواب دیا ان لوگوں میں سے ہوں جن پر خدا نے اسلام سے انعام کیا ہے، یہ جواب سنکر وہ اعرابی ان کے پاس سے چلا گیا، اور لوگوں سے کہا، خدا کی قسم تمہارا قاضی اپنا خاندان بھی نہیں جانتا، ایک روایت یہ ہے کہ اس نے یہ کہا کہ تم لوگوں نے مجھ کو ایک غلام کے پاس بھیجدیا[1] (کیونکہ عموماً غلام یا وہ لوگ جن کا کوئی قابل ذکر خاندان نہ ہوتا تھا، اسلام کی طرف اپنا انتساب بتاتے تھے)

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۹۱ و ص ۹۰،

ان میں اور ابن زیاد میں سخت اختلاف تھا، ابن زیاد پر ایک مرتبہ طاعون کا حملہ ہوا، اس کی سمیت کا اثر داہنے ہاتھ پر زیادہ تھا، اس لئے اطبا نے اس کو کٹوانے کا مشورہ دیا، اس نے شریح سے مشورہ کیا، انھوں نے کہا دنیا میں رزق کی میعاد مقرر ہے، اور ایک دن موت آنا یقینی ہے، اس لئے میری رائے ہاتھ کٹوانے کی نہیں ہے، اگر ابھی تمہاری زندگی کچھ باقی ہے، تو بغیر ہاتھ کے زندہ رہنا، اور اگر وقت آچکا ہے تو خدا سے ہت کٹے ملنا مجھے پسند نہیں ہے، اگر خدا تم سے سوال کریگا کہ تم نے ہاتھ کیوں کٹوایا تو کیا جواب دو گے؟ یہی جواب دو گے کہ تجھ سے ملنے کی نفرت میں اور تیرے فیصلہ سے بھاگنے کے لئے،

غرض ان کے مشورہ پر یا خود تکلیف کے خیال سے اس نے ہاتھ نہیں کٹوایا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی دن مرگیا، لوگوں نے شریح کو بڑی ملامت کی کہ تم نے محض دشمنی کی وجہ سے ہاتھ نہیں کٹوانے دیا، انھوں نے جواب دیا کہ مشیر امین ہوتا ہے اسلئے اگر مجھے اس کی خیر خواہی کا خیال نہ ہوتا تو میں تو یہ چاہتا کہ ایک دن اس کا ہاتھ کاٹا جائے، ایک دن پاؤں کاٹا جائے، اسی طریقہ سے روزانہ اس کے تمام اعضا جوڑ جوڑ اور بند بند کاٹ کر الگ کر دیئے جائیں[۱]

ایک مرتبہ اون کی عدالت میں ایک شخص نے ایک گواہ کو جس کا نام ربیعہ تھا پکارا، اس نے کوئی جواب نہ دیا، اس کی خاموشی پر پکارنے والے نے جھلا کر دوبارہ کافر کہہ کر پکارا، اس خطاب پر وہ بول اٹھا، شریح نے اس پر یہ ظریفانہ الزام لگایا کہ تم نے کفر کا اقرار کر لیا، اس لئے تمہاری شہادت قبول نہیں کی جا سکتی[۲]،

وفات، آخر عمر میں ضعف پیری کی وجہ سے مستعفی ہوگئے تھے، استعفا کے کچھ دنوں بعد بیمار پڑے، عمر ایک سو سال سے متجاوز ہو چکی تھی، زیست کی امید باقی نہ تھی، اس لئے

---

[۱] ابن خلکان ج اول ص ۲۲۴، [۲] ابن سعد ج ۶ ص ۹۵،

دمِ آخر لوگوں کو ہدایت کی کہ قبر بغلی کھودی جائے، جنازہ کی اطلاع کسی کو نہ دیجائے جنازہ کے ساتھ نوحہ نہ کیا جائے، جنازہ کو آہستہ آہستہ لیجایا جائے، قبر پر چادر نہ ڈالی جائے، ان وصایا کے بعد انتقال فرمایا، سنہ وفات میں اختلاف ہے ۷۶ھ سے لیکر ۷۹ھ تک کسی سنہ میں انتقال کیا[1]،

حلیہ، | شریح اطلس تھے، یعنی فطرۃً داڑھی مونچھ نہ تھی[2]،

تنخواہ، | پانسو ماہوار تنخواہ پاتے تھے[3]،

۳۳- صفوان بن سلیم زہری

نام ونسب، | صفوان نام، ابوعبداللہ کنیت، والد کے نام میں اختلاف ہے، بعض سلیم اور بعض سلام لکھتے ہیں، مدینہ کے ممتاز تابعین میں تھے،

فضل وکمال، | اگرچہ صفوان کا اصل طغرائے کمال انکا زہد وورع تھا، لیکن فضائلِ علمی سے بھی وہ تہی دامن نہ تھے، حافظ ذہبی ان کو ثقۃ حجۃ اور اعلام ہدیٰ میں لکھتے ہیں[4]،

حدیث، | حدیث میں انھوں نے عبداللہ بن عمرؓ، انس بن مالکؓ، ابوامامہؓ، سعید بن مسیب، عبدالرحمن بن غنم، ابوسلمہ بن عبدالرحمن، سعید بن سلمہ، عبداللہ بن سلیمان الاغر، عبدالرحمن ابن سعد، اور عطار بن یسار وغیرہ سے فیض اٹھایا تھا[5]، اور زید بن اسلم، ابن منکدر، موسیٰ بن عقبہ ابن جریج، یزید بن ابی حبیب، مالک بن انس اکابر علمار کی بڑی جماعت انکے تلامذہ میں تھی[6]،

فقہ، | فقہ میں بھی انھیں درک تھا، اور ان کا شمار مدینۃ الرسول کے فقہا میں تھا[7]، ابن عماد حنبلی انھیں

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۹۹، [2] ابن خلکان ج اوّل ص ۲۲۴، [3] ابن سعد ج ۶ ص ۹۵، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۰، [5] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۴۲۵، [6] ایضاً، [7] ایضاً،

فقیہ القدوہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں[۵۱]،

عبادت وریاضت، لیکن انکا امتیازی وصف انکا زہد وورع اور عبادت وریاضت ہے، اس کے علاوہ انکا کوئی مشغلہ ہی نہ تھا، احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ وہ خدا کے بہترین بندوں میں تھے، انکے وسیلہ سے پانی کی دعا کیجاتی تھی[۵۲]

وہ بڑی سخت عبادتیں کرتے تھے، نیند کے غلبہ کے خوف سے جاڑوں کے موسم میں کھلی چھت پر اور گرمیوں میں بند مکان میں عبادت کرتے تھے کہ سردی اور گرمی کے غلبہ سے نیند نہ آنے پائے، نماز پڑھتے پڑھتے دونوں پاؤں سوج جاتے تھے، اور تھک کر گر پڑتے تھے[۵۳]، سجدوں کی کثرت سے پیشانی زخمی ہوگئی تھی[۵۴]

آرام وآسایش سے بچنے کے لئے عہد کرلیا تھا کہ تاعمر بستر استراحت پر آرام نہ کریں گے، اس عہد کے بعد تیس[۳۰] یا چالیس[۴۰] سال زندہ رہے، اور آخر وقت تک برابر اس عہد پر قائم رہے، مرض الموت میں لوگوں نے عرض کیا، خدا آپ پر رحم کرے کیا اب بھی نہ لیٹئے گا، فرمایا اگر لیٹ جاؤں تو عہد پورا نہ ہوگا، لیکن پھر لوگوں کے زیادہ اصرار سے ذرا سی ٹیک لگالی اور اسی حالت میں بیٹھے بیٹھے انتقال ہوا[۵۵]،

عبادت کی معراج کمال، ہر شئے کے کمال کی آخری حد یہ ہے کہ پھر اس میں مزید ترقی کی گنجایش باقی نہ رہے، صفوان عبادت کے اسی ذروۂ کمال پر فائز تھے، ابو حمزہ کا بیان ہے کہ میں نے صفوان کو عبادت کے اس درجہ پر دیکھا کہ اگر ان سے کہا جاتا، کہ کل قیامت ہے تو جس حد تک وہ پہنچ چکے تھے، اس میں مزید اضافہ نہ ہو سکتا تھا[۵۶]،

انفاق فی سبیل اللہ، خدا کی راہ میں انفاق کا یہ عالم تھا کہ بدن کے کپڑے تک اتار کر دیدیتے تھے

[۵۱] شذرات الذہب ج اول ص۱۵۹، [۵۲] ایضاً، [۵۳] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۲۰، [۵۴] ایضاً، [۵۵] ایضاً وصفوۃ الصفوہ ص۱۴۵، [۵۶] ایضاً،

ایک شب کو مسجد سے نکلے، سردی سخت تھی، مسجد کے باہر ایک آدمی ننگے بدن نظر آیا صفوان نے اسی وقت اپنے جسم کے کپڑے اتار کر دیدیئے۔[1]

دولت دنیا سے بے نیازی استغنا اور بے نیازی کے اس درجہ پر تھے، جہاں دولت دنیا کا مطلق گذر نہ تھا، سلاطین اور فرماں روا ان کی خدمت کرنا چاہتے تھے، مگر وہ قبول نہ کرتے تھے، مسجد نبوی میں عبادت کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ سلیمان بن عبد الملک مدینہ آیا، اور عمر بن عبد العزیز کے ہمراہ مسجد نبوی دیکھنے کے لئے گیا، ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد مقصورہ کا دروازہ کھولا تو اس میں صفوان نظر آئے، سلیمان انھیں پہچانتا نہ تھا، عمر بن عبد العزیز سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں، ان کے بشرہ سے بہتر میں نے آثار نہیں دیکھے، عمر بن عبد العزیز نے کہا امیر المومنین یہ صفوان بن سلیم ہیں، ان کا نام سنکر اس نے غلام کو پانسو دینار کی تھیلی ان کی خدمت میں پیش کرنے کا حکم دیا، غلام نے لیجا کر پیش کی، اور کہا یہ امیر المومنین کی جانب سے نذر ہے، وہ یہاں موجود ہیں، صفوان نے کہا تم کو دھوکا ہوا ہے، کسی اور کے پاس بھیجی ہوگی، غلام نے عرض کیا آپ صفوان نہیں ہیں؟ فرمایا ہوں تو میں ہی، غلام نے کہا تو آپ ہی کو دیا ہے، فرمایا جاؤ دوبارہ پوچھ آؤ، میں یہیں ہوں، جیسے ہی غلام پوچھنے کے لئے مڑا، صفوان فوراً جوتا اٹھا کر مسجد سے نکل گئے، اور پھر جتنی دیر سلیمان مسجد میں رہا صفوان نہ دکھائی دیئے۔[2]

وفات ۱۳۲ھ میں وفات پائی،

---

[1] صفوۃ الصفوہ ص ۱۴۸ [2] ایضاً،

۴۳۔ صفوان بن محرز

نام ونسب، صفوان نام نسبی تعلق قبیلہ بنی تمیم کی شاخ بنی مازن سے تھا بصرہ کے عابدو زاہد تابعین میں تھے،

فضل وکمال، علمی حیثیت سے کوئی امتیازی حیثیت نہ رکھتے تھے تاہم اس سے بالکل تہی دامن نہ تھے، بصرہ کے علمائے باعمل میں شمار تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان لہ فضل وورع[1]، حافظ ذہبی لکھتے ہیں صفوان بن محرز المازنی احد العلماء العاملین[2]،

حدیث میں انھوں نے عبداللہ بن عمرؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، عمران ابن حصینؓ اور حکیم بن حزامؓ وغیرہ اکابر صحابہ سے استفادہ کیا تھا،

ابوحمزہ، جامع بن شداد، خالد بن عبداللہ الاشج، عاصم الاحول، قتادہ، محمد بن واسع اور علی بن زید ابن جدعان وغیرہ آپ کے زمرۂ تلامذہ میں تھے[3]،

عمل کا درجہ، صفوان کے نزدیک تنہا علم کا کوئی درجہ نہ تھا، بلکہ اس سے اور ذمہ داری بڑھ جاتی تھی، فرماتے تھے کہ ہمکو تنہا خیر کے علم سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، جب تک اس پر عمل نہ کریں کاش میں کچھ نہ جانتا ہوتا[4]،

زہد وعبادت، ان کی پوری زندگی اس اصول کا عملی نمونہ تھی، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ بڑے عابد تابعین میں تھے[5]،

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص۱۰۱، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۵۲، [3] تہذیب التہذیب ج ۴ ص۴۳۰،

[4] صفوۃ الصفوہ ص۱۵۹، [5] ایضاً وتہذیب التہذیب ج ۴ ص۴۳۰،

گداز قلب روح کا آئینہ زنگار اشک سے جلا پاتا ہے، اور دل کی کھیتی آنسوؤں کی آبیاری سے ہری ہوتی ہے، صفوان کی آنکھیں شمع سوزاں تھیں، انھوں نے ایک کنج یا غار بنا لیا تھا جس میں بیٹھ کر رویا کرتے تھے، اور صرف نماز کے اوقات میں اس سے باہر نکلتے تھے، نماز پڑھنے کے بعد پھر فوراً اسی میں چلے جاتے تھے[1]،

ذکر و شغل، آپ کا ذکر و شغل حدیث خوانی تھا جریر کا بیان ہے کہ صفوان اور ان کے بھائی مذاکرۂ حدیث کے لئے جمع ہوتے تھے، اس حلقہ میں جب کیفیت اور رقتِ قلب محسوس نہ ہوتی تو حاضرین ان سے حدیث بیان کرنے کی درخواست کرتے ان کی زبان سے جیسے ہی الحمد للہ نکلتا، حاضرین پر عجیب کیفیت طاری ہوجاتی، اور مشکیزہ کے منہ کی طرح ان کی آنکھوں سے آنسو پھوٹ نکلتے[2]،

قیام لیل، آپ کی عبادت کا خاص وقت شب کا تھا، تہجد نہایت پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے[3]،

دنیا سے کنارہ کشی، دنیا اور اس کی نعمتوں سے کبھی دامن آلودہ نہ کیا، فرماتے تھے، اگر مجھے کھانے کے لئے روٹی کا ایک ٹکڑا جس سے توانائی قائم رہ سکے اور پینے کے لئے پانی کا ایک کوزہ مل جائے تو پھر مجھے دنیا اور اہلِ دنیا کی ضرورت نہیں[4]،

دنیا کو ایک کارواں سرا سے زیادہ نہ سمجھتے تھے، اسی لئے مستقل گھر نہیں بنایا، رہنے کے لئے ایک چھپر تھا، اس کی مرمت تک نہ کراتے تھے، ایک مرتبہ اس کی ایک کڑی ٹوٹ گئی، لوگوں نے کہا اس کو درست کرلیجئے، فرمایا کل مرنا ہے، اگر گھر کا حقیقی مالک اس میں زیادہ ٹھہرنے کا موقع دیتا تو درست کرلیتا[5]،

۱؎ ابن سعد ج، ق اول ص ۱۰۱، ۲؎ ایضاً، ۳؎ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۴۲۴،

۴؎ ابن سعد ج، ق اول ص ۱۰۱، ۵؎ ایضاً و صفوۃ الصفوہ ص ۱۵۹،

خانہ خدا کا احترام، خانۂ خدا میں ہنگامہ آرائی مسجد کے احترام کے خلاف سمجھتے تھے، اور ایسے مواقع پر مسجد سے چلے جاتے تھے، ایک مرتبہ کچھ لوگ مسجد میں لڑ رہے تھے، آپ یہ کہہ کر وہاں سے ہٹ گئے کہ "تم لوگ جنگجو ہو"[1]

فرمانِ رسول کا پاس، فرمانِ رسول کا مرتے دم تک پاس رہا، مرض الموت میں گھر والوں سے فرمایا، رسول اللہ صلعم کا یہ فرمان پیش نظر رہے، کہ چلا کر بین کرنے والا، سر نوچنے والا، اور کپڑے پھاڑنے والا ہماری جماعت میں نہیں ہے[2]

وفات، اسی مرض میں وفات پائی، سنہ وفات معین طور پر نہیں بتایا جا سکتا، ابن حبان نے ۱۴۰ھ لکھا ہے لیکن یہ قابلِ اعتبار نہیں،

۳۵- طاؤس بن کیسان

نام ونسب، طاؤس نام، ابو عبد الرحمٰن کنیت، بحیر بن ریسان حمیری کے غلام تھے، ان کے والد نسلاً عجمی تھے لیکن آل حمدان سے تعلقات پیدا کرکے یمن کے شہر جند میں بود و باش اختیار کر لی تھی،

فضل وکمال، فضل وکمال کے اعتبار سے طاؤس کا شمار کبار تابعین میں تھا، علامہ نووی لکھتے ہیں، طاؤس صاحبِ علم وفضل اور کبار تابعین میں تھے، ان کی جلالت فضیلت و فورِ علم اور صلاح وحفظ پر سب کا اتفاق ہے[3]، ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ امام اور علم وعمل کے اعتبار سے علمائے اعلام میں تھے[4]

---

[1] ابن سعد ج ۶ ق اول ص ۲۰۱، [2] ایضاً، [3] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۵۱،

[4] شذرات الذہب ج اول ص ۱۳۳،

حدیث | حدیث کے وہ بڑے حافظ تھے، ان کا حفظ حدیث ارباب علم میں مسلم تھا[۱] پچاس صحابہ کے دیدار کا شرف حاصل تھا، ان میں عبداللہ بن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، ابن زبیرؓ زید بن ارقمؓ، زید بن ثابتؓ، ابوہریرہؓ، عائشہ صدیقہؓ، سراقہ بنؓ مالک، صفوان بن امیہؓ، اور جابرؓ وغیرہ صحابۂ کرام کے سرچشمۂ علم سے سیراب ہوئے تھے[۲] حبر الامۃ عبداللہ بن مسعودؓ سے خصوصیت کیساتھ زیادہ استفادہ کیا تھا،

فقہ | فقہ میں بڑا پایہ تھا علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں، کان فقیہا جلیل القدر رفیع الذکر[۳]

تلامذہ | تلامذہ کا دائرہ بھی خاصہ وسیع تھا، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، آپ کے صاحبزادے عبداللہ، وہب بن میسرہ، حبیب بن ابی ثابت، حکم بن عتیبہ، حسن بن مسلم، سلیمان بن موسیٰ، عبدالکریم جزری، عبدالملک بن میسرہ، عمرو بن شعیب، عمرو بن دینار، عمرو بن مسلم، قیس بن سعد، مجاہد، لیث، ابو سلیم اور ہشام وغیرہ[۴]

معاصر علماء میں ان کا درجہ | علمی اعتبار سے ان کا شمار اس عہد کے خواص علماء کے زمرہ میں تھا، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ میں نے عبداللہ بن یزید سے پوچھا کہ تم کن لوگوں کے ساتھ ابن عباس کے پاس جاتے تھے، انھوں نے جواب دیا، عطاء اور ان کی جماعت کے ساتھ، میں نے کہا اور طاؤس، انھوں نے کہا وہ خواص کے ساتھ جاتے تھے[۵]

ارباب علم کا اعتراف | اس عہد کے تمام ارباب علم ان کے کمال علم کے معترف تھے، عمرو بن دینار کہتے تھے کہ میں نے کبھی کسی شخص کو طاؤس کے برابر نہیں دیکھا[۶] بعض لوگوں کے نزدیک وہ یمن کے ابن سیرین تھے، سعید بن ابی سیرین کا بیان ہے کہ قیس بن سعد کہتے تھے کہ طاؤس

---

[۱] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۵۱، [۲] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۹، [۳] ابن خلکان ج اول ص ۲۳۳،
[۴] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۹، [۵] ابن خلکان ج اول ص ۲۳۳، [۶] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۵۱،

ہمارے یہاں کے ابن سیرین ہیں[1]، بعض علما انھیں ابن جبیر کا ہم پایہ سمجھتے تھے، عثمان دارمی کا بیان ہے کہ میں نے ابن معین سے پوچھا کہ آپ کو طاؤس زیادہ پسند ہیں یا سعید بن جبیر، انھوں نے کسی کو ترجیح نہیں دی[2]،

زہد و عبادت، اس علم کے ساتھ طاؤس میں اسی درجہ کا عمل بھی تھا، ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ یمن کے عبادت گذار لوگوں میں تھے[3]، کثرتِ عبادت سے پیشانی پر نشانِ سجدہ تاباں تھا، بسترِ مرگ پر بھی کھڑے ہوکر نماز پڑھتے تھے[4]، چالیس حج کئے[5]، طواف میں خاموش رہتے تھے، کسی بات کا جواب نہ دیتے تھے، اور فرماتے تھے کہ "طواف نماز ہے[6]"

انفاق فی سبیل اللہ، خدا کی راہ میں بھی حسب استطاعت صرف کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک سزایاب کو اس کا جرمانہ ادا کرکے چھڑایا[7]،

دولت دنیا سے بے نیازی، دنیا اور اس کی تمام خواہشوں سے بالکل بے نیاز تھے، کبھی دنیاوی نعمتوں کی خواہش نہیں کی، ہمیشہ یہی دعا کرتے تھے کہ "خدایا مجھے مال اور اولاد سے محروم رکھ اور اس کے بدلہ میں ایمان و عمل کی دولت عطا فرما[8]،

اہل دنیا سے بے تعلقی، اس بے نیازی کی وجہ سے ارباب حکومت اور ثروت سے ہمیشہ گریز کرتے تھے، بلکہ ان کو شر سمجھتے تھے، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ حکومت اور حکمرانوں سے گریز کرنے والے تین آدمی تھے، ابوذر صحابی اپنے زمانہ میں اور طاؤس و ثوری اپنے زمانہ زمانہ میں[9]، فرماتے تھے ارباب ثروت و دول سے زیادہ میں نے کسی کو شر نہیں دیکھا[10]،

---

[1] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۹۲، [2] تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۹، [3] ایضاً [4] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۹۳ و صفحہ ۳۹۵، [5] تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۹ [6] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۹۳ [7] ایضاً صفحہ ۳۹۴ [8] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۹۳، [9] تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۱۰، [10] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۹۳،

امرا، اور سلاطین کا معمولی احسان اٹھانا بھی پسند نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ وہب بن منبہ کے ہمراہ حجاج بن یوسف کے بھائی محمد کے یہاں گئے، اس وقت سردی زیادہ تھی، اس لئے محمد بن یوسف نے ان کے اوپر ایک چادر ڈلوادی، مگر انھوں نے کندھے ہلا ہلا کر گرادیا، محمد ان کے اس فعل پر برہم ہوگیا، یہاں سے اٹھنے کے بعد ان کے ہمراہی وہب نے ان سے کہا اگر تم کو چادر کی ضرورت نہ بھی تھی تو بھی لوگوں کو محمد کے غصہ سے بچانے کے لئے تم کو اس وقت لے لینا چاہئے تھا، زیادہ سے زیادہ اسے بیچ کر اس کی قیمت مساکین میں تقسیم کردیتے، انھوں نے جواب دیا، اگر اس کا خیال نہ ہوتا کہ میرے بعد لوگ میرے اس فعل کو سند جواز بنائیں گے تو ایسا کرتا۔[1]

تحصیلداری کا عہدہ، ایک مرتبہ محمد بن یوسف نے انھیں چند دنوں کے لئے تحصیلداری کے عہدہ پر مامور کردیا، لیکن ان کے جیسے شخص کو اس عہدہ سے کیا مناسبت ہوسکتی تھی، وہ جس طرح اس کام کو کرتے تھے اس کو خود ان کی زبان سے سنو، ابراہیم بن میسرہ نے ان سے پوچھا آپ تحصیلداری کے زمانہ میں کیا کرتے تھے، فرمایا میں باقی دار سے کہتا تھا خدا تم پر رحم کرے اس نے تم کو جو عطا کیا ہے اس کو (شریعت کا حق دیکر) پاک کرو، اگر وہ اس کہنے پر خراج دیدیتا تھا تو لے لیتا تھا اور اگر کوئی اعراض کرتا تھا، تو میں اسے بلاتا بھی نہ تھا۔[2]

خلفاء کو نصیحت، قیام عدل و خدمت خلق کا دارمدار صالح عہدہ داروں پر ہے، اس لئے طاؤس سلاطین اور خلفاء کو حکام کے انتخاب کے باب میں نصیحت کیا کرتے تھے، چنانچہ عمر بن عبدالعزیز جب مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو انھیں لکھ بھیجا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے تمام کام اچھے ہوں تو اچھے لوگوں کو عہدہ دار بنائے، انھوں نے جواب میں لکھا کہ میری بھلائی کے لئے آپ کی

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۴، [2] ایضاً،

نصیحت کافی ہے۔[1]

ان کے ان خیالات کا اثر ان کی اولاد پر بھی پڑا تھا، چنانچہ ان کے صاحبزادے، عبداللہ بالکل ان کے ہم رنگ تھے، ایک مرتبہ ابو جعفر منصور عباسی نے انھیں اور امام مالکؒ کو بلا بھیجا، یہ دونوں گئے، تھوڑی دیر تک خاموشی رہی، پھر منصور نے عبداللہ سے کہا اپنے والد کی کوئی حدیث سنائیے، انھوں نے یہ حدیث سنائی کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص پر ہوگا جو خدا کی حکومت میں شرک کریگا، یعنی اس میں ظلم کو شریک بنائے گا، یہ نصیحت آموز حدیث سن کر منصور خاموش ہو گیا، امام مالک کا بیان ہے کہ میں نے یہ صورت دیکھکر جان کے خوف سے اپنے کپڑے سمیٹ لئے، تھوڑی دیر خاموشی کے بعد منصور نے تین مرتبہ عبداللہ سے دوات اٹھانے کے لئے کہا، لیکن انھوں نے تعمیل نہیں کی، منصور نے کہا دوات کیوں نہیں اٹھاتے، انھوں نے کہا اس لئے کہ اگر تم اس سے کوئی ظالمانہ حکم لکھوگے، تو اس میں میری شرکت بھی ہو جائے گی، ان کی یہ کھری باتیں سن کر منصور نے دونوں کو اٹھا دیا، عبداللہ نے کہا ہم تو یہی چاہتے ہی تھے، امام مالک کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد سے میں عبداللہ کے فضل کا معترف ہو گیا،[2]

قرآن کا احترام، وہ کلام الٰہی سے مالی فائدہ اٹھانے کو نہایت برا اور احترام قرآن کے منافی سمجھتے تھے، ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو قرآن بیچتے ہوئے دیکھا تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنے لگے۔[3]

نوجوانوں کی اصلاح، نوجوانوں کی جدت آمیز وضع قطع اور چال ڈھال کو سخت ناپسند کرتے تھے ایک مرتبہ قریش کے چند خوش پوش اور جدت پسند نوجوانوں کو طواف کی حالت میں دیکھکر

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۲۴۳، [2] ایضاً، [3] ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۳،

ٹوکا کہ تم لوگ ایسا لباس پہنتے ہو جو تمہارے اسلاف نہ پہنتے تھے، اور ایسی اٹھلائی ہوئی چال چلتے ہو کہ ہیجڑے بھی نہیں چل سکتے ہے[1]

عید المومنین عید کی خوشی منانا ضروری سمجھتے تھے، اس دن اپنی تمام لونڈیوں کے ہاتھوں اور پیروں میں مہندی لگواتے تھے، اور فرماتے تھے یہ عید کا دن ہے[2]،

وفات، اوپر گذر چکا ہے کہ انھوں نے چالیس حج کئے، یہ سلسلہ آخر عمر تک جاری رہا، خدا نے ان کے اس ذوق کو حسن قبول بخشا، چنانچہ ۱۰۶ھ کے حج کے موسم میں مکہ ہی میں ترویہ سے ایک دن پہلے انتقال کیا، اس طرح وہ ہمیشہ کے لئے ارض مکہ میں مقیم ہو گئے[3]، حج کی وجہ سے جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ جنازہ لیجانا دشوار ہو گیا، ابراہیم بن ہشام مخزومی نے انتظام کے لئے پولیس بھیجی، پھر بھی اتنا مجمع تھا کہ جنازہ اٹھانے والوں کے کپڑے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، ہزاروں حاجیوں کے ہاتھوں مدفون ہوئے[4]

۳۶- عامر بن شراحیل الشعبی

نام و نسب، عامر نام، ابو عمر کنیت، شعبی قبیلہ کی نسبت ہے، لیکن شہرت کی وجہ سے اس نسبت نے لقب کی حیثیت اختیار کر لی ہے، یمن کے نامور حمیری خاندان میں حسان بن عمرو ایک مشہور اور تاریخی شخص گذرا ہے، یہ شخص یمن کی ایک پہاڑی ذوالشعبین میں پیدا ہوا تھا، اور مرنے کے بعد یہیں دفن ہوا، اس لئے وہ خود ذوالشعبین مشہور ہو گیا، اس کے بعد اس کی نسل میں بھی یہ نسبت قائم رہی، اس کی نسل کی ایک شاخ فتوحات اسلامی سے قبل سے ہمدان میں آباد تھی، پھر اسلامی عہد میں کوفہ میں بس گئی، یہ شاخ شعبی کہلاتی تھی، عامر بن شراحیل اسی شاخ سے

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۵، [2] ایضاً ص ۳۹۳، [3] ایضاً ص ۳۹۵، [4] ابن خلکان ج اول ص ۲۴۳،

تھے، حسان بن عمرو کے اوپر اس خاندان کا نسب نامہ یہ ہے، بنی حسان بن عمرو بن قیس بن معاویہ بن جشم بن عبد شمس بن وائل بن غوث بن قطن بن عریب بن زہیر بن ایمن بن ہمیسع بن حمیر،

پیدائش: عامر الشعبی کے سنہ ولادت کے بارہ میں مختلف روایات ہیں، خود ان کا بیان ہے کہ وہ جنگ جلولاء کے سال پیدا ہوئے[1] ایک بیان یہ بھی ہے کہ ان کی ماں جلولاء کے قیدیوں میں تھیں جو ان کے والد شراحیل کے حصہ میں پڑی تھیں اس حساب سے انکی پیدائش سنہ ۱۹ ہوئی

تعلیم: عامر کے ہوش سنبھالنے کے وقت صحابۂ کرام کی بہت بڑی جماعت موجود تھی، اور ان کی بود و باش بھی ایسے مرکزی مقام پر تھی، جہاں بہت سے صحابہ اقامت پذیر تھے اور انکی آمد و رفت رہتی تھی، اس لئے انھیں پانسو صحابہ کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا تھا، ان میں اڑتالیس[2] سے فیض اٹھایا تھا[3] حبر الامت عبد اللہ بن عمر رضہ کی خدمت میں آٹھ دس مہینہ مستقل قیام کر کے ان کے کمالات سے فیضیاب ہوئے تھے[4] ان بزرگوں کے فیض نے ان کو امام عصر بنا دیا

فضل و کمال: علمی لحاظ سے وہ اپنے عہد کے امام تھے، حافظ ذہبی ان کو امام، حافظ، فقیہ، اور متقن[5] اور ابن عماد حنبلی امام الحبر العلامہ لکھتے ہیں[5] انھیں جملہ علوم میں یکساں کمال حاصل تھا، ابو اسحٰق الحبال کا بیان ہے کہ شعبی جملہ علوم میں یگانۂ عصر تھے[6] قرآن، حدیث، فقہ، مغازی، ریاضی، اور ادب و شاعری سب میں انھیں یکساں دستگاہ حاصل تھی،

قرآن: قرآن کے نہایت ممتاز قاری تھے، اس کمال کی وجہ سے وہ زعیم القراء کہلاتے تھے[7] تفسیر میں بھی انھیں پورا درک تھا لیکن انتہائی احتیاط کی وجہ سے اوروں نے مفسر کی حیثیت

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۲، [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۷، [3] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۱، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۹،
[5] شذرات الذہب ج اول ص ۱۲۶، [6] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۹، [7] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۵،

سے کوئی شہرت نہیں حاصل کی، وہ تفسیر قرآن میں اتنے محتاط تھے، کہ ہر شخص کے لئے تفسیر میں لب کشائی پسند نہ کرتے تھے، زکریا بن ابی زائدہ کا بیان ہے کہ شعبی ابو صالح کے پاس سے گذرتے تو ان کے کان پکڑ کر کہتے کہ تم قرآن نہیں پڑھتے، اور اسکی تفسیر بیان کرتے ہو؟

حدیث، | حدیث کے جلیل القدر حافظ بلکہ امام العصر تھے، انھوں نے صحابہ کرام اور تابعین کی بڑی جماعت سے سماع حدیث کیا تھا، صحابہ میں حضرت علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، سعید ابن زیدؓ، زید بن ثابتؓ، قیس بن عبادہؓ، قرظہ بن کعبؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، ابو مسعود انصاریؓ، ابوہریرہؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، نعمان بن بشیرؓ، ابو ثعلبہ خشنیؓ، جریر بن عبد اللہ بجلیؓ، بریدہ بن حصیبؓ، براء بن عازبؓ، معاویہؓ، جابر بن عبد اللہؓ، جابر بن سمرہؓ، حارث بن مالکؓ، حبشی بن جنادہؓ، حسین بن علیؓ، زید بن ارقمؓ، ضحاک بن قیسؓ، سمرہ بن جندبؓ، عامر بن شہرؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، عبد اللہ بن مطیعؓ، عبد الرحمٰن بن سمرہؓ، عدی بن حاتمؓ، عروہ بن جعد البارقیؓ، عروہ بن مضرسؓ، عمرو بن امیہؓ، عمرو بن حریثؓ، عمران بن حصینؓ، عوف بن مالکؓ، عیاض اشعریؓ، کعب بن عجرہؓ، محمد بن سیفیؓ، مقدام بن معدیکربؓ، وابصہ بن معبدؓ، ابی جبیرہ بن ضحاکؓ، ابو سریحہ غفاریؓ، ابو سعید خدریؓ، اور صحابیات میں ام سلمہؓ، میمونہ بنت حارثؓ، اسماء بنت عمیسؓ، فاطمہ بنت قیسؓ، اور ام ہانیؓ وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا، ان میں سے بعض سے مرسل روایات ہیں،[1] صحابہ کے علاوہ تابعین کی بہت بڑی تعداد سے استفادہ کیا تھا،[2]

تلاش حدیث میں مشقت، | حدیث کا انھیں خاص ذوق تھا، اور اس کو انھوں نے بڑی جانکاہ مشقتوں سے حاصل کیا تھا، ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ نے اتنا علم کہاں سے حاصل کیا،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۳، [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۶،

انھوں نے جواب دیا غم واندوہ کو بھلا کر ملکوں کی سیاحت کرکے، گدھوں کی طاقت برداشت اور کوؤں کی سحر خیزی سے[1]۔

قوت حافظہ | حافظہ اتنا قوی تھا کہ کبھی کاغذ قلم اور دوات کے مرہون منت نہیں ہوئے، ایک مرتبہ جو حدیث سن لی وہ ہمیشہ کے لئے سینہ میں محفوظ ہو گئی، ان کا خود بیان ہے، کہ میں نے کبھی بیاض کو کتابت سے سیاہ نہیں کیا، یعنی کبھی لکھا نہیں، جب کسی نے کوئی حدیث سنائی تو وہ میرے سینہ میں محفوظ ہو گئی، اور اس کے دوبارہ سننے کی ضرورت بھی محسوس نہ ہوئی[2]۔

اخذ حدیث میں احتیاط | دوسروں سے حدیثوں کے لینے میں وہ بڑے محتاط تھے، ان ہی لوگوں سے احادیث لیتے تھے جو علم کے ساتھ عقل و تقوی کے زیور سے بھی آراستہ ہوتے تھے، اس باب میں ان کا اصول یہ تھا کہ علم اسی شخص سے حاصل کرنا چاہئے، جس میں زہد و عبادت اور عقل و دانش دونوں جمع ہوں، تنہا عقل یا تنہا تقوی رکھنے والا، علم کی حقیقت کو نہیں پا سکتا[3]۔

حدیث میں وسعت علم | اس احتیاط کے باوجود ان کا علم اس قدر وسیع اور ہمہ گیر تھا، کہ احادیث کے بے پایاں ذخیرہ کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھا، ان کا بیان ہے کہ میں نے بیس سال کے عرصہ میں کسی سے کوئی ایسی نئی حدیث نہیں سنی جس سے میں بیان کرنے والے سے زیادہ واقف نہ رہا ہوں[4]، اہل حجاز، بصرہ اور کوفہ تینوں علمی مرکزوں کے محدثین کی احادیث کا ان سے بڑا کوئی حافظ نہ تھا[5] احادیث کے ساتھ سنن کے بھی بڑے عالم تھے، مکحول کا بیان ہے کہ میں نے شعبی سے زیادہ سنت ماضیہ کا عالم نہیں دیکھا[6]، ابن ابی لیلیٰ کہتے تھے، کہ شعبی صاحب آثار تھے، اور ابراہیم صاحب قیاس[7]،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۰، [2] ایضاً ص ۷۰، [3] ایضاً ص ۷۰، [4] ایضاً ص ۷۱، [5] ایضاً ص ۷۱، [6] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۱، [7] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۱

احتیاط فی الحدیث، لیکن اس وسعت علم کے باوجود وہ خود روایت حدیث میں بڑے محتاط تھے، زیادہ روایت کرنا پسند نہ کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ گذشتہ صلحا زیادہ حدیثیں بیان کرنا بُرا سمجھتے تھے، اگر مجھے یہ پہلے سے معلوم ہوتا جو بعد میں معلوم ہوا تو میں صرف محدثین کی متفقہ حدیثیں بیان کرتا[۱]،

روایت بالمعنی لیکن وہ روایت بالمعنی کو خلاف احتیاط نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ وہ روایت میں الفاظ کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے تھے، ابن عون کا بیان ہے کہ شعبی حدیثیں بالمعنی روایت کرتے تھے[۲]،

فقہ، اگرچہ ان کو جملہ علوم وفنون میں یکساں درک حاصل تھا لیکن فقہ ان کا خاص اور امتیازی فن تھا، اس میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ اپنے عہد کے سب سے بڑے فقیہ سمجھے جاتے تھے، ابو الحصین کہتے تھے کہ میں نے کسی کو شعبی سے بڑا فقیہ نہیں پایا، بعض علماء تو انھیں اس عہد کے تمام بڑے بڑے ائمہ پر ترجیح دیتے تھے، ابو مجلز کہتے تھے کہ میں سعید بن مسیب، طاؤس، عطار، حسن بصری اور ابن سیرین کسی کو بھی شعبی سے بلند مرتبہ فقیہ نہیں پایا[۳]،

ابراہیم نخعی جو خود بہت بڑے فقیہ تھے، ان کے تفقہ کے اتنے قائل تھے کہ جو مسئلہ ان کو نہ معلوم ہوتا اس کے سائل کو شعبی کے پاس بھیج دیتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا، انھوں نے لاعلمی ظاہر کی، اسی درمیان میں شعبی گذرتے ہوئے دکھائی دئیے، ابراہیم نخعی نے مستفتی سے کہا ان شیخ کے پاس جاکر پوچھو، اور وہ جو جواب دیں اسے مجھے بتاؤ، چنانچہ سائل نے جاکر ان سے دریافت کیا، انھوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی، نخعی کو یہ جواب معلوم ہوا تو انھوں نے کہا واللہ یہ فقہ ہے[۴]،

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۷۲، [۲] ابن سعد ج ۶ ص۱۷۴، [۳] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۷۴، [۴] ابن سعد ج ۶ ص۱۷۴،

ان کا فقہی کمال اتنا مسلم تھا کہ صحابہ کرام کی موجودگی میں جو علوم نبوی کے حقیقی وارث تھے وہ مسند افتا پر بیٹھ گئے تھے، ابوبکر ہذلی کا بیان ہے کہ ابن سیرین نے مجھے ہدایت کی تھی کہ شعبی کے دامن سے وابستہ رہو، میں نے دیکھا ہے کہ وہ صحابہ کی بڑی تعداد کی موجودگی میں فتویٰ دیتے تھے[1]

جواب میں احتیاط، حدیث کی طرح وہ فقہ میں بھی بڑے محتاط تھے، اور انتہائی احتیاط کی بنا پر وہ عموماً مسائل کے جواب میں اپنی لاعلمی ظاہر کر دیتے تھے صلت بن بہرام کا بیان ہے کہ میں نے کسی ایسے شخص کو جو علم میں شعبی کا ہم پایہ ہو، ان سے زیادہ "لا ادری" کہنے والا نہیں دیکھا،[2]

ابن عون کا بیان ہے کہ شعبی کے پاس جب کوئی سائل آتا تھا تو وہ حتی الامکان جواب سے بچتے تھے، اور ابراہیم برابر جواب دیتے چلے جاتے تھے، شعبی فطرۃً خندہ جبیں اور ابراہیم خشک مزاج تھے، لیکن جب دونوں کے سامنے کوئی فتویٰ پیش ہوتا تھا، تو دونوں کے اوصاف بدل جاتے تھے، شعبی میں انقباض پیدا ہو جاتا تھا، اور ابراہیم میں انبساط[3]

لیکن بہرحال وہ ایک ممتاز عالم اور بلند پایہ فقیہ تھے، کوفہ کی مسند افتا پر تھے، ان کی ذات مرجع خلائق تھی، اس لئے ہمیشہ لا ادری تو کہہ نہیں سکتے تھے، بہت سے مسائل کا جواب دینا ہی پڑتا تھا، پھر بھی وہ اتنی احتیاط ہر حالت میں قائم رکھتے تھے، کہ ان کے جواب کی بنیاد احادیث و سنن پر ہوتی تھی،

وہ جواب میں اپنی رائے کو مطلق دخل نہ دیتے تھے، محمد بن حجادہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شعبی سے ایک مسئلہ پوچھا گیا جس کے بارہ میں ان کے پاس کوئی سند نہ تھی، کسی نے کہا اپنی رائے سے جواب دیدیجئے، فرمایا میری رائے کیا کرو گے، اس پر پیشاب کرو،[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۵، [2] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۴، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۶،

[4] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۴،

قیاس کی عقلی بے حقیقتی، وہ نہ صرف مذہباً عقیدۃً امور شریعہ میں قیاس کو برا سمجھتے تھے، بلکہ عقلاً بھی اس کے قائل نہ تھے، اس کی بے حقیقتی کو انھوں نے ایک مثال کے ذریعہ سے خوب واضح کیا ہے، ایک مرتبہ انھوں نے ابوبکر ہذلی کو اس کی حقیقت سمجھانے کے لئے ان سے پوچھا کہ اگر احنف بن قیس (تابعی جن کے حالات اوپر گذر چکے ہیں) اس عہد کے ایک نامور مدبر) قتل کر دیئے جائیں اور انہی کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ بھی قتل کر دیا جائے تو دونوں کی دیت برابر ہوگی یا احنف کی دیت ان کے عقل اور علم کی وجہ سے زیادہ ہوگی، ابوبکر نے جواب دیا برابر ہوگی، (حالانکہ قیاس کا اقتضا یہ تھا کہ احنف کی دیت زیادہ ہوتی)[۱]

اس احتیاط کا سبب آخرت کے مواخذہ اور دنیا کی انگشت نمائی دونوں کا خوف تھا، کہا کرتے تھے، کہ کاش میں اس علم سے برابر سرابر پر چھوٹ جاتا، نہ مجھ سے انکا مواخذہ ہوتا اور نہ مجھ کو اس کا صلہ ملتا[۲]، فرماتے تھے کہ اگر میں ننانوے سوالوں کا صحیح جواب دوں اور صرف ایک غلط ہو جائے، تو لوگ اسی پر گرفت کریں گے[۳]

مغازی، مغازی کے نہایت ممتاز عالم تھے، خود وہ صحابہ جنھوں نے غزوات میں شرکت کی تھی ان کی علمی واقفیت کے معترف تھے، عبد الملک بن عمیر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شعبی مغازی بیان کر رہے تھے کہ ابن عمرؓ ادھر سے گذرے، انھوں نے سن کر کہا، اگرچہ میں بذات خود مغازی میں شریک ہوا ہوں، لیکن جہاں تک علم کا تعلق ہے یہ مجھ سے زیادہ مغازی سے واقف ہیں[۴]

ریاضی، مذہبی علماء کو عموماً ریاضیات سے کم لگاؤ ہوتا ہے لیکن شعبی اس فن کے بھی ماہر

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۶، [۲] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۴، [۳] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۶،

[۴] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۶،

تھے، اس کی تعلیم انھوں نے مشہور ماہر ریاضی حارث الاعور سے حاصل کی تھی[۱]

فرائض، ریاضی میں مہارت کی وجہ سے فرائض میں پورا درک تھا، اور اس کو غالباً انھوں نے حضرت علیؓ سے سیکھا تھا، بعضوں کے نزدیک آپ سے سیکھا نہ تھا، بلکہ آپ کے اقوال سے استنباط کیا تھا،[۲]

شاعری، شاعری کا نہایت ستھرا مذاق رکھتے تھے، قدماء کے ہزاروں اشعار حفظ تھے، اس کا خود بیان ہے کہ میں اشعار سب سے کم بیان کرتا ہوں، اگر چاہوں تو مسلسل ایک مہینہ تک اشعار سناتا رہوں، اور کوئی شعر مکرر نہ ہونے پائے[۳]، خود بھی شعر کہتے تھے،

حلقۂ درس، صحابہ کی موجودگی ہی میں ان کا حلقۂ درس قائم ہو گیا تھا، ابن سیرین کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں میں کوفہ آیا اس وقت شعبی کا حلقۂ درس قائم تھا، اور اصحاب رسول کی بڑی تعداد موجود تھی[۴]، حلقۂ درس میں ہنگامہ اور شور و غوغا پسند نہ تھا، کہ اس سے آئین تعلیم سے قطع نظر بھی اصل منشا فوت ہو جاتا ہے، اسی لئے آپ حلقۂ درس میں زیادہ مجمع پسند نہ کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ حلقہ جب بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے، تو شور و شغب بنجاتا ہے[۵]

اس سے اس قدر نفرت تھی کہ جن مساجد کے حلقہائے درس میں ہنگامہ ہوتا تھا، انھیں چھوڑ دیتے تھے، صالح بن کیسان کا بیان ہے، کہ ایک مرتبہ ہم اور شعبی ہاتھ میں ہاتھ دیئے، ٹہلتے ٹہلتے مسجد میں پہنچے، حماد کے گرد اُن کے اصحاب کا مجمع تھا، اور بڑا شور و غوغا مچا ہوا تھا، شعبی نے سن کر کہا خدا کی قسم ان بازاریوں نے اس مسجد کو میرے لئے مبغوض بنا دیا ہے، اور یہ کہہ کر لوٹ آئے،[۶]

۱؎ ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۳، ۲؎ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۷، ۳؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۳، ۴؎ ایضاً ص ۷۶،

۵؎ ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۱، ۶؎ ایضاً ص ۱۷۵،

تلامذہ، ان کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا، صرف حدیث میں ان کے تلامذہ کی مختصر فہرست یہ ہے، ابو اسحٰق سبیعی، سعید بن عمرو بن اشوع، اسمٰعیل بن ابی خالد، بیان بن بشر، حصین بن عبد الرحمن، داؤد بن ابی ہند، زبید الیامی، زکریا بن ابی زائدہ، سعید بن مسروق، سلمہ بن کہیل، ابو اسحٰق شیبانی، اعمش، منصور، مغیرہ، سماک بن حرب، عاصم الاحول، ابو الزناد، ابن عون، عبد الملک بن سعید بن ابجر، عون بن عبد اللہ، قتادہ، مجالد بن سعید، مطرف بن طریف اور ابو حیان تیمی وغیرہ[1]

اکابر علما اور ائمہ کا اعتراف، اس عہد کے تمام بڑے بڑے علماء اور ائمہ میں ان کی علمی منزلت مسلم تھی، حسن بصری ان کو کثیر العلم فرماتے تھے[2] امام زہری کہتے تھے، کہ علماء صرف چار ہیں، مدینہ میں ابن مسیب، کوفہ میں شعبی، بصرہ میں حسن بصری اور شام میں مکحول[3] ابن عیینہ کا بیان ہے کہ لوگ کہتے تھے کہ صحابہ کے بعد ابن عباس اپنے زمانہ میں، شعبی اپنے زمانہ میں اور ثوری اپنے زمانہ میں یگانہ تھے[4]

مذہب، شعبی ابتدا میں شیعہ تھے، لیکن پھر ان کے ناپسندیدہ اعمال دیکھ کر اور ان کے فاسد خیالات اور غیر معتدل باتیں سن کر اس مذہب سے تائب ہو گئے، اور اس کی مذمت کرنے لگے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے، کہ اگر شیعہ طیور میں ہوتے تو مردار خوار طائر ہوتے، اور اگر چوپایوں میں سے ہوتے تو گدھے ہوتے[5] لیکن اہل سنت کے عقائد اختیار کرنے کے بعد بھی انھوں نے عام تبدیل مذہب کرنے والوں کی طرح جادۂ اعتدال سے باہر قدم نہیں نکالا، چنانچہ فرماتے تھے کہ صالح مومنین اور صالح بنی ہاشم کو دوست رکھو لیکن شیعہ نہ بنو، جو چیز تمہارے

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۶، [2] ایضاً ص ۶۶، [3] ابن خلکان ج اول ص ۲۴۴، [4] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۶، [5] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۳،

علم میں نہیں ہے، اس میں بھلائی کی امید رکھو، لیکن مُرجی نہ بنو، اس کا یقین رکھو کہ بھلائیاں[1] خدا کی جانب سے ہیں، اور برائیاں تمہارے نفس کی جانب سے، لیکن قدری نہ بنو، جس شخص کو تم اچھے اعمال کرتے دیکھو، خواہ وہ نک چپٹا سندھی کیوں نہ ہو اسے دوست رکھو[5]

بعض حکیمانہ مقولے، | آپ کے بعض حکیمانہ مقولے نہایت حقیقت سے لبریز ہیں، فرماتے تھے کہ فقیہ وہ ہے جو خدا کے محارم سے بچتا ہے، اور عالم وہ ہے جو خدا کا خوف کرتا ہے، تم لوگ کم استعداد علماء اور جاہل عبادت گذاروں سے بچتے رہو[2]

عادات وخصائل، | شعبی طبعاً نہایت نرم خو اور حلیم تھے، حضرت حسن بصری فرماتے تھے کہ واللہ شعبی بڑے صاحب علم، بڑے حلیم الطبع تھے[3]، نرم خو ایسے تھے کہ کبھی اپنے غلام تک کو نہ مارتے تھے[4]، بڑے فیاض اور اعزہ شناس تھے، جب ان کا کوئی عزیز قرض چھوڑ کر مرجاتا تھا، تو اپنی جیب سے اس کا قرض ادا کرتے تھے[5]

ظرافت وخوش طبعی | علمی مرتبہ کیساتھ ساتھ وہ بڑے ظریف، خوش طبع اور بذلہ سنج تھے، کان منہ الاحا[6] ظرافت کا مادہ اتنا غالب تھا کہ بات بات میں لطائف پیدا کرتے تھے، ان کے بہت سے لطائف کتابوں میں مذکور ہیں جن میں سے بعض نمونۃً نقل کئے جاتے ہیں،

ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے پوچھا، ابلیس کی بیوی کا کیا نام ہے، جواب دیا میں اس کی شادی میں شریک نہیں ہوا تھا، کہ معلوم ہوتا[6]، ایک مرتبہ ایک شخص نے حرامی لڑکے کے بارہ میں پوچھا کہ کیا تینوں (ماں باپ خود) میں سب سے زیادہ شر وہی ہوتا ہے، جواب[7] دیا، اگر سب میں زیادہ شر وہی ہوتا تو اس کے پیٹ ہی میں ہونے کی حالت میں اس کی

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۳، [2] شذرات الذہب ج اول ص ۱۲۷، [3] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۸، [4] تذکرۃ الحفاظ ج ص ۷۸، [5] ایضاً، [6] ابن خلکان ج اول ص ۲۴۴، [7] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۸،

ماں سنگسار کر دیجاتی[۱]

عمرو بن سعید کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ شعبی سے کہا کہ آپ نے مجھ سے ایک حدیث بیان کی تھی وہ اب میرے حافظہ سے جاتی رہی، انھوں نے کہا کچھ بتاؤ تو معلوم ہو، میں نے کہا کچھ بھی یاد نہیں، شعبی نے ایک حدیث سنا کر کہا یہ تو نہیں ہے، میں نے کہا نہیں، انھوں نے دوسری بیان کر کے کہا شاید یہ ہو، میں نے کہا یہ بھی نہیں، آخر میں انھوں نے یہ عاشقانہ شعر پڑھ کر کہا ممکن ہے یہ ہو[۲]

هنیئا مریا غیر داء مخامر　　　لعزة من اعراضنا استحلت

ایک مرتبہ حجاج نے پوچھا، کم عطاوک فی السنۃ، سال میں تمھارا وظیفہ کتنا ہے (زبان کے لحاظ سے اس موقع پر فی السنۃ کہنا درست نہیں ہے) اس لیے شعبی نے بھی غلط جواب دیا، الفین (دو ہزار) حالانکہ الفین کے بجائے الفان کہنا چاہیئے، اس ٹوکنے پر حجاج نے اپنی غلطی محسوس کر کے فوراً اس کی تصحیح کی، کم عطاوک، تمھارا وظیفہ کتنا ہے، اس وقت شعبی نے بھی صحیح جواب دیا کہ الفان حجاج نے کہا پہلے تم نے عربی میں کیوں غلطی کی، جواب دیا، امیر نے غلطی کی تھی، جب امیر نے صحیح کہا تو میں نے بھی تصحیح کر لی، میری یہ مجال نہ تھی کہ امیر تو غلط بولیں اور میں صحیح بولوں[۳]

ایک مرتبہ ایک شخص ان کے گھر ان سے ملنے گیا، گھر میں میاں بیوی دونوں تھے، شعبی خلقۃً نہایت کمزور اور پست قامت تھے، اس لئے آنے والے نے مذاق سے پوچھا شعبی ان میں سے کون ہے، شعبی نے بیوی کی طرف اشارہ کر دیا[۴]

---

۱ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۶، ۲ ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۴، ۳ ابن خلکان ج اول ص ۲۴۴،

۴ ایضاً،

ایک مرتبہ ایک درزی سے مذاقاً پوچھا میرے پاس ایک ٹوٹا ہوا دانہ ہے اس کو سی سکتے ہو، درزی حاضر جواب تھا، بولا اگر آپ کے پاس ہوا کا تاگا ہو تو سی دوں گا۔[۱]

ایک مرتبہ ایک نصرانی کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ اسلامی سلام کیا، ایک شخص نے اعتراض کیا شعبی نے جواب دیا کہ اگر اس پر اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو وہ ہلاک ہوگیا ہوتا۔[۲] (اس لئے میں نے رحمۃ اللہ کہنے میں کیا غلطی کی)

اپنے بعض معاصرین کو جن سے زیادہ بے تکلفی تھی اپنی بذلہ سنجی سے اسقدر پریشان کرتے تھے کہ وہ ان کے پاس جاتے ہوئے ڈرتے تھے، ایک مسئلہ کی تحقیق کے سلسلہ میں غیاث کے لڑکے حفص نے غیاث سے کہا آپ جاکر شعبی سے پوچھ لیجئے غیاث نے کہا میں انکے پاس کیسے جاؤں وہ جب مجھے دیکھتے ہیں میرا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں، اور مجھ سے کہتے ہیں تمھاری جو ہیئت ہے علماء کی یہی ہیئت ہوتی ہے، یہ تو جلاہوں کی ہیئت ہے، اور جب میں ابراہیم کے پاس جاتا ہوں تو وہ میری عزت کرتے ہیں۔[۳]

شعبی کا تعلق دولت بنی امیہ سے، اموی حکومت میں شعبی مختلف اوقات میں مختلف خدمات اور عہدوں پر مامور ہوتے رہے، حجاج انھیں بہت مانتا تھا، اس لئے اپنے دورِ امارت میں انکو بہت آگے بڑھایا، ان کے وظیفہ میں اضافہ کیا، انھیں ان کے قبیلہ کا امام اور عریف (چودھری) بنایا، اور سرکاری وفود میں عبدالملک کے پاس بھیجتا تھا،[۴] ایک مرتبہ رتبیل والی سجستان کے یہاں سفیر بناکر بھیجا، جہاں انھیں انعام واکرام ملا۔[۵]

ایک اہم سفارت، ان کے فہم و تدبر کی وجہ سے خود عبدالملک نہایت اہم خدمات ان کے متعلق کرتا تھا، اور بڑی بڑی سفارتوں میں ان کو بھیجتا تھا، ان میں سے ایک سفارت کا

---

[۱] شذرات الذہب ج اول ص۱۲۷ [۲] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۷۶ [۳] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۷۶،

[۴] ابن سعد ج ۶ ص۱۷۱ [۵] ایضاً ص۱۷۱

واقعہ لائق ذکر ہے، اس کی تفصیل خود ان کی زبان سے سنو، بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ عبدالملک نے مجھ کو ایک سفارت میں قیصر روم کے پاس بھیجا، وہاں پہنچنے کے بعد قیصر نے مجھ سے جس قدر سوالات کئے میں نے سب کے شافی جوابات دیئے عموماً وہاں سفراء کے زیادہ دنوں تک ٹھہرنے کا دستور نہ تھا لیکن اس نے مجھ کو بہت دنوں تک روکے رکھا، یہاں تک کہ میں گھبرا کر لوٹنے کے لئے آمادہ ہوگیا، اس وقت اس نے مجھ سے پوچھا کیا تم شاہی گھرانے سے ہو؟ میں نے کہا نہیں، بلکہ عام عربوں میں سے ہوں، یہ سن کر اس نے زیر لب کچھ کہا، اور ایک رقعہ مجھے دیا کہ اپنے بادشاہ کو میرے پیغامات پہنچانے کے بعد یہ رقعہ دیدینا، میں نے واپس ہوکر پیامات تو پہنچادیئے مگر وہ رقعہ دینا بھول گیا، دارالخلافتہ سے نکلتے وقت وہ رقعہ یاد آیا، اس وقت میں نے واپس ہوکر اس کو عبدالملک کے حوالہ کیا، اس نے رقعہ پڑھکر مجھ سے پوچھا قیصر نے رقعہ دینے سے پہلے تم سے کچھ کہا بھی تھا، میں نے کہا ہاں اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا تم شاہی خاندان سے ہو؟ میں نے جواب دیا نہیں میں عام عربوں میں سے ہوں، یہ کہہ کر میں واپس ہوگیا، دروازہ تک پہنچا تھا کہ عبدالملک نے پھر بلالیا، اور پوچھا تم کو رقعہ کا مضمون معلوم ہے میں نے کہا نہیں، اس نے پڑھنے کو کہا، میں نے اسے پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ "مجھے اس قوم پر حیرت ہوتی ہے کہ ایسے شخص کے ہوتے ہوئے اس نے ایک دوسرے شخص کو بادشاہ کیسے بنایا" یہ تحریر پڑھکر میں نے عبدالملک سے کہا، خدا کی قسم اگر مجھے پہلے سے اس مضمون کا علم ہوتا تو میں کبھی اسے نہ لاتا، اس نے ایسا اس لئے لکھا کہ آپ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، عبدالملک نے مجھ سے پوچھا تم سمجھے اس لکھنے کا مقصد کیا ہے، میں نے کہا نہیں، عبدالملک نے کہا مجھے تمہارے خلاف بھڑکا کر تمہارے قتل پر آمادہ کرنا چاہا ہے، قیصر کو عبدالملک کا یہ قیاس معلوم ہوا تو اس نے کہا واقعی میرا یہی مقصد تھا۔[1]

[1] ابن خلکان ج اول ص ۲۶۴

حجاج اور عبد الملک کی مخالفت، لیکن اموی حکومت کے ساتھ ان کے یہ روابط زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکے، ابن اشعث کے ہنگامہ کے زمانہ میں شعبی نے حجاج اور عبد الملک کی مخالفت میں ابن اشعث کا ساتھ دیا، اس واقعہ کے متعلق انکا بیان ہے کہ حجاج نے مجھ کو میری قوم کا عریف اور کوپرے ہمدان کا معتمد بنایا، اور وظیفہ مقرر کیا تھا، ابن اشعث کے ہنگامے تک اس کے یہاں میری قدر و منزلت قائم رہی، ابن اشعث کے انقلاب میں کوفہ کے قاریوں نے آکر مجھ سے کہا کہ آپ قاریوں کے زعیم ہیں، اس لئے ہمارا ساتھ دیدیجئے، اور اتنا اصرار کیا کہ مجھ سے ان کے ساتھ ہو جانا پڑا، چنانچہ میں میدان جنگ میں گیا، ان کے درمیان کھڑے ہو کر لوگوں کے سامنے حجاج کے عیوب بیان کر کے انھیں اس کے خلاف ابھارتا تھا[1]،

شکست اور روپوشی، دیر جماجم کے معرکہ میں ابن اشعث کو نہایت فاش شکست ہوئی اور اس کی قوت پارہ پارہ ہو گئی، اس وقت شعبی روپوش ہو گئے، ایک روایت یہ ہے کہ وہ حجاج کی سفاکیوں کے خوف سے نو مہینہ تک اپنے گھر کے دروازے بند کئے بیٹھے رہے، نو مہینہ کے بعد قتیبہ بن مسلم نے خراسان پر فوج کشی کا ارادہ کیا، اور لوگوں کو اس میں شرکت کی ترغیب دینے کے لئے اعلان کرا دیا کہ جو شخص فوج میں بھرتی ہو جائیگا، اس کی گذشتہ خطائیں معاف کر دیجائیں گی، اس اعلان پر شعبی فوج میں شامل ہو گئے، اور فرغانہ پہنچے، قتیبہ انھیں پہچانتا نہ تھا، ایک دن وہ مجلس عام میں بیٹھا ہوا تھا، شعبی نے اپنی علمی خدمات اس کے سامنے پیش کیں، کہ مجھے علم و فن میں درک ہے، قتیبہ نے پوچھا تم کون ہو، وہ اگرچہ انھیں پہچانتا نہ تھا لیکن نام سے واقف تھا، اس لئے شعبی نے کہا یہ نہ پوچھو، قتیبہ نے بھی کوئی زیادہ اصرار نہیں کیا، اس کو حجاج کے پاس بعض فتوحات کی اطلاع بھیجنی تھی، اس لیے اس نے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۶،

ان کو مسودہ لکھنے کا حکم دیا، اونھوں نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں اور اسی وقت زبانی بول کر لکھوا دیا، قتیبہ نے اس تحریر کو بہت پسند کیا، اور اس کے صلہ میں ان کو ایک خچر اور حریر کا ایک حلہ دیا، اس کے بعد شعبی بڑی قدر و منزلت کے ساتھ رہنے لگے، رات کو قتیبہ انھیں اپنے ساتھ دسترخوان پر کھلاتا تھا،

گرفتاری حجاج شعبی کا انداز تحریر پہچانتا تھا، اس لئے قتیبہ کا خط دیکھ کر پہچان گیا کہ شعبی کے علاوہ اور کوئی اس کا لکھنے والا نہیں ہو سکتا، چنانچہ فوراً قتیبہ کو لکھا کہ تمھارا خط لکھنے والے شعبی ہیں، انھیں فوراً گرفتار کر لو، اگر وہ بچ کر نکل گئے تو تمھیں معزول کر کے تمھارے ہاتھ پاؤں کٹوا دوں گا، یہ حکم پڑھکر قتیبہ نے شعبی سے کہا کہ میں نے اب تک آپ کو نہ پہچانا تھا، آپ آزاد ہیں جہاں آپ کا دل چاہے چلے جائیے، میں حجاج کے سامنے ہر قسم کی قسم کھا لونگا، شعبی نے کہا اگر میں چلا بھی جاؤں تو میرا جیسا شخص چھپا نہیں رہ سکتا، قتیبہ نے کہا اسے آپ زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں، غرض ان کے انکار پر اس نے ان کو حجاج کے پاس بھجوا دیا، واسط کے قریب ان کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں، کوفہ میں یزید بن ابی مسلم سے جو ان سے ملنے کو آئے تھے، ملاقات ہوئی، اونھوں نے ان سے کہا کہ ابو عمرو جب تم امیر کے سامنے پیش کئے جاؤ تو تم اس اس طرح سے اور یہ یہ کہنا، امید ہے کہ تمھاری جان بچ جائیگی، غرض وہ پابجولاں حجاج کے سامنے پیش کئے گئے،[۱]

دوسری روایت میں اس واقعہ کی صورت مختلف ہے، اس میں صرف اس قدر ہے کہ دیر جماجم کے معرکہ کے بعد شعبی عرصہ تک روپوش رہے، اور یزید بن ابی مسلم کو لکھا کہ تم حجاج سے باتیں کر کے میری صفائی کرا دو، انھوں نے جواب دیا کہ مجھ میں اتنی جرأت نہیں ہے،

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۴ و ۷۵،

البتہ میرا یہ مشورہ ہے کہ تم چلے آؤ اور دربار عام کے وقت امیر کے سامنے دفعۃً جاکر اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے معذرت پیش کرو۔ اس کا میں وعدہ کرتا ہوں، کہ تم مجھے جس چیز کا شاہد بناؤ گے میں تمہاری صفائی میں گواہی دوں گا،

رہائی، شعبی نے اس مشورہ پر عمل کیا اور ایک دن دفعۃً حجاج کے سامنے پہنچ گئے، اس نے دیکھتے ہی کہا اخاہ شعبی ہیں پھر ان کے سامنے اپنے تمام احسانات جو ان پر کئے تھے گنائے یہ میرا احسان کا اقرار کرتے جاتے تھے، آخر میں حجاج نے پوچھا تم نے عدو الرحمن (عبدالرحمن بن اشعث) کا ساتھ کیوں دیا، شعبی نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے ندامت ظاہر کی انکے اعتراف اور انفعال پر حجاج نے ان کی خطا معاف کر دی[1]،

قضائت، عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں کوفہ کے منصب قضا پر مامور ہوئے[2]،

وفات، باختلاف روایت ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ میں دفعۃً انتقال کیا، انتقال کے وقت ۸۲ سال کی عمر تھی[3] لیکن ۸۲ سال کی عمر صحیح نہیں معلوم ہوتی، اس لئے کہ وہ جلولاء کے سال یعنی ۱۵ھ میں پیدا ہوئے، اور ۱۰۳ھ ۱۰۴ھ میں انتقال ہوا اس حساب سے ۸۲ سال سے کچھ اوپر عمر رہی ہوگی،

حلیہ، توام پیدا ہوئے تھے، اس لئے خلقۃً نہایت کمزور اور نحیف تھے،

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۵ ملخصاً، [2] ایضاً ص ۱۷۴، [3] ایضاً ص ۱۷۸،

۳۷- عامر بن عبداللہ

نام ونسب، عامر نام، ابو عمر کنیت، نسب نامہ یہ ہے، عامر بن عبداللہ بن قیس بن ثابت بن اسامہ بن حذیفہ بن معاویہ تمیمی عنبری،

تابعین کرام کا نمایاں اور مشترک وصف ان کا علم وعمل اور خدمت علم ودین تھا لیکن ان میں ایک مختصر جماعت ایسی بھی تھی جس نے نہ صرف تمام دنیاوی علائق کو چھوڑ دیا تھا بلکہ علم کی بساط بھی تہ کر کے محض عبادت وریاضت، یاد الٰہی، اور تزکیۂ روح کو اپنا مقصد قرار دیا تھا، عامر بھی اسی مقدس جماعت کے ایک ممتاز فرد تھے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ بڑے بلند مرتبہ اور مرتاض تابعین میں تھے، کعب احبار جو خود ایک بڑے تارک الدنیا تابعی تھے، عامر کو "امت محمدیہ کے راہب" کے لقب سے یاد کرتے تھے[1]

عامر پر یہ رنگ ایسا گہرا چھایا ہوا تھا، اور ان کے ہر عمل میں یہ خصوصیت ایسی نمایاں تھی، کہ ان کی زندگی کے دوسرے حالات کو زہد وورع سے جدا کر کے دکھانا مشکل ہے، ان کا کوئی عمل اس روح سے خالی نہ تھا جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا،

عہد فاروقی، عامر گو زاہد خلوت نشین تھے، لیکن شرف جہاد حاصل کرنے کے لئے، وہ اسلامی مہمات میں شریک ہوتے تھے، سب سے اول وہ عہد فاروقی میں مدائن کی مہم میں نظر آتے ہیں[2]، اگرچہ تصریح کے ساتھ دوسری مہمات میں ان کی شرکت کا پتہ نہیں چلتا، لیکن

---

[1] اصابہ ج ۵ ص ۶۴، [2] ایضاً،

اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکثر مہمات میں شریک رہتے تھے، قتادہ کا بیان ہے کہ عامر جب غزوات میں جاتے اور راستہ میں جھاڑیاں ملتیں اور ان سے کہا جاتا کہ اس میں شیر کا خوف ہے، تو جواب دیتے کہ مجھے خدا سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور کا خوف کروں[1]

حضرت عثمانؓ کی مخالفت، حضرت عثمانؓ کے خلاف جو انقلاب برپا ہوا تھا، اس کے تین بڑے مرکز تھے، بصرہ، کوفہ، اور مصر، اس انقلاب کے شعلوں کی لپٹ میں بعض بڑے صحابہ تک آگئے تھے، بصرہ عامر کا وطن تھا، گو وہ اس فتنہ میں مبتلا نہ ہوئے تاہم ان کا دامن اس سے بالکل محفوظ بھی نہ رہ سکا، اور وہ بھی مخالفین عثمانؓ کے دام میں پھنس کر ان کے ساتھ ہوگئے اور ایک موقع پر اہل بصرہ نے انھیں حضرت عثمانؓ کے پاس اپنا نمایندہ بنا کر بھیجدیا، انھوں نے مدینہ جاکر برملا حضرت عثمانؓ کے سامنے اپنے خیالات ظاہر کئے کہ کچھ مسلمانوں نے مجتمع ہوکر آپ کے عمال کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ آپ سے بہت سے بُرے افعال سرزد ہوئے ہیں، اس لئے خدا کا خوف کیجئے اور اس کے سامنے آئندہ کے لئے توبہ کیجئے، حضرت عثمانؓ ان کے حقیقی حالات سے اب تک ناواقف تھے، اس لئے ان کی باتیں سنکر فرمایا، لوگو ذرا انھیں دیکھو یہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر گفتگو کرنے کے لئے آئے ہیں، لوگ انھیں قاری سمجھتے ہیں، حالانکہ انھیں یہ بھی خبر نہیں کہ خدا ہے کہاں، عامر نے یہ کلمات سن کر قرآن کی اس آیت

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ — تمھارا رب تاک میں ہے،

کی طرف اشارا کر کے کہا خدا کی قسم میں خوب جانتا ہوں وہ نافرمانوں کی تاک میں ہے،[2] اس گفتگو کے بعد عامر بصرہ واپس چلے آئے،

بعض مذہبی الزامات، خلیفۂ وقت کے ساتھ اس سیاسی اختلاف کے علاوہ عامر پر بعض مذہبی

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق ۱، ص ۷۶، [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۱۱

الزام تھے، یا ان کی طرف منسوب کئے جاتے تھے کہ وہ شادی نہیں کرتے، گوشت نہیں کھاتے، اپنے کو حضرت ابراہیمؑ سے بہتر یا ان کا مثل سمجھتے ہیں، حکومت کے ساتھ ان کا سیاسی اختلاف ہو ہی چکا تھا، اس لئے ان کے بعض مخالفین نے والی بصرہ کو ان باتوں کی خبر کر دی اس نے حضرت عثمانؓ کو اطلاع دیدی عامر بصرہ کے مقتدیٰ تھے ان کی جانب غلط خیالات کے انتساب سے عوام کے گمراہی میں مبتلا ہونے کا خطرہ تھا، اس لئے بارگاہ خلافت سے تحقیقات کا حکم آیا اور صحت کی صورت میں شام بھیجدیئے جانے کی ہدایت ملی، اس حکم پر والی بصرہ نے عامر سے مذکورۂ بالا الزاموں کو پیش کر کے اس کا جواب طلب کیا، انھوں نے جواب دیا، کہ میں نے عورتوں کو اس لیے چھوڑا ہے کہ جب بیوی ہوگی تو اولاد بھی ہوگی اور اولاد ہوگی کہ دنیا میرے دل میں بس جائیگی، گوشت اس لئے نہیں کھاتا کہ میں مجوسیوں کے ملک میں رہتا ہوں، اور اس کی کوئی ضمانت و شہادت نہیں ہوتی کہ یہاں کا گوشت مردار کا گوشت نہیں ہے، اس لئے مجھے اس پر اطمینان نہیں ہوتا، حضرت ابراہیمؑ سے برتر ہونے کے سوال کا میں اس کے علاوہ کوئی جواب نہ دوں گا کہ میری آرزو ہے کہ کاش میں انکے پاؤں کی وہ خاک ہوتا جو اُن کے قدموں سے لگ کر جنت میں جائیگی، ایک سیاسی الزام امراء و حکام دولت سے نہ ملنے کا تھا، اس کا جواب یہ دیا کہ تم لوگوں کے دروازوں پر حاجت مندوں کا ہجوم رہتا ہے، ان کی حاجت روائی کیا کرو، اور بے غرض لوگوں کو انکے حال پر رہنے دو۔[1]

جلاوطنی، جیسا کہ اوپر کے جوابات سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی الزامات تحقیقات کے بعد غلط نکلے لیکن سیاسی اور انتظامی حیثیت سے عامر بصرہ سے شام بھیجدیئے گئے، امیر معاویہؓ نے

---

[1] یہ واقعات ابن سعد کی مختلف روایات سے ماخوذ ہیں:

انھیں نہایت عزت واحترام کے ساتھ ٹھہرایا، ان کی خدمت کے لئے ایک لونڈی مقرر کر کے اسکو ہدایت کر دی کہ ان کے حالات ومشاغل دیکھ کر انھیں اطلاع دیتی رہے، شام آنے کے بعد بھی ان کے معمولات ومشاغل میں کوئی فرق نہ آیا تھا، چنانچہ وہ روزانہ صبح کو سویرے گھر سے نکل جاتے تھے اور شام کی تاریکی میں واپس آتے، امیر معاویہ ان کے لیے کھانا بھیجتے تھے، عامر اسکو مطلق ہاتھ نہ لگاتے، کہیں سے روٹی کا ایک ٹکڑا لیتے آتے، اسی کو پانی میں بھگو کر کھا لیتے اور وہی پانی اوپر سے پی کر عبادت میں مصروف ہو جاتے اور رات سے صبح تک مصروف رہتے، لونڈی نے امیر معاویہ کو یہ حالات بتائے، انھوں نے حضرت عثمانؓ کو لکھ بھیجے، جب آپ کو عامر کی اصل حقیقت معلوم ہوئی تو امیر معاویہ کو انھیں مقرب بنانے اور دس غلام اور دس سواریاں آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا حکم دیا، امیر معاویہ نے عامر کو اطلاع دی کہ امیر المومنین نے مجھے آپ کی خدمت میں دس غلام اور دس سواریاں پیش کرنے اور آپ کو مقرب بنانے کا حکم دیا ہے، انھوں نے جواب دیا ایک شیطان پہلے سے مسلط ہے، اسی کا بار کیا کم ہے کہ دس غلاموں کا بار اٹھاؤں، ایک خچر میرے پاس ہے، وہ سواری کے لئے کافی ہے، مجھ کو خوف ہے کہ قیامت کے دن خدا مجھ سے فاضل سواریوں کے متعلق بھی باز پرس کرے، رہ گئی عزت وتقرب تو اس کی مجھ کو کوئی خواہش نہیں ہے،[۵]

واپسی سے انکار اور شام کی مستقل اقامت،

عامر کے اصل حالات معلوم ہونے کے بعد امیر معاویہ نے ان سے کہا کہ اگر آپ کا دل چاہے تو آپ بصرہ واپس جا سکتے ہیں، انھوں نے جواب دیا اب میں ایسے شہر میں واپس نہ جاؤں گا جہاں کے باشندوں نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا، غرض وہ بصرہ تو واپس نہ ہوئے لیکن حکومت کی نگرانی ان پر سے اٹھ گئی، اور وہ

۵؎ ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۷۷ و ۷۸،

ساحلی علاقے کی طرف نکل گئے، کبھی کبھی امیر معاویہ سے ملنے کو چلے آتے تھے، امیر معاویہ ان سے ان کی ضروریات پوچھا کرتے، یہ ہمیشہ یہی جواب دیتے کہ میری کوئی ضرورت ہی نہیں ہے، جب معاویہ کا اصرار زیادہ بڑھا تو یہ فرمایش کی کہ "شام کے سرد موسم کی وجہ سے روزوں کی گرمی اور چاشنی کا لطف جاتا رہا، اگر ہو سکے تو بصرہ کی جیسی گرمی یہاں پیدا کر دو"۔[۱]

وطن سے بے تعلقی، عامر جیسے بے نیاز شخص کے لئے وطن اور پردیس سب برابر تھے، وطن میں ان کے لئے کوئی خاص کشش نہ تھی، پھر شام جیسی مقدس اور انبیاء و صلحا کا موطن و مدفن سرزمین مل گئی تھی، اس لئے رہا سہا وطن سے جو تعلق باقی تھا وہ بھی منقطع کر لیا، اور وطن اور اہل وطن سب کو بھلا کر یاد الہٰی میں مصروف ہو گئے، بصرہ سے جو لوگ شام آتے اور ملنے کے لئے ان کے پاس جاتے ان کی ملاقات بھی عامر کے لئے کوئی خوشگوار باقی نہ رہ گئی تھی، قاضی عبید اللہ بن حسن کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں شام گیا، تو عامر سے ملاقات کے لئے انھیں تلاش کیا، معلوم ہوا کہ وہ ایک مقام پر ایک بوڑھی عورت کے یہاں آتے جاتے ہیں، یہ پتہ پا کر میں اس عورت کے یہاں پہنچا، اس نے کہا وہ شب و روز اس پہاڑ کے دامن میں روزہ نماز میں مشغول رہتے ہیں، اگر تم ان سے ملنا چاہتے ہو تو افطار کے وقت جاؤ، اس وقت وہ ضرور ملیں گے، چنانچہ میں افطار کے وقت پہاڑ کے دامن میں پہنچا، عامر موجود تھے، میں نے سلام کیا، انھوں نے ملنے کے بعد صرف ایک شخص کا اور وہ بھی ایسے شخص کا حال پوچھا جس سے میں صرف ایک دن قبل مل چکا تھا، اپنے وطن اور اہل وطن کا کوئی حال نہیں دریافت کیا، یہ بھی نہیں پوچھا کہ کون زندہ ہے، کون مر گیا، کھانے تک کا بھی مجھ سے اخلاق نہیں کیا، یہ خلاف امید باتیں دیکھ کر میں نے کہا میں آپ میں عجیب باتیں پاتا ہوں، فرمایا کیا میں نے

[۱] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۱۵

کہا کہ آپ کو ہم لوگوں سے جدا ہوئے مدت گذر گئی، لیکن آپ نے ان میں سے کسی کا حال نہیں پوچھا، اور پوچھا بھی تو ایک ایسے شخص کا جس سے میں صرف ایک دن پہلے مل چکا تھا، فرمایا میں نے تم کو صالح پایا اس لئے تمھارے متعلق کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی، میں نے عرض کیا، وطن سے تازہ وارد تھا، آپ نے یہ بھی نہ پوچھا کہ کون مرگیا کون زندہ ہے، فرمایا ایسے لوگوں کے متعلق کیا پوچھتا کہ جو مرچکے وہ ختم ہوچکے، اور جو نہیں مرے ہیں، وہ عنقریب مرنے والے ہیں، میں نے کہا آپ نے شب کے کھانے کے متعلق بھی مجھ سے اخلاق نہیں کیا، فرمایا میں جانتا تھا کہ تم امیرانہ غذا کھاتے ہو اس لئے خشک اور روکھی سوکھی غذا کے لئے کیا پوچھتا[1]

مجاہدات و نفس کشی، عام عبادت و ریاضت اور زہد و ورع کے ابتدائی مراحل کو طے کرکے مجاہدہ اور نفس کشی کی اس معراج تک پہنچ گئے تھے، جہاں کسی دنیاوی دل فریبی بلکہ آرام و راحت کا گذر نہ تھا، انھوں نے نفس کشی اور مجاہدات کو اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا، ایک زمانہ میں فرمایا کرتے تھے، کہ اگر ہوسکا تو زندگی کا صرف ایک مقصد بنا لوں گا[2]، انھوں نے اس عزم کو اس کامیابی کے ساتھ پورا کیا کہ دنیا کی ان تمام نعمتوں اور لذتوں کو جن سے اس مقصد عظیم میں خلل پڑنے کا احتمال تھا منقطع کردیا، وہ خدا سے دعا کیا کرتے تھے کہ "میرے دل سے عورتوں کی خواہش دور کردے، کہ یہ شے میرے دین کے لئے سب سے زیادہ خطرناک ہے، اپنے ماسوا کا خوف دل سے نکال دے، اور آنکھوں سے نیند اڑا دے کہ جس طرح چاہوں آزادی سے رات دن تیری عبادت کرسکوں، خدا نے ان کی پہلی دو دعائیں قبول کیں، لیکن ایک عرصہ تک نیند پر پورا قابو حاصل نہ ہوسکا[3] آپ فرماتے تھے کہ دنیا چار چیزوں کا نام ہے، خواب و خور، دولت اور عورت، دو چیزوں یعنی عورت اور مال سے میں نے نفس کو

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۹ و ص ۱۰، [2] ایضاً ص ۶، [3] ایضاً ص ۵،

روک لیا ہے، مال کی مجھے حاجت نہیں، اور عورت اور دیوار میرے نزدیک دونوں برابر ہیں لیکن نیند اور کھانے پر ابھی پورا قابو نہیں ہے، لیکن خدا کی قسم میں ان دونوں خواہشوں کو مٹانے میں اپنی پوری امکانی کوشش صرف کر دوں گا، نیند اڑانے اور بھوک بھگانے کی یہ تدبیر نکالی تھی کہ رات بھر جاگ کر عبادت کرتے تھے، اور دن کو روزہ رکھکر سوتے تھے[1]

شام کے زمانہ قیام میں سارا دن روزے میں گذرتا تھا اور پوری رات نماز میں بسر ہوتی تھی، غذا میں صرف روکھی روٹی تھی، جس کو پانی میں بھگو کر کھا لیتے تھے[2] اس مجاہدہ وریاضت نے جسم کو ایسا زار ونزار کر دیا تھا، کہ دیکھنے والوں کو رحم آتا تھا، ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا کہ اپنے اوپر آپ بڑا ظلم کرتے ہیں، آپ نے اپنے ہاتھوں کا چمڑا پکڑ کے فرمایا، خدا کی قسم اگر ہو سکا تو اس کو ایسا بنا دوں گا کہ زمین کو اس سے بہت کم تری ملے[3] ماسوا اللہ سے بے خوفی کا یہ حال تھا کہ وحشی حیوانوں تک سے نہیں ڈرتے، قتادہ کا بیان ہے کہ عامر جب غزوات میں شریک ہوتے تھے، اور راستہ میں جھاڑیاں ملتیں اور ان سے کہا جاتا کہ ان میں شیر کا ڈر ہے تو جواب دیتے کہ مجھے خدا سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ اس کے علاوہ کسی کا خوف کروں[4]،

عبادت میں اخفاء عبادت میں ہمیشہ اخفاء کا اہتمام رکھتے تھے، اس لئے عام نگاہوں سے چھپکر عبادت کرتے تھے، ان کے ایک شریک سفر کا جو کسی جہاد میں ہمراہ تھے، بیان ہے کہ ایک مہم میں میرا اور عامر کا ساتھ ہو گیا، ایک جھاڑی کے پاس منزل ہوئی، عامر نے اپنا سامان ایک جگہ جمع کیا، اور گھوڑے کو باندھ کر اس کے سامنے چارہ ڈال کر جھاڑی میں گھس گئے، میں نے طے کیا کہ آج میں ان کو ضرور دیکھوں گا، کہ وہ رات کو کیا کرتے ہیں، چنانچہ میں

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۷۵؛ [2] ایضاً ص ۷۶؛ [3] ایضاً ص ۷۶، [4] ایضاً

نگرانی شروع کی وہ جاکر ایک ٹیلہ پر نماز میں مشغول ہوگئے، اور صبح تک نماز پڑھتے رہے، طلوع صبح کے وقت انھوں نے یہ دعا مانگی "خدایا میں نے تجھ سے تین چیزیں مانگی تھیں، دو تو نے عطا فرمائیں اور ایک نہیں دی، خدایا وہ بھی دیدے کہ میں حسب خواہش تیری عبادت کرسکوں" یہ دعا کرتے کرتے صبح ہوگئی، اس وقت مجھ پر ان کی نظر پڑی، مجھے دیکھ کر کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم رات بھر میری نگرانی کرتے رہے ہیں ابھی تم کو بتاتا ہوں، یہ کہہ کر وہ مجھ پر چلا کر بگڑے، میں نے بھی درشت لہجہ میں جواب دیا کہ اس ہنگامہ آرائی کو جانے دیجئے آپ نے دعا میں خدا سے جن باتوں کے چاہنے کا ذکر کیا تھا ان کو بتائیے، ورنہ رات کا سارا ماجرا لوگوں پر ظاہر کردوں گا، انھوں نے کہا دیکھو ایسا نہ کرنا، میں نے کہا نہیں میں ضرور کہوں گا، جب انھوں نے دیکھا کہ میں باز آنے والا نہیں ہوں تو کہا اچھا میں بتائے دیتا ہوں لیکن جب تک میں زندہ رہوں اس وقت تک کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا، میں نے خدا کو درمیان میں ڈالکر رازداری کا وعدہ کیا، وعدہ لینے کے بعد انھوں نے کہا میں نے اپنے رب سے چاہا تھا کہ وہ میرے دل سے عورت کی خواہش نکال دے جو میرے دین کے لئے سب سے زیادہ خطرناک ہے، خدا نے اسے قبول کرلیا، اور اب میرے نزدیک عورت اور دیوار دونوں برابر ہیں، دوسری دعا یہ تھی کہ میرے دل میں اس کے علاوہ اور کسی کا خوف باقی نہ رہے، چنانچہ اب میں کسی سے نہیں ڈرتا، تیسری دعا یہ تھی کہ میری نیند اڑ جائے تاکہ رات دن جب چاہوں عبادت کرسکوں، یہ دعا قبول نہ ہوئی[۱]

بعض شکوک کا ازالہ اگرچہ بظاہر اس نفس کشی کی سرحد رہبانیت سے ملتی ہوئی معلوم ہوتی ہے لیکن مقربین بارگاہ کے لئے یہ منزل بھی ابتدائی ہے، جن کے رتبے ہیں سوا انکو سوا مشکل ہے

[۱] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۷۱،

خود ان کے زمانہ میں لوگوں نے ان کے اس راہبانہ تقشف پر اعتراضات کئے ہیں، انھوں نے اس کے جو جوابات دیئے ہیں ان سے بڑی حد تک ظاہری شکوک دفع ہو جاتے ہیں، ایک شخص نے ان کی تجردانہ زندگی کے خلاف یہ دلیل پیش کی،

قَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِكَ — ہم نے تمھارے پہلے بہت سے رسول بھیجے

وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجاً وَّذُرِّيَّةً — اور ان کے لئے جوڑے اور اولاد بنائی،

یعنی جب انبیاء علیہم السلام نے جو خدا کے سب سے بڑے عبادت گذار بندے تھے ازدواج نہیں چھوڑا تو ایک معمولی انسان کے لئے اس کا جواز کیونکر ہو سکتا ہے،

عامر نے قرآن ہی سے اس کا جواب دیا،

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ، — ہم نے جن اور انس کو صرف عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے،

ایک اور شخص نے کہا کہ آپ شادی کیوں نہیں کرتے، انھوں نے اس کی یہ نفسیاتی توجیہ بیان کی، کہ مجھ میں نہ نشاط و امنگ ہے اور نہ مال و دولت ایسی حالت میں میں کیوں کسی مسلمان عورت کو دھوکا دوں[1]، ظاہر ہے کہ جب مینائے دل ہی ولولوں اور نشاط کی شراب سے خالی ہو تو پھر شادی کرنا عورت کی زندگی خراب کرنا ہے،

ایک مرتبہ کچھ لوگ ایک موقع پر کہہ رہے تھے کہ عامر گوشت اور چربی نہیں کھاتے ہیں، مسجد میں نماز نہیں پڑھتے، شادی نہیں کرتے، آج تک ان کے جسم نے دوسرے جسم کو مس نہیں کیا ہے، اور وہ اپنے کو ابراہیم علیہ السلام سے افضل سمجھتے ہیں، معقل بن یسار نے یہ باتیں سنیں تو وہ اس کی تصدیق یا تردید کے لئے عامر کے پاس گئے، اور ان سے کہا کہ آپ کے متعلق لوگ ایسا ایسا

[1] ابن سعد ج، ق اول ص

کہتے ہیں، آپ کیا فرماتے ہیں، انھوں نے جواب دیا، کہ جب مجھے گوشت کھانے کی خواہش ہوتی ہے، تو خود بکری ذبح کرکے کھاتا ہوں، چربی بھی کھاتا ہوں، اگر وہاں سے زبادیہ کی طرف اشارہ کرکے بتایا) آئی ہوئی، روزانہ کی نمازیں مسجد میں نہیں پڑھتا، لیکن جمعہ کی نماز با جماعت پڑھتا ہوں، بقیہ نمازیں یہاں اپنے مقام پر ادا کرتا ہوں، شادی اس لئے نہیں کرتا، کہ میرے ایک ہی نفس ہے، مجھے ڈر ہے کہ شادی کے بعد وہ مجھے مغلوب نہ کرلے، میں یہ نہیں کہتا کہ میں ابراہیم کے مثل ہوں، البتہ یہ ضرور کہتا ہوں کہ مجھکو خدا سے امید ہے کہ وہ مجھے نبیوں صدیقوں شہداء اور صلحا کے ساتھ کرے گا، یہ لوگ بہترین رفیق ہیں[۱] ان اعتراضوں کے انھوں نے اور بھی جوابات دیئے ہیں جو اوپر گذر چکے ہیں،

جہاد فی سبیل اللہ | اگرچہ عامر گوشۂ عزلت کے خیال سے پہاڑوں کے دامن میں ویرانوں میں اور نامعلوم مقامات پر عبادت کیا کرتے تھے لیکن اس عزلت نشینی نے انھیں محض حجرہ نشین زاہد نہ بنادیا تھا بلکہ ان کی رگوں میں جہاد کا خون دوڑتا رہتا تھا، اسلامی مہمات میں انکی شرکت کے متعدد واقعات اوپر مختلف سلسلوں کے ماتحت گذر چکے ہیں، ان کا معمول تھا کہ جب وہ کسی جہاد میں جانے لگتے تو پہلے وہ موافق مزاج رفیق تلاش کرتے جب وہ مل جاتے تو ان سے کہتے کہ میں اس شرط پر تمھارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں، کہ تم تین باتوں کی مجھ سے اجازت دو، ایک یہ کہ میں تمھارا موذن رہوں، دوسرے یہ کہ خدمت گذاری کروں اور اس میں کوئی شخص خلل اندازی نہ کرے گا، تیسرے اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق اپنی جیب سے تم پر خرچ کرونگا، اگر وہ لوگ ان باتوں کے ماننے پر آمادہ ہوجاتے تو عامر ان کے ساتھ ہو جاتے، اور اگر اس میں کوئی مزاحمت پیدا کرتا تو اس کا ساتھ چھوڑ کر دوسرے ساتھی تلاش کر لیتے[۲] اپنی

---

[۱] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۷۸، [۲] ایضاً ص ۷۹،

سواری پر دوسرے مجاہدین کو باری باری سے سوار کرتے تھے[1]

ان کا جہاد خالصۃً لوجہ اللہ ہوتا تھا، اسمار بن عبید کا بیان ہے کہ عامر عنبری ایک مہم میں تھے، جنگ میں ایک بڑے ممتاز دشمن کی لڑکی ہاتھ آئی، لوگوں نے عامر کے سامنے اس کے اوصاف بیان کئے، انھوں نے اس کی تعریف سن کر کہا میں بھی مرد ہوں مجھے یہ لڑکی دیدو، ان کی اس غیر متوقع خواہش پر لوگوں نے نہایت مسرت کے ساتھ لونڈی ان کے حوالے کر دی، جب وہ ان کے قبضہ میں آگئی تو انھوں نے اس سے کہا تم لوجہ اللہ آزاد ہو، لوگوں نے ان سے کہا آپ اس کے بدلہ میں دوسری لونڈی آزاد کر سکتے تھے، انھوں نے جواب دیا کہ میں اپنے رب سے ثواب چاہتا ہوں[2]

امر بالمعروف ونہی عن المنکر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے جہاد میں بھی ان کی تیغ زبان بے نیام رہتی تھی، خصوصاً خدا اور رسول کے احکام کی پامالی پر وہ جوش غضب سے لبریز ہو جاتے تھے، ایک مرتبہ رحبہ میں وہ ایک راستہ سے گذر رہے تھے کہ دیکھا، ایک ذمی کو لوگ پکڑے ہوئے اس پر ظلم کر رہے ہیں، پہلے انھوں نے زبانی نصیحت کرکے ان کو روکنے کی کوشش کی، مگر جب وہ باز نہ آئے تو عامر کو غصہ آگیا، انھوں نے کہا تم لوگ جھوٹ کہتے ہو، میں اپنی زندگی میں ذمۃ اللہ کے ساتھ بدعہدی نہیں دیکھ سکتا، یہ کہہ کر ذمی کو زبردستی چھڑا لیا[3]

امراء وسلاطین سے بے نیازی، امراء اور ارباب دول سے ان کی بے نیازی بیزاری کی حد تک پہنچی ہوئی تھی، وہ ان سے ملنا بھی پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ ان پر جو الزام قائم کئے گئے تھے، ان میں ایک الزام امراء اور حکام سے نہ ملنے کا بھی تھا، جس کا انھوں نے یہ جواب دیا تھا کہ تم لوگوں کے یہاں خود ہی حاجتمندوں کا ہجوم رہتا ہے، ان کی حاجتیں پوری کیا

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۷۹، [2] ایضاً ص ۷۸، [3] ایضاً ص ۷۸،

کرو، اور بے غرض لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو[1]، وہ خلفاء و سلاطین کسی سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں انھوں نے جس جرأت اور بے باکی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا، اس کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے، اسی طرح امیر معاویہ کے عہد خلافت میں بصرہ کے قرار کا ایک وفد شام بھیجا گیا، اس میں ایک عامر بھی تھے، مضارب بن حزن نے جو وفد بھیجنے والوں میں تھے، امیر معاویہ سے پوچھا کہ آپ نے ہمارے قراء کو جنھیں ہم نے وفد میں بھیجا تھا، کیسا پایا، انھوں نے کہا ایک شخص کے علاوہ باقی سب جھوٹی تعریفیں اور فضول گوئی کرتے ہیں، جھوٹ لیکر آتے ہیں، اور خیانت لیکر واپس جاتے ہیں، صرف ایک شخص طبیعت کا مرد ہے، ہم لوگوں نے پوچھا امیر المومنین وہ کون شخص، جواب دیا، عامر بن عبد قیس[2]،

اگر کبھی کوئی امیر عہدہ دار خود ان کے پاس آتا تو اس کے ساتھ بھی یہی طرز عمل رہتا، ایک مرتبہ کسی غزوہ میں گئے ہوئے تھے، راستہ میں ایک مقام پر منزل ہوئی، عامر ایک کنیسہ کے احاطہ میں اُترے اور ایک آدمی کو متعین کر دیا، کہ کوئی شخص اندر نہ آنے پائے، تھوڑی دیر کے بعد اس شخص نے آکر اطلاع دی کہ امیر آنے کی اجازت چاہتے ہیں، عامر نے اندر بلا لیا، جب وہ آیا تو اس سے کہا میں تم کو خدا کی قسم دلاتا ہوں، کہ تم مجھ کو دنیا کی ترغیب نہ دلانا، اور آخرت کو میری نگاہوں سے نہ گرانا[3]،

دو دوست حقیقت یہ ہے کہ عامر جس عالم میں تھے وہاں تعلقات و مراسم دنیاوی کا کوئی گذر ہی نہ تھا، چنانچہ انکی نہ صرف امرا بلکہ کسی سے بھی رسم و راہ نہ تھی، ساری دنیا میں ان کی محبت کی دولت صرف مطرف بصری کے حصہ میں آئی تھی، اور بس، عورتوں میں ایک ادنی درجہ کی بکری چرانے والی عورت سے اس کے ادصاف کی بنا پر ہمدردی ہو گئی تھی، لیکن اس سے

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص۷۴، [2] ایضاً ص۷۴، [3] ایضاً ص۷۹،

ربط بھی قائم نہ ہونے پایا تھا کہ وہ مرگئی،

مطرف کے ساتھ مجذوبانہ محبت تھی، چنانچہ بصرہ چھوڑتے وقت ان سے رخصت ہونے کے لئے ایک شب میں کئی مرتبہ مطرف کے گھر گئے، اور ہر مرتبہ ان سے کہتے تھے کہ "میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں خدا کی قسم تمھاری محبت مجھ کو بار بار تمھارے پاس لاتی ہے"[۱]

عورت کا قصہ یہ ہے کہ ایک مسکین اور عابدہ عورت چند بدوؤں کی بکریاں چرایا کرتی تھی، اور ان کی ہر قسم کی وحشیانہ سختیاں جھیلتی تھی، عامر کے ساتھ اس کی معنوی مماثلت کی وجہ سے بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ فلاں عورت تمھاری بیوی ہے اور جنتی ہے، عامر اسکی تلاش میں نکلے، اس عورت کی زندگی یہ تھی کہ دن بھر وحشی اور بدخو بدویوں کی بکریاں چراتی تھی، شام کو جب بکریاں لے کر واپس آتی تو بدوی گالیوں کی بوچھار سے اس کا استقبال کرتے، اور اس کے سامنے روٹی کے دو ٹکڑے پھینک دیتے، یہ انھیں اٹھالیتی، اور ان میں سے ایک لیجا کر اپنے گھر والوں کو دیتی تھی، اور خود دن بھر روزے رکھتی تھی شام کو دوسرے ٹکڑے سے افطار کرتی، عامر تلاش کرکے اس کے پاس پہنچے، جب وہ بکریاں چرانے کے لئے نکلی تو عامر بھی ساتھ ہوگئے، ایک مقام پر پہنچ کر اس عورت نے بکریوں کو چھوڑ دیا، اور خود نماز میں مصروف ہوگئی، عامر نے اس سے کہا کہ اگر تمھاری کوئی ضرورت ہو تو مجھ سے بیان کرو، اس نے کہا میری کوئی ضرورت ہی نہیں ہے، جب عامر کا اصرار زیادہ بڑھا تو اس نے کہا میری صرف یہ خواہش ہے کہ میرے پاس دو سپید کپڑے ہوتے جو میرے کفن کے کام آتے، عامر نے اس سے پوچھا وہ لوگ (بدوی) تم کو گالیاں کیوں دیتے ہیں، اس نے جواب دیا اس میں مجھے خدا سے اجر کی توقع ہے، اس گفتگو کے بعد عامر اس کے آقاؤں کے پاس گئے، اور

---

[۱] ابن سعد ج ۷، ق اول صفحہ ۸۰،

ان سے کہا تم لوگ اپنی لونڈی کو گالیاں کیوں دیتے ہو، انھوں نے جواب دیا کہ اگر ہم ایسا نہ کریں تو وہ ہمارے کام کی نہ رہے، عامر نے کہا اچھا اس کو تم لوگ بیچو گے انھوں نے کہا تم خواہ اس کے معاوضہ میں ہمیں کتنی ہی قیمت کیوں نہ دو ہم اسے الگ نہ کریں گے، یہ جواب سن کر عامر لوٹ گئے اور لونڈی کی خواہش کے مطابق دو سپید کپڑے مہیا کرکے اس کے پاس گئے، لیکن یہ عجیب اتفاق کہ اس وقت لونڈی اس دنیا سے رخصت ہو چکی تھی، عامر نے اس کے آقاؤں سے اجازت لیکر اس کی تجہیز و تکفین کی[1]، اس طرح دنیا میں انھیں ایک عورت سے ہمدردی بھی پیدا ہوئی تو یوں ختم ہوگئی،

صدقات وخیرات، عامر بڑے مخیر و فیاض تھے، مجاہدین کی مالی خدمت کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے، ان کو دو ہزار وظیفہ ملتا تھا، جس وقت ملتا اسی وقت سے راستے میں انھیں جس قدر سائل ملتے انھیں تقسیم کرتے ہوئے گھر آتے[2]،

دشمن کے لئے دعا، ان کی زبان کسی کی بدی سے آلودہ نہ ہوئی اور نہ کسی کے لئے ان کی زبان سے کبھی بددعا نکلی، اپنے دشمنوں کے لئے بھی دعا ہی کرتے تھے، جن لوگوں نے انھیں وطن سے نکلوایا تھا، انکے حق میں بھی دعا کرتے تھے کہ خدایا جن لوگوں نے میری چغلی کھائی ہے اور مجھکو میرے وطن سے نکلوایا ہے، اور میرے بھائیوں سے مجھ کو جدا کرایا ہے، ان کے مال اور ان کی اولاد میں ترقی دے، انھیں تندرست رکھ اور ان کی عمر بڑھا[3]،

ایک قابل ذکر خواب، ان کے متعلق ایک شخص کا خواب لائق ذکر ہے، جس سے ان کے روحانی مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے، سعید جزری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص کو خواب میں جمال نبوی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، اس شخص نے آپ سے التجا کی کہ حضور میرے لئے مغفرت

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۷۷ ، [2] ایضاً ص ۷۵ ، [3] ایضاً ص ۷۶ ،

کی دعا فرمائیں، آپ نے فرمایا تمہارے لئے عامر دعا کر رہے ہیں، اس شخص نے عامر سے یہ خواب بیان کیا، یہ لطف و کرم سنکر ان پر اتنی رقت طاری ہوئی کہ ہچکی بندھ گئی،[1]

۳۸- عبداللہ بن عتبہ بن مسعود

نام و نسب، عبداللہ نام، ابو عبدالرحمن کنیت، مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بھتیجے ہیں، نسب نامہ یہ ہے، عبداللہ بن عتبہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ ابن کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل ہذلی،

عبداللہ عہد رسالت میں پیدا ہو چکے تھے، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی حیات میں اتنا ہوش بھی ہو گیا تھا کہ آپ کو دیکھا تھا، اور آپ کے متعلق بعض واقعات ان کے حافظہ میں محفوظ تھے، اسی لئے عقیلی نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے، وہ عہد رسالت میں پیدا ضرور ہوئے لیکن آپ کی حیات میں بالکل بچہ تھے، اکثر ارباب سیر کا فیصلہ یہی ہے کہ وہ تابعی ہیں، چنانچہ علامہ ابن سعد نے تابعین ہی کے زمرہ میں ان کے حالات لکھے ہیں، حافظ ابن عبدالبر نے اگرچہ احتیاطاً استیعاب میں ان کے حالات لکھ دیئے ہیں، لیکن ان کے نزدیک بھی وہ صحابی نہیں ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ عقیلی نے صحابہ میں ان کا ذکر کیا ہے، لیکن یہ سراسر غلط ہے، البتہ وہ کبار تابعین میں ہیں،[2]

بعض لوگ ان کی صحابیت پر یہ دلیل لاتے ہیں، کہ حضرت عمرؓ نے ان کو والی بنایا تھا، اور وہ غیر صحابی کو کسی عہدہ پر ممتاز نہیں کرتے تھے، لیکن یہ دلیل کافی نہیں ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک عہد رسالت میں اون کی پیدائش عہدہ کی سفارش کے لئے کافی تھی،

---

[1] ابن سعد ج، ق اول ص، [2] استیعاب ج اول ص ۳۹،

فضل وکمال، | حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی وجہ سے ان کا گھر علم وعمل کا گہوارہ تھا، عبد اللہ بن عتبہ نے اسی گھر میں پرورش پائی تھی، اس لیے گھر کی یہ دولت بھی ان کے حصہ میں آئی، چنانچہ وہ مدینہ کے ممتاز علماء میں تھے اور حدیث اور فقہ وغیرہ مذہبی علوم میں پوری دستگاہ رکھتے تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، ھان ثقۃ رفیعا، کثیر الحدیث والفتیاء فقیھا[1] حدیث میں انھوں نے اپنے چچا عبد اللہ بن مسعودؓ، عمرؓ، عمار بن یاسرؓ، ابوذرؓ، ابوہریرہؓ وغیرہ سے روایتیں کی ہیں، ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے لڑکے عبید اللہ، عون اور حمید بن عبد الرحمٰن، معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر، ابو اسحاق سبیعی، عامر الشعبی، عبد اللہ بن معبد زمانی اور محمد بن سیرین وغیرہ قابل ذکر ہیں[2]،

وفات، | عبد الملک کے عہدِ خلافت میں بشر بن مروان کی ولایتِ عراق کے زمانہ میں وفات پائی[3]،

اولاد | عبد اللہ اولاد کی جانب سے بڑے خوش قسمت تھے، ان کے ایک لڑکے مدینہ کے بڑے نامور عالم اور مدینہ کے سات مشہور فقہا میں سے ایک تھے، ان کے حالات آئندہ آئیں گے، اور عون زہد وورع میں مشہور تھے[4]،

۳۹- عبداللہ بن عون

نام ونسب، | عبد اللہ نام، ابو عون کنیت، عبد اللہ بن درہ مزنی کے غلام تھے،

پیدائش، | سیل جارف کے تین سال قبل پیدا ہوئے[5]،

فضل وکمال، | علمی اعتبار سے کوفہ کے اکابر علماء میں تھے، امام ثوری کہتے تھے کہ میں نے ایوب

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۴۲، [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۱۱، [3] ابن سعد ج ۵ ص ۴۲،
[4] تہذیب الاسماء ج اول ص ۲۷۵، [5] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۲۵،

یونس، تیمی اور ابن عون جیسے فضلا کسی ایک شہر میں اکٹھا نہیں دیکھے[1]

حدیث، اگرچہ عبد اللہؒ جملہ مذہبی علوم میں دستگاہ رکھتے تھے، لیکن حدیث نبوی ان کا خاص موضوع تھا اس میں وہ امتیازی پایہ رکھتے تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقة کثیر الحدیث[2]،

انھوں نے اس عہد کے تمام اکابر محدثین کا علم اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا، ابن مدائنی کا بیان ہے کہ ابن عون نے ایسی مستند احادیث محفوظ کی تھیں، جو ان کے کسی ساتھی کے حصہ میں نہ آئی ہونگی، مدینہ کے ممتاز محدثین میں انھوں نے سالم اور قاسم، بصرہ کے محدثین میں حسن بصری اور ابن سیرین، اور کوفہ کے محدثین میں امام شعبی اور امام نخعی، مکہ کے محدثین میں عطار اور مجاہد، اور شام کے محدثین میں مکحول اور رجاء بن حیوہ سے سماعِ حدیث کیا تھا[3] یعنی اس عہد کے تمام مراکزِ حدیث کے اکابر محدثین کی حدیثیں انھوں نے حاصل کر لی تھیں،

ان کے علاوہ دوسرے علماء میں بھی ایک بڑی جماعت سے مستفید ہوئے تھے، ان میں بعضوں کے نام یہ ہیں، ثمامہ بن عبد اللہ بن انس، انس بن سیرین، زیاد بن جبیر بن حیہ، عبد الرحمن ابن ابی بکرہ، موسیٰ بن انس بن مالک، ہشام بن زید بن انس، سعید بن جبیر اور نافع وغیرہ[4]،

ان بزرگوں کے فیض نے ابن عون کا دامنِ علم نہایت وسیع کر دیا تھا، ابن مہدی کا بیان ہے کہ عراق میں ابن عون سے بڑا سنت کا عالم کوئی نہ تھا[5]،

ابن مبارک کہتے تھے کہ میں نے ملاقات سے پہلے جن جن لوگوں کا تذکرہ سنا تھا ان میں ابن عون، حیوۃ اور سفیان کے علاوہ باقی سب کو ملنے کے بعد کم پایا، لیکن ابن عون سے ملنے کے بعد دل چاہتا تھا کہ ہمیشہ کے لئے ان کے دامن سے وابستہ ہو جاؤں اور مرتے دم تک جدا نہ ہوں[6]،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۴۷، [2] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۲۴، [3] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۴۶، [4] ایضاً ص ۳۴۶،

[5] ایضاً ص ۳۴۸، [6] ایضاً،

ایک مرتبہ ہشام بن حسان نے ایک حدیث بیان کی کسی نے پوچھا یہ حدیث کس سے سنی، جواب دیا اوس شخص سے جس کا مثل میری آنکھوں نے نہیں دیکھا، اونھوں نے حسن بصری اور ابن سیرین کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا[1]،

روایت حدیث میں خوف و احتیاط اس وسعت علم کے باوجود وہ حدیث بیان کرنے میں بڑے محتاط تھے، انھوں نے روایت حدیث کے خوف سے راستہ نکلنا چھوڑ دیا تھا، بکار بن محمد کا بیان ہے کہ ابن عون نے مجھ سے کہا کہ بھتیجے لوگوں نے میرا راستہ بند کر دیا، میں اپنی ضروریات کے لئے بھی گھر سے باہر نہیں نکل سکتا، بکار کہتے ہیں کہ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ لوگ ان سے حدیثیں پوچھتے تھے[2]

تاہم اونھوں نے روایتِ حدیث کا دروازہ بالکل بند نہیں کر دیا تھا، ابو علماء کی مصدقہ حدیثیں بیان کرتے تھے، بکار روایت کرتے ہیں کہ ابن عون نے کوفہ میں بڑا علم حاصل کیا، اور اُوس کو محمد کے سامنے پیش کیا، محمد نے سن کر جس حدیث پر پسندیدگی ظاہر کی، اس کو ابن عون نے بیان کیا، باقی احادیث چھوڑ دیں لیکن اس احتیاط کے باوجود جب وہ حدیث روایت کرتے تھے تو اس میں کمی اور بیشی ہو جانے کے خوف سے ان پر اس قدر خوف طاری ہو جاتا تھا کہ دیکھنے والوں کو انھیں دیکھکر ترس آجاتا[3]،

تلامذہ، ان کے تلامذہ میں بڑے بڑے ائمہ تھے، اعمش، سفیان ثوری، شعبہ اور ابن مبارک وغیرہ عام تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، داؤد بن ابی ہند، یحییٰ القطان عباد بن العوام، ہشیم، یزید بن زریع، ابن علیہ، بشر بن مفضل، معاذ بن معاذ، یزید بن ہارون، ابو عاصم اور محمد بن عبد اللہ انصاری وغیرہ[4]،

فضائل اخلاق، علم سے زیادہ ان کا طغرائے کمال ان کا زہد و ورع اور انکے اخلاقی و روحانی فضائل

[1] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۲۷، [2] ایضاً ص ۲۵، [3] ایضاً، [4] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۴۶،

تھے، ابن حبان کا بیان ہے کہ ابن عون عبادت و ریاضت، زہد و ورع، فضل و کمال، پابندی سنت اور اہل بدعت پر تشدد میں اپنے زمانہ کے سرداروں میں تھے[1]

عقیدہ میں تشدد، عقائد میں صحابہ کرام کے پاک اور صاف عقیدہ کے پابند تھے، اور اس میں مبتدعانہ خیالات کی آمیزش کو سخت ناپسند کرتے تھے اور ایسے لوگوں کو سلام تک نہ کرتے تھے[2] ایک مرتبہ ان کے سامنے قدر کا ذکر آیا، انھوں نے کہا میری عمر اس عقیدہ کی عمر سے زیادہ ہے، میں نے سعید جہنی اور سنہویہ کے علاوہ اسلاف میں کسی کو اس کا ذکر کرتے ہوئے نہیں سنا، یہ خیال شر ہے[3]

عبادت، ان کے زہد و ورع اور عبادت و ریاضت نے ابن سیرین کو بھلا دیا تھا، قرہ کا بیان ہے کہ ہم لوگوں کو ابن سیرین ہی کے ورع پر حیرت ہوتی تھی، ابن عون نے انھیں بھی بھلا دیا[4] ان کی زندگی کا دل پسند مشغلہ عبادت تھا، نماز فجر کے بعد قبلہ رو بیٹھکر ذکر کرتے تھے، طلوع آفتاب کے بعد چاشت کی نماز پڑھکر لوگوں سے مخاطب ہوتے[5] روزانہ شب کو سات سورتیں پڑھتے تھے، اگر کسی شب کو ناغہ ہو جاتا تو دن کو پورا کرتے[6] گھر کے احاطہ میں ایک خاص مسجد تھی، مغرب اور عشاء کے علاوہ باقی تین نمازیں اپنے لڑکوں، بھائیوں اور دوسرے حاضرین کے ساتھ اسی مسجد میں پڑھتے تھے، جمعہ اور عیدین میں بڑا اہتمام کرتے تھے، غسل کرکے بہترین لباس زیب تن کرتے، خوشبو لگاتے کبھی سواری پر اور کبھی پاپیادہ مسجد جاتے، جمعہ کی نماز پڑھ کر گھر لوٹ جاتے، اور بقیہ سنتیں وغیرہ گھر ہی پر پڑھتے، رمضان کے زمانہ میں عبادت بہت بڑھ جاتی تھی، فرض نماز باجماعت پڑھکر گھر چلے آتے، اور تنہائی میں عبادت کرتے تنہائی میں "الحمد للہ ربنا" کے ورد میں مشغول رہتے تھے[7] ایک دن درمیان دے کر ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے، اس معمول میں مرتے دم تک فرق نہ آیا[8]

[1] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۴۸، [2] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۶، [3] ایضاً ص ۲۷، [4] شذرات الذہب ج اول ص ۲۳۰
[5] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۵، [6] ایضاً ص ۲۵، [7] ایضاً ص ۲۶، [8] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۴۸،

جہاد فی سبیل اللہ، جہاد فی سبیل اللہ بھی بہت بڑی عبادت ہے، اگرچہ اس میں شرکت کے تفصیلی حالات نہیں ملتے لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس عبادت کو وہ نہایت ضروری فرض سمجھتے تھے، اور اس میں شرکت کے لئے خاص طور سے ایک اونٹنی پال رکھی تھی جس کو بہت محبوب رکھتے تھے، بعض مہمات میں ان کی شرکت کی تصریح ملتی ہے، چنانچہ روم کی کسی جنگ میں شریک ہوئے تھے، اور ایک رومی سے مبارزطلبی کرکے اس کو قتل کیا تھا[1]،

اصلاح نفس اپنے نفس کی اصلاح کے علاوہ دنیا کے اور تفریحی مشغلوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی، بکار بن محمد روایت کرتے ہیں کہ ابن عون نہ کسی سے مذاق کرتے تھے، نہ کسی سے بحث ومناظرہ کرتے تھے، نہ شعر خوانی کرتے تھے، بس انھیں اپنے نفس کی اصلاح سے کام تھا[2]،

احسان میں اخفاء کسی کے ساتھ احسان کرکے اس کا اظہار برا سمجھتے تھے، بکار بن محمد کا بیان ہے کہ ابن عون جب کسی کے ساتھ کوئی سلوک کرتے تھے تو اس مخفی طریقہ سے کہ کسی کو خبر نہ ہونے پائے، دوسروں پر اس کا اظہار نہایت برا جانتے تھے[3]،

قسم سے احتراز، قسم کھانا اچھا نہ سمجھتے تھے، چنانچہ کبھی سچی قسم بھی نہ کھاتے تھے، بکار بن محمد بیان کرتے ہیں کہ میں ایک زمانۂ دراز بلکہ ان کی موت تک ان کے ساتھ رہا، اس طویل مدت میں میں نے کبھی ان کو جھوٹی سچی کسی قسم کی قسم کھاتے نہیں دیکھا[4]،

اخلاق، نہایت خوش اخلاق، حلیم الطبع اور نرم خو تھے، کسی موقع پر بھی ان کی زبان سے کوئی ناروا کلمہ نہیں نکلتا تھا، بکار کا بیان ہے کہ میں نے ابن عون سے زیادہ زبان پر قابو رکھنے والا آدمی نہیں دیکھا، وہ اپنے لونڈی غلاموں بلکہ بکری اور مرغی تک کو کبھی گالی نہ دیتے تھے[5]،

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۵، [2] ایضاً ص ۲۵، [3] ایضاً ص ۲۷، [4] ایضاً ص ۲۶،
[5] ایضاً ص ۲۵،

اوپر گذر چکا ہے، اپنی جہاد کی اونٹنی کو وہ بہت محبوب رکھتے تھے، ایک مرتبہ ایک غلام کو اس پر پانی لاد کر لانے کا حکم دیا، اس نے اسکو ایسی بے دردی کے ساتھ مارا کہ اس کی آنکھ بہہ گئی، لوگوں کو خیال ہوا کہ اگر انھیں کسی بات پر غصہ آسکتا ہے تو غلام کی اس حرکت پر ضرور آئیگا لیکن جب ان کی نظر اونٹنی پر پڑی تو غلام سے صرف اس قدر کہا سبحان اللہ خدا تم کو برکت دے کیا تم کو مارنے کے لئے چہرہ کے علاوہ اور کوئی عضو نہ ملتا تھا، اور اس کو گھر سے نکال کر آزاد کر دیا[1]، یہ ان کی انتہائی خفگی تھی، اپنے دشمنوں کو بھی جن کے ہاتھوں ایذا پہنچی تھی برا نہ کہتے تھے، ایک مرتبہ انھوں نے ایک عربی عورت سے شادی کی، بلال بن ابی بردہ نے اس عصبیت میں کہ ایک غلام نے ایک عربی عورت سے شادی کی انھیں کوڑوں سے پٹوایا، بکار کا بیان ہے کہ میں نے اس واقعہ کے بعد بھی ابن عون کی زبان سے بلال کے متعلق ایک لفظ نہیں سنا، ایک مرتبہ بعض لوگوں نے کہا، کہ بلال نے آپ کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا، فرمایا ایک آدمی مظلوم ہوتا ہے، لیکن پھر وہی ظلم کی شکایت کر کے ظالم بن جاتا ہے، تم میں سے کوئی بھی بلال کے لئے مجھ سے زیادہ سخت نہیں ہو، لیکن میں اسکی شکایت کر کے ظالم نہ بنونگا[2]

حب رسول، ذات نبوی کے ساتھ والہانہ شیفتگی رکھتے تھے، چنانچہ ان کی سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ ایک مرتبہ خواب ہی میں رخ انور کی زیارت ہو جاتی، خدا نے ان کی یہ تمنا پوری کی وفات سے کچھ دنوں پہلے خواب میں دیدار جمال نبوی سے مشرف ہوئے، اس شرف پر ایسے وارفتہ ہوئے کہ بالاخانہ سے اتر کر فوراً مسجد میں آئے اور انتہائی مسرت میں گر پڑے، پیر میں چوٹ آئی لیکن ایک بابرکت یادگار کی حیثیت سے اس چوٹ کا علاج نہ کیا کہ[3]

زخم دل مظہر مباد ابہ شود ہشیار باش   کیں جراحت یادگار ناوک مژگان اوست

[1] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۲۵، [2] ایضاً ص ۲۶، [3] ایضاً ص ۲۹،

وفات، بالآخر یہی چوٹ مرض الموت کا سبب بن گئی لیکن ابن عون نے نہایت صبر و استقلال کے ساتھ اس مرض کی تکلیفوں کا سامنا کیا، بکار بن محمد کا بیان ہے کہ بیماری کی حالت میں وہ پہلے سے زیادہ ضابط و صابر تھے، دوران علالت میں مطلق حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے، ہوش و حواس آخر دم تک قائم رہے، اپنی پھوپھی ام محمد بنت عبداللہ کے کہنے پر میں ابن عون کی حالتِ نزع میں سورہ یٰسین پڑھتا تھا، میں نے موت کے وقت ان سے زیادہ عاقل کسی کو نہیں دیکھا، جب تک آخری سانس آتی رہی اس وقت تک وہ قبلہ رُو خدا کا ذکر کرتے رہے بالآخر خدا نے ان کی مشکل آسان کی، اور رجب ۱۵۱ھ میں وہ واصل بحق ہو گئے، جنازہ میں لوگوں کا اتنا ہجوم تھا کہ مسجد کا صحن اور اس کی عمارت ناکافی ثابت ہوئی، اور محراب میں جنازہ رکھکر نماز پڑھائی گئی، جمیل بن محفوظ ازدی نے نماز جنازہ پڑھائی[۱]

ترکہ، ابن عون کے پاس نقد روپیہ نہ تھا، ترکہ میں دو مکانات چھوڑے، مرض الموت میں پانچویں حصہ کی وصیت اپنے اعزہ و اقربا کے لئے کر گئے تھے، دس ہزار سے کچھ اوپر قرض تھا، اس کو ادا کرنے کے بعد وصیت پوری کی گئی،[۲]

حلیہ، نہایت خوش جمال آدمی تھے، نصف کانوں تک پٹے تھے، مونچھیں زیادہ گہری نہیں کترواتے تھے[۳]

نفاست، خوش جمالی کیساتھ بڑے نفاست پسند لطیف مزاج اور خوش لباس تھے کپڑے نہایت نرم و باریک پہنتے تھے، خوشبو زیادہ لگاتے تھے، پورا لباس پہن کر گھر سے باہر نکلتے تھے، وضو اور کھانے کے وقت خادم رومال پیش کرتا تھا، اس سے ہاتھ منہ صاف کرتے تھے لہسن وغیرہ بدبودار چیزوں سے سخت نفرت تھی جس کھانے میں لہسن ہوتا تھا اسکو ہاتھ نہ لگاتے تھے، ایک مرتبہ لونڈی نے کھانا پکا کر سامنے لگایا، اسمیں لہسن کی بو معلوم ہوئی لونڈی سے پوچھا اس نے اقرار کیا لیکن طبیعت میں ضبط و تحمل بہت تھا، اسلئے صرف اسقدر کہا، خدا تجھکو برکت دے، خدا تجھکو برکت دے، اسکو میرے سامنے سے ہٹا لیجا

---

[۱] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۲۹، ۳۰، [۲] ایضاً صفحہ ۳۱، [۳] ایضاً صفحہ ۲۶، [۴] ایضاً صفحہ ۲۶،

۴۰ - عبید اللہ بن عبد اللہ

نام ونسب، عبید اللہ نام ابو عبد اللہ کنیت مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے بھائی عتبہ کے پوتے تھے، نسب نامہ یہ ہے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم مخزومی،

فضل وکمال، عبید اللہ کا گھر علم وعمل کا گہوارہ تھا اسی مہد علم میں انھوں نے پرورش پائی، اس ماحول نے ان کو علم وعمل کا مجمع البحرین بنادیا، فضل وکمال کے لحاظ سے وہ ممتاز ترین تابعین میں شمار ہوتے تھے، انھیں حدیث، فقہ، شعر وشاعری اور دوسرے مروجہ علوم میں پورا درک تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کان ثقۃ کثیر الحدیث والعلم شاعرا[1] علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت، امامت اور عظم منزلت پر سب کا اتفاق ہے[2]،

حدیث، حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے، صحابہ میں انھوں نے ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ ابو سعید خدریؓ، ابو واقد لیثیؓ، زید بن خالدؓ، نعمان بن بشیرؓ، عمار بن یاسرؓ، ابو طلحہ انصاریؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور فاطمہ بنت قیسؓ اور تابعین میں ایک کثیر جماعت سے فیض اٹھایا تھا[3]، حافظہ اتنا قوی تھا کہ ایک مرتبہ جو حدیث سن لیتے تھے، وہ ہمیشہ کے لئے خانۂ دماغ میں محفوظ ہوجاتی تھی[4]، اس حافظہ نے ان کے علم کا دائرہ نہایت وسیع کردیا تھا، امام زہری کا بیان ہے کہ میں جن جن علماء کے پاس بیٹھا ان کے پاس جو کچھ تھا سب حاصل کرلیا، لیکن عبید اللہ علم کا بے پایاں دریا تھے، ان کے پاس جب آتا تھا تو ہمیشہ تازہ علم حاصل ہوتا تھا[5]، ایک دوسری روایت

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۸۸، [2] تہذیب الاسماء ج ۱ ق ۱ ص ۳۱۱، [3] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۳، [4] ایضاً، [5] تہذیب الاسماء ج ۱ ق ۱ ص ۳۱۲،

ہیں ان کا بیان یہ ہے کہ میں نے بہت علم حاصل کیا، اور ایک حد پر پہنچنے کے بعد خیال ہوا کہ جو کچھ میں حاصل کر چکا ہوں وہ بہت کافی ہے، لیکن جب عبید اللہ سے ملا تو معلوم ہوا کہ میرا علم کچھ بھی نہیں ہے[1]

تلامذہ | حدیث میں ان کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع ہے، بعض کے نام یہ ہیں، عون، سعد بن ابراہیم، ابو الزناد، صالح بن کیسان، عراک بن مالک، موسیٰ بن ابی عائشہ، ابوبکر بن ابی الجہم عدوی، ضمرہ بن سعید، طلحہ بن یحییٰ، عبید اللہ بن عبدہ، عبد المجید بن سہیل وغیرہ[2]، امام زہری ان کے حلقۂ درس کے ممتاز طالب علم اور ان کے مخصوص تلامذہ میں تھے، ان سے ان کا استفادہ ہمیشہ جاری رہا، امام مالک کا بیان ہے کہ ابن شہاب زہری اس وقت بھی جب کہ وہ عالم ہو چکے تھے عبید اللہ کے پاس آتے جاتے تھے، عبید اللہ ان سے حدیثیں بیان کرتے تھے اور وہ ان کے لئے کنوئیں سے پانی بھرتے تھے[3]

فقہ | فقہ میں خصوصیت کے ساتھ ان کا پایہ نہایت بلند تھا، امام ابو جعفر طبری کا بیان ہے کہ علم اور احکام، اور حلال و حرام کی معرفت میں ان کا پایہ نہایت بلند تھا[4]، ان کے تفقہ کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ وہ مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک تھے، حافظ ابن عبد البر کا بیان ہے کہ وہ مدینہ کے ان دس، پھر ان کے بعد ان سات فقہاء میں سے تھے، جو فقہ و فتاویٰ کا محور تھے، وہ بڑے صاحب علم و فضل اور فقہ میں بڑے بلند پایہ تھے[5]

شاعری | فقہ اور شاعری میں کوئی نسبت نہیں، بلکہ ایک گونہ دونوں میں بیر ہے، لیکن عبید اللہ شاعر بھی تھے، ابن عبد البر کا بیان ہے کہ وہ نہایت اچھے شاعر تھے، میرے علم میں دور صحابہ

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۲۷۱، [2] تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۲۳، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۹،

[4] تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۲۴ بحوالہ الطبری، [5] ایضاً بحوالہ ابن عبد البر،

سے اس وقت تک فقہاء میں ان سے بڑا شاعر اور شاعروں میں اتنا بڑا فقیہ کوئی نہ تھا۔[1]
وہ محض الفاظ کے ناظم نہ تھے، بلکہ حقیقی شاعر تھے، ان کی شاعری تفنن طبع کے لئے نہ ہوتی تھی بلکہ سوزِ قلب سے مجبور ہو کر شعر کہتے تھے، جب ان کی شعر گوئی پر کوئی اعتراض کرتا تو جواب دیتے کہ ایک دردمند اور دل کا بیمار اگر سانس نہ لے تو کیسے زندہ رہ سکتا ہے؟[2] ابو تمام نے حماسہ میں ان کے اشعار نقل کئے ہیں

شققت القلب ثم ذررت فیه ۔۔۔ هواك فليم فالتام الفطور

"میں نے اپنا دل پھاڑ کر اس میں تیری محبت کا بیج بویا، بونے کے بعد شگاف قلب برابر ہو گیا"

تغلغل حب عثمة في فؤادي ۔۔۔ فباديه مع الخافي يسير

"عثمہ کی محبت میرے قلب میں ساری اور پیوست ہو گئی، وہ محبت جو علانیہ نظر آتی ہے، اس محبت سے کم ہے جو مخفی ہے"

تغلغل حيث لم يبلغ شراب ۔۔۔ ولا حزن ولم يبلغ سرور

"وہ دل کی اس گہرائی میں پہنچ گئی ہے جہاں شراب، غم اور خوشی کوئی شے نہیں پہنچ سکتی"

آپ کے ان اشعار پر لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ ایسے رنگین اور عاشقانہ اشعار کہتے ہیں، فرمایا، دل کے بیمار کو لدود (ایک تلخ دوا جو منہ میں لگائی جاتی ہے) سے راحت ہوتی ہے۔[3]

زہد و عبادت: ان کے اس درد دل اور سوزِ باطن نے ان کو بڑا عابد و متورع بنا دیا تھا، امام نووی انھیں صلحائے تابعین میں، اور ابن خلکان عبادت گذار لکھتے ہیں[4] ان کی نمازیں بڑی طویل اور سکون و اطمینان کی ہوتی تھیں، کسی کے لئے بھی ان کی نماز کے سکون میں فرق نہ آتا تھا امام مالک کا بیان ہے کہ عبید اللہ بڑی طویل نمازیں پڑھتے تھے، اور کسی شخص کے لئے بھی ایسی

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۲۳ بحوالہ ابن عبد البر، [2] ابن سعد ج ۵ ص ۱۸۴، [3] ابن خلکان ج اول ص ۲۶۲،
[4] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۳۱۲، [5] ابن خلکان ج اول ص ۲۶۱،

جلدی نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ علی بن حسین (امام زین العابدین) ان کے پاس آئے اس وقت عبید اللہ نماز پڑھ رہے تھے، وہ بدستور نماز میں مشغول رہے، علی دیر تک ان کا انتظار کرتے رہے، نماز تمام کرنے کے بعد لوگوں نے اعتراض کیا کہ تمھارے پاس رسول اللہ کے نواسہ آئے اور تم نے اتنی دیر تک ان کو انتظار کرایا، فرمایا خدا میری مغفرت فرما جسکو علم کی تلاش ہو اسے تکلیف اٹھانا چاہیے[۱] اگرچہ کتابوں میں ان کے زہد و ورع کے واقعات کم ملتے ہیں، لیکن اگر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو ان کے اخلاقی فضائل و کمالات کے اندازہ کے لئے یہ مثال کافی ہے، کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ان ہی کے تربیت یافتہ تھے، ان پر ان کے اخلاقی کمالات کا اتنا اثر تھا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ عبید اللہ کی ایک صحبت اور تھوڑی دیر ان کے ساتھ ہم نشینی مجھے دنیا مافیہا سے عزیز ہے، خدا کی قسم ان کی ایک رات میں بیت المال کے ایک ہزار دینار سے خریدنے کو تیار ہوں، لوگوں نے کہا امیر المومنین بیت المال کے تحفظ میں شدت و اہتمام کے باوجود آپ ایسا فرماتے ہیں، جواب دیا خدا کی قسم میں ان کی رائے، ان کی نصیحت اور ان کی نصیحت کے وسیلہ سے ایک ہزار کے بجائے بیت المال میں ہزاروں ہزار داخل کروں گا، باہمی گفتگو سے عقل میں تازگی پیدا ہوتی ہے، قلب کو راحت ملتی ہے، غم دور ہوتا ہے، اور ادب سدھرتا ہے[۲]،

وفات، باختلافِ روایت ۹۸ھ یا ۹۹ھ میں مدینہ میں وفات پائی،[۳]

۱؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۵، ۲؎ ابن خلکان ج اول ص ۲۷۱، ۳؎ ابن سعد ج ۵ ص ۱۸۶،

۱۴۱- عبدالرحمٰن بن اسود

نام ونسب، عبدالرحمٰن نام، ابوحفص کنیت، نسب نامہ یہ ہے، عبدالرحمٰن بن اسود بن یزید بن قیس بن عبداللہ بن مالک بن علقمہ بن سلامان بن سہل بن بکر بن عوف بن نخع نخعی مذحجی ان کے والد اسود بن یزید بڑے صاحب علم اور عابد وزاہد تابعی تھے، ان کے حالات اوپر گذر چکے ہیں،

فضل وکمال، اگرچہ علم میں عبدالرحمٰن کا کوئی قابلِ ذکر پایہ نہ تھا تاہم وہ اس دولت سے بالکل تہی دامن بھی نہ تھے، حضرت عائشہؓ کے ساتھ ان کے والد کے عقیدت مندانہ مراسم تھے، اس سلسلہ میں ان کو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھی حاضری کا اتفاق ہوتا تھا، ان کا بیان ہے کہ جب تک میں نابالغ تھا حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بغیر حصولِ اجازت چلا جاتا، بلوغ کے بعد پھر اجازت لینے لگا[۱]

حدیث، اس آمد ورفت کی وجہ سے ان کو بھی حضرت عائشہؓ سے استفادہ کا موقع ملتا تھا چنانچہ حدیث میں انھوں نے حضرت عائشہؓ، انس بن مالکؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور اپنے والد اور والد کے چچا علقمہ بن قیسؓ سے فیض اٹھایا تھا، اور ان سے ابو اسحٰق سبیعی، ابو اسحٰق شیبانی، مالک بن مغول، ہارون بن عنترہ، عاصم بن کلیب، اعمش، لیث بن ابی مسلم اور محمد بن اسحٰق ابن یسار وغیرہ نے سماع حدیث کیا تھا[۲]

فقہ، حدیث سے زیادہ ان کو فقہ میں درک تھا، حافظ ابن حجر ان کو فقیہ لکھتے ہیں[۳]

۱؎ ابن سعد ج ۶ ص ۲۰۲، ۲؎ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۴۰، ۳؎ ایضاً،

عبادت وریاضت اگرچہ علم میں وہ اپنے والد کے برابر نہ تھے، لیکن عمل میں وہ ان کے خلف الصدق تھے، رات رات بھر عبادت کرتے تھے، محمد بن اسحٰق روایت کرتے ہیں، کہ عبد الرحمٰن حج کے سلسلہ میں ہمارے یہاں آئے ان کے ایک پاؤں میں کچھ شکایت تھی، مگر اس حالت میں بھی وہ ایک پاؤں کے سہارے رات سے صبح تک نمازیں پڑھتے رہتے[1] اور عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتی[2]، زندگی بھر میں علٰحدہ علٰحدہ اسّی حج اور اسّی عمرے کئے[5] رمضان میں اپنے قبیلہ کی امامت کرتے تھے، اور اہل قبیلہ کے ساتھ بارہ ترویحے پڑھتے تھے، اور اس میں ایک تہائی قرآن سناتے تھے، ان کے علاوہ خود علٰحدہ ایک ایک ترویحہ میں بارہ بارہ رکعتیں پڑھتے تھے[3]

بلاتفریق مذہب سلام سلام اسلام کی نشانی سمجھتے تھے، اور بلا قید مذہب و ملت مسلم اور غیرمسلم سب کو سلام کرتے تھے، سنان بن حبیب سلمی کا بیان ہے، کہ میں عبد الرحمٰن بن اسود کیساتھ پل کی طرف گیا، راستہ میں جو بھی یہودی اور نصرانی ملتا تھا سب کو سلام کرتے تھے، میں نے کہا آپ ان مشرکوں کو سلام کرتے ہیں، جواب دیا سلام مسلم کی نشانی ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ لوگ پہچان لیں کہ میں مسلمان ہوں[4]،

تعلقات کا لحاظ قدیم تعلقات اور بزرگوں کے مراسم و تعلقات کا بڑا لحاظ رکھتے تھے، ابی غنام بن طلق کا بیان ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں ہم میں اور اسود بن یزید میں ہمسنی کا تعلق تھی، عبد الرحمٰن اس کا اتنا لحاظ کرتے تھے، کہ جب کسی سفر میں جاتے تھے، یا سفر سے آتے تھے، تو ہم لوگوں کو آکر سلام کرتے تھے[5]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۴۱، [2] تہذیب الکمال ص ۲۲۴، [3] ابن سعد ج ۶ ص ۲۰۳، [4] ایضاً ص ۲۰۳، [5] ایضاً ص ۲۰۲،

وفات | سنہ وفات میں بڑا اختلاف ہے،

حلیہ ولباس | حنا کا خضاب لگاتے تھے، اور خز کی چادر اوڑھتے تھے۔

۴۲- عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ

نام ونسب | عبدالرحمٰن نام، ابو عیسیٰ کنیت، والد کا نام یسار اور کنیت ابی لیلیٰ تھی، اس نے نام کی جگہ لے لی، نسب نامہ یہ ہے عبدالرحمٰن بن یسار بن بلال بن بلیل بن احیحہ بن الجلاح بن الحریش بن جحجبا بن کلفہ بن عوف بن عمرو بن عوف اوسی انصاری،

ابن ابی لیلیٰ علمی اعتبار سے مقتدر تابعین میں تھے، ان کے والد ابی لیلیٰ ممتاز صحابی تھے، اور متعدد غزوات میں آنحضرت صلعم کی ہمرکابی اور جہاد کا شرف حاصل کیا تھا، کوفہ آباد ہونے کے بعد یہاں بود و باش اختیار کر لی تھی، جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی حمایت میں شہید ہوئے[1]،

پیدائش | عبدالرحمٰن حضرت عمرؓ کے وسط عہد خلافت میں پیدا ہوئے[2]،

فضل وکمال | علمی اعتبار سے عبدالرحمٰن نہایت بلند مرتبہ تابعی تھے، خوش قسمتی سے انھوں نے زمانہ ایسا پایا تھا جب صحابہ کرام کی بڑی تعداد موجود تھی، چنانچہ انھوں نے ایک سو بیس ۱۲۰ انصار صحابہ کو دیکھا تھا[3]، اور ان میں بہتوں سے فائدہ اٹھایا، ان کے فیوض و برکات نے عبدالرحمٰن کو دولت علم سے مالا مال کر دیا، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے[4]، قرآن، حدیث اور فقہ جملہ فنون میں درک تھا،

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۳۰۴، [2] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۶۲، [3] ابن سعد ج ۶ ص ۷۶،

[4] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۳۰۴،

قرآن | قرآن کی قرات کا خاص ذوق تھا، ان کے یہاں ہر وقت قرار کا مجمع لگا رہتا تھا، مجاہد کا بیان ہے کہ عبد الرحمن کے ایک خاص مکان میں بہت سے مصاحف رکھے رہتے تھے، یہاں ہر وقت قرار کا مجمع رہتا تھا، صرف کھانے کے اوقات میں یہ لوگ یہاں سے ہٹتے تھے،[۱]

حدیث، | حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے، حافظ ذہبی انھیں امام لکھتے ہیں[۲] صحابہ میں انھوں نے اپنے والد ابو لیلیٰؓ، عمرؓ، علیؓ، سعدؓ، حذیفہؓ، معاذ بن جبلؓ، مقداد بن اسودؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، ابوذر غفاریؓ، ابی بن کعبؓ، بلال بن رباحؓ، سہل بن حنیفؓ، ابن عمرؓ، عبد الرحمن بن ابی بکرؓ، قیس ابن سعدؓ، ابو ایوب انصاریؓ، کعب بن عجرہؓ، عبد اللہ بن زیدؓ، ابو سعید خدریؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، انس بن مالکؓ، براء بن عازبؓ، زید بن ارقمؓ، سمرہ بن جندبؓ، صہیبؓ، عبد الرحمن بن سمرہؓ، عبد اللہ بن حکمؓ اور اسید بن حضیرؓ وغیرہ سے استفادہ کیا تھا، ان میں بعضوں سے سماع ثابت نہیں ہے،[۳]

حلقۂ درس، | حدیث میں ان کا علم اتنا وسیع اور مسلم تھا کہ صحابہ ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوکر ان کی احادیث سنتے تھے، عبد الملک بن عمیر کا بیان ہے کہ میں نے عبد الرحمن کے حلقۂ درس میں متعدد صحابہ کو دیکھا جن میں ایک براءؓ تھے، یہ لوگ خاموشی کے ساتھ عبد الرحمن کی احادیث سنتے تھے،[۴]

مذاکرۂ حدیث | حفظ حدیث کے لئے مذاکرہ ضروری سمجھتے تھے، چنانچہ خود ان کے یہاں برابر مذاکرۂ حدیث جاری رہتا تھا، اور دوسروں کو بھی ہدایت کرتے تھے، کہ حدیث کی زندگی اس کے مذاکرہ میں ہے،[۵]

---

[۱] ابن سعد ج ۶ ص ۷۵، [۲] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۰، [۳] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۶۰،

[۴] ایضاً ص ۲۶۱، [۵] ابن سعد ج ۶ ص ۷۶،

نفقہ | فقہ میں بھی انھیں پوری دستگاہ حاصل تھی، حافظ ذہبی انھیں امام وفقیہ لکھتے ہیں[1]،

عہدۂ قضا | ان کا فقہی کمال اتنا مسلم تھا کہ جب حجاج نے کوفہ کے عہدۂ قضا کا انتظام کرنا چاہا تو اس کی نظر انہی پر پڑی، اس کے پولیس افسر حوشب نے مخالفت بھی کی اور کہا کہ اگر آپ علی بن ابی طالب کو قاضی بنانا چاہتے ہیں تو انھیں بنائیے، (یعنی) ان ہی کی طرح مخالفت کریں گے) لیکن حجاج نے اس خطرہ کے باوجود ان ہی کو قاضی بنایا، لیکن پھر بعض اختلافات کی بنا پر جن کا تذکرہ آگے آئیگا معزول کر دیا[2]،

احتیاط | لیکن ان کمالات کے باوجود وہ بڑے محتاط تھے، اور فتاوی کے جوابات دینے میں بہت تامل کرتے تھے، کہا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلعم کے ایک سو بیس انصاری اصحاب کو دیکھا ہے کہ جب ان میں سے کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تھا، تو وہ اپنا پہلو بچا کر چاہتا تھا کہ دوسرا شخص جواب دیدے، اور اب یہ حال ہے کہ لوگ ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے ہیں[3]،

تلامذہ | ان کے تلامذہ کا دائرہ خاصہ وسیع تھا، ان میں ان کے لڑکے عیسیٰ، پوتے عبداللہ، عمرو بن میمون، شعبی، ثابت البنانی، حکم بن عتیبہ، حصین بن عبدالرحمٰن، عمرو بن مرہ، مجاہد بن جبیر، یحییٰ بن الجزار، ہلال الوزان، یزید بن ابی زیاد، ابو اسحٰق شیبانی، منہال بن عمرو، عبدالملک بن عمیر، اعمش اور اسمٰعیل بن ابی خالد وغیرہ لائق ذکر ہیں[5]،

سادگی | طبعاً نہایت سادہ مزاج واقع ہوئے تھے، تکلفات کو سخت ناپسند کرتے تھے، ایک مرتبہ وضو کے بعد ایک شخص نے منہ پوچھنے کے لئے رومال پیش کیا انھوں نے پھینک دیا[6]،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۵۰، [2] ابن سعد ج ۶ ص۷۵، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۵۰، [4] ابن سعد ج ۶ ص۷۵، [5] تہذیب التہذیب ج ۶ ص۲۶۱، [6] ابن سعد ج ۶ ص۷۵،

ہیبت: لیکن اس سادگی کے باوجود لوگوں کے دلوں پر انکی اتنی عظمت وہیبت بیٹھی ہوئی تھی، کہ ان کے ساتھی تک امرار کی جیسی ان کی عظمت کرتے تھے،[1]

ایک آزمائش: ان کے دورِ قضاۃ میں انھیں ایک نہایت سخت آزمائش سے دوچار ہونا پڑا، ان کا پورا گھر حضرت علیؓ کے فدائیوں میں تھا، ان کے والد ابولیلی حضرت علیؓ کی حمایت میں جنگِ صفین میں مارے گئے تھے،[2] خود یہ جنگِ جمل میں حضرت علیؓ کے پرجوش حامیوں میں تھے، اور ان کی فوج کا علم ان کے پاس تھا،[3] خارجیوں کے مقابلہ میں نہروان کے معرکہ میں بھی حضرت علیؓ کے ساتھ تھے،[4] اس فدیت کی بنا پر حجاج نے ان پر دباؤ ڈالا کہ وہ حضرت علیؓ پر تبرا کہیں، یہ توریہ کرتے تھے، صاف برا نہ کہتے تھے، اس لئے حجاج نے ان کو معزول کرکے انھیں مارا،[5]

وہ کہتا تھا کہ علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، اور مختار بن ابی عبید وغیرہ جھوٹوں پر لعنت بھیجو، انھوں نے اس کے ظلم و زیادتی سے مجبور ہو کر لعنت تو بھیجی لیکن الاعمال بالنیات کے اصول پر پہلے وہ کہتے تھے کہ خدا جھوٹوں پر لعنت بھیجے، یہ جملہ تمام کرنے کے بعد پھر وہ علیؓ، ابن زبیرؓ اور مختار کا نام لیتے تھے، اس طرح وہ گویا لعنت کے جملہ کو الگ کر دیتے تھے[6]

ایک بہترین اسوہ: جیسا کہ اوپر کے واقعات سے معلوم ہوا ہوگا، عبدالرحمٰن علوی تھے، یعنی حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں وہ حضرت علیؓ کی فضیلت کے قائل تھے، ان کے ایک دوسرے معاصر عبداللہ بن حکیم عثمانی تھے، اس اختلافِ عقیدہ کے باوجود دونوں ایک مسجد میں نماز پڑھتے تھے، اور کبھی حضرت عثمانؓ اور علیؓ کی فضیلت پر بحث و مناظرہ نہ ہوتا تھا،[7]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۵۰، [2] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص۳۰۵، [3] ابن خلکان ج اول ص۲۷۵

[4] تاریخ خطیب ج۱۰ ص۲۰۰، [5] تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۵۰، [6] ابن سعد ج۶ ص۷۵، [7] تاریخ خطیب بغدادی ج۱۰ ص۲۰۱

وفات، حجاج کے ان مظالم سے تنگ آکر اس کی مخالفت میں ابن اشعث کے ساتھ ہو گئے تھے، اور اسی جنگ میں وہ کام آئے، یا ڈوب کر انتقال کیا[1]،

۴۳- عبدالرحمٰن بن غنم

نام ونسب، عبدالرحمٰن نام، والد کا نام غنم تھا نسب نامہ یہ ہے، عبدالرحمٰن بن غنم بن کرز ابن ہانی بن ربیعہ بن عامر بن عدی بن وائل بن ناجیہ بن الجماہر بن اشعر اشعری بعض علماء انھیں صحابی بتاتے ہیں، اور اس کے ثبوت میں یہ واقعہ پیش کرتے ہیں کہ وہ ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ کشتی پر آئے تھے لیکن یہ بیان صحیح نہیں ہے، وہ عہد رسالت میں موجود ضرور تھے اور اسی عہد میں شرف اسلام سے بھی مشرف ہوئے لیکن آنحضرت صلعم کے شرف زیارت سے محروم رہے، اور یہی روایت تقریباً متفق علیہ ہے[2]،

فضل وکمال، فضل وکمال کے لحاظ سے عبدالرحمٰن ممتاز ترین تابعین میں تھے، ابو مسہر غسانی انھیں راس التابعین کہتے تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کان کثیر القدر صادقاً فاضلاً[3] ابن سعد نے انھیں شام کے تابعین طبقہ اول میں لکھا ہے، عجلی کبار تابعین میں لکھتے ہیں، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ صاحب جلالت اور ذی مرتبہ تھے[4]،

حدیث، چونکہ عبدالرحمٰن مخضرمی ہیں، یعنی انھوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا، اس لئے انھیں صحابۂ کبار کی ایک بڑی جماعت سے استفادہ کا موقعہ ملا، چنانچہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، ابوذر غفاریؓ، ابو درداءؓ، ابو عبیدہ بن جراحؓ، ابو مالک اشعریؓ،

[1] تاریخ خطیب ج۱۰ ص۲۰۲ و ص۲۰۳، [2] تفصیل کے لئے دیکھو تہذیب التہذیب ج۶ ص۲۵۰، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۴۴، [4] تہذیب التہذیب ج۶ ص۲۵۱،

ابوموسیٰ اشعریؓ، ابوہریرہؓ، عبادہ بن صامتؓ، ثوبانؓ اور معاویہؓ وغیرہ سے انھوں نے سماعِ حدیث کیا تھا[1] حضرت معاذ بن جبلؓ کی صحبت سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ مستفید ہوئے تھے، ان کی ہم جلیسی اور مصاحبت کی وجہ سے صاحب معاذان کا لقب ہوگیا تھا[2]

خود ان سے فیض پانے والوں میں ان کے لڑکے محمد بن عبدالرحمٰن، عطیہ بن قیس، ابوسلام الاسود، مکحول شامی، شہر بن حوشب، رجار بن حیوۃ، عبادہ بن نسی، مالک بن ابی مریم اور صفوان بن سلیم وغیرہ لائق ذکر ہیں[3]،

فقہ، عبدالرحمٰن کا خاص فن فقہ تھا، اس میں آپ کو بڑی بصیرت حاصل تھی، ان کے تفقہ کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو فقہ کی تعلیم دینے کے لئے شام بھیجا تھا، شام کے تمام تابعین نے فقہ ان ہی سے حاصل کی تھی[4]

وفات، ۸۰ھ میں شام ہی میں وفات پائی[5]،

۴۴۔ عبدالرحمٰن بن قاسم

نام ونسب، قاسم نام، ابومحمد کنیت، مشہور تابعی قاسم بن محمد بن ابی بکر کے صاحبزادے ہیں، نسب نامہ یہ ہے، عبدالرحمٰن بن قاسم بن ابی بکر بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ، ماں کا نام قریبہ تھا، یہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی صاحبزادی تھیں، اس طرح عبدالرحمٰن کی رگوں میں ددھیال اور ننھیال دونوں جانب سے صدیقی خون تھا،

پیدائش، حضرت عائشہؓ کی زندگی میں پیدا ہو چکے تھے[6]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۲۵۰، [2] تہذیب الاسماء ج اول صفحہ ۳۰۳، [3] تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۲۵۰، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۴۴ و تہذیب الاسماء ج اول صفحہ ۳۰۳، [5] ایضاً، [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۱۱۱،

فضل وکمال | عبدالرحمٰن کے والد قاسم بن محمد فضل وکمال اور زہد ورع کے لحاظ سے بڑے رتبہ کے تابعی تھے، ان کے حالات آئندہ آئیں گے، عبدالرحمٰن نے اسی گہوارۂ علم وفن میں پرورش پائی، اس لئے یہ دونوں کمالات گویا انھیں وراثۃً ملے تھے، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت، امامت، فضیلت اور صلاح پر سب کا اتفاق ہے[۱]، حافظ ذہبی انھیں ثقہ، امام متورع، اور بلند مرتبت لکھتے ہیں[۲]، ابن حبان فقہ، علم، دیانت، حفظ اور اتقان میں سادات اہل مدینہ میں شمار کرتے ہیں[۳]،

حدیث | مدینہ کے بڑے حفاظ میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ورعاً کثیر الحدیث[۴] حافظ ذہبی امام اور حجت لکھتے ہیں[۵]، حدیث میں انھوں نے اپنے والد قاسم، ابن مسیب، عبداللہ بن عبداللہ بن عمر، سالم بن عبداللہ بن عمر، نافع، اور محمد بن جعفر بن زبیر وغیرہ بڑے بڑے تابعین سے استفادہ کیا تھا، اور سماک بن حرب، امام زہری، عبیداللہ بن عمر و بن عجلان، ہشام بن عروہ، منصور بن زاذان، یحییٰ بن منصور، یحییٰ بن سعید انصاری، موسیٰ بن عقبہ، ایوب سختیانی، حمید الطویل، مالک، شعبہ، حماد بن سلمہ، ثوری، اوزاعی، ابن جریج، اور لیث وغیرہ جیسے اکابر آپ کے فیض یافتہ تھے[۶]،

فقہ | فقہ میں بھی وہ ممتاز پایہ رکھتے تھے، ابن حبان انھیں مدینہ کے سادات فقہا میں لکھتے ہیں[۷]، امام نووی رضی ابن الرضی اور فقیہ ابن الفقیہ کا لقب دیتے ہیں[۸]،

زہد وورع | زہد وورع میں بھی وہ ممتاز پایہ رکھتے تھے، ابن سعد، حافظ ذہبی، ابن حجر اور امام نووی

۱؎ تہذیب الاسماء ج اول ص ۳۰۳، ۲؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۲، ۳؎ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۵۴، ۴؎ تہذیب الاسماء بحوالہ ابن سعد، ۵؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۲، ۶؎ تہذیب ج ۶ ص ۲۵۵، ۷؎ ... ۸؎ تہذیب الاسماء ج اول ص ۳۰۳،

تمام ارباب سیر و طبقات ان کے زہد و ورع پر متفق البیان ہیں، مصعب خیار مسلمین میں لکھتے ہیں مرہ کا بیان ہو کہ مدینہ میں ان سے افضل کسی کو نہیں پایا،[1] ابن عیینہ انھیں اس عہد کا افضل ترین شخص کہتے تھے[2]

وفات۔ ان کی جائے وفات اور سنہ وفات دونوں میں ارباب سیر کا اختلاف ہو، ابن سعد کا بیان ہے، کہ شام میں ۱۲۶ھ میں وفات پائی، خلیفہ کی روایت کے مطابق سنہ یہی ہو، لیکن جائے وفات مدینہ ہے، بعض ۱۳۱ھ لکھتے ہیں[3]

۴۵- عروہ بن زبیرؒ

نام و نسب۔ عروہ نام، ابوعبداللہ کنیت، مشہور صحابی حواری رسول حضرت زبیر بن عوامؓ کے فرزند تھے، ان کی ماں اسماء حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں، اس طرح عروہ کی رگوں میں ایک جانب حواری رسول اور دوسری جانب صدیق رسول کا خون تھا،

پیدائش۔ حضرت عمرؓ کے آخر یا حضرت عثمانؓ کے آغاز عہد خلافت میں پیدا ہوئے، پہلی روایت زیادہ مرجح ہے،[4]

جنگ جمل و صفین۔ جنگ جمل میں اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ نکلنا چاہا، لیکن ان کی عمر اس وقت کل تیرہ سال کی تھی، اس لئے شریک نہیں کئے گئے،[5] حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی جنگ میں وہ کسی جانب نہ تھے،

بھائی کی حمایت۔ اپنے بھائی عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالملک کی معرکہ آرائیوں میں اپنے بھائی

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۵۴، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۲، [3] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۵۵، وتہذیب الاسماء ج اول ص ۳۰۲، [4] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۸۳، [5] ایضاً،

کے ساتھ تھے، عبداللہؓ کے مقتول ہونے کے بعد حجاج نے ان کی لاش سولی پر لٹکوادی تھی، اور کسی طرح تجہیز و تکفین کے لئے حوالہ نہ کرتا تھا اس وقت عروہ ہی عبدالملک کے پاس شام گئے تھے، وہ بڑی محبت اور عزت سے پیش آیا، عروہ کو گلے لگا کر اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا، ابھی اس کو عبداللہ بن زبیرؓ کے قتل ہونے کی خبر نہ پہنچی تھی، عروہ ہی کی زبانی اسے معلوم ہوا، یہ خبر سن کر اس نے سجدۂ شکر ادا کیا، اور عروہ کی درخواست پر فوراً حجاج کے نام لاش حوالہ کرنے کا حکم جاری کر دیا، اور اس کی اس حرکت پر سخت ناپسندیدگی ظاہر کی[1]

عبدالملک کی بیعت ادھر مکہ میں عبداللہؓ کے قتل کے بعد حجاج عروہ کے تلاش میں تھا جب انکا پتہ نہ چلا تو اس نے عبدالملک کو لکھا کہ عروہ اپنے بھائی کے ساتھ تھے ان کے قتل ہو جانے کے بعد خدا کا مال لے کر بھاگ گئے، اس وقت عروہ شام میں موجود تھے اس لئے عبدالملک نے جواب دیا کہ وہ بھاگے نہیں ہیں، بلکہ میری بیعت کر لی ہے، میں نے ان کی گذشتہ خطاؤں کو معاف کر کے انھیں امان دیدی ہے، وہ مکہ واپس جاتے ہیں وہاں ان کے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی نہ کیجائے، غرض وہ عبدالملک سے بیعت کر کے مکہ واپس آئے، ان کی واپسی کے بعد ان کے بھائی کی لاش دفن کی گئی،[2]

عقیق کا قیام، اگرچہ عروہ نے عبدالملک کی بیعت کر لی تھی، اور دونوں میں کوئی ناخوشگواری باقی نہ رہ گئی تھی، لیکن وہ امویوں کی بے عنوانیوں اور جابرانہ طرق حکومت کو سخت ناپسند کرتے تھے، لیکن ان کا روکنا بھی ان کے بس میں نہ تھا، اس لئے انھوں نے شہر کا قیام ترک کر کے مدینہ کے قریب عقیق کے دیہات میں سکونت اختیار کر لی،[3]

عبداللہ بن حسن کا بیان ہے کہ علی بن حسین (زین العابدین) اور عروہ روزانہ بعد عشا

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۹۱، [2] ایضاً، [3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۵،

مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں بیٹھتے تھے، میں بھی ان کے ساتھ بیٹھتا تھا، ایک دن گفتگو میں بنی امیہ کے بعض مظالم کا تذکرہ آیا، اور یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ جب کسی میں ان مظالم کو روکنے کی طاقت نہیں ہے تو ان کے ساتھ رہنا کہاں تک مناسب ہے، خدا ان کے مظالم کی سزا میں ایک نہ ایک دن ان پر عذاب نازل کرے گا، عروہ نے علی بن حسین سے کہا کہ جو شخص ظالموں سے علیحدہ رہے گا، اور خدا اس کی اس کی بیزاری سے واقف ہوگا تو امید ہے کہ جب خدا ان کو کسی مصیبت میں مبتلا کرے گا، تو ظالموں سے علیحدہ رہنے والا شخص خواہ ان سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ہو، اس مصیبت سے محفوظ رہے گا، اس گفتگو کے بعد عروہ مدینہ چھوڑ کر عقیق چلے گئے[1] لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا ان کی مسجدیں لہو و لعب اور ان کے بازار لغویات کا گہوارہ ہیں، اور ان کے راستوں میں بے حیائیوں کی گرم بازاری ہے[2]،

مصر کا قیام، ابن یونس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عروہ سات سال تک مصر میں بھی رہے[3]

فضل وکمال عروہ ان اسلاف اور ان بزرگوں کی یادگار تھے جو علم و عمل کا مجمع البحرین تھے ان کے والد زبیر بن عوامؓ حواری رسولؐ تھے، ان کے نانا صدیق اور خلیل رسول تھے، ان کی خالہ عائشہ ام المومنین تھیں، ان کی ماں اسماء کو زبان رسالت سے ذات النطاقین کا خطاب ملا تھا، ان کے بڑے بھائی عبداللہ بڑے صاحب علم صحابی تھے، غرض ان کا سارا گھرانا علم و عمل اور مذہبی اور اخلاقی فضائل و کمالات کا پیکر تھا، عروہ نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی اور اسی میں پرورش پائی، اس لئے یہ دولت گویا انھیں وراثۃً ملی تھی، اور ان کا دامن جملہ علمی اور اخلاقی فضائل سے مالا مال تھا، امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کے مناقب بے شمار ہیں،

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۵، [2] مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۳۲،

[3] تہذیب ج ۷ ص ۱۸۵،

ان کی جلالت، علوے مرتبت اور وفورِ علم پر سب کا اتفاق ہے[1]، حافظ ذہبی انھیں امام اور عالمِ مدینہ لکھتے ہیں[2]، انھیں حدیث اور فقہ دونوں علوم میں یکساں کمال حاصل تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں:

کان ثقة کثیرا لحدیث فقیها عالیا ماموناثبتا[3]،

حدیث | عروہ کے والد، بھائی، ماں، خالہ وغیرہ بیشتر قریب اعزہ احادیثِ نبوی کے رکنِ اعظم تھے، عروہ نے ان سب سے فیض اٹھایا تھا[4]، حضرت عائشہؓ کے خرمن کمال سے جو حدیثِ نبوی کی سب سے بڑی حافظ تھیں، خصوصیت کے ساتھ خوشہ چینی کی تھی، قبیصہ کا بیان ہے کہ عروہ عائشہؓ کے پاس ہم سب سے زیادہ آتے جاتے تھے، اور عائشہؓ اعلم الناس تھیں[5]، انھوں نے قریب قریب حضرت عائشہؓ کا پورا علمی ذخیرہ اپنے سینہ میں محفوظ کر لیا تھا، ان کا خود بیان ہے کہ میں نے عائشہؓ کی وفات سے چار پانچ سال پہلے ان کی کل حدیثیں محفوظ کر لی تھیں، اگر ان کا انتقال اسی وقت ہو گیا ہوتا، تو مجھے ان کی کسی حدیث کے باقی رہ جانے کا افسوس نہ ہوتا کیونکہ ان کی کل احادیث میرے سینہ میں محفوظ ہو چکی تھیں[6]،

حدیث میں وسعتِ علم کے لئے تنہا حضرت عائشہؓ کی احادیث کافی ہیں، عروہ نے کے علاوہ اکابر صحابہ میں زید بن ثابتؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، اسامہ بن زیدؓ، ابو ایوب انصاریؓ، ابو ہریرہؓ، سعید بن زیدؓ، عمرو بن نفیلؓ، حکیم بن حزامؓ، ہشام بن حکیمؓ، جابر بن عبد اللہؓ، مسور بن مخرمہؓ، حسن بن علیؓ، نعمان بن بشیرؓ، عمرو بن العاصؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، عمرو بن سلمہؓ، امہات المومنین میں حضرت عائشہؓ کے علاوہ ام المومنین ام سلمہؓ اور ام حبیبہؓ وغیرہ اور تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت سے فیضیاب ہوئے تھے[7]،

---

[1] تہذیب الاسماء ج اق ا صفحہ ۳۳۲، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۵۵، [3] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۳۳، [4] تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۱۸۱، [5] ایضاً صفحہ ۱۸۳، [6] ایضاً، [7] ایضاً صفحہ ۱۸۱،

ان بزرگوں کے فیض نے عروہ کا دامنِ علم نہایت وسیع کر دیا تھا، ابن شہاب زہری کہتے تھے کہ عروہ حدیث کا بحرِ ذخار تھے[1]، عروہ کے صاحبزادے ہشام جو خود بہت بڑے محدث تھے کہتے کہ ہم نے والد کی احادیث کے دو ہزار حصوں میں ایک حصہ بھی حاصل نہیں کیا[2]

فقہ، | عروہ کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا، اس فن کو بھی انھوں نے اپنی خالہ عائشہ رض سے حاصل کیا تھا[3]، اور اس میں ان کو اتنا کمال حاصل تھا کہ مدینہ کے سات مشہور فقہار میں سے ایک فقیہ مانے جاتے تھے، فقیہ المدینۃ احد الفقہاء السبعۃ فقہاء المدینۃ[4]،

فقہ میں تصانیف | آپ نے فقہ میں کتابیں بھی تالیف کی تھیں، ان میں سے بعض حرہ کے ہنگامہ کے زمانہ میں جب یزیدی لشکر نے مدینۃ الرسول کو لوٹا تھا خود جلادیں[5]، لیکن بعد میں ان کے جلانے کا افسوس ہوا، چنانچہ فرماتے تھے کہ ہم لوگ کتاب اللہ کی موجودگی میں، دوسری کتاب نہیں لکھتے تھے، اس لئے میں نے اپنی کتابیں ضائع کر دیں، لیکن اب خدا کی قسم میری یہ خواہش ہے کہ میری کتابیں میرے پاس موجود ہوتیں، اور خدا کی کتاب اپنی جگہ پر دائم وقائم رہتی[6]،

بعض اقوال، | آپ کے بعض اقوال نہایت حکیمانہ ہیں، فرماتے تھے، کہ جس آدمی میں تم ایک اچھائی دیکھو تو اس سے محبت کرو اور یقین کرو کہ اس میں اور اچھائیاں ہونگی، اور اگر کوئی برائی دیکھو تو اس سے نفرت کرو اور یقین رکھو کہ اس میں ایسی اور برائیاں بھی ہوں گی[7]،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷، صد ۱۸۲، [2] تہذیب الاسماء ج اول ق اول صد ۳۳۲، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول صد ۵۳، [4] تہذیب الاسماء ج اول ق اول صد ۳۳۱، [5] ابن سعد ج ۵ صد ۱۳۳، [6] تہذیب التہذیب ج ۷، صد ۱۸۳، [7] مختصر صفوۃ الصفوہ صد ۱۳۱،

صحابہ کا استفادہ، | ان کا فقہی کمال اس قدر مسلم تھا کہ بڑے بڑے صحابہ رسول مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے[1]

احتیاط، | لیکن اس کمال کے باوجود عروہ اس قدر محتاط تھے کہ کوئی مسئلہ محض رائے سے نہ بیان کرتے تھے[2]

ترغیب علم، | آپ نوجوانوں کو تحصیلِ علم کی ترغیب دلاتے تھے کہ ہم لوگ بھی ایک زمانہ میں چھوٹے تھے، آج وہ دن آیا کہ ہمارا شمار بڑوں میں ہے، تم بھی گو آج کم سن ہو لیکن ایک زمانہ آئیگا جب بڑے ہوگے، اس لئے علم حاصل کرکے سردار بن جاؤ، کہ لوگوں کو تمھاری احتیاج ہو[3]

فضائلِ اخلاق | اس علم کے ساتھ خدا نے عروہ کو عمل کی دولت سے بھی نوازا تھا، وہ اپنے اسلاف کرام کا نمونہ تھے، عجلی کا بیان ہے کہ عروہ صالح آدمی تھے[4] ابن شہاب زہری کا قول ہے کہ وہ علمائے خیر میں تھے[5]

عبادت و ریاضت، | بڑے عابد و زاہد تھے، ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ ان کی ذات میں علم و سیادت اور عبادت سب جمع تھیں[6]، تہجد اس التزام کے ساتھ پڑھتے تھے، کہ ایک شب کے علاوہ جب ایک مرض کے سلسلہ میں جس کا ذکر آیندہ آئیگا، ان کا پاؤں کاٹا گیا اور کبھی ناغہ نہ ہوئی[7] عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے ممنوعہ ایام کے علاوہ باقی بارہوں مہینے روزہ رکھتے تھے، سفر کی حالت میں بھی نہ چھوٹتا تھا، مرض الموت میں بھی اس معمول میں فرق نہ آیا، چنانچہ انتقال کے دن بھی روزے سے تھے[8]

تلاوتِ قرآن محبوب ترین مشغلہ تھا، ایک چوتھائی قرآن دن کو ناظرہ پڑھتے تھے، باقی

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷ صـ ۱۸۳، [2] ایضاً، [3] ایضاً صـ ۱۸۲، [4] ایضاً صـ ۱۸۲، [5] ابن خلکان ج اول صـ ۳۱۶

[6] شذرات الذہب ج ۱ صـ ۱۰۳، [7] تذکرۃ الحفاظ ج اول صـ ۵۲، [8] ابن سعد ج ۵ صـ ۱۳۴،

رات کو تہجد میں تمام کرتے تھے[1]

صبر و استقامت | صبر و استقامت کا مجسم پیکر تھے، بڑی سے بڑی آزمائش اور تکلیف کے موقع پر زبان سے اُف نہ نکلتی تھی، ایک مرتبہ عبدالملک کے پاس شام گئے ہوئے تھے، ان کے لڑکے محمد بھی ساتھ تھے، وہ شاہی اصطبل دیکھنے گئے، ایک جانور نے ان کو ٹپک دیا، اس کے صدمہ سے وہ اسی وقت جاں بحق ہوگئے، اس کے بعد ہی عروہ کے پاؤں میں ایک خراب قسم کا زہریلا زخم پیدا ہوگیا، اطبا نے پاؤں کاٹے جانے کا مشورہ دیا، اور نہ کاٹے جانے کی صورت میں تمام جسم میں زہر پھیل جانے کا اندیشہ ظاہر کیا، عروہ اگرچہ اس وقت ضعیف ہوگئے تھے، لیکن انھوں نے جوانوں سے زیادہ ہمت و استقلال سے پاؤں کٹوا دیا، اور ابرو پر شکن تک نہ آئی، پاؤں کاٹنے سے پہلے طبیب نے کہا تھوڑی سی شراب پی لیجئے، تاکہ تکلیف کا احساس کم ہو، فرمایا، جس مرض میں مجھکو صحت کی امید ہو اس میں بھی حرام شے سے مدد نہ لوں گا، اس نے کہا تو پھر غافل کر دینے والی دوا ہی استعمال کر لیجئے، فرمایا میں یہ بھی نہیں پسند کرتا، کہ میرے جسم کا ایک عضو کاٹا جائے، اور میں اسکی تکلیف محسوس نہ کروں، آپریشن کے وقت چند آدمی سنبھالنے کے لئے آئے عروہ نے پوچھا تمھارا کیا کام ہے، انھوں نے کہا زیادہ تکلیف کے وقت صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے، اس لئے آپ کو سنبھالنے کے لئے آئے ہیں، فرمایا مجھکو امید ہے کہ تمہاری امداد کی ضرورت نہ ہوگی، غرض کسی قسم کی امداد قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، اور نہایت استقلال کے ساتھ پاؤں کو کٹوا دیا، جس وقت پاؤں ٹخنوں سے الگ کیا گیا، اس وقت زبان پر تسبیح و تہلیل تھی، جب خون بند کرنے کے لئے زخم کو داغا گیا، اس وقت شدت

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷، صفحہ ۱۸۳،

تکلیف میں بے ہوش ہو گئے لیکن پھر جلد ہوش آگیا، اور چہرہ کا پسینہ پوچھتے ہوئے کٹے ہوئے پاؤں کو منگا کر دیکھا، اور اس کو الٹ پلٹ کر اس سے خطاب کر کے فرمایا "اس ذات کی قسم جس نے تجھ سے میرا بوجھ اٹھوایا، وہ خوب جانتا ہے کہ میں تیرے ساتھ کسی حرام راستہ پر گامزن نہیں ہوا[۱]،

صبر و شکر، ان پیہم حوادث اور مصائب کے باوجود زبان شکوہ و شکایت سے آلودہ نہ ہوئی بلکہ ہمیشہ خدا کا شکر ہی ادا کرتی رہی، چنانچہ ان آزمائشوں پر فرماتے تھے کہ خدایا تیرا شکر ہے کہ میرے چار ہاتھ پاؤں میں سے تو نے ایک ہی کو لیا، اور تین باقی رکھے، اور چار لڑکوں میں سے ایک ہی لیا اور تین باقی رکھے، اگر تو نے کچھ لیا ہے، تو بہت کچھ باقی رکھا ہے، اگر کچھ مصیبت میں مبتلا کیا ہے، تو بہت دنوں عافیت میں بھی رکھ چکا ہے[۲]،

دولتِ دنیا سے بے نیازی، ان کی نگاہ میں دولت دنیا اور چند روزہ عیش و تنعم کی کوئی وقعت نہ تھی، اسی لئے انھوں نے خدا سے کبھی دنیا نہیں مانگی، ایک مرتبہ امیر معاویہ کے زمانے میں یہ ان کے بھائی عبداللہؓ اور مصعب بن زبیرؓ اور عبدالملک چاروں آدمی مسجد حرام میں جمع تھے، کسی نے تجویز پیش کی کہ ہم لوگ اس گھر میں خدا کے روبرو اپنی اپنی آرزوئیں پیش کریں سب نے اسے پسند کیا، سب سے پہلے عروہ کے بھائی عبداللہ نے کہا کہ میری آرزو یہ ہے کہ میں حرم کا بادشاہ ہو جاؤں اور مجھے تختِ خلافت ملے، ان کے بعد انکے دوسرے بھائی مصعب نے کہا کہ میری تمنا یہ ہے کہ قریش کی دونوں حسین عورتیں سکینہ بنت حسین اور عائشہ بنت طلحہ میرے عقد میں آجائیں، ان کے بعد عبدالملک نے کہا میری آرزو یہ ہے کہ میں کل روے زمین کا بادشاہ ہو جاؤں اور امیر معاویہ کا جانشین بنوں، سب سے اخیر

---

[۱] ابن خلکان ج اول ص ۳۱۶ و ص ۳۱۷، [۲] مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۳۱

میں عروہ نے کہا مجھے تم لوگوں کی خواہشات میں سے کچھ نہ چاہیئے، میں دنیا میں زہد آخرت میں کامیابی اور علم چاہتا ہوں[1]،

خدا نے ان چاروں کی دعا قبول کی ابن زبیرؓ حرم کے بادشاہ ہوئے، اور سات برس تک خلیفہ رہے، سکینہ اور عائشہ دونوں مصعب کے عقد میں آئیں، عبد الملک سندھ سے لیکر اسپین تک کا فرماں روا ہوا، اور امیر معاویہ کی قائم کردہ سلطنت کا وارث بنا، اور عروہ کو خاصانِ خدا کا مرتبہ ملا،

تمول اور فارغ البالی، اگرچہ عروہ خود دولتِ دنیا سے بے نیاز اور بے پرواہ تھے لیکن خدا نے ان کو اس سے وافر حصہ دیا تھا، وہ بڑے صاحب ثروت تھے، ان کے والد حضرت زبیر بن عوامؓ عرب کے متمول ترین آدمی تھے، اپنے بعد کئی کرور کی دولت چھوڑی، یہ تمام دولت ان کے بیٹوں کو ملی، جن میں ایک عروہ بھی تھے، حضرت زبیرؓ کی دولت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انکی چار بیویوں کو آٹھویں حصہ میں بارہ بارہ لاکھ ملا تھا[2]،

فیاضی و سیر چشمی، خدا نے عروہ کو جس فیاضی سے دولت عطا فرمائی تھی ویسے ہی وہ فیاض بھی تھے، انکے کھجوروں کے باغات تھے، کھجوروں کی فصل میں باغ کی دیوار توڑوا دیتے تھے اور ہر شخص کے لئے صلائے عام ہو جاتی لوگ آکر کھاتے تھے، اور باندھ باندھ کر ساتھ لیجاتے تھے[3]،

خوش لباسی اور نفاست، عروہ اگرچہ بڑے عابد و زاہد تھے لیکن مزاج میں نفاست بہت تھی، روزانہ غسل کرتے تھے، کپڑے نہایت بیش قیمت پہنتے تھے، گرمیوں میں جسم پر سندس کی قبا ہوتی تھی جسمیں حریر کا استر ہوتا تھا، خز کی چادر اُوڑھتے تھے[4]،

وفات، ۹۴ھ میں نواحِ مدینہ میں اپنے علاقہ مجاج میں انتقال کیا[5]،

---

[1] ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۳۱۷، [2] بخاری کتاب المغازی باب برکۃ الغازی فی مالہ، [3] مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۱، [4] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۳۴،
[5] ایضاً صفحہ ۱۳۵،

۴۶۔ عطاء بن ابی رباح

نام ونسب، عطا نام، والد کا نام اسلم اور ابو رباح کنیت، عطا کی کنیت ابو محمد تھی، یمن کے مردم خیز قصبہ جند میں حضرت عثمانؓ کے آغازِ خلافت میں پیدا ہوئے، اور مکہ میں نشو ونما پائی، آل میسرہ بن ابی خیثم فہری کے غلام تھے،

فضل وکمال، فضل وکمال اور زہد وورع کے لحاظ سے عطا بڑے جلیل القدر تابعی تھے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ عطا، فقہ، علم وورع اور فضل کے لحاظ سے ساداتِ تابعین میں تھے، حجت، امام اور کبیر الشان تھے[1] علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ مکہ کے مفتی اور مشہور ائمہ میں تھے، بڑے بڑے ائمہ ان کے علمی کمالات کے معترف تھے[2] امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ علم کا خزانہ خدا اسی کو دیتا ہے جسے محبوب رکھتا ہے، اگر علم کسی کے ساتھ مخصوص ہوتا تو عالی نسب اس کے زیادہ حقدار تھے، لیکن عطاء حبشی غلام تھے، یزید بن حبیب نوبی تھے، حسن بصری اور ابن سیرین غلام تھے[3]

امام اوزاعی کہتے تھے کہ عطا نے جس وقت انتقال کیا، اس وقت وہ لوگوں میں روئے زمین کے سب سے زیادہ پسندیدہ آدمی تھے[4]

قرآن، ان کو قرآن، حدیث، فقہ جملہ مذہبی علوم میں پوری دستگاہ حاصل تھی، کان ثقة فقیھا عالما کثیر الحدیث...... کان یعلم القرآن،[5] قرآن کا مستقل درس دیتے تھے،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۰۳، [2] تہذیب الاسماء نووی ج ۱ ص ۳۳۳، [3] مختصر صفوة الصفوہ ص ۱۵۸، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۲، [5] ابن سعد ج ۵ ص ۳۴۴،

حدیث، | حدیث کے مشہور حفاظ میں تھے، حافظ ذہبی نے انکے حالات طبقہ اول کے حفاظ میں لکھے ہیں علامہ ابن سعد کثیر الحدیث لکھتے ہیں، حدیث میں انھوں نے صحابہ میں عبد اللہ بن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، ابن زبیرؓ، معاویہؓ، اسامہ بن زیدؓ، جابر بن عبد اللہؓ، زید بن ارقمؓ، عبد اللہ بن سائبؓ مخزومی، عقیل بن ابی طالبؓ، عمرو بن ابی سلمہؓ، رافع بن خدیجؓ، ابو درداؓ، ابو سعید خدریؓ، ابو ہریرہؓ، ام المومنین عایشہ صدیقہؓ، اور ام ہانیؓ کے خرمن کمال سے خوشہ چینی کی تھی،

عام علمار میں ابو صالح السمان، سالم بن شوال، صفوان بن یعلی بن امیہ، عبید بن عمیر، عروہ بن زبیر، ابن ابی ملیکہ، عماد بن ابی عمار، ابو الزبیر، موسیٰ بن انس، حبیب بن ابی ثابت وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا،[۱]

تلامذہ، | حدیث میں آپ سے فائدہ اٹھانے والوں کی فہرست بہت طویل ہے، بعض کے نام یہ ہیں، ابو اسحق سبیعی، زہری، مجاہد، ایوب سختیانی، اعمش، اوزاعی، ابن جریج، ابو الزبیر، حکم بن عتبہ، ابو حنیفہ وغیرہ،[۲]

آداب سماع حدیث، | حدیثِ رسول کا اتنا احترام تھا کہ تذکرۂ حدیث کے درمیان میں بولنا سخت ناپسند کرتے تھے، اور اس پر برہم ہوتے تھے، معاذ بن سعید الاعور کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ عطا کے پاس تھے، ایک شخص نے حدیث بیان کی، ایک دوسرا شخص درمیان میں کچھ بولا، عطا سخت برہم ہوئے اور کہا یہ کون سا اخلاق اور کون سی طبیعت ہے، خدا کی قسم آدمی اس لئے حدیث بیان کرتا ہے، کہ اس سے ہم کو علم حاصل ہو، اگر کوئی حدیث سناتا ہے، تو خواہ وہ حدیث مجھ سے سنی ہوئی ہو، میں اس کو اس خاموشی سے سنتا ہوں کہ بیان کرنے والے کو یہ معلوم ہو کہ میں نے اس سے پہلے نہیں سنی تھی، عمرو بن عاصم کہتے ہیں کہ میں نے عطار کی یہ باتیں عبد اللہ بن مبارک سے

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۱۹۹، [۲] ایضاً ص ۲۰۰،

نقل کیں تو انھوں نے سنکر کہا کہ میں اس وقت تک جوتا نہ اتاروں گا جب تک خود جاکر اس مھدی سے نہ سنوں گا[1]،

ان کی روایات کے بارہ میں ائمہ کی رائے، امام باقر لوگوں کو ترغیب دیتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے عطار سے حدیثیں لیا کرو[2]،

فقہ، آپ کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا، آپ کے تفقہ پر تمام فقہار محدثین اور ائمہ فن کا اتفاق ہے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ فقہ میں سادات تابعین میں تھے[3]، ربیعہ جو خود بہت بڑے فقیہ تھے کہتے تھے کہ عطار فتاوی میں تمام اہل مکہ پر فائق تھے، محمد بن عبد اللہ الدیباج کہتے تھے کہ میں نے عطار سے بہتر مفتی نہیں دیکھا[4]، امام الفقہار امام اعظم فرماتے تھے کہ میں نے عطار سے افضل کسی کو نہیں پایا[5]، اکابر صحابہ تک ان کے تفقہ کے معترف تھے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور ابن عمرؓ جب مکہ تشریف لاتے اور سائلین ان کی خدمت میں پہنچتے تو عبد اللہ بن عباسؓ ان سے کہتے کہ عطا تمھارے یہاں موجود ہیں، اور تم لوگ میرے پاس آتے ہو[6]، حضرت ابن عمرؓ فرماتے کہ تم میں ابن ابی رباح موجود ہیں اور تم لوگ مجھ سے پوچھنے کے لئے مسائل اٹھا رکھتے ہو[7]،

ان کے زمانہ میں صرف دو شخص مکہ کی مسند افتا کی زینت تھے، ایک یہ اور دوسرے مجاہد، لیکن زیادہ امتیاز انہی کو حاصل تھا[8]،

احتیاط فی الفتوی، لیکن اس کمال کے باوجود وہ اتنے محتاط تھے کہ مسائل میں اپنی رائے کبھی نہ دیتے تھے، اگر اس کے متعلق کوئی سند نہ ہوتی تو صاف کہدیتے کہ مجھے نہیں معلوم، عبد العزیز

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۳۴۵، [2] تہذیب الاسمار ج اول ص ۳۳۴، [3] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۰۳، [4] ایضاً ص ۲۰۱، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۲، [6] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۰۱، [7] تہذیب الاسمار نووی ج اول ص ۳۳۴، [8] ابن سعد ج ۵ ص ۳۴۶،

ابن رفیع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عطار سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا، انھوں نے جواب دیا مجھے نہیں معلوم، لوگوں نے کہا اپنی رائے سے کیوں نہیں جواب دیتے، فرمایا مجھے خدا سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ اس کی زمین میں میری رائے کی اطاعت کیجائے[1]

لیکن ایک فقیہ اور مفتی کیلئے رائے سے کام لینا ناگزیر ہے، عطار جب کبھی رائے سے کام لیتے تھے تو اس کو ظاہر کردیتے تھے، ابن جریج کا بیان ہے کہ عطار جب کوئی بات بیان کرتے تھے، تو میں ان سے پوچھتا تھا کہ یہ علم ہے یا رائے، اگر اثر کی سند پر کہا ہوتا تو کہدیتے اثر ہے اور اگر رائے ہوتی تو کہدیتے رائے ہے[2]

مناسک حج کا علم، مناسک حج کے بہت بڑے عالم تھے، اس میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا، قتادہ کہتے تھے کہ عطار مناسک حج کے سب سے بڑے عالم تھے، امام باقر فرماتے تھے کہ عطار سے زیادہ مناسک حج کا جاننے والا کوئی باقی نہیں ہے[3] اموی فرماں روا ان سے مناسک حج کی تعلیم حاصل کرتے تھے، علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس کو مناسک حج بتائے[4] امویوں کے زمانہ میں حج کے موقع پر منادی کردیجاتی تھی کہ حج کے مسائل میں عطار کے علاوہ دوسرا شخص فتوی نہ دے[5]

معمولی معمولی درجہ کے لوگ جنھیں حج کے ایام میں انھیں دیکھنے کا، ان کے ساتھ رہنے کا یا ان کی خدمت کرنے کا موقع ملتا تھا مسائل حج کے واقف کار بن جاتے تھے، اس سلسلہ میں ایک حکایت مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ حج کے موقع پر ایک حجام نے جس نے عطا کو دیکھا تھا، مجھے پانچ موقعوں پر مناسک حج کی تعلیم دی، بال ترشوانے سے

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷، صـ ۲۰۲، [2] ابن سعد ج ۵ صـ ۳۴۵، [3] ایضاً، [4] مختصر صفوۃ الصفوہ صـ ۱۵۹،
[5] تہذیب الاسمار ج اول صـ ۳۳۴،

پہلے میں نے اس سے حجامت کی بنوائی طے کرنی چاہی، اس نے کہا عبادت[1] میں شرط نہیں کیجاتی، بیٹھ جاؤ حجامت بن جائے گی، میں قبلہ رخ سے ذرا ہٹ کر بیٹھا تھا، اس نے قبلہ رخ[2] بیٹھنے کا اشارہ کیا، میں نے بائیں جانب سے سر منڈانا چاہا، اس نے کہا، داہنی[3] سمت پھیرو، میں نے پھیر دیا، اور وہ سر مونڈنے لگا، میں بالکل خاموش تھا اس نے کہا تکبیر[4] کہتے جاؤ، حجامت بنوانے کے بعد جب میں جانے لگا تو اس نے پوچھا کہاں جاتے ہو، میں نے کہا اپنے قیام گاہ پر، اس نے کہا پہلے[5] دو رکعتیں پڑھ لو، اس کے بعد جاؤ، میں نے خیال کیا کہ حجام خود اس قسم کے مسائل نہیں جان سکتا، جب تک اس نے کسی سے معلوم نہ کیا ہو، چنانچہ میں نے اس سے پوچھا تم نے جن باتوں کی مجھکو تعلیم دی ہے، وہ تمہیں کہاں سے معلوم ہوئیں اس نے کہا میں نے عطار بن ابی رباح کو ایسا کرتے دیکھا تھا[1]

علم میں للہیت، | عطار اپنے علم سے کوئی دنیاوی منفعت نہ چاہتے تھے، بلکہ ان کا علم خالصۃً لوجہ اللہ تھا، سلمہ کا بیان ہے، کہ میں نے عطار، طاؤس اور مجاہد کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا، جس کا مقصد علم سے خالص لوجہ اللہ ہو[2]

زہد وتقوی، | علم کے ساتھ ان میں اسی درجہ کا عمل تھا، زہد وورع کے لحاظ سے وہ جماعت تابعین میں نہایت ممتاز تھے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ علم اور ورع میں سادات تابعین میں تھے[3] حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ عطار کے علم زہد اور خدا پرستی کے مناقب بہت ہیں[4]

قوت ایمانی، | ایمان راس العمل والتقوی ہے عطار ایمان کے جس درجہ پر تھے اس کے متعلق عبدالرحمن کا بیان ہے کہ سارے اہل مکہ کا ایمان مل کر بھی عطار کے ایمان کے برابر نہ تھا[5]

---

[1] ابن خلکان ج اول ص۳۱۹، [2] ابن سعد ج ۵ ص۳۴۵، [3] تہذیب التہذیب ج ۷، ص۲۰۳

[4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۸۶، [5] ابن سعد ج ۵ ص۳۴۵ و ص۳۴۶،

عبادت وریاضت، | عبادت کا یہ حال تھا کہ کامل بیس سال تک مسجد کا فرش ان کا بستر رہا[51]
تہجد میں روزانہ دوسو یا اس سے زیادہ آیتیں پڑھتے تھے[52] کثرت عبادت سے پیشانی پر نشان
سجدہ تاباں تھا[53] ان کا کوئی وقت ذکر الٰہی سے خالی نہ ہوتا تھا، عبداللہ بن عمرو بن عثمان
بیان کرتے ہیں کہ میں نے عطار سے بہتر متقی نہیں دیکھا، ان کی مجلس میں ہر وقت خدا کا
ذکر ہوتا رہتا تھا، اور لوگ علمی مباحثہ کرتے تھے، عطار جب کچھ بولتے، یا جب کوئی سوال
کیا جاتا تو نہایت خوبی سے اس کا جواب دیتے[54]

حج، | آپ کی اقامت گاہ مکہ ہی تھا، اس لئے آپ کا حج کبھی قضا نہ ہوتا تھا، چنانچہ آپ نے
ستر حج کئے[55]

اتباع حدیث، | اتباع حدیث میں بڑا اہتمام تھا، امام شافعیؒ کا بیان ہو کہ تابعین میں عطا
سے زیادہ کوئی متبع حدیث نہ تھا[56]

عزلت گزینی | طبیعت میں عزلت پسندی تھی، لوگوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہ تھا، دروازہ
بند کئے گھر میں بیٹھے رہتے تھے، جب کوئی اندر آنے کی اجازت چاہتا تو پوچھتے کس نیت
سے آئے ہو، اگر آنے والا کہتا کہ آپ کی زیارت کے لئے تو جواب دیتے کہ میرے جیسے شخص
کی زیارت نہیں کیجاتی، پھر فرماتے وہ زمانہ کیسا خبیث ہو جس میں میرے جیسے شخص کی
زیارت کی جائے[57] لیکن اچھی مجلسوں کو جن میں خدا کا ذکر ہوتا، پسند کرتے تھے، فرماتے تھے
کہ جو شخص اس مجلس میں بیٹھتا ہو، جس میں خدا کا ذکر ہوتا ہو تو خدا اس مجلس کو دس باطل

---

۵۱ تہذیب التہذیب ج ۷، ص۲۰۲، ۵۲ مختصر صفوة الصفوہ ج ۲، ص۱۵۵ ۵۳ ابن سعد ج ۵ ص۳۴۶،
۵۴ ایضاً ص۳۴۵، ۵۵ مختصر صفوة الصفوہ ص۱۵۸، ۵۶ تہذیب الاسماء ج اول ص۳۳۳،
۵۷ مختصر صفوة الصفوہ ص۱۵۸،

مجلسوں کا کفارہ بنا دیتا ہے[1]،

خاموشی، | نہایت خاموشی پسند تھے، جب مجمع میں بیٹھنے کا اتفاق ہوتا تو بھی زیادہ تر خاموش ہی رہتے، اسمٰعیل بن امیہ کا بیان ہے کہ عطار عموماً خاموش رہتے تھے، جب کچھ بولتے تھے، تو ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان پر الہام ہو رہا ہے[2]،

وفات، | بروایت صحیح ۱۴۷؁ھ میں وفات پائی[3]،

۴۷- عمرو بن شرحبیل

نام و نسب، | عمرو نام ابو میسرہ کنیت نسباً قبیلہ ہمدان سے تعلق رکھتے تھے،

فضل و کمال، | علمی اعتبار سے فضلائے تابعین میں تھے، حافظ صفی الدین خزرجی ان الفاظ کے ساتھ ان کا تذکرہ کرتے ہیں، عمرو بن شرحبیل الہمدانی ابو میسرۃ الکوفی احد الفضلاء[4]، ان کے قبیلہ میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا، ابو وائل کہتے تھے کہ ہمدانیوں میں کوئی شخص ابو میسرہ کا مثل نہ تھا کسی نے کہا مسروق ابو وائل نے جواب دیا مسروق بھی نہیں[5]،

تفسیر، | آیات قرآنی کی تفسیر و تاویل پر ان کی پوری نظر تھی، بعض آیات کی تفسیر میں ان کا خیال مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے متوارد ہو جاتا تھا، ایک مرتبہ ابن مسعودؓ نے ان سے پوچھا الخنس الجوار الکنس کے بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے، انھوں نے کہا میرے نزدیک نیل گاؤ مراد ہے، ابن مسعودؓ نے کہا میری بھی یہی رائے ہے[6]

---

[1] مختصر صفوۃ الصفوہ صد ۱۸۵ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول صد ۹۶، [3] ایضاً، [4] تہذیب الکمال صد ۲۹۰،

[5] ابن سعد ج ۶ صد ۷۲، [6] ایضاً،

حدیث | حفظِ حدیث کے لحاظ سے اوسط درجہ کے حفاظ میں شمار تھا، حضرت عمرؓ حضرت علیؓ عبداللہ بن مسعودؓ، حذیفہؓ، سلمانؓ، قیس بن سعد بن عبادہؓ، معقل بن مقرنؓ مزنی، نعمان ابن بشیرؓ اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ وغیرہ اکابر صحابہ سے سماعِ حدیث کیا تھا،[۱]

ابو وائل، ابو اسحٰق سبیعی، ابو عمارہ ہمدانی، قاسم بن مخیمرہ، محمد بن منتشر اور مسروق وغیرہ ان کے زمرۂ تلامذہ میں تھے،[۲]

عبادت و ریاضت | علم سے زیادہ ان کے عمل کا پایہ تھا، بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے، ابن حبان لکھتے ہیں، کہ وہ عبادت گذار لوگوں میں تھے، نمازوں کی کثرت سے (ان کے جوڑوں پر) اونٹوں کی طرح گٹھے پڑ گئے تھے،[۳]

عبادت میں طہارت کا لحاظ | عبادت میں طہارت اور پاکی کا بڑا لحاظ رکھتے تھے، فرماتے تھے کہ خدا کا ذکر پاک ہی مقام پر کرنا چاہئے،[۴]

صدقات | وہ اپنی حیثیت کے مطابق مخیر اور فیاض بھی تھے، اپنی آمدنی کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور خیرات کرتے تھے، یونس کا بیان ہے کہ جب ان کا وظیفہ ملتا تھا تو اس میں سے وہ خیرات کیا کرتے تھے،[۵]

وفات | ۶۳ھ میں وفات پائی،[۶] مرض الموت میں لوگوں سے فرمایا، میں مرنے کے لئے بالکل آمادہ ہوں، پیش آنے والے مرحلہ کے علاوہ اور کسی شے کا خوف دل میں نہیں ہے، نہ میرے پاس مال و دولت ہے (کہ اس کا افسوس ہو) اور نہ مجھ پر کسی کا قرض ہے (کہ اس کی فکر ہو) نہ میرے پاس عیال ہیں (کہ اپنے بعد ان کی فکر ہو) میرے مرنے کی خبر کسی کو

۱؎ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۷، ۲؎ ایضاً، ۳؎ ایضاً، ۴؎ ابن سعد ج ۶ ص ۴۲، ۵؎ ایضاً

۶؎ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۸،

نہ دیجائے، جنازہ لے چلنے میں تم لوگ جلدی کرنا، قبر پر ہری شاخ رکھنا، مہاجرین اس کو مستحب سمجھتے تھے، قبر اونچی نہ کرنا کہ اس کو وہ ناپسند کرتے تھے، آخر وقت لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرنا، ان ہدایات کے بعد وفات پائی، قاضی شریح نے نمازِ جنازہ پڑھائی،[1]

۴۸۔ عمرو بن دینار

نام ونسب، عمرو نام، ابو محمد کنیت، باذان عجمی کے غلام تھے،

پیدائش، ۴۶ھ میں پیدا ہوئے،[2]

فضل وکمال، علمی اعتبار سے مکہ کے اکابر علماء میں تھے، حافظ ذہبی انھیں حافظ، امام، اور عالمِ حرم لکھتے ہیں،[3] امام نووی کا بیان ہے کہ ان کی جلالت، امامت اور توثیق پر سب کا اتفاق ہے، وہ ائمۂ تابعین میں تھے،[4]

حدیث، حدیث کے بڑے حافظ تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کان عمرو ثقة ثبتا کثیر الحدیث[5] صحابہ میں انھوں نے، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ، ابن عمرو ابن العاصؓ، ابوہریرہؓ، جابر بن عبد اللہؓ، ابو الطفیلؓ، سائب بن یزید وغیرہ اور تابعین میں سعید ابن مسیب، سعید بن جبیر، سالم بن عبد اللہ، طاؤس، عطاء، محمد بن علی، مجاہد، ابن ابی ملیکہ، سلیمان بن یسار، وہب بن علبہ، اور امام زہری وغیرہ ایک کثیر جماعت سے استفادہ کیا تھا،[6]

وسعتِ علم، حدیث میں ان کا علم نہایت وسیع تھا، اس عہد کے تمام علماء کا علم ان کے سینہ میں محفوظ تھا، طاؤس اپنے لڑکے کو ہدایت کرتے تھے کہ جب مکہ جانا تو ابن دینار

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۳۳، [2] تذکرة الحفاظ ج اول ص ۱۰۱، [3] ایضاً، [4] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۲۷، [5] ابن سعد ج ۵ ص ۳۵۱، [6] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۹،

کے پاس ضرور جانا، ان کے کان علماء کا خریطہ تھے[۵۱]

مرویات کا پایہ، ان کی روایات کا پایہ، ارباب فن کے نزدیک نہایت بلند تھا، امام زہری کہتے تھے کہ میں اعلیٰ درجہ کی حدیثوں میں اس شیخ سے زیادہ انص نہیں دیکھا، سفیان نے ایک مرتبہ سعد سے سوال کیا، کہ تم نے حدیثوں میں سب سے زیادہ متقن کس کو دیکھا انھوں نے کہا عمرو بن دینار اور قاسم بن عبد الرحمٰن کو، ابن عیینہ اور عمرو بن جریر انھیں ثقہ ثبت صدوق اور کثیر الحدیث کہتے تھے[۵۲]

روایت بالمعنی روایت میں انتہائی احتیاط کے باوجود وہ احادیث کے الفاظ کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے تھے، اور بالمعنی حدیثیں روایت کرتے تھے[۵۳]

محدثین کا مرجوعہ حدیث میں ان کے وسعت علم کی بناء پر ان کی ذات شائقین حدیث کا مرجع بن گئی تھی، لوگ دوسروں سے پوچھ پوچھ کر ان کی مرویات لکھتے تھے، سفیان کا بیان ہے کہ ایوب مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ عمرو بن دینار نے فلاں شخص سے کون سی حدیث بیان کی، میں ان کو بتا کر پوچھتا کیا آپ لکھنا چاہتے ہیں، وہ کہتے ہاں[۵۴]

تلامذہ ان کے فیض عام نے ان کے تلامذہ کا دائرہ خاصہ وسیع کر دیا تھا، اکابر علماء میں جعفر صادق، ابو قتادہ، مسعر، ابن ابی نجیح، حماد اور سفیان وغیرہ کے نام لائق ذکر ہیں، انکے علاوہ، عام تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا[۵۵]

فقہ، فقہ میں بھی ان کو بڑی دستگاہ حاصل تھی، تفریع واستنباط مسائل میں انھیں درجہ امامت واجتہاد حاصل تھا، امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ اصحاب مذاہب کے مجتہدوں میں

---

۵۱ ابن سعد ج ۵ صـ ۳۵۳، ۵۲ تہذیب التہذیب ج ۸ صـ ۳۰، ۵۳ ابن سعد ج ۵ صـ ۳۵۳،
۵۴ ایضاً، ۵۵ تہذیب التہذیب ج ۸ صـ ۳۰،

تھے، عمرو مکہ کے مفتی تھے[۱] بعض علماء ان کے فقہی کمال کے اتنے معترف تھے کہ انھیں طاؤس، عطاء اور مجاہد جیسے اکابر علماء پر بھی فوقیت دیتے تھے،[۲] چنانچہ ابن ابی دینار ان کو ان تینوں سے بڑا فقیہ مانتے تھے،[۳] ابن عیینہ کہتے تھے کہ ہم لوگوں کے نزدیک عمرو بن دینار سے بڑا فقیہ ان سے بڑا عالم اور حافظِ حدیث کوئی نہ تھا،[۴]

احتیاط — ان کمالات کے باوجود وہ بیحد محتاط تھے، شدتِ احتیاط کی بنا پر وہ حدیث اور فقہی مسائل کی کتابت پسند نہ کرتے تھے، فرماتے تھے کہ لوگ ہم سے سوالات کرتے ہیں، جب ہم انھیں بتاتے ہیں، تو وہ اس کو لکھکر پتھر پر نقش بنا لیتے ہیں، ممکن ہے کل کو ہم اس سے رجوع کر لیں، (اس وقت وہ غلط نقوش باقی رہ جائیں گے) ایک مرتبہ آپ سے کسی نے بتایا کہ سفیان آپ سے جو کچھ سنتے ہیں، اس کو لکھ لیتے ہیں، یہ سن کر آپ لیٹ کر رونے لگے، اور کہا جو شخص مجھ سے لکھتا ہے وہ مجھ پر بڑی زیادتی کرتا ہے،[۵]

ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کسی چیز کے متعلق کچھ پوچھا، آپ نے کوئی جواب نہیں دیا، سائل نے کہا اس کے بارہ میں میرے دل میں بعض شکوک ہیں، اس لئے جواب دیدیجئے، آپ نے کہا خدا کی قسم تمہارے دل میں ابوقبیس (پہاڑ) کے برابر شک ہونا مجھے اس کے مقابلہ میں زیادہ پسند ہے کہ میرے دل میں بال برابر شک ہو (یعنی اسکے جواب میں)[۶]

عبادت و ریاضت — اس علم کے ساتھ بڑے عبادت گذار تھے، رات کا بیشتر حصہ عبادت میں گذرتا تھا، ایک تہائی شب سوتے تھے، ایک تہائی میں حدیثیں پڑھتے تھے اور ایک تہائی نماز میں بسر ہوتی تھی،[۷]

---

۱ تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۲۷، ۲ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۰، ۳ تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۲۷، ۴ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۱، ۵ ابن سعد ج ۵ ص ۳۵۲، ۶ ایضاً، ۷ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۱،

جماعت کا اہتمام | جماعت کی پابندی میں اتنا اہتمام تھا کہ عالم پیری میں جب کہ چلنے پھرنے کی طاقت باقی نہ رہ گئی تھی مسجد ہی میں جو اُن کے گھر سے کافی فاصلہ پر تھی نماز پڑھتے تھے سفیان کا بیان ہے کہ عمر نے کسی زمانہ میں مسجد کا آنا نہ چھوڑا، وہ پیری کے زمانہ میں، اٹھا کر گدھے پر بٹھائے جاتے تھے، میں ان کو ہمیشہ مسجد جانے کے انتظار ہی میں بیٹھا ہوا پاتا تھا شروع میں صغر سنی کی وجہ سے انھیں اٹھا کر سواری پر بٹھانے کے قابل نہ تھا لیکن پھر چند دنوں کے بعد ہو گیا تھا، ان کا گھر مسجد سے دور تھا[1]

مذہبی خدمات کا معاوضہ نہ لیتے تھے | مذہبی خدمات پر معاوضہ لینا اچھا نہ سمجھتے تھے، اور انھیں حسبۃً للہ انجام دیتے تھے، ابن ہشام نے آپ سے خواہش کی کہ میں آپ کا وظیفہ مقرر کئے دیتا ہوں، آپ اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر افتا کی خدمت انجام دیجئے، آپ نے منظور نہ کیا اور یوں ہی بلا معاوضہ جس طرح انجام دیتے چلے آرہے تھے، انجام دیتے رہے،[2]

وفات | ۱۱۵؁ھ میں وفات پائی،[3]

۹۴۔ عکرمہ مولی ابن عباسؓ

نام ونسب | عکرمہ نسلاً بربری اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نامور غلام ہیں، ابتداءً حصین بن الحر العنبری کی غلامی میں تھے، پھر اونھوں نے ان کو ابن عباسؓ کو دیدیا تھا، عکرمہ اس وقت بہت کم سن تھے اس لئے ابن عباسؓ ہی کے دامن تربیت میں اون کی پرورش ہوئی، انکی تعلیم وتربیت کے اثر سے وہ اس درجہ کو پہنچ گئے کہ ان کی شخصیت بڑے بڑے آزاد علما کے لئے باعثِ رشک بن گئی،

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۳۵۳، [2] ایضاً، [3] ایضاً،

تعلیم عکرمہ میں تحصیلِ علم کی استعداد اور اس کا ذوق و شوق فطری تھا، وہ ہر شخص سے سبق لیتے تھے، ان کا بیان ہے کہ جب میں بازار جاتا تھا، اور کوئی بات سنتا تھا تو اس سے میرے لئے علم کے پچاسوں دروازے کھل جاتے تھے[1]،

اس مناسبتِ طبع کے ساتھ خوش قسمتی سے ان کو ابن عباسؓ جیسا حبر اور شفیق آقا مل گیا، جس نے ان کا رجحان دیکھ کر بڑی محنت اور جانفشانی سے ان کو تعلیم دی[2]، عکرمہ کو علم کی اتنی پیاس تھی کہ وہ تا عمر اس سے سیر نہ ہوئے، مسلسل چالیس برس تک وہ تعلیم حاصل کرتے رہے[3]،

فضل و کمال ان کے اس ذوق اور ابن عباسؓ کی توجہ نے ان کو علم کا دریا بنا دیا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ (علم کے) سمندروں میں سے ایک سمندر تھے[4] حافظ ذہبی ان کو حبر العالم کے لقب سے یاد کرتے ہیں[5]، ان کے زمانہ میں غلاموں میں کیا بڑے بڑے شرفاء اور نجباء میں بھی کوئی ان کا ہمسر نہ تھا، تفسیر، حدیث، فقہ جملہ علوم میں انھیں درجہ امامت حاصل تھا،

تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ تفسیر کے امام تھے، کم صحابہ اس خاص فن میں ان کے مقابل تھے انھوں نے بڑی سختی اور کوشش سے عکرمہ کو تفسیر پڑھائی تھی[6] اور اپنا سارا علم ان کے سینہ میں منتقل کر دیا تھا، ابن عباسؓ کے تلامذہ میں تفسیر میں کوئی ان کا ہم پایہ نہ تھا، عباس بن مصعب مروزی کا بیان ہے کہ ابن عباسؓ کے تلامذہ میں تفسیر میں یہ سب سے بڑے عالم تھے[7]، قتادہ کہتے تھے کہ اعلم التابعین چار ہیں، عطاء، سعید بن جبیر اور عکرمہ اور

---

[1] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۲۱۲، [2] ابن خلکان ج اول صفحہ ۳۱۹ و ابن سعد حوالہ مذکور، [3] تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۸۴، [4] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۲۱۲، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۸۳، [6] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۲۱۲، [7] تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۲۶۵،

ان چاروں میں عکرمہ تفسیر کے سب سے بڑے عالم ہیں، امام شعبی کہتے تھے کہ عکرمہ سے زیادہ کتاب اللہ کا جاننے والا باقی نہیں ہے، جب تک عکرمہ بصرہ میں رہتے تھے، اس وقت تک حسن بصری تفسیر نہیں بیان کرتے تھے[1]

ابن عباسؓ کی زندگی ہی میں عکرمہ بہت بڑے مفسر ہو گئے تھے، ابن عباسؓ کبھی کبھی ان کا امتحان لیتے تھے، اور ان کے عالمانہ جواب سنکر اظہار خوشنودی کرتے تھے، ایک مرتبہ انھوں نے یہ آیت

لم تعظون قوما الله مهلكهم	تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنکو
او معذبهم عذابا شديدا	اللہ ہلاک کرنے والا یا سخت عذاب دینے والا ہے

پڑھکر فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ ان لوگوں نے نجات پائی یا ہلاک ہو گئے، عکرمہ نے نہایت وضاحت اور تشریح سے ثابت کر دیا کہ نجات پائی، ابن عباسؓ نے خوش ہو کر ان کو ایک حلہ پہنایا[2]

تفسیر کا درس | اس عہد کے بڑے بڑے علماء ان سے تفسیر حاصل کرتے تھے، مجاہد اور ابن جبیر جیسے فضلا ان سے استفادہ کرتے تھے، یہ جو سوالات کرتے تھے، عکرمہ اسکی تفسیر بتاتے تھے، انکے سوالات ختم ہونیکے بعد پھر اپنی جانب سے بہت سی آیات کی شان نزول بتاتے[3]، ان کے فیض سے مجاہد امام تفسیر بن گئے

حدیث | ان کا خاص فن حدیث تھا، اس کے وہ بحر بیکراں تھے، حدیث میں انھوں نے زیادہ تر ابن عباسؓ سے فیض پایا تھا، ان کے علاوہ صحابہ میں حضرت علیؓ، ابو ہریرہؓ، ابن عمرؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، ابو سعید خدریؓ، عقبہ بن عامرؓ، حجاج بن عمرو بن غزیہ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، صفوان بن امیہؓ، یعلی بن امیہؓ، جابرؓ، ابو قتادہؓ، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ، اور

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷ صہ ۲۶۴، [2] ابن سعد ج ۵ صہ ۲۱۳، [3] تہذیب التہذیب ج ۷، صہ ۲۶۶،

حمنہ بنت جحش وغیرہ سے بھی استفادہ کیا تھا[1]

حدیث میں ان کی وسعتِ علم کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابن عباسؓ کی مرویات جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے زیادہ تر انہی سے مروی ہیں، علامہ ابن سعد انکو کثیر الحدیث لکھتے ہیں[2]، شہر بن حوشب کہتے تھے کہ ہر قوم کا ایک حبر ہوتا ہے، اس امت کا حبر ابن عباسؓ کا غلام ہے[3]

طالبانِ حدیث کا مرجع، ان کی ذات مرجع خلایق تھی، طالبانِ حدیث دور دور سے ان سے استفادہ کے لئے آتے تھے، جدھر سے وہ گذر جاتے تھے، شایقین کا ٹھٹھ لگ جاتا تھا، ایوب کا بیان ہے کہ میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ عکرمہ دنیا کے جس حصہ میں بھی ملیں گے ان کے پاس جاؤں گا، اسی دوران میں ایک دن بصرہ کے بازار سے گذرا اتفاقاً عکرمہ وہاں مل گئے، لوگوں کی زبانوں پر عکرمہ کا نام آنا تھا کہ ہر طرف سے آدمی ان کے پاس جمع ہو گئے میں بھی قریب گیا، لیکن ہجوم کی کثرت سے کچھ پوچھ نہ سکا، اور بہت سے مسائل جاتے رہے، یہ دیکھ کر میں ان کی سواری کے پہلو میں کھڑا ہو گیا، لوگ ان سے جو کچھ پوچھتے تھے، اور وہ جو جوابات دیتے تھے میں ان کو یاد کرتا جاتا تھا، ایوب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عکرمہ ہمارے یہاں آئے، ان کے پاس لوگوں کا اتنا ہجوم ہو گیا کہ انھیں مجبور ہو کر چھت پر چڑھ جانا پڑا[4]

عکرمہ پر جرح، ان بیانات کے ساتھ ساتھ رجال کی کتابوں میں عکرمہ کے بارہ میں ایسی تنقیدیں بھی ملتی ہیں جن سے ان کی روایات کی صداقت بہت کچھ مشکوک ہو جاتی ہے، وہ بیانات یہ ہیں،

ابو الاسود دیلی کہتے ہیں کہ عکرمہ میں فہم و دانائی کم تھی، جب ان سے کوئی حدیث پوچھی جاتی جو انھوں نے دو آدمیوں سے سنی ہو تو وہ اس کو کبھی ایک کی طرف منسوب کر دیتے

[1] تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۲۶۶، [2] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۲۱۶، [3] تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۲۶۵، [4] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۲۱۳ ایضاً

کبھی دوسرے کی طرف لیکن یہ بیان خود ابوالاسود کے دعوی کی تردید کر رہا ہے، جب انھوں نے ایک روایت دو راویوں سے سنی تو انھیں اختیار ہے جس کی جانب چاہیں منسوب کریں اس سے ان کی فہم پر کس طرح حرف آسکتا ہے،

ابو خلف الخراز[۲] یحیی البکار سے روایت کرتے ہیں، کہ انھوں نے ابن عمرؓ سے سنا وہ اپنے غلام سے کہتے تھے کہ نافع خدا سے ڈرو، اور مجھ پر اس طرح بہتان نہ باندھو جس طرح عکرمہ ابن عباسؓ پر باندھتے تھے،

جریر[۳] بن عبد الحمید، یزید بن ابی زیاد سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ کے صاحبزادے عکرمہ کو ابن عباسؓ پر جھوٹ باندھنے کے جرم میں باندھتے تھے،

ہشام[۴] بن سعد، عطاء خراسانی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب سے کہا کہ عکرمہ کا گمان ہے کہ رسول اللہ صلعم نے حالت احرام میں میمونہؓ کے ساتھ شادی کی انھوں نے جواب دیا کہ انھوں نے جھوٹ کہا،

فطر[۵] بن خلیفہ کا بیان ہے کہ میں نے عطاء سے کہا کہ عکرمہ کہتے ہیں کہ موزوں پر مسح کو قرآن کے احکام نے باطل اور منسوخ کر دیا ہے، عطاء نے کہا انھوں نے جھوٹ کہا، میں نے ابن عباسؓ سے سنا ہے، وہ کہتے تھے کہ خفین پر مسح کرو، اگرچہ تم بیت الخلاء سے نکلو،

اسرائیل[۶] عبد الکریم جزری سے روایت کرتے ہیں کہ عکرمہ زمین کے لگان کو مکروہ سمجھتے تھے، انھوں نے سعید بن جبیر سے اس کا تذکرہ کیا، انھوں نے کہا عکرمہ نے جھوٹ کہا،

وہیب[۷] بن خالد یحیی بن سعید انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ وہ انھیں جھوٹا کہتے تھے،

ابراہیم[۸] بن منذر، معن بن عیسی سے روایت کرتے ہیں کہ امام مالک عکرمہ کو ثقہ نہیں

سمجھتے تھے، اور ان سے روایت کی ممانعت کرتے تھے، اور اس قبیل کے بعض بیانات ہیں[1]،

ان بیانات کی حیثیت، لیکن ان میں سے کوئی روایت بھی لائق اعتماد نہیں، اس لئے کہ اولاً تو ان کی سندیں مسلسل نہیں ہیں، دوسرے ان کے راوی لائق اعتماد نہیں،

ابو الاسود دیلی میں شیعیت تھی[2] اگرچہ شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں، لیکن جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ خارجیوں کے بعض خیالات عکرمہ کی جانب منسوب تھے، ایسی صورت میں ان کے بارہ میں ایک شیعہ کا بیان لائق اعتبار نہیں رہ جاتا،

دوسری روایت میں یحیی البکاء باتفاق ارباب فن لائق اعتماد نہیں[3]، تیسری روایت کا ایک راوی یزید شیعہ ہے، اس کے علاوہ اس نے خود عکرمہ سے روایت لی ہے[4]، ایسی صورت میں اس کا بیان خود اس کے عمل کے خلاف ہو جاتا ہے، پھر پہلا راوی جریر بن عبد الحمید بھی کچھ زیادہ لائق اعتماد نہیں[5]، چوتھی روایت میں ہشام بن سعد کی روایات پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں، محتاط محدثین ان سے روایت نہیں لیتے تھے[6]،

پانچویں روایت میں فطر بن خلیفہ بعض لوگوں کے نزدیک ناقابل اعتبار ہیں[7]، چھٹی روایت کا راوی اسرائیل بالکل مجہول ہے، پھر اس میں جس بنا پر عکرمہ کی تکذیب کی گئی ہے، اس کی حیثیت یہ ہے کہ گو بروایات صحیحہ عہد رسالت میں لگان لیا جاتا تھا، لیکن بعض صحابہ کو لاعلمی یا غلط فہمی کی بنا پر اس کے جواز میں شک تھا، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے جنھیں اس کا ذاتی علم تھا کہ عہد رسالت میں برابر لگان لیا جاتا تھا، لیکن بعض صحابہ کو لاعلمی یا غلط فہمی کی بنا پر اس کے جواز

---

[1] یہ تمام روایتیں تہذیب التہذیب ج ۷ تذکرہ عکرمہ میں ہیں، [2] تہذیب التہذیب ج ۱۲ صہ ۱۱
[3] ایضاً ج ۱۱ صہ ۲۷۹، [4] ایضاً صہ ۳۲۹، [5] تہذیب التہذیب ج ۲ صہ ۷۶ [6] ایضاً ج ۱۱ صہ ۲۱۳ [7] ایضاً ج ۸ صہ ۳۰۲،

خیال سے لینا ترک کر دیا تھا، کہ ممکن ہو انھوں نے آنحضرت صلعم کی ممانعت نہ سنی ہو[1]، ایسی حالت میں عکرمہ کا خیال بالکل بے بنیاد نہیں کہا جا سکتا، ساتویں روایت میں خالد ضعیف راوی ہے[2]، آٹھویں روایت میں ابراہیم بن منذر کی روایات متکلم فیہ ہیں[3]،

غرض روایتی حیثیت سے یہ تمام بیانات پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں، پھر ان کے مقابلہ میں اس کے خلاف اتنی روایتیں ہیں، کہ ان کے ہوتے ہوئے عکرمہ پر حرف رکھنا قیاس ہی میں نہیں آسکتا، مثلاً

علماء اور محدثین کا اتفاق

اسحٰق بن عیسٰی الطباع کا بیان ہے کہ میں نے مالک بن انس سے پوچھا کہ آپ کو ابن عمرؓ کے اس قول کا علم ہے، کہ "مجھ پر اس طرح کا جھوٹ نہ باندھو جس طرح عکرمہ ابن عباسؓ پر جھوٹ باندھتے ہیں"، مالک نے کہا نہیں، مجھے اس کا علم نہیں، البتہ سعید بن مسیب اپنے غلام برد سے ایسا کہتے تھے، اس میں شک نہیں کہ سعید بن جبیر دوسروں کی زبانی سنی ہوئی عکرمہ کی بعض روایات میں شبہ ظاہر کرتے تھے لیکن جب اون کو خود ان کی زبان سے سن لیتے تھے تو ان کا شبہ دور ہو جاتا تھا، ابو اسحٰق کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابن جبیر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ تم لوگ عکرمہ سے ایسی حدیثیں روایت کرتے ہو کہ اگر میں ان کے پاس ہوتا تو شاید وہ نہ بیان کرتے، اتفاق سے اس کے بعد ہی عکرمہ آگئے، اور انھوں نے وہی حدیثیں بیان کیں، تمام حاضرین خاموشی کے ساتھ سناکئے، سعید بھی کچھ نہیں بولے، جب عکرمہ اٹھ گئے، تو لوگوں نے ابن جبیر سے پوچھا، ابو عبداللہ یہ کیا آپ کیوں خاموش رہے، انھوں نے کہا عکرمہ نے صحیح بیان کیں[4]، تمام محدثین انکی صداقت

---

[1] بخاری ج اول ص ۳۱۵، [2] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۷۱، [3] ایضاً ج اول ص ۱۶۷،

[4] ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۳،

اور ان کے کمالات علمی کے معترف تھے، اور ان کی روایات قبول کرتے تھے، عطار اور سعید دونوں ان کی حدیثیں قبول کرتے تھے، حبیب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عکرمہ اور عطار سعید کے یہاں گئے، اور ان کو حدیثیں سنائیں، جب وہ حدیث بیان کر کے اٹھ گئے تو میں نے ان دونوں سے پوچھا کہ عکرمہ نے جو کچھ بیان کیا ہے، اس میں کسی شئے سے آپ کو انکار ہے، انھوں نے کہا نہیں[1]، ابن جبیر کا پایہ محتاج بیان نہیں، وہ عکرمہ کو اپنے سے بڑا عالم مانتے تھے[2]، ابن جریج جو تبع تابعین میں نہایت بلند مرتبہ محدث تھے عکرمہ کے اتنے معترف تھے کہ انھوں نے ایک مرتبہ یحیی بن ایوب مصری سے پوچھا کہ تم لوگوں نے عکرمہ سے کچھ لکھا، انھوں نے کہا نہیں، ابن جریج نے کہا تو تم نے دو تہائی علم ضائع کر دیا[3]،

قتادہ چار آدمیوں کو بڑا عالم مانتے تھے، ان میں ایک عکرمہ تھے، ابن سیرین نے ابن عباسؓ کی تمام روایتیں عکرمہ ہی کے واسطہ سے لی ہیں، احمد بن حنبل ان کی روایات لائق احتجاج سمجھتے تھے، ابن معین ثقاہت میں عکرمہ کو ابن جبیر کے برابر سمجھتے تھے، ان کو ان سے اتنی عقیدت تھی کہ ان کے متعلق کسی قسم کا سوء ظن روا نہیں رکھتے تھے، چنانچہ کہا کرتے تھے کہ جب میں کسی شخص کو عکرمہ اور حماد بن سلمہ کے بارہ میں عیب چینی کرتے ہوئے سنتا ہوں تو مجھے اس کے اسلام میں شک ہو جاتا ہے، ابن مدائنی کا بیان ہے کہ ابن عباسؓ کے غلاموں میں عکرمہ سے زیادہ وسیع العلم دوسرا نہ تھا، عکرمہ اہل علم میں تھے، امام بخاری کہتے تھے کہ ہمارے تمام اصحاب عکرمہ سے احتجاج کرتے ہیں، امام نسائی انھیں ثقہ کہتے ہیں، ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ میں نے اپنے باپ سے سوال کیا کہ عکرمہ کیسے ہیں، انھوں نے

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۳، [2] تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۲۶۶، [3] ایضاً،

جواب دیا ثقہ ہیں، میں نے پوچھا ان کی احادیث لائق احتجاج ہیں فرمایا ہاں جب وہ ثقات سے روایت کریں، یحیی بن سعید اور امام مالکؒ نے ان کی روایات کا نہیں بلکہ انکی رائے کا انکار کیا ہے، پوچھا گیا ابن عباسؓ کے اور غلاموں کا کیا حال ہے، فرمایا عکرمہ ان سب میں بلند مرتبہ ہیں، اس موقع پر ان کی کوئی حدیث بیان کرنے کی ضرورت نہیں ثقات ان سے جو روایت کرتے ہیں وہ روایات صحیح اور درست ہوتی ہیں، ائمۂ حدیث نے انکی روایات سے منع نہیں کیا ہے اور اصحاب صحاح نے انکی روایات کو صحاح میں داخل کیا ہے ان کی شخصیت اس سے بلند ہے کہ میں ان کی احادیث کو ثبوت میں پیش کروں[۱]

ابن منده کا بیان ہے کہ اکابر تابعین کی بڑی تعداد اور تبع تابعین نے عکرمہ کی تعدیل کی ہے، ان سے احادیث روایت کی ہیں، ان کی منفرد روایتوں سے صفات سنن اور احکام میں احتجاج کیا ہے، ان سے تین سو سے زیادہ اشخاص نے روایتیں کی ہیں، جن میں ستر سے زیادہ بڑے اور خیار تابعین ہیں، یہ وہ مرتبہ ہے جو کسی تابعی کو حاصل نہیں، جن ائمہ نے ان پر جرح کی ہے وہ بھی ان کی احادیث قبول کرنے سے بے نیاز نہ رہ سکے، ان کی احادیث حسن قبول کے ساتھ لی جاتی ہیں، ابتدا یعنی تابعین کے دور سے لیکر ائمہ اربعہ یعنی بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی کے زمانہ تک تمام ائمہ نے ان کی صحیح روایات لیکر ثابت وسقیم اور صحیح اور غلط میں امتیاز قائم کیا، غرض ان کی روایات سے قرناً بعد قرنٍ اور اماماً بعد امامٍ احتجاج ہوتا چلا آیا ہے، اور چاروں ائمہ نے ان کی روایات لی ہیں، اور ان سے احتجاج کیا ہے، امام مسلم ان کے متعلق بری رائے رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے ان کی روایتیں لی ہیں اور جرح کے بعد انکی تعدیل کی ہے[۲]

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۶ تا ص ۲۶۷، [۲] ایضاً ص ۲۷۱

ابو عبد اللہ محمد بن نصر المروزی کا بیان ہے کہ عکرمہ کی احادیث سے احتجاج پر تمام علمائے حدیث کا اجماع ہے، ہمارے زمانہ کے تمام ممتاز محدثین، احمد بن حنبل، ابن راہویہ، یحییٰ ابن معین اور ابو ثور وغیرہ کا اس پر اتفاق ہے، میں نے ابن راہویہ سے ان کی روایات سے احتجاج کے بارہ میں پوچھا تو انھوں نے میرے سوال پر متعجب ہو کر کہا، عکرمہ ہمارے نزدیک ساری دنیا کے امام ہیں، بعض اور لوگوں نے یحییٰ بن معین سے یہی سوال کیا، تو انھوں نے بھی اس سوال پر تعجب کا اظہار کیا[۱]، جابر بن زید کہتے تھے کہ عکرمہ اعلم الناس ہیں، جو شخص ذرا بھی شمیم علم کا رائحہ شناس ہے، اس کو یزید بن ابی زیاد کے قول (اوپر گذر چکا ہے) پر اعتماد نہ کرنا چاہیئے، یزید بن ابی زیاد اس باب میں قابل احتجاج نہیں ہیں، اور ایک مجروح کے قول سے ایک عدل مجروح نہیں ہو سکتا، عکرمہ وہ شخص ہیں جن کے سرچشمۂ علم سے اہل علم نے ساری دنیا میں حدیث اور فقہ پھیلائی ہے، مجھے ان میں سوائے تھوڑی سی ظرافت کے اور کسی برائی کا علم نہیں[۲]،

غرض چند غیر مستند بیانات کے علاوہ جن کی حیثیت اوپر ظاہر کی جا چکی ہے، تمام علماء و محدثین کا عکرمہ کی جلالت شان اور ان کی صداقت پر اتفاق ہے، ان کی صداقت کی ناقابل انکار شہادت یہ ہے کہ خود حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو جن کے دامن میں عکرمہ نے پرورش پائی تھی، ان کے علم پر اتنا اعتماد تھا کہ انھوں نے اعلان عام کر دیا تھا کہ عکرمہ مجھ سے جو روایت کریں اسے سچ سمجھو[۳] ان تمام اقوال و اسناد کے بعد عکرمہ کی علمی عظمت میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی،

تلامذہ، ان بیانات کے علاوہ ان کے علمی مرتبہ کا اندازہ ان لاتعداد طالبان حدیث سے

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۷ صد ۲۶۲ و ۲۶۳، [۲] ایضاً صد ۲۷۲، [۳] ایضاً صد ۲۶۵

ہوسکتا ہے، جنھوں نے ان سے سماع حدیث کیا تھا، اور اس میں بہت سے ائمہ تھے، انکی فہرست نہایت طویل ہے، بعض ممتاز اور لائق ذکر نام یہ ہیں،

ابراہیم نخعی، جابر بن زید، امام شعبی، ابو اسحٰق سبیعی، ابو الزبیر، قتادہ، سماک بن حرب، عاصم الاحول، حصین بن عبد الرحمٰن، ایوب، خالد الحذار، داؤد بن ابی ہند، عاصم بن بہدلہ، عبد الکریم الجزری، حمید الطویل، موسیٰ بن عقبہ، عمرو بن دینار، عطار بن سائب، یحییٰ بن سعید انصاری، یزید بن ابی حبیب، ابو اسحٰق شیبانی، ہشام بن حسان، یحییٰ بن کثیر، حکم بن عیینہ، خصیف الجزری اور داؤد بن الحصین وغیرہ[1]

فقہ | گو عکرمہ کا اصل فن حدیث تھا، لیکن فقہ میں بھی وہ امتیازی پایہ رکھتے تھے، ابن حبان لکھتے ہیں کہ عکرمہ اپنے زمانہ کے فقہ اور قرآن کے بڑے علماء میں تھے[2]، ان کے تفقہ کی بڑی سند یہ ہے، کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے اپنی زندگی ہی میں ان کو افتا کا مجاز بنا دیا تھا، ان کا خود بیان ہے کہ ابن عباسؓ نے مجھ سے فتویٰ دینے کو کہا، میں نے دو مرتبہ معذرت کی کہ اگر اس زمانہ کے لوگ سلف صالحین کی طرح ہوتے تو مجھے تامل نہ ہوتا، یہ عذر سننے کے بعد بھی انھوں نے پھر اصرار کیا کہ لوگوں کو فتویٰ دیا کرو، جو شخص تم سے ضروری مسائل پوچھا کرے اس کو بتا دیا کرو، اور جو غیر ضروری سوالات کرے اس کا جواب نہ دیا کرو، اس طریقۂ عمل سے تمھارا دو تہائی بوجھ ہلکا ہو جائیگا[3]، ان کا فقہی کمال اتنا مسلّم تھا کہ جب وہ بصرہ جاتے اور جتنے دنوں رہتے اتنے دنوں تک حسن بصری فتویٰ نہ دیتے تھے[4]، ان کے انتقال کے وقت خلق خدا کی زبان پر تھا کہ آج افقہ الناس دنیا سے اٹھ گیا[5]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷ صـ ۲۶۴، [2] ایضاً صـ ۲۷۰، [3] ایضاً صـ ۲۶۵، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول صـ ۸۶، [5] ابن سعد ج ۵ صـ ۲۱۶،

ان کے معاصرین مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے، عمرو بن دینار کا بیان ہے کہ جابر بن زید نے مجھ سے چند مسائل عکرمہ سے پوچھنے کو کہا اور ہدایت کی کہ ابن عباسؓ کا یہ غلام دریا ہے اس سے پوچھا کرو۔[1]

مغازی | حدیث و فقہ کے علاوہ تاریخ میں بھی ان کو درک تھا، چنانچہ مغازی کے ممتاز عالم تھے، اس پر اتنا عبور تھا کہ مغازی بیان کرتے وقت اپنی قوت گویائی سے میدان جنگ کا سماں باندھ دیتے تھے، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ عکرمہ جب مغازی بیان کرتے تھے تو سننے والے کو معلوم ہوتا کہ وہ مجاہدوں کے سامنے موجود ہے اور ان کو دیکھ رہا ہے۔[2]

وفات | باختلاف روایت ۱۰۶ھ یا ۱۰۷ھ میں وفات پائی[3] حافظ ذہبی کے نزدیک ۱۰۷ھ میں مدینہ میں انتقال ہوا[4]، ایک روایت قیروان (افریقہ) میں بھی انتقال کی ملتی ہے لیکن یہ لائق اعتماد نہیں،

بعض شکوک کا ازالہ | بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عکرمہ کا رجحان خارجی فرقہ صفریہ اور اباضیہ کی طرف تھا، اور نجدہ خارجی کے ساتھ ان کے تعلقات و مراسم تھے، وہ ان کے پاس چھ مہینہ تک رہا بھی تھا، مغرب کے خارجیوں نے ان سے علمی استفادہ کیا تھا، لیکن ان بیانات کی صداقت بڑی حد تک مشکوک ہے،

ابن سعد میں جو سب سے قدیم ماخذ ہے صرف اس قدر ملتا ہے "یظن انہ یری رای الخوارج[5]" یعنی گمان کیا جاتا ہے کہ خارجیوں کی رائے رکھتے تھے" اس بیان کی جو حیثیت ہے، وہ "ظن" اور "گمان" کے الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے، بعض لوگ سرے سے اس بیان

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۳، [2] تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۲۶۷، [3] ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۶، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۶، [5] ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۶،

ہی کے منکر ہیں، چنانچہ عجلی کہتے ہیں کہ وہ مکی تابعی اور ثقہ ہیں، اور خارجیت کی تہمت سے جو لوگ ان پر لگاتے ہیں بری ہیں[1]،

ان بیانات کے علاوہ قرائن عقلی کے بھی خلاف ہے، ان کی نشو و نما حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے دامن میں ہوئی جو خارجیوں کے دشمن تھے، ان کا پہلا آقا حصین بن الحر العنبری بھی محب اہل بیت تھا، ایسی حالت میں خارجیت کی طرف ان کے میلان کا کم امکان ہے، اس کے مقابلہ میں اگر شیعیت کی طرف ان کا رجحان بیان کیا جاتا تو زیادہ قرین قیاس ہو سکتا تھا،

مختلف بیانات کے پڑھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عکرمہ عام مسلمانوں کی طرح خوارج کے بارہ میں متشدد نہ تھے، اور ان سے رسم و راہ رکھتے تھے، اور چونکہ ان کا یہ طرز عمل عام مسلمانوں کے خلاف تھا، اور وہ اسے پسند نہ کرتے تھے، اس لئے ان کی خارجیت کی شہرت ہو گئی، یہ بھی ممکن ہے کہ کسی خاص مسئلہ میں وہ خوارج کے ہم خیال رہے ہوں، اس لئے ان کو خارجی مشہور کر دیا گیا ہو ورنہ ان کو اس جماعت سے کوئی تعلق نہ تھا،

سیر و سیاحت، عکرمہ کو سیر و سیاحت کا بڑا شوق تھا، وہ ہمیشہ سیر و سیاحت میں مصروف رہتے تھے، مشرق میں ان کی سیاحت کا دائرہ سمرقند تک اور مغرب میں مصر و افریقہ تک وسیع تھا[2]،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۲۷۲ [2] ایضاً،

۵۰۔ علی بن حسین رضی اللہ عنہما

نام ونسب، علی نام، ابوالحسن کنیت، زین العابدین لقب، حضرت امام حسین علیہ السلام کے فرزند اصغر اور ریاضِ نبوت کے گلِ تر تھے، کربلا کے میدان میں اہلِ بیتِ نبوی کا چمن اجڑنے کے بعد یہی ایک پھول باقی رہ گیا تھا جس سے دنیا میں شمیم سعادت پھیلی، اور حسینؓ کا نام باقی رہا،

دادہالی شجرہ آفتاب سے زیادہ روشن اور ماہتاب سے زیادہ منور ہے، لیکن نانہالی شجرہ بہت مختلف فیہ ہے، مشہور عوام یہ ہے کہ آپ ایران کے آخری تاجدار یزدگرد کے نواسہ تھے،

اس کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں یزدگرد کو شکست ہوئی تو اور قیدیوں کے ساتھ اس کی تین لڑکیاں بھی گرفتار ہوئیں، حضرت عمرؓ نے دوسرے قیدیوں کے ساتھ انہیں بھی بیچنے کا حکم دیا، لیکن حضرت علیؓ نے اختلاف کیا کہ شاہزادیوں کے ساتھ عام لوگوں کی لڑکیوں کا سا سلوک نہ کرنا چاہئے، اور یہ تجویز پیش کی کہ ان کی قیمت لگوائی جائے، اس کی قیمت جتنی بھی لگے گی جو لے گا اسے ادا کرنا ہوگی چنانچہ قیمت لگوا کر تینوں لڑکیوں کو خرید لیا اور ایک حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے حضرت محمدؒ کو دیدی، دوسری حضرت عمرؓ کے فرزند حضرت عبداللہؓ کو عطا فرمائی، اور تیسری اپنے صاحبزادے حضرت حسینؓ کو، ان کے بطن سے حضرت قاسم بن محمدؒ، حضرت سالم بن عبداللہؒ اور حضرت علی بن حسینؓ پیدا ہوئے، قدیم مورخ ابن قتیبۃ المتوفی ۲۷۶ھ نے معارف میں[1] لکھا ہے کہ زین العابدینؒ کی ماں سندھ

[1] معارف ابن قتیبہ صد ۹۴،

کی تھیں اور انکا نام سلافہ یا غزالہ تھا، ابن سعد نے غزالہ اختیار کیا ہے، لیکن سلسلۂ نسب نہیں دیا ہے اور یزدگرد کے شاہی نسب کی طرف اشارہ کیا ہے، بہرحال پہلی روایت عقل و نقل ہر اعتبار سے ناقابل اعتبار ہے، علامہ شبلیؒ نے الفاروق میں اس پر تفصیلی تنقید کی ہے، جس سے ان کی بے اعتباری واضح ہو جاتی ہے،

مگر بہرحال یہ ظاہر ہے کہ وہ کسی غیر قوم کی خاتون تھیں، مگر ان کی سعادت اس سے ظاہر ہے کہ ان کی قسمت میں یہ لکھا تھا کہ نبوت کا سلسلۂ نسب انہی کے واسطہ سے دنیا میں قائم و دائم رہیگا،

ولادت: حضرت زین العابدینؓ ۳۸ھ میں پیدا ہوئے[1]،

واقعۂ کربلا: اپنے جد امجد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں بچہ تھے، اس لئے اس عہد کا کوئی واقعہ لائق ذکر نہیں ہے، سن رشد کو پہنچنے کے بعد کربلا کا واقعۂ ہائلہ پیش آیا، اس سفر میں آپ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ تھے لیکن علالت کی وجہ سے شریک جنگ نہ ہو سکے، حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد شمر ذی الجوشن نے آپ کو قتل کرا دینا چاہا، لیکن خود اس کے ایک ساتھی کے دل میں خدا نے رحم ڈال دیا، اس نے کہا سبحان اللہ ہم اس نوخیز اور بیمار نوجوان کو جس نے جنگ میں بھی کوئی حصہ نہیں لیا قتل نہیں کر سکتے، عمرو بن سعد بھی پہنچ گیا، اس نے شامیوں کو روک دیا، کہ اس بیمار اور عورتوں سے کوئی شخص تعرض نہ کرے[2]،

قید: اہل بیتؓ کا ایک عقیدت مند شامی آپ پر بہت مہربان ہو گیا تھا، اس نے آپ کو چھپایا، وہ آپ کی بڑی خدمت کرتا تھا، اس درجہ اس کو آپ کے ساتھ تعلق خاطر تھا کہ آپ کے پاس روتا ہوا آتا تھا، اور روتا ہوا واپس جاتا تھا، اس کے اس شریفانہ برتاؤ سے آپ بہت متاثر ہوئے، لیکن عام شامیوں کی طرح دولت کے مقابلہ میں اس کی عقیدت بھی شقاوت سے بدل گئی، ابن زیاد نے آپ کی گرفتاری کیلئے تین سو اشرفی کا انعام مقرر کیا تھا، اسکی طمع میں شامی

[1] ابن خلکان ج اول ص ۳۲۱، [2] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۶،

نے آپ کو باندھ کر ابن زیاد کے آدمیوں کے حوالہ کر دیا[1]،

ابن زیاد سے مکالمہ، گرفتاری کے بعد دوسرے حسینی قیدیوں کے ساتھ آپ بھی ابن زیاد کے سامنے پیش کئے گئے، اس نے پوچھا تمھارا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا علی، نام سنکر اس نے کہا کیا خدا نے علی کو قتل نہیں کر دیا؟ آپ خاموش رہے، ابن زیاد نے کہا جواب کیوں نہیں دیتے، فرمایا میرے دوسرے بھائی کا نام علی تھا، ان کو لوگوں نے قتل کیا، ابن زیاد بولا لوگوں نے نہیں بلکہ خدا نے قتل کیا، حضرت امام خاموش رہے، ابن زیاد نے پھر پوچھا آپ نے جواب میں یہ دو آیتیں تلاوت فرمائیں،

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا	اللہ ہی نفوس کو انکی موت کے وقت وفات دیتا ہے
وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا	اور کسی نفس کو بغیر خدا کے اذن کے مرنے
بِاِذْنِ اللّٰہِ، (آل عمران - ۱۵)	کا اختیار نہیں ہے،

یہ آیت سنکر ابن زیاد نے کہا تم بھی انہی لوگوں میں ہو، اور آپ کے قتل کا حکم صادر کر دیا، یہ حکم سنکر حضرت زین العابدینؓ نے فرمایا، ان عورتوں کو کس کے سپرد کرو گے؟ آپ کی پھوپھی حضرت زینبؓ یہ ظالمانہ حکم سن کر تڑپ گئیں، اور حضرت زین العابدینؓ سے چمٹ کر ابن زیاد سے بولیں اگر تو انھیں بھی قتل کرنے پر آمادہ ہے، تو ان کے ساتھ مجھے بھی قتل کر دے لیکن حضرت امام زین العابدینؓ پر مطلق کوئی خوف و ہراس طاری نہ ہوا، آپ نے نہایت سکون و اطمینان کیساتھ فرمایا کہ اگر مجھے قتل کرنا ہے تو کم از کم کسی متقی آدمی کو ان عورتوں کے ساتھ کر دو جو انھیں حفاظت کے ساتھ وطن پہنچا دے، انکا یہ استقلال دیکھکر ابن زیاد ان کا منہ تکنے لگا، اور اس کے دل میں خدا نے رحم ڈال دیا، چنانچہ اس نے

---

[1] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۵۷،

عورتوں کے ساتھ رہنے کے لئے آپ کو چھوڑ دیا[1]،

شام کا سفر اور یزید سے مکالمہ، اس کے بعد ابن زیاد نے اہلِ بیت کرام رضی اللہ عنہم کو یزید کے پاس شام بھجوا دیا، شام پہنچنے کے بعد یہ حضرات یزید کے سامنے پیش کئے گئے، اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر دیکھ کر حضرت زین العابدینؓ سے کہا، علی! جو کچھ تم دیکھ رہے ہو یہ اسکا نتیجہ ہے کہ تمھارے باپ نے میرے ساتھ قطع رحم کیا، میرے حق سے غفلت کی، اور حکومت میں جھگڑا کیا، امام ممدوح نے اسکے جواب میں یہ آیت پڑھی،

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْاَرْضِ	تمکو زمین میں اور اپنی جانوں میں جو
وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مِّنْ	مصیبتیں پہنچیں، ان کو پیدا کرنے سے پہلے
قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا (حدید - ۳)	ہم نے لکھ رکھا ہے،

یزید نے اپنے لڑکے خالد سے جو پاس بیٹھا تھا کہا کہ تم اس کا جواب دو، مگر وہ نہ دے سکا، تو یزید نے خود بتایا کہ تم یہ آیت پڑھو[2]،

وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا	اور تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ تمھارے
كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ	ہی ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے، اور
كَثِيْرٍ (شوریٰ - ۴)	اللہ تعالیٰ بہتوں سے معاف کر دیتا ہے،

اس مجلس میں ایک شامی نے کہا کہ یہ قیدی ہمارے لئے حلال ہیں، حضرت علی بن حسینؓ نے فرمایا تو جھوٹ بکتا ہے، اگر تو مر بھی جائے تب بھی تیرے لئے یہ جائز نہیں، جب تک کہ تو ہمارے مذہب سے نکل نہ جائے (یعنی اسلام پر قائم رہتے ہوئے کسی مسلمان کے لئے مسلمان قیدی عورت جائز نہیں ہے) یزید نے شامی کو خاموش کر کے بٹھا دیا[3]،

---

[1] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۵۰ و ابن اثیر ج ۴ صفحہ ۱۰۱، [2] طبری ج ۷ صفحہ ۳۷۶، [3] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۵۷،

اہل بیت کا معائنہ کرنے کے بعد یزید نے انکو شاہی حرم سرا میں ٹھہرا دیا، یہ سب عورتیں ان کی عزیزتھیں، اس لئے تین دن تک یزید کے محل میں ماتم بپا رہا، جب تک یہ لوگ مقیم رہے یزید انکے ساتھ نہایت شریفانہ سلوک کرتا رہا، زین العابدین کو اپنے ساتھ دسترخوان پر کھلاتا تھا[1]

مدینہ کی واپسی اور یزید کے وعدے

چند دنوں کے قیام کے بعد جب اہل بیت کو کسی قدر سکون ہوا تو یزید نے زین العابدین سے کہا اگر تم ہمارے ساتھ رہنا چاہو تو یہیں رہو، میں صلہ رحمی سے پیش آؤنگا اور تمھارا پورا حق ادا کروں گا، اور اگر واپس جانا چاہو تو واپس جاسکتے ہو، میں تمھارے ساتھ سلوک کرتا رہوں گا، زین العابدین نے واپس جانے کی خواہش کی[2]

ان کی خواہش پر یزید نے سرکاری فوج کی نگرانی میں انھیں بحفاظت واپس کر دیا، اور رخصت کرتے وقت زین العابدین سے کہا ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں ہوتا تو حسین جو کہتے اسے مان لیتا اور ان کی جان نہ جانے دیتا، خواہ اس میں میری اولاد ہی کیوں نہ کام آجاتی بہرحال اب تو قضائے الٰہی پوری ہوچکی آئندہ جب بھی تم کو کسی قسم کی ضرورت پیش آئے مجھے فوراً لکھنا،[3]

مدینہ کا قیام اور عزلت گزینی،

اعزہ کی شہادت گھر کی بربادی اور اپنی بے کسی پر زین العابدین کا دل ایسا ٹوٹ گیا تھا کہ مدینہ آنے کے بعد انھوں نے عزلت نشینی اختیار کرلی، اور آئندہ کسی تحریک میں کوئی حصہ نہ لیا، اور ہر فتنہ انگیز تحریک سے اپنا دامن بچاتے رہے یزید نے بھی ہر موقع پر ان کا بڑا لحاظ رکھا،

ابن زبیر کا ہنگامہ، اور زین العابدین کی کنارہ کشی

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد ہی عبداللہ بن زبیرؓ یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، اہل حجاز نے ان کے ہاتھوں پر بیعت کرلی، مکہ اور مدینہ کے

[1] طبری ج ۷ صفحہ ۳۷۶، [2] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۵۷، [3] طبری ج ۷ صفحہ ۳۷۹،

باشندوں نے اپنے یہاں سے اموی عمال کو نکال دیا، یزید نے حرمین کے باشندوں کی تنبیہ کے لئے مسلم بن عقبہ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ روانہ کیا، اور امیر عسکر کو ہدایت کردی، کہ زین العابدین کو گزند نہ پہنچنے پائے، اہل مدینہ مقابلہ میں آئے لیکن نہایت فاش شکست کھائی، ہزاروں آدمی مارے گئے اور یزیدی فوج کئی دن تک مدینۃ الرسول کو لوٹتی رہی، اس جنگ میں زین العابدین اور ان کے اعزہ نے کوئی حصہ نہ لیا، بلکہ مدینہ چھوڑ کر عقیق چلے گئے، مدینہ کو ویران کرنے کے بعد جب مسلم[1] عقیق گیا تو زین العابدین کو پوچھا معلوم ہوا موجود ہیں، زین العابدین کو خبر ہوئی تو وہ خود اس سے ملنے کے لئے آئے، اور اپنے ساتھ اپنے چچازاد بھائیوں ابو ہاشم عبداللہ اور حسن بن محمد بن حنفیہ کو بھی لیتے آئے، مسلم بڑی عزت و تکریم کے ساتھ ان سے ملا، انھیں اپنے تخت پر بٹھا کر مزاج پرسی کے بعد کہا امیر المومنین نے مجھے آپ کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت فرمائی تھی، آپ نے فرمایا خدا ان کو اس کا صلہ دے، مسلم نے دونوں لڑکوں کے متعلق پوچھا زین العابدین نے کہا میرے چچیرے بھائی ہیں، یہ معلوم کرکے مسلم نے ان سے ملنے پر بھی مسرت ظاہر کی، اس خوش آیند ملاقات کے بعد زین العابدین واپس گئے[2]

مختار کا خروج اور زین العابدین کی علیحدگی

ایسے زمانہ میں ایک حوصلہ مند ملحد مختار بن ابی عبید ثقفی حصول حکومت کی طمع میں محب اہل بیت کے روپ میں خون حسینؓ کے انتقام کی دعوت لیکر اٹھا، ہزاروں آدمی اس کے ساتھ ہو گئے، اس نے مقصد برآری کے لئے زین العابدین کے پاس ایک گرانقدر رقم نذر بھیجکر درخواست کی، کہ آپ ہمارے امام ہیں، ہم سے بیعت لیکر ہماری سرپرستی قبول فرمائیے، لیکن آپ اس کی حقیقت سے آگاہ تھے، اس لئے اس کی درخواست ٹھکرادی، اور مسجد نبوی میں جاکر اس کے فسق و فجور اور کفر و الحاد کا پردہ فاش کرکے فرمایا کہ اس نے

۱؎ ابن سعد میں "مسرف" لیکن اور تمام تاریخوں میں مسلم نام ہے، ۲؎ اخبار الطوال ص ۲۷۵ و ۲۷۶ و ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۹،

محض لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے اہل بیت کو آڑ بنایا ہو، اس کے فریب میں نہ آنا، ان سے مایوس ہو کر مختار نے محمد بن حنفیہ کی طرف رجوع کیا، یہ اس کے فریب میں آگئے، زین العابدین نے انھیں بھی روکا کہ اہل بیت کی محبت میں اس کا ظاہر اس کے باطن سے مختلف ہو، وہ محض محبان اہل بیت کو مائل کرنے کیلئے محبت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہو، حقیقت میں اس کو اہل بیت کی دوستی سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ وہ ان کا دشمن ہے، اس لئے میری طرح آپ کو بھی اس کا پردہ فاش کرنا چاہیئے، ابن حنفیہ نے ابن عباسؓ سے اس کا تذکرہ کیا، لیکن حضرت حسینؓ کی دردناک شہادت سے تمام محبان اہل بیت خصوصاً اہل ہاشم کے دل زخمی تھے اور ایسی حالت میں جذبات واقعات اور حقیقت دونوں پر غالب آجاتے ہیں، اس لئے ابن عباسؓ نے بھی مختار کی حمایت کی اور ابن حنفیہ کو زین العابدین کا کہنا ماننے سے روکا اس کے بعد مختار اٹھا، اور بنی امیہ اور ابن زبیرؓ کے ساتھ اس کی بڑی بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں، لیکن حضرت امام ان سب سے کنارہ کش رہے اور مختار کے قتل ہو جانے کے بعد بھی اس پر لعنت بھیجتے رہے، ابو جعفر کا بیان ہو کہ علی بن حسین باب کعبہ پر کھڑے ہو کر مختار پر لعنت بھیجتے تھے، ایک شخص نے کہا کہ خدا مجھے آپ پر فدا کرے آپ ایسے شخص پر لعنت بھیجتے ہیں جو آپ کے خاندان کی محبت میں مارا گیا فرمایا: وہ کذاب تھا اور خدا و رسول پر بہتان باندھتا تھا[۵]

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہو کہ آپ کی اس عزلت نشینی اور کنارہ کشی کے باوجود ابتدا میں عبد الملک کو آپ کی جانب سے دعویٰ خلافت کا خطرہ تھا، چنانچہ اس نے آپ کو مدینہ سے شام بجبر بلوالیا تھا، لیکن پھر امام زہری نے آپ کی جانب سے صفائی پیش کی

---

۵ مروج الذہب مسعودی ج ۲ صفحہ ۱۲۹ و صفحہ ۱۴۶، ۶ ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۵۸

کہ زین العابدین کی جانب سے آپ کی بدگمانی غلط ہے، انھیں دن رات اپنے نفس اور خدا کی عبادت سے کام ہے، وہ کسی جھگڑے میں نہ پڑیں گے، زہری کی اس سفارش پر اس نے رہا کر دیا[1]،

لیکن غالباً یہ بالکل ابتدا کا واقعہ ہے، ورنہ بعد میں دونوں کے تعلقات نہایت خوشگوار ہو گئے تھے، مروان اور عبدالملک دونوں انھیں بہت مانتے تھے، امام زہری کا بیان ہے کہ زین العابدین اپنے خاندان میں سب سے زیادہ سلامت رو اور مطیع تھے، مروان اور عبدالملک تمام اہلبیت میں ان کو سب سے زیادہ مانتے تھے[2]،

وفات: ۹۴ھ میں مدینۃ الرسول میں وفات پائی، اور جنت البقیع میں اپنے بابا حسنؓ اور حضرت عباسؓ کے روضہ میں دفن کئے گئے[3]،

فضل و کمال: آپ جس خانوادۂ علم کے چشم و چراغ تھے، وہ علوم دینی کا سرچشمہ تھا، آپ کے جد امجد علم و عمل کے مجمع البحرین تھے، اس لئے علم کی دولت گویا آپ کو ورثہ میں ملی تھی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ کربلا نے ایسا افسردہ خاطر اور دنیا کی ہر شئے سے دل ایسا اچاٹ کر دیا تھا کہ علم و فن کی کتاب بھی آپ نے تہ کر دی تھی، اس لئے آپ کے علمی کمالات کا ظہور نہ ہو سکا، لیکن آپ کا علمی پایہ مسلم تھا، امام زہری کہتے تھے کہ میں نے مدینہ میں ان سے زیادہ افضل کسی کو نہیں پایا[4]، امام نووی لکھتے ہیں کہ ہر شئے میں ان کی جلالت و عظمت پر سب کا اتفاق ہے[5]،

حدیث: حدیث آپ کے گھر کی دولت تھی، اس لئے آپ سے زیادہ اس کا کون مستحق

---

[1] مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۳۵، [2] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۹، [3] ابن خلکان ج اول ص ۳۲۱، [4] تہذیب الاسماء نووی ج اول ص ۳۴۳، [5] ایضاً،

ہو سکتا تھا، اگرچہ آپ کا شمار اکابر حفاظ حدیث میں نہیں ہے، تاہم آپ کی مرویات کثرت کی حد تک پہنچ جاتی ہیں، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقۃ ماموناً کثیر الحدیث عالیاً رفیعاً،[۱]

حدیث میں اپنے والد بزرگوار حضرت حسینؓ، اپنے تایا حسنؓ، اپنے چچیرے دادا ابن عباسؓ اپنی دادی عائشہؓ، ام سلمہؓ، اور صفیہؓ اور اپنے خاندانی غلام ابو رافع (مولی رسول اللہ صلعم) ان کے لڑکے عبید اللہ، حضرت عائشہؓ کے غلام ذکوانؓ اور دوسرے بزرگوں میں ابو ہریرہؓ، مسور بن مخرمہ اور سعید بن مسیب سے استفادہ کیا تھا،[۲]

روایت میں آپ کے والد اور دادا کا سلسلہ سلسلۃ الذہب سمجھا جاتا ہے، ابوبکر بن شیبہ کا بیان ہے کہ زہری کی وہ روایات جو علی بن حسینؓ، ان کے والد اور ان کے دادا کے سلسلہ سے مروی ہیں، وہ اصح الاسانید ہیں،[۳]

تلامذہ | خود آپ سے فیض اٹھانے والوں کا دائرہ بھی خاصہ وسیع تھا، آپ کے صاحبزادوں میں محمد، زید، عبد اللہ، اور عمر اور عام رواۃ میں ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن طاؤس بن کیسان، امام زہری، ابو الزناد، عاصم بن عمر بن قتادہ، عاصم بن عبید اللہ، قعقاع بن حکیم، زید بن اسلم، حکم بن عتیبہ، حبیب بن ابی ثابت، ابو الاسود محمد بن عبد الرحمٰن، مسلم البطین، یحییٰ بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ، علی بن زید بن جدعان وغیرہ لائق ذکر ہیں،[۴]

فقہ | فقہ میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا، امام زہری کہتے تھے کہ میں نے علی بن حسینؓ سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں دیکھا،[۵] آپ کے فقہی کمال کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ مدینہ کے مشہور

---

[۱] ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۲، [۲] تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۳۰۴، [۳] ایضاً ص ۳۰۵، [۴] ایضاً ص ۳۰۵،
[۵] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۵،

سات فقہا کے بعد آپ ہی کا نمبر تھا،[1]

حکیمانہ اقوال، آپ کے اقوال بھی آپ کے علمی کمالات کا آئینہ اور پند و موعظت اور حکمت و حقیقت کے اسباق ہیں، ان میں سے بعض یہاں نقل کئے جاتے ہیں،

فرماتے تھے مجھے اس مغرور اور فخر کرنے والے پر تعجب آتا ہے جو کل ایک حقیر نطفہ تھا، اور کل مردار ہو جائیگا، اور اس شخص پر حیرت ہوتی ہے جو خدا کی ہستی میں شک کرتا ہے، حالانکہ خود اس کی پیدائش اس کے سامنے ہے، اور اس شخص پر تعجب آتا ہے جو قیامت کے دن دوسری پیدائش کا انکار کرتا ہے، جبکہ پہلی تخلیق اس کے سامنے ہے، اور اس شخص پر تعجب آتا ہے، جو ایک فانی مقام کے لئے عمل کرتا ہے، اور دار بقا کو چھوڑ دیتا ہے، احباب کا کھو دینا مسافرت ہے، خدایا میں تجھ سے اس امر سے پناہ مانگتا ہوں کہ تو لوگوں کی نگاہ میں میرے ظاہر کو تو اچھا دکھا لیکن میری اندرونی حالت کو خراب کردے، خدایا میں نے جب کوئی برائی کی تو تو نے میرے ساتھ بھلائی کی، آئندہ جب میں ایسا کروں تو تو بھی ایسا ہی کر، کچھ لوگ خوف سے خدا کی عبادت کرتے ہیں، یہ غلاموں کی عبادت ہے، کچھ جنت کی طمع میں عبادت کرتے ہیں، یہ تاجروں کی عبادت ہے، کچھ خالص شکر الٰہی میں عبادت کرتے ہیں، یہی آزادوں کی عبادت ہے،[2]

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے ۔۔۔ اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

آپ کے صاحبزادے محمد روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے وصیت کی تھی کہ پانچ آدمیوں کے ساتھ کبھی نہ رہنا، میں نے عرض کیا کون فرمایا، فاسق کے ساتھ وہ تم کو ایک لقمہ بلکہ اس سے بھی کم میں بیچ دیگا، میں نے پوچھا اس سے کیا کم شے ہے فرمایا ایک لقمہ کی طمع کیجائے اور وہ بھی نہ ملے

---

[1] اعلام الموقعین ج اول صـ ۲۶، [2] مختصر صفوۃ الصفوہ صـ ۱۳۳ و صـ ۱۳۴،

میں نے پوچھا دوسرا کون؟ فرمایا بخیل، وہ اس چیز کو جس کی تم کو سب سے زیادہ ضرورت ہوگی تم سے علیحدہ کر دیگا، میں نے پوچھا تیسرا کون؟ فرمایا کذاب، وہ سراب کی طرح قریب کو تم سے دور کر دیگا، اور دور کو قریب، میں نے عرض کیا چوتھا کون؟ فرمایا احمق کہ وہ تم کو فائدہ پہنچانا چاہے گا، مگر اُلٹے نقصان پہنچا دیگا، میں نے کہا پانچواں کون؟ فرمایا قاطع رحم، میں نے اس کو کتاب اللہ میں تین مقام پر ملعون پایا۔[1]

فرماتے وہ شخص کس طرح تمہارا دوست ہو سکتا ہے کہ جب تم اس کی تھیلی سے اپنی ضرورت کے موافق لو تو اس کو خوشی نہ ہو۔[2]

فضائل اخلاق، اس ظلمت کدۂ عالم میں اخلاق کی روشنی آپ ہی کے گھر سے پھیلی، آپ اسی آفتاب کی کرن اور اسی نور کا پرتو تھے، اس لئے آپ کی ذات گرامی فضائل اخلاق کی وہ نورانی شمع تھی جس سے دوسرے مستنیر ہوتے تھے، آپ خلق نبوی کی مجسم تصویر تھے، خاندان نبی ہاشم میں آپ سے افضل کوئی نہ تھا۔[3]

خشیت الٰہی، خشیت الٰہی ہی وہ تخم ہے جس سے شجر اخلاق کی شاخیں پھوٹتی ہیں، آپ کا دل خشیت الٰہی سے لبریز رہتا تھا، اور اکثر وہ اس خوف سے بے ہوش ہو جاتے تھے، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ علی بن حسین حج کو گئے، احرام باندھنے کے بعد جب سواری پر بیٹھے تو مارے خوف کے ان کا رنگ زرد ہوگیا اور ایسا لرزہ طاری ہوا کہ زبان سے لبیک تک نہ نکل سکا، لوگوں نے کہا آپ لبیک کیوں نہیں کہتے، فرمایا ڈر معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ میں لبیک کہوں اور ادھر سے جواب ملے لا لبیک، یعنی تیری حاضری قبول نہیں، لوگوں نے کہا لیکن لبیک کہنا تو ضروری ہے، لوگوں کے اصرار سے کہا مگر جیسے ہی زبان سے لبیک

---

[1] صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۵۵ [2] ایضاً [3] تہذیب الاسماء ج اول ص ۳۴۳

بیہوش ہوکر سواری سے گر پڑے، اور حج ہونے تک یہی کیفیت طاری رہی[1]، جب زور سے ہوا چلتی تھی اور آندھی آتی تھی تو عذاب الٰہی کے خوف سے بیہوش ہو جاتے تھے[2]

عبادت وریاضت | آپ کی رگوں میں ان بزرگوں کا خون صالح تھا، جنکی عبادت زیر شمشیر جفا بھی نہ چھوٹی، اس کا یہ اثر تھا کہ ان کی ذات زہد وعبادت کا مجسم پیکر تھی، سعید بن مسیب جو خود بڑے عابد وزاہد بزرگ تھے فرماتے تھے کہ علی بن حسینؓ سے زیادہ ورع میری نظر سے نہیں گذرا، عبادت آپ کی زندگی کا مشغلہ تھی، آپ کے اوقات کا بیشتر حصہ عبادت ہی میں گذرتا تھا شبانہ یوم میں ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے، اور مرتے دم تک اس معمول میں فرق نہ آیا، اس عبادت کی وجہ سے زین العابدین لقب ہو گیا تھا[3]، قیام لیل سفر وحضر کسی حالت میں ناغہ نہ ہوتا تھا[4]،

اخلاص فی العبادت اور خشیت الٰہی کا یہ حال تھا کہ حضوری کے وقت سارے بدن میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا، عبداللہ بن سلمان کا بیان ہے کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو سارے بدن میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا لوگوں نے پوچھا آپ کو یہ کیا ہو جاتا ہے، فرمایا تم لوگ کیا جانو میں کس کے حضور میں کھڑا ہوتا ہوں اور کس سے سرگوشی کرتا ہوں[5]،

محویت کا یہ عالم تھا کہ نماز کی حالت میں کچھ بھی ہو جائے آپ کو خبر نہ ہوتی تھی، ایک مرتبہ آپ سجدہ میں تھے کہ کہیں پاس ہی آگ لگی، لوگوں نے آپ کو بھی پکارا، یا ابن رسول اللہ آگ لگی، یا ابن رسول اللہ آگ لگی، لیکن آپ نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا تا آنکہ آگ بجھ بھی گئی، لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو آگ کی جانب سے اس قدر بے پرواہ کس چیز نے کر دیا تھا، فرمایا

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷ صـ ۳۰۶، [2] مختصر صفوۃ الصفوہ صـ ۱۳۴، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول صـ ۶۵،
[4] مختصر صفوۃ الصفوہ صـ ۱۳۴، [5] ابن سعد ج ۵ صـ ۱۲۰،

دوسری آگ (آتش دوزخ) نے[1]

روزانہ کا معمول تھا کہ آپ اور سلیمان بن یسار مسجد نبوی میں قبر نبوی اور منبر نبوی کے درمیان دن چڑھے تک مذاکرہ حدیث اور ذکر الہٰی میں مشغول رہتے تھے، اٹھتے وقت عبداللہ بن ابی سلمہ قرآن کی ایک سورہ سناتے تھے قرآن سننے کے بعد دعا کرتے تھے[2]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ آپ کے جد امجد دنیا میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے بھیجے گئے تھے، اس لئے آپ نے اس کو ہمیشہ اپنا فرض سمجھا، اس سے غفلت کو کتاب اللہ سے غفلت شمار کرتے تھے، فرماتے تھے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تارک کتاب اللہ کو پس پشت ڈالنے والے کی طرح ہے، بشرطیکہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے اسے نہ چھوڑے، لوگوں نے بچاؤ کا مطلب پوچھا، فرمایا جب کسی ظالم اور سرکش کی زیادتی کا خوف ہو[3]

انفاق فی سبیل اللہ۔ انفاق فی سبیل اللہ، فیاضی اور دریا دلی آپ کا خاص وصف تھا، آپ خدا کی راہ میں بے دریغ دولت لٹاتے تھے، فقراء اور اہل حاجت کی دستگیری کے لئے ہمیشہ آپ کا دست کرم دراز رہتا تھا، مدینہ کے معلوم نہیں کتنے غریب گھرانے آپ کی ذات سے پرورش پاتے تھے، اور کسی کو خبر تک نہ ہونے پائی، آپ کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ خفیہ مستقل سو گھرانوں کی کفالت کرتے تھے[4]

لوگوں سے چھپانے کے لئے بہ نفس نفیس خود راتوں کو جا کر ان کے گھروں پر صدقات پہنچا آتے تھے، مدینہ میں بہت سے لوگ ایسے تھے جن کی معاش کا کوئی ظاہری وسیلہ نہ معلوم ہوتا تھا، آپ کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ آپ رات کی تاریکی میں خود جا کر

---

[1] مختصر صفوۃ الصفوہ صد ۱۳۳، [2] ابن سعد ج ۵ صد ۱۶، [3] ایضاً صد ۱۵، [4] تہذیب الاسماء، ج اول صد ۳۴۳،

ان کے گھروں پر وسے آتے تھے[۱]،

غلہ کے بڑے بڑے بورے اپنی پیٹھ پر لاد کر غریبوں کے گھر پہنچاتے تھے، وفات کے بعد جب غسل دیا جانے لگا تو جسم مبارک پر نیل کے داغ نظر آئے، تحقیقات سے معلوم ہوا کہ آٹے کی بوریوں کے بوجھ کے داغ ہیں جنھیں آپ راتوں کو لاد کر غربا کے گھر پہنچاتے تھے[۲]، آپ کی وفات کے بعد اہل مدینہ کہتے تھے کہ خفیہ خیرات زین العابدین کے دم سے تھی، سائلین کا بڑا احترام کرتے تھے جب کوئی سائل آتا تو میرے توشہ کو آخرت کی طرف لیجانیوالے مرحبا کہکر اس کا استقبال کرتے[۳]، سائل کو خود اٹھ کر دیتے تھے، اور فرماتے تھے،

صدقات سائل کے ہاتھ میں جانے سے پہلے خدا کے ہاتھ میں جاتے ہیں[۴]،

عمر میں دو مرتبہ اپنا کل مال و متاع آدھا آدھا خدا کی راہ میں دیدیا[۵]، پچاس پچاس دینار کی قیمت کا لباس صرف ایک موسم میں پہنکر فروخت کرتے اور اس کی قیمت خیرات کر دیتے تھے[۶]،

اکل حلال | اکل حلال کا آپ کو اس درجہ اہتمام تھا کہ اگر آپ چاہتے تو اپنے بزرگوں کے نام پر بڑی دولت کما سکتے تھے، لیکن آپ نے رسول اللہ صلعم کی نسبت یا نام سے ایک درہم کا بھی فائدہ نہیں اٹھایا[۷]،

حلم و بردباری | تحمل اور بردباری میں اپنے دادا حضرت حسنؑ کے مشابہ تھے، آپ تحمل کی ایسی چٹان تھے کہ زبان کے تیز سے تیز نشتر اس پر اثر نہ کرتے تھے، ناگوار سے ناگوار تلخ سے تلخ باتیں سن کر پی جاتے تھے، کوئی جواب نہ دیتے، آپ کے تحمل کا یہ اثر ہوتا

---

۱ مختصر صفوۃ الصفوۃ صفحہ ۱۳۴، ۲ ایضاً، ۳ ایضاً، ۴ ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۶۰، ۵ ایضاً صفحہ ۱۶۲
۶ ایضاً صفحہ ۱۶۱، ۷ تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۳۰۵،

تھا کہ جب مسجد سے اٹھ کر آنے لگتے تو گالی دینے والے روتے ہوئے آپ کے ساتھ ہو جاتے اور کہتے، اب آئندہ آپ کبھی زبان سے ایسا کلمہ نہ سنیں گے جو آپ کو برا معلوم ہو[1]

اکثر ایسا ہوتا کہ آپ بکنے والے کے جانب متوجہ ہی نہ ہوتے، گویا آپ کو کچھ کہہ ہی نہیں رہا ہے، بعض گستاخ ایسے جری اور بے باک تھے کہ آپ کو جتاتے کہ میں تم ہی کو کہہ رہا ہوں، یہ سننے کے بعد بھی آپ جواب دیتے ہیں چشم پوشی کرتا ہوں[2]،

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کو کچھ نا ملائم الفاظ کہے، آپ سنی ان سنی بنا گئے، اس شخص نے کہا میں تم کو کہہ رہا ہوں، آپ نے کہا میں چشم پوشی کرتا ہوں، اگر کبھی جواب بھی دیتے تو ایسا کہ کہنے والا خود منفعل ہو جاتا، ایک مرتبہ آپ مسجد سے نکلے، راستہ میں ایک شخص ملا اور آپ پر گالیاں برسانی شروع کر دیں، آپ کے غلام اور خدام اس کی طرف لپکے آپ نے روک دیا اور اس شخص سے فرمایا کہ میرے جو حالات تم سے مخفی ہیں وہ اس سے زیادہ ہیں تمہاری کوئی ایسی ضرورت ہے، جس میں میں تمہاری امداد کر سکتا ہوں، یہ جواب سن کر وہ شخص سخت شرمندہ ہوا آپ نے اپنا کرتہ اتار کر اسے دیدیا اور ایک ہزار درہم سے زیادہ نقد عطا فرمائے، اس شخص پر آپ کے اس حسن انتقام کا اتنا اثر ہوا کہ بے اختیار اس کی زبان سے نکل گیا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسول اللہ صلعم کی اولاد سے ہیں[3]"

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ فلاں شخص آپ کو برا بھلا کہتا ہے، آپ اس خبر دینے والے کو لیکر اس شخص کے پاس پہنچے، خبر دینے والا یہ سمجھتا تھا کہ آپ نے اس کو مدد کے لئے اپنے ساتھ لیا ہے، وہاں پہنچکر آپ نے اس شخص سے فرمایا تم نے جو کچھ میرے بارہ میں کہا ہے، اگر وہ صحیح ہے تو خدا میری مغفرت فرمائے، اور اگر جھوٹ ہے، تو خدا

[1] مختصر صفوۃ الصفوہ صد ۱۳۵، [2] ایضاً صد ۱۳۶، [3] ایضاً

تمھاری مغفرت فرمائے[1]

عفو و درگذر | آپ اپنے انتہائی کینہ پرور دشمنوں سے بھی جن سے آپ کو بڑی بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں، موقع ملنے کے بعد انتقام نہ لیتے تھے ہشام بن اسمٰعیل والی مدینہ آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو سخت اذیت پہنچاتا تھا اور برسر منبر اس کو بیان کرتا تھا، اور حضرت علیؓ پر علانیہ سبّ وشتم کرتا تھا، ولید بن عبد الملک نے جو شاید اس سے کسی بات پر کچھ برہم تھا، اپنے زمانہ میں اسے معزول کر دیا، اور حکم دیا کہ لوگوں کے مجمع میں کھڑا کیا جائے کہ لوگ اس سے اپنا اپنا بدلہ لیں، ہشام کا بیان ہے کہ مجھے سب سے زیادہ خطرہ علی بن حسین کی جانب سے تھا کہ وہ ایک بااثر آدمی تھے لیکن انھوں نے اپنے لڑکوں اور حامیوں کو منع کر دیا کہ کوئی شخص ہشام سے تعرض نہ کرے، آپ کے صاحبزادے عبد اللہ نے عرض کیا، کیوں، خدا کی قسم اس نے ہمارے ساتھ بہت برائیاں کی ہیں، ہمکو تو ایسے وقت کا انتظار ہی تھا، فرمایا ہم اس کو خدا کے سپرد کرتے ہیں، آپ کے اس ارشاد کے بعد ان میں سے کسی نے اس کے متعلق ایک لفظ منہ سے نہ نکالا، ہشام پر اسکا اتنا اثر ہوا کہ اسکو زین العابدین کے فضل کا اعتراف کرنا پڑا[2]

نرمی و ملاطفت | آپ فطرۃً بڑے نرم خو تھے، درشتی اور سختی کا آپ میں نام تک نہ تھا، جانوروں تک کو مارتے اور جھڑکتے نہ تھے، ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ علی سواری پر مکہ جاتے تھے اور واپس آتے تھے اور اس طویل سفر میں کبھی اپنی سواری کو نہ مارتے تھے،[3]

محبوبیت و جلالت | اس تحمل، اس عفو و درگذر اور اس نرمی اور ملاطفت کی وجہ سے آپ کی محبت و عظمت لوگوں کے دلوں میں اتنی جاگزیں تھی کہ جدھر نکل جاتے تھے آپ کو راستہ دینے کے لئے ہجوم چھٹ جاتا تھا، اس سلسلہ میں آپ اور ہشام بن عبد الملک کا ایک واقعہ لائق

---

[1] مختصر صفوۃ الصفوہ ص۱۳۷، [2] ابن سعد ج ۵ ص۱۶۳، [3] ایضاً ص۱۶۰،

ذکر ہے، ہشام بن عبدالملک ایک دفعہ اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں عمائد شام کیساتھ حج کو گیا، طواف کرنے کے بعد حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے بڑھا، لیکن ہجوم اتنا تھا کہ انتہائی کوشش کے باوجود نہ پہنچ سکا مجبور ہو کر رُک گیا، اور ازدحام کا تماشہ دیکھنے کے لئے پاس ہی اس کے لئے ایک کرسی بچھا دی گئی، ابھی وہ تماشہ دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں امام زین العابدین آئے اور طواف کر کے حجر اسود کی طرف بڑھے، انھیں دیکھ کر خود بخود بھیڑ چھٹ گئی، اور انھوں نے آسانی کے ساتھ حجر اسود کا بوسہ دیا، یہ منظر دیکھ کر ایک شامی نے ہشام سے پوچھا یہ کون شخص ہے، جس کی لوگوں کے دلوں میں اتنی ہیبت ہے، ہشام آپ کو خود پہچانتا تھا، لیکن محض شامیوں کے دلوں میں زین العابدین کی عظمت نہ قائم ہونے اور ان کی توجہ کو ان کی طرف سے ہٹانے کے لئے کہا میں نہیں پہچانتا، فرزدق شاعر بھی موجود تھا، یہ تجاہل عارفانہ سنکر اس کی شراب عقیدت جوش میں آگئی، اس نے کہا میں ان کو جانتا ہوں، شامی نے پوچھا کون ہیں، فرزدق نے اسی وقت زین العابدین کی شان میں ایک پرزور مدحیہ قصیدہ پڑھا، جس کے بعض اشعار یہ ہیں [1]

ھذا الذی تعرف البطحاء وطأتہ	والبیت یعرفہ والحل والحرم
ھذا ابن خیر عباد اللہ کلھم	ھذا التقی النقی الطاھر العلم
اذا رأتہ قریش قال قائلھا	الی مکارم ھذا ینتھی الکرم
ولیس قولک من ھذا بضائرہ	العرب تعرف من انکرت والعجم
ما قال لا قط الا فی تشھدہ	لولا التشھد کانت لاءہ نعم
یکاد یمسکہ عرفان راحتہ	رکن الحطیم اذا ما جاء یستلم

---

[1] یہ واقعہ نہایت مشہور ہے اور بہت سی تاریخوں میں ہے۔

مقدم بعد ذکر اللہ ذکرھم — فی کل امر و مختوم بہ الکلم

یغضی حیاء و یغضی من مھابتہ — ولا یکلم الا حین یبتسم

ھذا ابن فاطمۃ ان کنت جاھلہ — بجدہ انبیاء اللہ قد ختموا

یہ قصیدہ سن کر ہشام فرزدق سے بگڑ گیا، اور اس کو قید کر دیا، امام زین العابدین نے اس کے صلہ میں فرزدق کو بارہ ہزار درہم عطا فرمائے، اس نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں نے خدا اور رسول کی خوشنودی کی لئے مدح کی تھی، انعام کی طمع میں نہیں، امام زین العابدین نے اس پیام کے ساتھ پھر اس کے پاس بھجوا دیا کہ ہم اہل بیت جب کسی کو کچھ دیتے ہیں تو پھر واپس نہیں لیتے، خدا تمھاری نیت سے واقف ہے، وہ اس کا اجر علیحدہ دیگا، خدا تمھاری سعی مشکور فرمائے، اس پیام کے بعد تعمیل ارشاد میں فرزدق نے روپیہ لے لیا،[1]

غرور سے نفرت

آپ جس خانوادہ کے رکن رکین اور جس رتبہ کے بزرگ تھے اس کے لحاظ سے آپ میں عُجب و غرور کا پیدا ہو جانا تعجب انگیز نہ تھا، لیکن آپ میں اس کا شائبہ تک نہ تھا بلکہ اس کے برعکس بڑے متواضع اور منکسر تھے، غرور سے سخت نفرت کرتے تھے، فرماتے تھے مجھے اس متکبر اور مغرور انسان پر تعجب آتا ہے جو کل ایک حقیر نطفہ تھا اور کل پھر مردار ہو جائیگا،[2] آپ کی چال اتنی متواضعانہ تھی کہ چلنے میں دونوں ہاتھ رانوں سے آگے نہ بڑھنے پاتے تھے،[3]

مساوات

غرور نسب کو مٹانے اور مساوات کی عملی مثال قائم کرنے کے لئے اپنی ایک لڑکی کی شادی اپنے ایک غلام سے کر دی تھی، اور ایک لونڈی کو آزاد کر کے اس کے ساتھ خود عقد کر لیا تھا، عبد الملک کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے خط لکھ کر اس فعل پر ملامت کی، آپ نے جواب میں لکھا کہ رسول اللہ صلعم کی ذات تمہارے لئے نمونہ ہے، آپ نے

۱؎ مختصر صفۃ الصفوہ ص ۱۳۳، ۲؎ ایضاً ص ۱۳۵، ۳؎ ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۷

حیؓ کو (جو لونڈی تھیں) آزاد کرکے اپنے عقد میں لے لیا تھا، اور اپنے غلام زید بن حارثہؓ کو آزاد کرکے ان سے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کی شادی کردی تھی۔[۱]

محبت اہل بیت میں اعتدال کی ہدایت عموماً مدعیان محبت اہل بیت شدت غلو میں اہل بیت کرام کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں، امام زین العابدین اس قسم کی گمراہ کن اور غیر معتدل محبت کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور انھیں ایسی محبت سے روکتے تھے، فرماتے تھے کہ "تم لوگ ہمارے ساتھ اسلام کی بتائی ہوئی حد تک محبت کرو، خدا کی قسم تم لوگ ہمارے متعلق یہاں تک کہتے رہے، کہ بہت سے لوگوں کی نظروں میں ہمکو مبغوض بنا دیا"[۲] کبھی فرماتے "ہمارے ساتھ خدا کے لئے اسلام کی بتائی محبت کیا کرو تمہارے محبت تو ہمارے لئے عار بن گئی ہے"[۳]،

خلفائے ثلثہ کے ساتھ حسن عقیدت اپنے حق پرست اسلاف کی طرح خلفائے ثلثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ امام زین العابدین بھی سچی عقیدت رکھتے تھے، ان کی برائی سننا پسند نہ فرماتے تھے اور برائی کرنے والوں کو اپنے یہاں سے نکال دیتے تھے، ایک مرتبہ چند عراقی آپ کے پاس آئے اور شاید اس غلط فہمی میں کہ آپ بھی ان کے گمراہ کن خیالات میں ان کی ہمنوا ہوں گے، آپ کے سامنے خلفائے ثلثہ کے متعلق کچھ نازیبا باتیں کہیں آپ نے کلام اللہ کی ان آیات کی طرف

للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله اولئك هم الصادقون	مال غنیمت میں ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے اور اپنے مال سے محروم کئے گئے اور وہ خدا کے فضل اور اس کی رضامندی کے طالب ہیں اور اللہ اور اسکے رسول

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

---

[۱] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۶، [۲] ایضاً ص ۱۵۸، [۳] ایضاً،

جس میں مہاجرین کے فضائل بیان کئے گئے ہیں اشارہ فرما کر پوچھا تم کہہ سکتے ہو کہ تم ان مہاجرین اولین میں سے ہو، جو اپنے وطن سے نکالے گئے، اور اپنی جائداد اور دولت سے محروم کئے گئے، اور خدا کے فضل اور اس کی رضامندی کے متلاشی ہیں، اور اس کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں،

عراقیوں نے کہا نہیں، پھر آپ نے اسی آیت کے دوسرے ٹکڑے کی طرف

والذین تبوّؤ الدار والایمان	اور ان لوگوں کا بھی حق ہے جو ان کے (مہاجرین)
من قبلھم یحبون من ھاجر	پہلے سے مدینہ میں رہتے ہیں، اور اسلام میں داخل
الیھم ولا یجدون فی صدورھم	ہو چکے ہیں اور جو ان کی طرف ہجرت کرکے آتا
حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علی	ہے اس سے محبت کرتے ہیں، اور (مال غنیمت)
انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ	جو مہاجرین کو دیا جاتا ہے اپنے دل میں اس کی
ومن یوق شح نفسہ فاولئک	خواہش نہیں پاتے، اور خواہ ان پر تنگی کیوں
ھم المفلحون	نہ ہو (مہاجرین کو) اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں جو
(حشر - ۱)	اپنے نفس کو بخل سے بچائیگا وہی لوگ فلاح پائینگے

جو انصار کے فضائل میں ہے اشارہ کرکے پوچھا کہ کیا تم ان لوگوں میں ہو جو ان لوگوں (مہاجرین) کی ہجرت کے پہلے سے (مدینہ میں) گھر رکھتے ہیں، اور ایمان لاچکے ہیں اور جو ان کے یہاں ہجرت کرکے جاتا ہے، اس سے محبت کرتے ہیں،

عراقیوں نے کہا ان میں سے بھی نہیں ہیں، فرمایا تم کو خود اعتراف ہے کہ تم دونوں جماعتوں میں سے نہیں ہو، اب میں تم کو بتاتا ہوں کہ تم اس جماعت میں بھی نہیں ہو جن کے متعلق خدا فرماتا ہے،

والذین جآءُو من بعدھم	(حشر-۱)	اور وہ لوگ جو ان کے (مہاجرین) بعد
یقولون ربنا اغفرلنا و		آئے اور کہتے ہیں کہ ہمارے رب ہماری اور
لاخواننا الذین سبقونا بالایمان		ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سب سے پہلے ایمان
ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین		لا چکے مغفرت فرما، اور ہمارے دلوں میں ان
آمنوا ربنا انک رءُوف رّحیم،		لوگوں کے لیے جو ایمان لائے کینہ نہ رکھ آئے

جب تم ان تینوں اسلامی جماعتوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہو تو خدا تم کو غارت کرے میرے یہاں سے نکل جاؤ،[1] حضرت عثمانؓ کے متعلق ارشاد فرماتے تھے، کہ خدا کی قسم وہ ناحق شہید کئے گئے،[2]

حلیہ، صورۃً نہایت حسین وجمیل تھے، بدن سے خوشبو پھوٹتی تھی[3] شانوں تک زلفیں تھیں، مانگ نکلی رہتی تھی[4] خضاب کبھی سیاہ اور کبھی سرخ دونوں استعمال کرتے تھے،

لباس، نہایت خوش لباس تھے، خز کا جو ایک بیش قیمت کپڑا ہے، جبہ اور اسی کی چادر استعمال کرتے تھے، ایک ایک چادر کی قیمت پچاس پچاس اشرفی تک ہوتی تھی، اور محض ایک موسم پہن کر اسکو بیچ کر قیمت خیرات کر دیتے تھے، سردیوں میں لومڑیوں کا سمور استعمال کرتے تھے، رنگوں میں سپید، سرخ، زرد اور سیاہ ہر قسم کا رنگ استعمال کرتے تھے گول سر کی جوتی پہنتے تھے،[5]

نفاست مزاج میں بڑی لطافت ونفاست تھی، گندگی کو مطلق برداشت نہ کر سکتے تھے، بہت سی چیزوں کو محض دوسروں کی خاطر انگیز کرتے تھے، ابو جعفر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ علی بن حسین بیت الخلا گئے میں ہاتھ دھونے کے لئے پانی لئے ہوئے دروازہ پر کھڑا تھا، بیت الخلاء

---

[1] صفوۃ الصفوہ ص۱۳۴، [2] ابن سعد ج ۵ ص۱۶۰، [3] ایضاً ص۱۶۱، [4] ایضاً، [5] ایضاً،

سے نکلنے کے بعد فرمایا، میں نے بیت الخلا میں ایسی شے دیکھی جس نے مجھے تنگ میں ڈال دیا، میں نے پوچھا وہ کیا، فرمایا میں نے دیکھا کہ مکھیاں غلاظت پر بیٹھتی ہیں، پھر اڑ کر آدمی کی جلد پر بیٹھتی ہیں، اس لئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ بیت الخلاء جانے کے لئے ایک خاص لباس بنواؤں، پھر سوچ کر فرمایا، کہ جس چیز کی لوگوں کو استطاعت نہ ہو اسے مجھے بھی نہ کرنا چاہئے،[۱]

۱۵- علی بن عبداللہ بن عباسؓ

نام ونسب، علی نام، ابو محمد کنیت، سجاد لقب، مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں، نسب نامہ یہ ہے علی بن عبداللہ بن عباسؓ بن عبدالمطلب قریشی ہاشمی، ماں کا نام زرعہ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے زرعہ بنت مشرح بن معدیکرب بن ولیعہ بن شرحبیل بن معاویہ بن شرحبیل بن معاویہ بن حجر القرد بن الحارث الولادہ بن عمرو بن معاویہ بن الحارث بن معاویہ بن ثور بن مرتع بن ثور، علی دولت عباسیہ کے بانی سفاح کے دادا تھے،

پیدائش، حضرت علیؓ کی شب شہادت کو رمضان سنہ ۴۰ھ میں پیدا ہوئے، اس لئے یادگار کے طور پر انہی کے نام پر علی نام اور ابوالحسن کنیت رکھی گئی، لیکن عبدالملک نے اپنے زمانہ میں کہا کہ میں علی کا نام اور کنیت دونوں ایک ساتھ برداشت نہیں کر سکتا ان میں سے ایک کو بدلو، اس لئے ابوالحسن چھوڑ کر ابو محمد کنیت اختیار کی،[۲]

فضل وکمال، علمی اعتبار سے کوئی قابل ذکر شخصیت نہ رکھتے تھے، اسکا ایک سبب یہ ہے کہ انکے عمل نے ان کے علم کو دبا دیا تھا، پھر بھی ابن عباسؓ کے فرزند تھے اس لئے علم کی دولت سے بالکل تہی دامن نہ تھے، احادیث نبوی کا ایک حصہ ان کے حافظہ میں محفوظ تھا، ابن سعد

---

[۱] ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۲، [۲] ایضاً ص ۲۲۹

ان کو قلیل الحدیث تابعین میں لکھتے ہیں[1]

حدیث میں انھوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، ابو سعید خدریؓ ابو ہریرہؓ، عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ، عبد اللہ بن جعفرؓ اور عبد الملک سے استفادہ کیا تھا اور ان کے صاحبزادے محمد، عیسیٰ، عبد الصمد، سلیمان، داؤد، اور منہال بن عمرو، سعد ابن ابراہیم، امام زہری، حبیب بن ابی ثابت، ابان بن صالح، عبد اللہ بن طاؤس اور منصور بن معتمر وغیرہ ان کے خوشہ چینوں میں تھے[2]

زہد و عبادت، ان کا میدان عمل حجرہ عبادت تھا، اپنے عہد کے بڑے عابد و مرتاض بزرگوں میں تھے، کثرت عبادت کی وجہ سے "سجاد" لقب پڑ گیا تھا، شبانہ یوم میں ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے[3] عبادت کا یہ ذوق و انہماک آخر لمحہ حیات تک قائم رہا، زبیر بن بکار کا بیان ہے کہ موت کے وقت تک انکی عبادت و ریاضت کا یکساں حال رہا[4]

اکثر معمولی معمولی واقعات زندگی میں عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیتے ہیں، علی کے ساتھ بھی اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، ابتدا میں وہ کوئی عابد و زاہد نہ تھے، ابان ابن عثمان کے لڑکے عبد الرحمن بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے، ان کی عبادت و ریاضت کو دیکھکر علی کے دل پر نہایت گہرا اثر پڑا، انھوں نے کہا میں ان سے زیادہ رسول اللہ صلعم کا قریب عزیز ہوں اس لئے مجھے ان سے زیادہ عبادت کرنے کا حق ہے، چنانچہ اسی وقت سے ہمہ تن عبادت میں لگ گئے[5]

قریش میں عظمت و عزت ان کے مذہبی کمالات کی وجہ سے قریش انکی بڑی عظمت کرتے

---

[1] ابن سعد ج ۵ صہ ۲۱۲، [2] تہذیب التہذیب ج ۷، صہ ۳۵۷، [3] ابن سعد ج ۵ صہ ۲۲۹، [4] تہذیب الاسماء ج اول ق اول صہ ۳۵۱، [5] تہذیب التہذیب ج ۷، صہ ۳۵۸،

تھے، جب وہ مکہ جاتے تھے تو ان کے احترام میں سارا خاندان قریش ان پر ٹوٹ پڑتا تھا[1]

ولید سے اختلاف، انھوں نے عبدالملک کی مطلقہ لبابہ سے شادی کر لی تھی، اس لئے ولید ان کے سخت خلاف ہو گیا تھا، اس کی سزا میں اس نے ان کو کوڑے لگوا کر بلقا رجلا وطن کر دیا[2]

ہشام سے تعلقات، لیکن ہشام کے ساتھ ان کے بڑے تعلقات تھے اور وہ انکا بڑا احترام کرتا تھا، ایک مرتبہ وہ ان سے ملنے گئے، تو ہشام نے اپنے ساتھ تخت شاہی پر بٹھایا، اور تیس ہزار اشرفیاں نذر پیش کیں[3]،

وفات، ابن سعد کی روایت کے مطابق ۱۱۷ھ یا ۱۱۸ھ میں وفات پائی[4]، لیکن بعض روایات ۱۱۴ھ میں وفات کی بھی ملتی ہیں،

حلیہ، نہایت حسین و جمیل تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ روئے زمین پر ایسا حسین و جمیل قریشی نہ تھا[5] قد نہایت بلند و بالا تھا،

اولاد، علی کے بہت سی اولادیں تھیں، داؤد[1]، عیسیٰ[2]، محمد[3]، احمد[4]، بشر[5]، مبشر[6]، اسمٰعیل[7]، عبدالصمد[8]، عبداللہ الاکبر[9]، عبداللہ الاصغر[10]، عبیداللہ[11]، عبدالملک[12]، عثمان[13]، سلیمان[14]، صالح[15]، عبدالرحمٰن[16]، عبداللہ الاوسط[17]، یحییٰ[18]، اسحاق[19]، فاطمہ[20]، ام عیسیٰ کبریٰ[21]، ام عیسیٰ صغریٰ[22]، لبابہ[23]، بریہہ کبریٰ[24]، بریہہ صغریٰ[25]، میمونہ[26]، ام علی[27]، عالیہ[28]، اور ام حبیب[29]،

اس کثرت کے ساتھ علی کی اولاد پھلی پھولی بھی بہت عباسی خلفاء انہی کی نسل سے تھے[6]

---

[1] شذرات الذہب ج اول ص ۱۴۹، [2] ایضاً ص ۱۴۸، [3] ایضاً ص ۱۴۹، [4] ابن سعد ج ۵ ص ۲۳۱، [5] ایضاً ص ۲۳۰، [6] ایضاً ص ۲۲۹،

۵۲- عمر بن عبدالعزیز

نام ونسب: عمر نام، ابوحفص کنیت نسب نامہ یہ ہے، عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم بن العاص بن امیہ بن عبد شمس اموی ماں کا نام ام عاصم تھا، یہ حضرت عمرؓ کے فرزند عاصم کی صاحبزادی تھیں، اس طرح عمر بن عبدالعزیز کی رگوں میں عمر فاروقؓ کا خون بھی شامل ہوگیا تھا، اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ مروان جیسے بدنام شخص کی نسل سے عمر بن عبدالعزیز جیسا مجدد ملت پیدا ہوا، جو صدق میں ابوبکرؓ، عدل میں عمرؓ، حیا میں عثمانؓ اور زہد میں علی مرتضیٰ کا مثل تھا، جس نے اپنے مجددانہ کارناموں سے ملت اسلامیہ کی روح کو جو امویوں کی بےعنوانیوں سے مردہ ہورہی تھی دوبارہ زندہ کردیا،

عمر کے والد عبدالعزیز مروان کے چھوٹے لڑکے تھے، مروان نے عبدالملک کے بعد ان کو ولیعہد نامزد کیا تھا، لیکن وہ عبدالملک کی زندگی ہی میں وفات پاگئے[1]

عبدالعزیز اپنے خاندانی اوصاف وکمالات کے پورے حامل تھے، اور اپنے والد کی مہمات میں ان کے دست راست رہے، عبداللہ بن زبیرؓ کی وفات کے بعد مروان نے جب مصر پر قبضہ کرنے کے لئے فوج کشی کی تو عبدالعزیز کو ایلہ پر متعین کیا[2]،

مصر پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد مروان دو مہینہ یہاں مقیم رہا، دو مہینہ کے بعد عبدالعزیز کو یہاں کا گورنر بنا کر شام واپس ہوا[3]،

مروان کے بعد عبدالملک نے بھی عبدالعزیز کو مصر کی حکومت پر برقرار رکھا، اور انہوں نے

---

[1] کتاب الولاۃ کندی ص۵۵ و ۵۶، [2] ایضاً ص۴۲، [3] ایضاً ص۴۸

یہاں کامل اکیس سال حکومت کرنے کے بعد ۸۶ھ میں انتقال کیا، تاریخ اسلام میں اتنی طویل مدت کم کسی والی کو نصیب ہوئی ہوگی،

عبدالعزیز نے مصر اور حلوان میں اپنی حکومت کی بہت سے یادگاریں چھوڑیں، ایک زرنگار محل تعمیر کرایا، حلوان میں متعدد محلات اور مسجدیں بنوائیں، مصر کی جامع مسجد منہدم کراکے اسکو ازسرنو تعمیر کرایا، خلیج مصر پر پل بنوائے انگور اور خرمے کے باغات لگوائے[1]

علماء اور ارباب کمال کا بڑا قدردان تھا، قاضی عبدالرحمن بن حجیرہ خولانی کا ایکہزار اشرفی سالانہ وظیفہ مقرر کیا[2] شعراء کے ساتھ اتنی داد و دہش کرتا تھا کہ بعض شعراء نے اس کے بعد شاعری چھوڑ دی، کثیر سے کسی نے پوچھا اب شعر کیوں نہیں کہتے، جواب دیا، عبدالعزیز کے بعد صلہ کی توقع کس سے کیجائے،[3]

پیدائش | اس نامور والی کے گھر میں عمر پیدا ہوئے، ان کے سنہ پیدائش کے بارہ میں اگرچہ بیانات مختلف ہیں لیکن بروایت صحیح وہ یزید کے عہد میں مدینہ میں پیدا ہوئے،[4]

تعلیم و تربیت، | عمر بن عبدالعزیز کا بچپن والد کے ساتھ مصر میں گذرا[5] اور غالباً ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی، جب ہوش سنبھالا تو عبدالعزیز نے ان کو اعلیٰ تعلیم کے لئے مدینہ جو علم و علماء کا مرکز تھا، بھیجدیا، یہاں محدث صالح بن کیسان کی نگرانی میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی،

صالح بن کیسان اس دیانت کے ساتھ ان کی مذہبی اور اخلاقی نگرانی کرتے تھے کہ ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز نے نماز میں دیر کردی، صالح نے بازپرس کی، عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا بال سنوارنے میں دیر ہوگئی، صالح نے کہا، اب بالوں کی آرائش میں اتنا شغف ہوگیا ہے، کہ

---

[1] کتاب الولاۃ کندی ص۵۵، [2] حسن المحاضرہ سیوطی ج ۲ ص ۳۰۴، [3] ایضاً ج اول ص ۳۱۱، [4] ایضاً ص ۲۷۴، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۱، [6] ایضاً،

اس کو نماز پر ترجیح دیجاتی ہے، اور عبد العزیز کو یہ واقعہ لکھ بھیجا، انھوں نے فوراً ایک آدمی روانہ کیا جس نے آنے کے ساتھ پہلے ان کے بال مونڈے، اس کے بعد کسی سے بات چیت کی[1]

اس اہتمام سے ان کی تعلیم و تربیت ہوئی، انھیں خود بھی تحصیلِ علم کا ذوق تھا، ان کا بیان ہے کہ میں مدینہ کے لڑکوں میں ایک لڑکا تھا، پھر عربی اور شعر کا شوق پیدا ہوا[2]، اس لئے انھوں نے بڑے ذوق و شوق سے تحصیلِ علم کی،

لیکن ان کی تعلیم کا یہ دور ابتدائی تھا، وہ دور جس نے ان کو امامِ وقت بنایا مدینہ کی گورنری کا عہد تھا، جسمیں اکابر علما سے ان کی صحبتیں اور علمی بحث و مباحثے رہتے تھے، ان کا خود بیان ہے کہ جب میں مدینہ سے نکلا ہوں اس وقت مجھ سے بڑا عالم کوئی نہ تھا[3]، ان کے علمی کمالات کے حالات آخر میں آئیں گے،

شادی، ان کے والد کی وفات کے بعد ان کے چچا عبد الملک نے اپنی لڑکی فاطمہ کے ساتھ ان کی شادی کر دی[4]،

خناصرہ کی حکومت عمر بن عبد العزیز درحقیقت مسند درس کے لئے زیادہ موزوں تھے لیکن شاہی خاندان کی رکنیت نے ان کو ایوان حکومت میں پہنچا دیا، چنانچہ سب سے اول وہ خناصرہ کے عامل مقرر ہوئے،

مدینہ کی گورنری، عبد الملک کے بعد ولید نے ان کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا انھیں اسکے قبول کرنے میں تامل ہوا، ولید نے حاجب سے پوچھا عمر جاتے کیوں نہیں، اس نے کہا وہ کچھ شرائط کے ساتھ جانا چاہتے ہیں، ولید نے بلا کر پوچھا، انھوں نے کہا مجھے پہلے والیوں کے ظلم پر مجبور نہ کیا جائے

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز ابن جوزی ص۹، [2] ایضاً، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۰۶، [4] تاریخ الخلفا ص۲۳۰، [5] سیرت عمر بن عبد العزیز ص۳۲و۳۳،

ولید نے منظور کرلیا، اور کہا تم حق پر عمل کرنا خواہ ایک درہم بھی شاہی خزانہ میں داخل نہ ہو، اس شرط کے بعد وہ مدینہ روانہ ہوئے، اس وقت کے عمر بن عبدالعزیز درویش عبدالعزیز نہ تھے، بلکہ شاہی خاندان کے رکن اور شان و شکوہ والے عمر بن عبدالعزیز تھے، چنانچہ تیس اونٹوں پر ان کا ذاتی ساز و سامان بار تھا[1]

علماء مدینہ سے مشورہ، لیکن فطرت سلیم تھی، اس لئے مدینہ پہنچنے کے بعد یہاں کے دس بڑے فضلاء کو بلاکر ان کے سامنے ایک مختصر تقریر کی کہ میں نے آپ کو ایک ایسے کام کے لئے بلایا ہے جس میں آپ کو ثواب ملے گا اور آپ حامی حق قرار پائیں گے، میں آپ لوگوں کے مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ کرنا نہیں چاہتا، اس لیے جب آپ لوگ کسی کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں یا آپ کو میرے کسی عامل کے ظلم کی اطلاع ہو تو آپ خدا کی قسم مجھ کو ضرور اس کی خبر کیجئے" یہ تقریر سننے کے بعد فقہا ان کو دعائے خیر دیتے ہوئے واپس گئے[2]

تعمیر مسجد نبوی | مدینہ کی گورنری کے زمانہ میں عمر بن عبدالعزیز نے یہاں بہت سی اصلاحیں اور بہت سے مفید کام کئے ان سب میں ان کا ناقابل فراموش کارنامہ مسجد نبوی کی تعمیر اور تزئین و آرائش ہے،

ولید کے پیشتر خلفاء نے وقتاً فوقتاً مسجد نبوی میں ترمیمیں کرائی تھیں، لیکن ولید نے بڑے اہتمام کے ساتھ اس کو نہایت عظیم الشان پیمانہ پر تعمیر کرانے کا ارادہ کیا، اور ۸۸ھ میں عمر بن عبدالعزیز کو لکھا کہ مسجد نئے سرے سے تعمیر کیجائے، اس سے متصل ازواج مطہرات کے حجرے اور دوسرے جو مکانات ہیں ان کا معاوضہ دے کر ان کو مسجد میں شامل کرلیا جائے، جو لوگ قیمت لینے سے انکار کریں، ان کے مکانات زبردستی گرا دیئے جائیں، اور ان کی قیمت

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۳۴۲، [2] ابن سعد ج ۵ ص ۲۴۶

فقیروں کو خیرات کر دیجائے،[1]

قیصر روم کو خط لکھ کر بہت سے رومی کاریگر مزدور، مینا کاری اور پچہ کاری کا مسالہ اور کئی ہزار مثقال سونا منگایا،[2] اور مختلف مقامات سے ہر قسم کے تعمیری سامان جمع کئے،

سامان جمع ہونے کے بعد عمر بن عبد العزیز نے فقہائے مدینہ کی موجودگی میں مسجد کی پرانی عمارت گروا کر ان بزرگوں کے متبرک ہاتھوں سے عمارت کی بنیاد ڈالی،[3]

عمر بن عبد العزیز کو اس عمارت سے ذاتی دلچسپی تھی، اس لئے بڑے انہماک اور حسن مذاق سے اس کو تعمیر کرایا، ساری عمارت نفیس پتھروں کی تھی، تمام دیواریں اور چھتیں منقش مطلا اور مینا کار تھیں، درخت کے ایک نقش پر کاریگروں کو ۳۰ درہم انعام دیتے تھے،[4]

اس اہتمام سے تین سال میں عمارت بن کر تیار ہوئی اور ۹۱ھ میں ولید نے مدینہ جا کر اس کا معائنہ کیا، اور عمر بن عبد العزیز کی کارگذاری پر خوشنودی ظاہر کی،

اطراف مدینہ کی مساجد کی تعمیر، عمر بن عبد العزیز نے اپنے عہد گورنری میں اطراف مدینہ میں اور بہت سی مسجدیں بنوائیں، آنحضرت صلعم نے اطراف مدینہ میں جہاں جہاں نمازیں پڑھی تھیں مسلمانوں نے یادگار کے طور پر وہاں معمولی مسجدیں بنالی تھیں، عمر بن عبد العزیز نے اس سلسلہ کی تمام مسجدوں کو منقش پتھروں سے تعمیر کرایا،[5]

کنووں اور راستوں کی تعمیر، رفاہ عام کے سلسلہ میں ولید کے حکم سے مدینہ میں بہت سے کنویں کھدوائے، اور دشوار گذار پہاڑی راستے درست کرائے،[6]

معزولی، اگرچہ عمر بن عبد العزیز نے تقرر کے وقت یہ شرط کر لی تھی کہ وہ گذشتہ والیوں

[1] خلاصۃ الوفا صفحہ ۱۳۱، [2] ایضاً صفحہ ۱۳۹، [3] ایضاً، [4] ایضاً، [5] فتح الباری ج ۱ صفحہ ۴۷۲، [6] طبری صفحہ ۱۱۹۶،

کی طرح ظلم نہ کریں گے، لیکن بنی امیہ کا نظام کچھ ایسا تھا کہ یہ شرط قائم نہیں رہ سکتی تھی، اسلئے ایک روایت یہ ہے کہ حجاج کی شکایت پر وہ معزول کر دیئے گئے[1]، دوسرا بیان ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ کے صاحبزادے خبیب کو جو بنی امیہ کے مخالفین میں تھے، ولید کے حکم سے مجبور ہوکر سزا دی جس کے صدمہ سے وہ مرگئے، اس کی ندامت میں خود مستعفی ہو گئے[2]،

سلیمان کے مزاج میں رسوخ، عمر بن عبدالعزیز اپنے اوصاف اور حسنِ خلق کی بنا پر خاندان بھر میں محبوب تھے، خصوصاً سلیمان بن عبدالملک ان کو بہت مانتا تھا، انھیں اپنا وزیر و مشیر بنا لیا تھا، اور امورِ خیر میں ان کے مشوروں پر عمل کرتا تھا[3]، سلیمان کے عہد کی اصلاحات درحقیقت عمر بن عبدالعزیز ہی کے فیض کا نتیجہ ہیں،

سلیمان کی وفات اور خلافت، ۹۹ھ میں سلیمان مرض الموت میں مبتلا ہوا اور اپنے نابالغ لڑکے ایوب کو ولیعہد نامزد کیا، رجاء بن حیوٰۃ نے جو سلیمان کے خواص میں تھے، اس سے اختلاف کیا، اور کہا "امیر المومنین خلیفہ ایسے صالح آدمی کو بنانا چاہیے جس سے آپ قبر میں محفوظ رہیں، سلیمان نے کہا، یہ میرا قطعی فیصلہ نہیں ہے، میں اس پر غور کروں گا، اور خدا سے استخارہ کروں گا، چنانچہ دو دن غور کرنے کے بعد وصیت نامہ چاک کر ڈالا، اور رجاء بن حیوٰۃ سے پوچھا کہ میرے لڑکے داؤد کے بارہ میں کیا رائے ہے، رجاء نے کہا وہ اس وقت قسطنطنیہ میں ہیں، اور معلوم نہیں زندہ ہیں یا نہیں، سلیمان نے کہا پھر کیا رائے دیتے ہو، رجاء نے کہا اصل رائے تو آپ کی ہے، آپ نام لیجئے میں غور کروں گا[4]، سلیمان نے کہا عمر بن عبدالعزیز کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے، رجاء نے کہا میرے نزدیک وہ نہایت فاضل اور برگزیدہ مسلمان ہیں، سلیمان نے کہا خدا کی قسم وہ ایسے ہی ہیں، لیکن اگر میں عبدالملک کی اولاد کو

[1] طبری ص ۱۲۵۴، [2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز میں یہ واقعہ مفصل ہے، [3] تاریخ الخلفاء ص ۲۲۶، [4] ایک روایت یہ ہے کہ رجاء ہی نے عمر بن عبدالعزیز کا نام پیش کیا تھا،

بالکل نظرانداز کرکے عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ بنادوں تو ایک فتنہ بپا ہوجائیگا، جب تک ان کے بعد عبدالملک کی کسی اولاد کا نام نہ رکھوں گا، اس وقت تک وہ لوگ اون کو خلافت پر قائم نہ رہنے دیں گے، اس لئے میں یزید کو ان کے بعد خلیفہ بنائے دیتا ہوں، اس سے وہ لوگ ٹھنڈے ہوجائیں گے اور راضی رہیں گے، رجاء نے بھی اس سے اتفاق کیا، اس کے بعد سلیمان نے خود اپنے قلم سے یہ وصیت نامہ لکھا،

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ تحریر خدا کے بندے سلیمان امیرالمومنین کی جانب سے عمر بن عبدالعزیز کے لئے ہے، میں نے اپنے بعد تم کو خلیفہ بنایا، اور تمھارے بعد یزید بن عبدالملک کو، مسلمانو! انکا کہنا سنو اور ان کی اطاعت کرو، خدا سے ڈرو، اختلاف نہ پیدا کرو کہ دوسرے تم پر حرص وطمع کی نگاہ ڈالیں"

اور اس پر مہر کرکے اپنے خاندان والوں کو جمع کرا کے رجاء کو حکم دیا، کہ اس وصیت نامہ کو لیجا کر خاندان والوں سے کہو کہ میں نے اس میں جس کو خلیفہ بنایا ہے، وہ لوگ اسکی بیعت کریں، رجاء نے تعمیل کی، سب نے بالاتفاق سمعنا و اطعنا کہا، پھر ان کی خواہش پر انھیں سلیمان کو دیکھنے کی اجازت دی گئی، یہ لوگ اندر گئے تو سلیمان نے وصیت نامہ کی طرف جو رجاء کے ہاتھ میں تھا، اشارہ کرکے ان لوگوں سے کہا " اس میں میں نے جس کو خلیفہ بنایا ہے اس کی بیعت کرو، اور اس کے مطیع رہو، سلیمان کے کہنے پر دوبارہ سب سے فرداً فرداً بیعت کی،

عمر بن عبدالعزیز اس بار عظیم کو اٹھانا نہ چاہتے تھے، اور ان کو اپنے متعلق قوی شبہہ تھا، اس لئے رجاء نے جاکر کہا کہ "میرے اوپر سلیمان کی جو شفقتیں اور مہربانیاں ہیں ان سے مجھے خطرہ ہے کہ انھوں نے خلافت میرے متعلق نہ کردی ہو، اگر ایسا ہو تو آپ مجھے بتادیجئے تاکہ قبل اس کے کہ میں مجبور ہوجاؤں ابھی اس سے استعفا دیدوں" لیکن رجاء نے

بتانے سے انکار کیا،

ان مراحل کے بعد سلیمان کا انتقال ہوگیا، رجاء نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ موت کی خبر مخفی رکھی اور شاہی خاندان کے ارکان کو جمع کرکے دوبارہ ان سے بیعت لی بیعت کو موکد کرنے کے بعد سلیمان کی موت کا اعلان کیا، اور وصیت نامہ پڑھ کر سنایا، عمر بن عبد العزیز کا نام سنکر عبد الملک کے لڑکے ہشام نے کہا ہم کبھی ان کی بیعت نہیں کر سکتے، رجاء نے کہا "اٹھ کر خاموشی کے ساتھ بیعت کر لو، ورنہ ابھی سر قلم کر دوں گا" اور عمر بن عبد العزیز کا ہاتھ پکڑ کے منبر پر بٹھا دیا، انھوں نے اس بار عظیم کی ذمہ داری پر اور ہشام نے اپنی محرومی قسمت پر انا للہ پڑھا، اس کے بعد سلیمان کی تجہیز و تکفین ہوئی، اور عمر بن عبد العزیز نے نماز جنازہ پڑھائی

خلفاے راشدین کا پہلا اسوہ، | تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی عمر بن عبد العزیز بالکل بدل گئے، اور اب انھوں نے ناز پروردہ عمر کے بجائے ابوذر غفاری رضی اور ابوہریرہ رضی کا قالب اختیار کر لیا، سلیمان کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد حسب معمول عمر بن عبد العزیز کے سامنے شاہی سواریاں پیش کی گئیں، انھوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا، شاہی سواریاں، فرمایا "میرے لئے میرا خچر کافی ہے"، اور کل سواریاں واپس کر دیں[1]،

ابھی سلیمان کے اہل و عیال قصر خلافت میں تھے، اس لئے اپنے خیمہ میں فروکش ہوگئے[2]، گھر آئے تو اس بار عظیم کی ذمہ داری سے چہرہ پریشان تھا، لونڈی نے پوچھا آپ شاید کچھ متفکر ہیں، فرمایا اس سے بڑھ کر تشویش کی بات کیا ہوگی، کہ مشرق و مغرب میں امت محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں ہے جس کا مجھ پر حق نہ ہو، اور بغیر مطالبہ اور اطلاع کے اس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو[3]،

---

[1] یہ تمام واقعات ابن سعد ج ۵ ص ۲۴۷ تا ص ۲۴۹ سے ماخوذ ہیں، [2] ایضاً ص ۲۴۹، [3] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۵۲

خلافت سے دستبرداری کا اعلان اور مسلمانوں کا اصرار،

حضرت عمر بن عبد العزیز کو خلافت کی ذمہ داریوں کے بارگراں کا پورا احساس تھا، اگر نامزدگی کے وقت انکو اس کا علم ہوگیا ہوتا تو وہ اسی وقت اپنا نام واپس لے لیتے، لیکن اب یہ بار پڑچکا تھا تاہم انھوں نے ایک مرتبہ اس سے سبکدوش ہونے کی کوشش کی اور لوگوں کو جمع کرکے تقریر کی،

"لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے لئے ہوئے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریوں میں مبتلا کیا گیا ہے، اس لئے میری بیعت کا جو طوق تمھاری گردن میں ہے، میں خود اس کو اتارے دیتا ہوں، تم جس کو چاہو اپنا خلیفہ منتخب کرلو"

یہ خطبہ سن کر مجمع سے شور اٹھا "ہم نے آپ کو خلیفہ منتخب کیا ہے، اور آپ کی خلافت سے راضی ہیں، آپ خدا کا نام لے کر کام شروع کر دیجئے"[1]

پہلا خطبہ،

جب آپ نے دیکھا کہ آپ کی خلافت سے کسی کو اختلاف نہیں ہے تو آپ نے ایک تقریر کی جس میں لوگوں کو تقویٰ، فکر آخرت اور ذکر موت کی طرف توجہ دلائی، آخر میں باواز بلند فرمایا،

"لوگو! جو شخص خدا کی اطاعت کرے اس کی اطاعت فرض ہے، اور جو شخص خدا کی نافرمانی کرے اس کی اطاعت واجب نہیں، جب تک میں خدا کی اطاعت کروں اس وقت تک تم میری اطاعت کرو، اور جب میں خدا کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر فرض نہیں ہے"

طبقات ابن سعد میں یہ الفاظ ہیں "اما بعد تمھارے نبی کے بعد دوسرا نبی اور اس پر جو کتاب نازل ہوئی ہے، اس کے بعد کوئی دوسری کتاب نہیں ہے، خدا نے جو چیز حلال کر دی وہ قیامت تک کے لئے حلال ہے اور جو حرام کر دی وہ قیامت تک کے لئے حرام رہے گی، میں (اپنی جانب

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز ص۵۳ و ۵۴،

سے) کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں، بلکہ (احکام الٰہی کو) نافذ کرنے والا ہوں، میں خود کوئی بات شروع کرنے والا نہیں ہوں بلکہ صرف پیرو ہوں کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ خدا کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے، میں تمہاری جماعت کا بہتر آدمی بھی نہیں ہوں، بلکہ ایک معمولی فرد ہوں، البتہ خدا نے مجھ کو تم سے زیادہ گرانبار کر دیا ہے،[1]

عبد العزیز بن عبد الملک کی بیعت، یہاں دمشق میں یہ سب ہو چکا تھا لیکن عبد العزیز بن عبد الملک کو جو کہیں باہر تھا ان واقعات کی خبر نہیں ہوئی تھی اس لئے سلیمان کی موت کی خبر سنکر اسنے اپنے ہمراہیوں سے اپنی بیعت لے لی، اور دمشق کے ارادہ سے بڑھا، راستہ میں اسے سلیمان کی وصیت اور عمر بن عبد العزیز کی بیعت کا حال معلوم ہوا، یہ سن کر وہ سیدھا ان کے پاس پہنچا، ان کو اس کے بیعت لینے کی خبر ہو چکی تھی، چنانچہ انھوں نے اس سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنی بیعت لے کر دمشق میں داخل ہونا چاہتے تھے، عبد العزیز نے کہا مجھے اس کا علم نہ تھا کہ سلیمان نے آپ کو خلیفہ نامزد کر دیا ہے، اس لئے مجھے خوف تھا کہ لوگ خزانہ وغیرہ لوٹ لیں گے، عمر بن عبد العزیز نے فرمایا، اگر لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کر لیتے اور تم بارِ خلافت کو سنبھال لیتے تو میں تم سے جھگڑا نہ کرتا اور اپنے گھر میں بیٹھ جاتا، عبد العزیز نے کہا آپ کے ہوتے ہوئے میں اپنے دوسرے کا خلیفہ ہونا پسند ہی نہیں کرتا، اور آپکے ہاتھوں پر بیعت کر لی،[2]

خلافتِ راشدہ کا احیا

ان مراحل سے فراغت کے بعد امورِ خلافت کی طرف متوجہ ہوئے، خلافت کے باب میں عمر بن عبد العزیز کا نقطۂ نظر گذشتہ خلفاء سے بالکل مختلف تھا، ان کے پیشِ نظر نظامِ خلافت

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۰، ۲۵۱

میں ایک عظیم الشان انقلاب برپا کرنا تھا، وہ سلطنت کی ظاہری ترقیوں یعنی فتوحات محاصل اور عمارتوں میں اضافہ کرنا نہ چاہتے تھے بلکہ "اموی حکومت" کو "خلافتِ راشدہ" میں بدل دینا چاہتے تھے، یہ اقدام ایسا اہم اور خطرناک تھا جس میں ہر طرف سے مخالفتوں کے طوفان کا مقابلہ تھا لیکن عمر بن عبد العزیز نے تمام خطرات سے بے پروا ہو کر نہایت جرأت سے انقلاب شروع کر دیا،

غصب کردہ مال و جائداد کی واپسی: اسی سلسلہ میں سب سے مقدم اور سب سے زیادہ نازک کام رعایا کی املاک کی واپسی تھی، جس پر اموی خاندان نے قبضہ کر کے اپنی جاگیر بنا لیا تھا، اس میں سارے خاندان کی مخالفت کا سامنا تھا لیکن عمر بن عبد العزیز نے سب سے پہلے یہی کارِ خیر کیا، اور سب سے اول اپنی ذات اور اپنے خاندان سے شروع کیا، جس وقت آپ نے اس کا ارادہ ظاہر فرمایا، اس وقت بعض ہوا خواہوں نے دبی زبان سے عرض کیا کہ اگر آپ جاگیریں واپس کر دیں گے تو اپنی اولاد کے لئے کیا انتظام کریں گے، فرمایا ان کو خدا کے سپرد کرتا ہوں[1]،

اس عزم راسخ کے بعد خاندان والوں کو جمع کر کے فرمایا،

"بنی مروان تم کو شرف اور دولت کا بڑا حصہ ملا، میرا خیال ہے کہ امتِ مسلمہ کا نصف یا دو تہائی مال تمہارے قبضہ میں ہے" یہ لوگ یہ اشارہ سمجھ گئے اور جواب میں کہا "خدا کی قسم جب تک ہمارے سر تن سے جدا نہ ہوں گے، اس وقت یہ نہیں ہو سکتا، خدا کی قسم نہ ہم اپنے آباؤ اجداد کو کافر بنا سکتے ہیں (عمر بن عبد العزیز اپنے اسلاف کے افعال کو حرام کہتے تھے) اور نہ اپنی اولاد کو مفلس بنائیں گے،" عمر بن عبد العزیز نے فرمایا "خدا کی قسم اگر اس حق میں تم میری مدد نہ کرو گے تو میں تم لوگوں کو ذلیل اور رسوا کر ڈالوں گا، میرے پاس

---

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ابن جوزی ص ۱۰۴،

سے چلے جاؤ[1]

اس کے بعد عام مسلمانوں کو مسجد میں جمع کر کے تقریر کی،

"ان لوگوں (بنی امیہ) نے ہمکو عطایا اور جاگیریں دیں خدا کی قسم نہ انھیں ان کو دینے کا حق تھا اور نہ ہمیں ان کے لینے کا، اب میں ان سب کو ان کے اصلی حق داروں کو واپس کرتا ہوں، اور اپنی ذات اور اپنے خاندان سے شروع کرتا ہوں"

یہ کہہ کر اسناد شاہی کا خریطہ منگایا، مزاحم سب کو پڑھ پڑھ کر سناتے جاتے تھے، اور عمر بن عبد العزیز ان کو لے لے کر قینچی سے کاٹتے جاتے تھے، صبح سے لے کر ظہر کی نماز تک یہ سلسلہ جاری رہا[2]

اسطرح اپنی اور اپنے پورے خاندان کی جاگیریں واپس کرا دیں اور اپنے پاس ایک نگینہ تک باقی نہ رہنے دیا[3]، ان کی بیوی فاطمہ کو ان کے باپ عبد الملک نے ایک قیمتی پتھر دیا تھا، عمر بن عبد العزیز نے بیوی سے کہا، یا اس کو بیت المال میں داخل کردو یا مجھے چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ، اطاعت شعار بیوی نے وہ جوہر بیت المال میں داخل کر دیا[4]، سب سے اہم معاملہ فدک کا تھا، جو مدتوں سے خلفاء اور اہل بیت کے درمیان متنازع فیہ چلا آتا تھا، اور اب عمر بن عبد العزیز کے قبضہ میں تھا، اور اسی پر ان کی اور ان کے اہل وعیال کی معاش کا دار مدار تھا، اس کے متعلق انھوں نے رسول اللہ صلعم اور خلفاء راشدین کے طرز عمل کی تحقیقات کر کے آل مروان سے کہا کہ "فدک رسول اللہ صلعم کا خالصہ تھا، جس کی آمدنی آپ اپنی اور بنی ہاشم کی ضروریات میں صرف فرماتے تھے، خود فاطمہؓ نے آپ سے اس کو مانگا تھا، لیکن آپ نے دینے سے انکار فرمایا، حضرت عمرؓ کے زمانہ تک

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز ابن جوزی ص۱۱۰، [2] ایضاً ص۲۰۱، [3] ابن سعد ج ۵ ص۲۵۲، [4] تاریخ الخلفاء ص۲۳۳،

اسی پر عمل ہوتا رہا، آخر میں مروان نے اس کو جاگیر میں لے لیا، اور وہ وراثتہً میرے قبضہ میں آیا، لیکن جو چیز رسول اللہ صلعم نے فاطمہؓ کو نہیں دی، اس پر میرا کوئی حق نہیں ہے، اس لئے میں تم لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ فدک کی جو صورت رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں تھی میں اسکو اسی حالت پر لوٹاتا ہوں[1]"

اپنی اور اپنے خاندان کی جاگیروں کو واپس کرانے کے بعد عام غصب شدہ مالوں کی طرف متوجہ ہوئے، اور امیر معاویہ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک ظالمانہ طریقوں سے جس قدر غصب کردہ مال وجائداد تھی، سب ایک ایک کرکے واپس کرادی، اور معاویہ اور یزید کے وارثوں سے لے کر ان کے اصلی مالکوں کے حوالہ کی[2]،

شام کے علاوہ سارے ممالک محروسہ کے عمال کے پاس غصب شدہ مال کی واپسی کے متعلق تاکیدی احکام بھیجے، عراق میں اس کثرت سے مال واپس کیا گیا، کہ صوبہ کی حکومت کا خزانہ خالی ہوگیا، اور عمر بن عبد العزیز کو وہاں کے اخراجات کے لئے دمشق سے روپیہ بھیجنا پڑا[3]،

مال کی واپسی کے لئے ہر طرح کی آسانیوں کا لحاظ رکھا گیا، ملکیت کے ثبوت کے لئے کوئی بڑی شہادت کی ضرورت نہ تھی، بلکہ معمولی شہادت پر مل جاتا تھا[4]، جو لوگ مر چکے تھے ان کے ورثہ کو واپس کیا جاتا تھا[5]، اور یہ سلسلہ عمر بن عبد العزیز کی وفات تک برابر قائم رہا[6]،

اہل خاندان کی برہمی، عمر بن عبد العزیز نے نہ صرف علاقے اور جاگیریں چھین کر بنی امیہ کو تہی دست کردیا، بلکہ ان کے سارے امتیازات مٹا کر انکی نخوت اور غرور کو خاک میں ملا دیا،

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی صفایا رسول اللہ صلعم وطبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیز، [2] ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۲، [3] ایضاً، [4] ایضاً، [5] تہذیب الاسماء ج اول ص ۲۰، [6] ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۱،

اس لئے خاندان میں ان کے خلاف سخت برہمی پھیل گئی، اور انھوں نے ان کو ہر طریقہ سے اس عادلانہ طریقے سے ہٹانے کی کوشش کی، عمرو بن ولید نے نہایت غضب آلود خط لکھا،

"تم نے گذشتہ خلفار پر عیب لگایا ہے، اون کی اور اون کی اولاد کی دشمنی میں انکے خلاف روش اختیار کی، تم نے قریش کی دولت اور اون کی میراث ظلم وجور سے بیت المال میں داخل کرکے قطع رحم کیا، عمر بن عبد العزیز خدا سے ڈرو اور اس کا خیال کرو کہ تم نے زیادتی کی ہے، تم ابھی منبر پر اچھی طرح بیٹھے بھی نہ تھے کہ اپنے خاندان والوں کو جور و ظلم کا نشانہ بنا لیا، اس ذات کی قسم جس نے محمد صلعم کو بہت سی خصوصیات کے ساتھ مختص فرمایا تم اپنی اس حکومت میں جس کو تم اپنے لئے آزمایش اور مصیبت کہتے ہو، خدا سے بہت دور ہو گئے اس لئے اپنی بعض خواہشوں کو روکو اور اس کا یقین رکھو کہ تم ایک جبار کی نگاہ کے سامنے اور اس کے قبضہ میں ہو اور اس حالت میں چھوڑے نہیں جا سکتے"

حضرت عمر بن عبد العزیز نے بھی اس کا نہایت سخت جواب دیا[۱]

آل مروان نے ہشام کو اپنا وکیل بنا کر ان کے پاس بھیجا، اس نے ان کی جانب سے کہا کہ آل مروان کہتے ہیں کہ اپنے امور میں جن کا تعلق آپ سے ہے، اپنی رائے سے جو چاہیے کیجئے، لیکن گذشتہ خلفار جو کچھ کر گئے ہیں، اس کو اسی حالت پر رہنے دیجئے، عمر بن عبد العزیز نے جواب میں پوچھا اگر ایک ہی معاملہ کے متعلق تمھارے پاس دو دستاویزیں ہوں، ایک امیر معاویہ کی اور دوسری عبد الملک کی تو تم کسے قبول کروگے، ہشام نے کہا جو قدیم ہوگی، عمر بن عبد العزیز نے کہا تو میں نے کتاب اللہ کو قدیم دستاویز پایا، اس لئے میں ہر اس چیز میں جو میرے اختیار میں ہے، خواہ وہ میرے زمانہ کی ہو یا گذشتہ زمانہ سے متعلق ہو اسی کے مطابق عمل کرونگا، یہ سنکر سعید بن خالد نے کہا امیر المومنین جو چیز آپ کی ولایت میں ہے، اس میں آپ حق

[۱] یہ خط اور اس کا جواب دونوں سیرت عمر بن عبد العزیز صفحہ ۱۱۲ میں ہے،

وانصاف کے ساتھ اپنی رائے سے فیصلہ کیجئے، لیکن گذشتہ خلفاء اور اون کی بھلائیوں اور برائیوں کو ان کے حال پر رہنے دیجئے، اس قدر آپ کے لئے کافی ہے، عمر بن عبد العزیز نے ان سے کہا میں خدا کی قسم دیکر تم سے پوچھتا ہوں کہ اگر ایک شخص چھوٹے بڑے لڑکوں کو چھوڑ کر مر جائے، اس کے بعد بڑے لڑکے اپنی قوت سے ان کے مال پر قبضہ کر کے کھا جائیں اور وہ تمہارے پاس مدد کے لئے آئیں تو تم کیا کروگے، سعید نے کہا ان کے حقوق واپس دلاؤنگا، عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا یہی تو میں بھی کر رہا ہوں، مجھ سے پہلے خلفاء نے ان لوگوں کو اپنی قوت سے دبایا، ان کے ماتحتوں نے بھی ان کی تقلید کی، اب جب میں خلیفہ ہوا تو یہ کمزور لوگ میرے پاس آئے، اس لئے میرے لئے اس کے سوا چارہ کار کیا ہے کہ طاقتور سے کمزور کا اور اعلیٰ سے ادنی کا حق دلاؤں[1]،

ایک مرتبہ تمام آل مروان آپ کے دروازہ پر جمع ہوئے، اور آپ کے صاحبزادے عبد الملک سے کہا کہ "یا ہم لوگوں کو اندر جانے کی اجازت دلواؤ یا اپنے باپ کو جاکر یہ پیام پہنچا دو کہ ان سے پہلے جو خلفاء تھے وہ ہم کو دیتے لیتے تھے، ہمارے مراتب کا لحاظ رکھتے تھے، اور تمہارے باپ نے ہم کو بالکل محروم کر دیا" عبد الملک نے جا کر حضرت عمر بن عبد العزیز کو یہ پیام سنا دیا، انھوں نے کہا جا کر ان لوگوں سے کہدو کہ اگر میں خدا کی نافرمانی کروں تو عذاب قیامت سے ڈرتا ہوں[2]"

خود آپ کے گھر والوں کو آپ سے شکایت ہوگئی،

اوزاعی کا بیان ہے کہ جب عمر بن عبد العزیز نے اپنے گھر والوں کے گذارے بند کر دیئے تو عنبسہ بن سعد نے آپ سے شکایت کی کہ امیر المومنین آپ پر ہم لوگوں کا حق قرابت ہے آپ نے

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۱۰۰ و ۱۰۱ [2] ایضاً ص ۱۰۱،

جواب دیا میرے ذاتی مال میں تمہارے لئے گنجائش نہیں ہے، اور اس مال (بیت المال) میں تمہارا اس سے زیادہ حق نہیں ہے، جتنا برک غماد کے آخری حدود کے رہنے والے کا، بخدا اگر ساری دنیا تم لوگوں کی رائے کی ہو جائے تو ان پر خدا کا عذاب نازل ہو[1]،

اس قبیل کے اور بہت سے واقعات ہیں، مگر ان میں سے کوئی شے عمر بن عبد العزیز کو قیامِ عدل سے نہ روک سکی،

ظالم عہدہ داروں کا تدارک مال مغصوبہ کی واپسی کے بعد دوسری اہم اصلاح عمّال کے ظلم وجور کا تدارک تھا، جس کے وہ خوگر ہو رہے تھے، اگرچہ آپ کے مشورہ سے سلیمان ہی کے زمانہ میں بڑی حد تک اس کا تدارک ہو چکا تھا پھر بھی کچھ آثار باقی رہ گئے تھے، اموی حکومت میں سب سے زیادہ جفا کار حجاج کے خاندان والے اور اس کے عہدہ دار تھے، حضرت عمر بن عبد العزیز نے حجاج کے پورے خاندان کو یمن کی طرف جلا وطن کر دیا، اور وہاں کے عامل کو لکھا کہ میں تمہارے پاس آل عقیل کو بھیج رہا ہوں، جو عرب میں بدترین خاندان ہے، اس کو اپنی حکومت میں ادھر ادھر منتشر کر دو،[2] جو لوگ حجاج کے ہم قبیلہ یا اس کی ماتحتی میں کام کرچکے تھے، ان کو ہر قسم کے ملکی حقوق سے محروم کر دیا،

مظالم کا انسداد اموی دور میں بدگمانی اور سوءِ ظن پر دار وگیر اور سزا عام تھی، حضرت عمر ابن عبد العزیز نے اسے بالکل بند کر دیا، موصل میں چوری اور نقب زنی کی وارداتیں بکثرت ہوتی تھیں، یہاں کے والی یحییٰ غسانی نے لکھا جب تک لوگوں کو شبہہ پر پکڑا نہ جائیگا، اور سزا نہ دیجائے گی اس وقت تک یہ وارداتیں بند نہ ہونگی، آپ نے لکھا کہ صرف شرعی ثبوت پر مواخذہ کرو اگر حق ان کی اصلاح نہیں کرسکتا، تو خدا ان کی اصلاح نہ کرے،[3]

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۱۱۵، [2] ایضاً ص ۹۰، [3] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۵،

اسی طرح سے جراح بن عبداللہ حکمی والی خراسان نے لکھا کہ اہل خراسان کی روش نہایت خراب ہے، ان کو کوڑے اور تلوار کے علاوہ اور کوئی شے درست نہیں کر سکتی، اگر امیر المومنین مناسب سمجھیں تو اس کی اجازت عطا فرمائیں، آپ نے جواب میں لکھا تمہارا خط پہنچا تمہارا یہ لکھنا کہ اہل خراسان کو کوڑے اور تلوار کے سوا کوئی شے درست نہیں کر سکتی، بالکل غلط ہے، ان کو عدل وحق درست کر سکتا ہے، اسی کو عام کرو[1]،

کوئی عامل کسی رعایا کے مال کو کم قیمت پر خرید نہیں سکتا تھا، اس کے انسداد کے لئے عدی بن ارطاط والی فارس کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے عمال پھلوں کا تخمینہ کر کے عام نرخ سے کم قیمت لگا کر اس کو خریدتے ہیں، اور کردوں کے قبیلے مسافروں سے عشر وصول کرتے ہیں، اگر یہ معلوم ہو گیا کہ یہ تمہارے ایما سے ہوتا ہے یا اسے تم پسند کرتے ہو، تو میں تمکو مہلت نہ دونگا، میں بشر بن صفوان، عبداللہ بن عجلان اور خالد بن سالم کو اس کی تحقیقات کے لئے بھیجتا ہوں اگر وہ اس خبر کو صحیح پائیں گے تو پھلوں کو ان کے مالکوں کو واپس کر دیں گے، اس کے علاوہ جن جن باتوں کی مجھے اطلاع ملی ہے سب کی تحقیقات کریں گے، تم ان لوگوں سے کوئی مزاحمت نہ کرنا[2]،

وقتاً فوقتاً عمال کو قیام عدل اور انسداد مظالم کے احکام بھیجتے رہتے تھے، چنانچہ ایک گشتی فرمان تمام امراء کے نام بھیجا، کہ لوگ برے عمال کی وجہ سے جنھوں نے برے دستور قائم کئے اور کبھی انصاف، نرمی، اور احسان کا ارادہ نہیں کیا، احکام الٰہی میں سخت مصیبت سختی اور ظلم وجور میں مبتلا ہو گئے[3]،

ایک والی عبدالحمید کو پہلا خط یہ لکھا" وسوسہ شیطانی اور حکومت کے ظلم کے بعد انسان

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۳، [2] ابن سعد ج ۵ ص ۲۷۹،۲۸۹،۳۷۹، [3] یعقوبی ج ۲ ص ۳۶۲،

کی بقا نہیں ہوسکتی، اس لئے جب تم کو میرا خط ملے، اس وقت ہر حقدار کو اس کا حق ادا کرو،[1]
جس قدر ناجائز ٹیکس تھے، سب موقوف کر دیئے،[2] ان کے علاوہ اور تمام ظالمانہ طریقوں کو روکا۔

بیت المال کی آمدنی کی اصلاح، اموی دور میں بیت المال کے مداخل اور مخارج دونوں میں بڑی بے عنوانیاں تھیں جائز اور ناجائز آمدنی میں کوئی تفریق نہ تھی، ہر طرح کی ناجائز آمدنیوں سے خزانہ بھرا جاتا تھا، پھر اسی بے عنوانی سے اسے خرچ کیا جاتا تھا، بیت المال جو ایک قومی امانت ہے، ذاتی خزانہ بن گیا تھا، اور اس کا بڑا حصہ خلفاء کے ذاتی مصارف میں صرف ہوتا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دونوں بے عنوانیوں کا تدارک کیا،

شاہی خاندان کے تمام مخصوص وظیفے بند کر دیئے، خلافت کے تشکوہ و تجمل کے مصارف بالکل اڑا دیئے، ان کی تخت نشینی کے بعد جب شاہی اصطبل کے داروغہ نے سواریوں کے اخراجات طلب کئے تو آپ نے حکم دیا کہ انھیں بیچ کر ان کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جائے میرا خچر میرے لئے کافی ہے،[3]

بیت المال کی آمدنی بڑھانے کے لئے حجاج نومسلموں سے بھی جزیہ لیتا تھا، آپ نے حکم جاری کر دیا کہ "جو لوگ مسلمان ہو جائیں ان کا جزیہ ساقط کر دیا جائے" اس حکم پر اتنے آدمی مسلمان ہوئے کہ جزیہ کی آمدنی گھٹ گئی، حیان بن شریح نے شکایت لکھ بھیجی کہ "اس کثرت کے ساتھ لوگ مسلمان ہوئے ہیں کہ مجھے قرض لے کر مسلمانوں کے وظیفے دینے پڑے" آپ نے ان کو نہایت سخت خط لکھا کہ "جزیہ بہر حال موقوف کرو، رسول اللہ صلعم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے محصل خراج بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے"[4]

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۲۷۱، [2] ایضاً ص ۲۸۳، [3] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۱،
[4] مقریزی ج ۲ ص ۱۲۵،

اس بارہ میں اتنی سختی برتی کہ فرمانِ عام جاری کر دیا کہ اگر جزیہ ترازو میں رکھا جا چکا ہو اور اس حالت میں بھی ذمی اسلام قبول کر لے یا آغازِ سال سے ایک دن پہلے (جبکہ پورے سال کا جزیہ عائد ہو جاتا ہے) اسلام لے آئے تو بھی جزیہ نہ لیا جائے[1]،

خراج کی اصلاح کے متعلق عبد الحمید بن عبد الرحمٰن کو یہ فرمان لکھا،

"زمین کا معائنہ کرو بنجر زمین کا بار آباد زمین پر اور آباد زمین کا بار بنجر زمین پر نہ ڈالو، بنجر زمینوں کا معائنہ کرو اگر اس میں صلاحیت ہو تو بقدر گنجائش خراج لو، اور ان کی اصلاح کرو کہ وہ آباد ہو جائے جن آباد زمینوں میں پیداوار نہیں ہوتی، ان سے خراج نہ لو، اور جو زمینیں قحط زدہ ہو جائیں ان کے مالکوں سے نہایت نرمی سے خراج وصول کرو خراج میں صرف وزن سبعہ (جنھیں سونا نہ ہو) ٹکسال اور چاندی پگھلانے والوں سے، نوروز اور مہرجان کے ہدیئے، عرائض نویسی اور شادی کا ٹیکس، گھروں کا ٹیکس اور نکاحانہ نہ لو، جو ذمی مسلمان ہو جائیں ان پر خراج نہیں ہے[2]، غرض انھوں نے بیت المال میں ہر قسم کی ناجائز آمدنیاں بند کر دیں،

حفاظت کا انتظام اس کی حفاظت کا نہایت سخت انتظام کیا، ایک مرتبہ یمن کے بیت المال سے ایک دینار گم ہو گیا، حضرت عمر بن عبد العزیز نے یہاں کے افسرِ خزانہ کو لکھا کہ میں تمھاری امانت کو متہم نہیں کرتا، لیکن تمھاری لاپرواہی کو جرم قرار دیتا ہوں، مسلمانوں کی طرف سے ان کے مال کا مدعی ہوں، تم پر فرض ہے کہ تم شرعی قسم کھاؤ[3]،

یزید بن مہلب بن ابی صفرہ والیِ خراسان کو خیانت کے جرم میں معزول کر کے قید کر دیا[4]

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۲۶۲، [2] کتاب الخراج ص ۴۹، [3] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۸۵،

[4] یعقوبی ج ۲ ص ۳۱۳،

ابوبکر بن حزم نے سلیمان کے آخری عہد میں، کاغذ، قلم، دوات اور روشنی کے دفتری اخراجات کے اضافہ کیلئے لکھا تھا، ابھی اس کا کوئی انتظام نہ ہوا تھا کہ عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوگئے، انھوں نے ابوبکر کو لکھا "وہ دن یاد کرو جب تم اندھیری رات میں بغیر روشنی کے کیچڑ میں اپنے گھر سے مسجد نبوی جاتے تھے اور آج بخدا تمھاری حالت اس سے کہیں بہتر ہے قلم باریک کرلو اور سطریں قریب قریب لکھا کرو، اپنی ضروریات میں کفایت شعاری سے کام لو، میں مسلمانوں کے خزانہ سے ایسی رقم صرف کرنا پسند نہیں کرتا، جس سے ان کو کوئی فائدہ نہ پہنچے"[۱] دوسرے عمال کو یہی ہدایت لکھی، کہ کوئی عامل بڑے کاغذ پر جلی قلم سے نہ لکھے، خود آپ کے فرامین ایک بالشت سے زیادہ نہ ہوتے تھے[۲]

بیت المال کی آمدنیوں اور مصارف کی علحدہ علحدہ مدیں قائم کیں، صدقہ کی علحدہ، خمس کی علحدہ، مالِ غنیمت کی علحدہ[۳]، گذشتہ خلفا خمس کے مقررہ مصارف کی پابندی نہیں کرتے تھے، عمر بن عبدالعزیز نے خمس کو اس کے صحیح مصارف میں لگایا[۴]

بیت المال کے مصارف، بیت المال کو پھر مسلمانوں کی مشترکہ امانت بنا دیا، اس کا کل روپیہ اس کی ضروریات کے لئے وقف کر دیا، اس کی آمدنی کا بڑا حصہ خالص رعایا کے مفاد کے کاموں میں صرف کیا جاتا تھا، ملک میں جتنے اپاہج تھے، سب کے نام درج رجسٹر تھے، ان سب کو وظیفہ ملتا تھا[۵]، جو عمال اسمیں ذرا بھی غفلت یا ترمیم کرتے تھے انکو تنبیہ کی جاتی تھی، دمشق کے بیت المال سے ایک اپاہج کے وظیفہ کے تقرر کے سلسلہ میں میمون ابن مہران نے کہا ان لوگوں کے ساتھ سلوک تو کیا جا سکتا ہے، لیکن ان کو صحیح و تندرست

[۱] ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۷، [۲] ایضاً، [۳] ایضاً، ص ۲۹۵، [۴] ایضاً ص ۲۵ و ص ۲۸۸،

[۵] اصابہ ج ۵ ص ۸۸

آدمی کے برابر وظیفہ نہیں دیا جا سکتا، حضرت عمر بن عبد العزیز کو اس کی اطلاع ہوئی تو نہایت غضب آلود خط لکھا[1]،

بہتوں کو نقد کے بجائے جنس ملتی تھی، چنانچہ بعض جماعتوں کو فی کس ساڑھے چار اردب کے حساب سے غلہ ملتا تھا[2]، قرضداروں کی قرض کی ادائگی کے لئے بھی ایک مد تھی[3]، شیر خوار بچوں کے وظائف مقرر تھے[4]، ایک عام لنگر خانہ تھا، جس سے فقراء و مساکین کو کھانا ملتا تھا[5]،

عام مستحقین کو صدقات و خیرات تقسیم ہوتی تھی، ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ایک شخص کو تقسیم مال کے لئے رقم بھیجا، اس نے عذر کیا، کہ آپ مجھے ایسی جگہ بھیج رہے ہیں جہاں میں کسی کو نہیں پہچانتا، ان میں امیر و غریب سب ہیں، فرمایا جو شخص تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے اسے دو[6]، اس کے علاوہ اور سیکڑوں قسم کے مفید مصارف تھے، اس فیاضانہ داد و دہش کا بیت المال پر بہت زیادہ بار پڑتا تھا، بعض عمال نے اس کی طرف توجہ دلائی تو حضرت عمر نے لکھا کہ جب تک ہے دیتے چلے جاؤ، جب خالی ہو جائے تو کوڑا کرکٹ بھر دو[7]،

ذمیوں کے حقوق، کسی حکومت کے عدل و انصاف اور ظلم و جور کا صحیح معیار دوسری اقوام اور دوسرے مذاہب کے ساتھ اسکا سلوک و طرز عمل ہے، اس معیار سے عمر بن عبد العزیز کا دور سراپا عدل تھا، انھوں نے جس طرح ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کی، اور ان کے ساتھ جیسی نرمی برتی اس کی مثال عہد فاروقی کے علاوہ اور کسی دور میں نہیں مل سکتی، مسلمانوں کی طرح ان کی جان اور ان کے مال کی حفاظت کی، ان کے مذہب میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کی جزیہ کی وصولی میں نرمی اور آسانیاں پیدا کیں، اس کا اندازہ ذمیوں کے ساتھ انکے طرز عمل

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص۲۵۴، [2] ایضاً ص۲۵۵، [3] ایضاً ص۲۵۶، [4] ایضاً ص۲۵۵،

[5] ایضاً ص۲۷۹، [6] زرقانی شرح موطاج ۳ ص۲۳۷، [7] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص۶۵،

اور ان احکام سے ہو گا جو عمال کو بھیجتے رہتے تھے،

عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ ذمیوں کے ساتھ نرمی کرو ان میں جو بوڑھا اور نادار ہو جائے اس کی کفالت کرو، اگر اس کا کوئی رشتہ دار ہو تو اسے اس کی کفالت کا حکم دو جس طرح تمہارا کوئی غلام بوڑھا ہو جائے تو اسے آزاد کرنا پڑے گا یا مرتے دم تک اس کی کفالت کرنی پڑیگی،[۱]

ذمی کے خون کی قیمت مسلمان کے خون کے برابر قرار دی، ایک بار حیرہ کے ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا، عمر بن عبد العزیزؒ نے وہاں کے عامل کو لکھا کہ قاتل کو مقتول کے ورثہ کے حوالہ کر دو، وہ چاہیں قتل کریں چاہیں معاف کر دیں، چنانچہ قاتل حوالہ کیا گیا، اور ذمیوں نے اسے قتل کر دیا،[۲]

کوئی مسلمان ان کے مال پر دست درازی نہیں کر سکتا تھا، جو کرتا تھا اسے سزا ملتی تھی، ایک مرتبہ ایک مسلمان ربیعہ شعودی نے ایک سرکاری ضرورت میں ایک نبطی کا گھوڑا اپنے گار میں پکڑ لیا، اور اس پر سواری کی، عمر بن عبد العزیز نے اسکو چالیس کوڑے لگوائے[۳]

مالِ مغصوبہ کی واپسی کے وقت شاہی خاندان سے ذمیوں کی زمینیں بھی واپس دلائیں، اس سلسلہ میں ایک ذمی نے دعوے دائر کیا کہ عباس بن ولید نے میری زمین پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز نے عباس سے فرمایا تم اس کا کیا جواب دیتے ہو انھوں نے کہا، ولید نے مجھے جاگیر میں دیا ہے، اور میرے پاس اس کی سند موجود ہے، ذمی نے عمر بن عبد العزیز سے کہا میں آپ سے کتاب اللہ کے موافق اس کا فیصلہ چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا خدا کی کتاب ولید کی سند پر مقدم ہے، اور ذمی کو زمین واپس دلا دی،[۴]

---

[۱] ابن سعد ج ۵ ص ۲۸۰، [۲] نصب الرایہ ص ۳۲۶، [۳] ابن سعد ج ۵ ص ۲۷۶،

[۴] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۱۰۴،

ان کے مذہبی حقوق کو جو گذشتہ خلفار کے زمانہ میں مٹ گئے تھے، از سرِ نو قائم کیا دمشق میں ایک گرجا عرصہ سے ایک مسلمان خاندان کی جاگیر میں چلا آتا تھا، عیسائیوں نے عمر بن عبد العزیز کے پاس اس کا دعویٰ کیا، آپ نے واپس دلا دیا، ایک مسلمان نے ایک گرجے کی نسبت دعویٰ کیا، کہ وہ اس کی جاگیر میں ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا، اگر یہ عیسائیوں کے معاہدہ میں ہے تو تم اس کو نہیں پا سکتے،[1]

جزیہ کی وصولی میں بڑی آسانیاں پیدا کر دیں، اور اس سلسلہ میں جتنی بے عنوانیاں پیدا ہو گئی تھیں سب بند کر دیں، حجاج نے ابن اشعث کی حمایت کے الزام میں عراق کے ذمیوں کے جزیہ کی مقدار بڑھا دی تھی، عمر بن عبد العزیز نے اس کو گھٹا دیا،[2]

آپ کے زمانہ میں ذمیوں کے ساتھ اتنی نرمی برتی گئی کہ اس سے عام لوگوں کو نقصانات اٹھانے پڑے، آپ کے زمانہ میں غلہ کا نرخ گراں ہو گیا، ایک شخص نے آپ سے اس کا سبب پوچھا، آپ نے فرمایا پہلے خلفار ذمیوں کو جزیہ کی وصولی میں ناقابلِ برداشت تکلیفیں دیتے تھے، اس لئے وہ جس نرخ پر بھی ہو سکتا تھا، غلہ فروخت کر ڈالتے تھے، اور میں ہر شخص کو اسی قدر تکلیف دیتا ہوں جس کا وہ متحمل ہو سکے، اس لئے ہر شخص جس طرح چاہتا ہے فروخت کرتا ہے،[3]

شاہی خاندان کے ارکان اور ذمیوں میں مساوات برتتے تھے، ایک مرتبہ ہشام بن عبد الملک نے ایک عیسائی پر مقدمہ دائر کیا، عمر بن عبد العزیز نے دونوں کو برابر کھڑا کیا، ہشام نے غرور و تمکنت میں عیسائی سے سخت کلامی کی، عمر بن عبد العزیز نے ان کو ڈانٹا، اور سزا دینے کی دھمکی دی،[4]

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۳۰، [2] ایضاً ص ۲۷۴، [3] کتاب الخراج ص ۷۲،

[4] العیون والحدائق،

محاصل میں اضافہ یہ حیرت انگیز امر ہے کہ ناجائز آمدنیوں کے سد باب میں اس اہتمام اور ان کثیر مصارف کے باوجود بیت المال پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا، بلکہ بعض بعض ملکوں کے محاصل میں حیرت انگیز اضافہ ہوگیا، چنانچہ عراق کی آمدنی حجاج کے ظالمانہ دور سے بھی زیادہ بڑھ گئی، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ فرمایا کرتے تھے، کہ خدا حجاج پر لعنت کرے، اس کو نہ دین کا سلیقہ تھا، نہ دنیا کا، حجاج نے باوجود اپنے ظالمانہ طریقوں کے عراق سے صرف دو کروڑ اسی لاکھ درہم وصول کئے، اس نے کاشتکاروں کو بیس لاکھ درہم زمین کی آبادی کے لئے بطور قرض دیئے تو ایک کروڑ ساٹ لاکھ اضافہ ہوا، باوجود اس ویرانی کے جب عراق میرے قبضہ میں آیا، تو میں نے بارہ کروڑ چالیس لاکھ درہم وصول کئے اور اگر زندہ رہا تو عمر بن الخطاب کے زمانہ سے بھی زیادہ وصول کروں گا۔[1]

رعایا کی خوشحالی مظالم کے انسداد، ناجائز ٹیکسوں کی منسوخی، ذمیوں کے ساتھ مراعات اور عام داد و دہش کی وجہ سے ملک نہایت فارغ البال اور رعایا آسودہ حال تھی، ملک کے طول و عرض میں افلاس کا نشان باقی نہ رہ گیا تھا، مہاجر بن یزید کا بیان ہے کہ ہم لوگ صدقہ تقسیم کرتے تھے، ایک سال کے بعد دوسرے سال وہ لوگ جو پہلے صدقہ لیتے تھے خود دوسروں کو صدقہ دینے لگتے تھے،[2]

عمر بن عبد العزیز نے صرف ڈھائی سال حکومت کی، اس مختصر مدت میں یہ حالت ہوگئی تھی کہ لوگ ان کے عمال کے پاس فقراء میں تقسیم کرنے کے لئے صدقہ کا مال لے کر آتے تھے، لیکن کوئی صاحبِ حاجت نہ ملتا تھا، اور وہ مال واپس لیجانا پڑتا تھا حضرت عمر بن عبد العزیز نے سب کو اس قدر مالا مال کر دیا تھا کہ کوئی شخص حاجتمند باقی نہ رہ گیا تھا،[3]

---

[1] فتوح البلدان ذکر سواد، [2] ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۶، [3] فتح الباری ج ۶ ص ۴۵۱،

آپ کے زمانہ میں رعایا کی خوشحالی اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ دولت کے نشہ میں کبر و نخوت میں اس کے مبتلا ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ عدی بن ارطاۃ نے آپ کو لکھا کہ اہل بصرہ اس قدر خوشحال ہو گئے ہیں کہ مجھے خوف ہے کہ وہ فخر و غرور نہ کرنے لگیں، آپ نے جواب دیا کہ خدا نے جب اہل جنت کو جنت میں داخل کیا تو ان کے لئے یہ پسند کیا کہ الحمد للہ کہیں، اس لیے تم بھی لوگوں کو حکم دو کہ وہ خدا کا شکر بجا لائیں[1]،

رفاہِ عام کے کام، آپ نے جس قدر اصلاحیں کیں وہ سب درحقیقت رفاہِ عام ہی کے کام ہیں لیکن ان کے علاوہ مروجہ اصطلاح میں بھی آپ نے بہت سے رفاہِ عام کے کام کئے،

سارے ممالک محروسہ میں نہایت کثرت سے سرائیں بنوائیں، خراسان کے عامل کو لکھا کہ وہاں کے تمام راستوں میں سرائیں تعمیر کرائی جائیں[2]، سمرقند کے والی سلیمان بن ابی السری کے پاس حکم بھیجا کہ وہاں کے شہروں میں سرائیں تعمیر کراؤ، جو مسلمان ادھر سے گذریں ایک شبانہ یوم ان کی مہمان نوازی کرو، ان کی سواریوں کی حفاظت کرو، جو مسافر مریض ہو، اس کو دو دن اور دو رات مقیم رکھو اگر کسی کے پاس گھر تک پہنچنے کا سامان نہ ہو، تو وطن تک پہنچنے کا سامان کر دو[3]، ایک عام لنگر خانہ قائم کیا، جہیں فقراء و مساکین کو کھانا ملتا تھا[4]،

مذہبی خدمات حضرت عمر بن عبد العزیز کی تمام اصلاحات درحقیقت مذہب پرستی ہی کا نتیجہ تھیں، اس لیے ایک حیثیت سے وہ سب مذہبی خدمات کے دائرہ میں داخل ہیں، لیکن ان سے قطع نظر انھوں نے شریعتِ اسلامی میں جو اموی خلفاء کی غفلت شعاری سے بالکل مردہ ہو چکی تھی، دوبارہ جان ڈالی، امویوں کے زمانہ میں کوئی شے جادہ شریعت پر نہ رہ گئی تھی، عمر بن عبد العزیز نے سب کو پھر صراطِ مستقیم پر لگایا، عمال کے نام جو فرامین جاتے تھے

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۲۸۲، [2] ایضاً ص ۲۵۴، [3] طبری ص ۱۳۶۴، [4] طبری ص ۲۷۹،

ان سب میں احیائے شریعت اور استیصالِ بدعت کی تاکید ہوتی تھی[1]،

عدی بن ارطاۃ کو ایک فرمان لکھا کہ "ایمان چند فرائض، چند احکام اور چند سنن کا نام ہے، جس نے ان اجزاء کی تکمیل کر لی، اس نے ایمان کو مکمل کر دیا، اور جس نے اس کی تکمیل نہیں کی، اس نے ایمان کو مکمل نہیں کیا، اگر میں زندہ رہا تو ان تمام اجزاء کو تمھارے سامنے واضح کر دوں گا تاکہ تم لوگ اس پر عمل کرو، اور اگر مر گیا تو مجھے تمھارے ساتھ رہنے کی حرص بھی نہیں ہے[2]"

آپ نے جس طرح ان اجزاء کا تحفظ کیا، اور ان کی تبلیغ واشاعت میں جیسی جدوجہد کی اس کی نظیر نہیں مل سکتی، اس کی تفصیلات نہایت طویل ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ مذہبی روح آپ کے عہد کی امتیازی خصوصیت بن گئی تھی، طبری کا بیان ہے، کہ

"ولید عمارتوں کا بانی تھا، اس لیے اس کے زمانہ میں یہی عام مذاق ہو گیا تھا، اور لوگ آپس میں صرف عمارتوں کا تذکرہ کرتے تھے، سلیمان کو عورتوں اور نکاح کا شوق تھا، اس کے زمانہ میں لوگ لونڈیوں اور شادیوں کا چرچا کرتے تھے، لیکن جب عمر بن عبد العزیزؒ نے تختِ خلافت پر قدم رکھا تو لوگوں کا موضوع بدل کر مذہب و عبادت کی تفصیلات ہو گئیں[3]"

مذہبی تعلیم کی اشاعت، احیائے شریعت کے لئے عمر بن عبد العزیزؒ نے مذہبی تعلیم کی اشاعت کا خاص اہتمام کیا، قاضی ابو بکر بن حزم کو لکھا کہ لوگوں کو چاہئے کہ عام طور پر علم (علم شریعت) کی اشاعت کریں، تعلیم کے لئے حلقۂ درس میں بیٹھیں تاکہ جو لوگ نہیں جانتے وہ جان لیں۔

ایک اور عامل کو لکھا کہ لوگوں کو حکم دو کہ وہ اپنی مسجدوں میں علم کی اشاعت کریں،

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۲، [2] بخاری کتاب الایمان باب قول النبی صلعم بنی الاسلام علی خمس،

[3] طبری ص ۱۲۷۲ و ص ۱۲۷۳،

کیونکہ سنت مردہ ہو چکی ہے[1]،

جو علماء اس مقدس کام میں مصروف تھے، ان کو فکرِ معاش سے مطمئن کر دیا، حمص کے گورنر کو لکھا "جن لوگوں نے دنیا کو چھوڑ کر اپنے کو فقہ کی تعلیم کے لئے وقف کر دیا ہے، بیت المال سے سو سو دینار ان کا وظیفہ مقرر کرو، تاکہ وہ اس حالت کو قائم رکھ سکیں"[2]، علماء کے علاوہ طلبہ کے وظائف مقرر کئے[3]،

دور افتادہ ممالک میں تعلیم کی اشاعت کے لئے علماء بھیجے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے غلام نافع کو جو بڑے نامور عالم تھے، تعلیم حدیث کے لئے مصر بھیجا[4]، قاری جبشی بن عامان کو قرأت کی تعلیم دینے کے لئے مصر و مغرب بھیجا[5]، یزید بن ابی مالک دمشقی کو اور حارث بن یمجد الاشعری کو بدوؤں کی تعلیم کے لئے مقرر کیا[6]، یہ صرف چند نام ہیں، ورنہ جن جن مقامات پر ضرورت تھی، سب جگہ علماء بھیجے،

اشاعتِ اسلام عمر بن عبدالعزیز نے اسلامی حکومت کے حدود میں توسیع کے بجائے اسلام کی توسیع و اشاعت کو اپنا مقصد قرار دیا، اور اس کے لئے ہر قسم کے مادی اور اخلاقی ذرائع اختیار کئے،

امرائے فوج کو خاص طور سے ہدایت تھی کہ "رومیوں کے کسی حلقہ اور ان کی کسی جماعت سے اسوقت تک جنگ نہ کرو جب تک اسلام کی دعوت نہ دے لو"[7]

تمام عمال کو حکم دیا کہ ذمیوں کو اسلام کی دعوت دیجائے، جو ذمی اسلام قبول کرلیں ان کا

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص۴۲، [2] ایضاً ص۹۵، [3] جامع بیان العلم، ص۸۸، [4] حسن المحاضرہ سیوطی ج اول ص۱۱۶، [5] ایضاً، [6] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص۴۲، [7] ابن سعد ترجمہ عمر بن عبدالعزیز،

جزیہ معاف کر دیا جائے، اس طریقہ سے اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی، تنہا جراح بن عبداللہ حکمی والیِ خراسان کے ہاتھوں پر چار ہزار ذمی مسلمان ہوئے[۱]، اسمٰعیل بن عبداللہ بن ابی المہاجر والیِ مغرب کی تبلیغ سے سارے مغرب میں اسلام پھیل گیا[۲]، اور مختلف ملکوں میں اس کثرت سے ذمی مسلمان ہوئے کہ متعدد والیوں نے خراج کی آمدنی گھٹ جانے کی طرف توجہ دلائی لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے مطلق اس کی پروا نہ کی، بعضوں کو جواب دیا کہ رسول اللہ ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے، محصلِ خراج بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے[۳]، بعضوں کو لکھا کہ "میں یہ پسند کرتا ہوں کہ سارے ذمی مسلمان ہو جائیں، اور ہماری تمہاری حیثیت صرف ایک کاشتکار کی رہ جائے کہ اپنے ہاتھوں سے کمائیں کھائیں[۴]، بعض عمال نے تجویز پیش کی کہ ذمی جزیہ کے خوف سے مسلمان ہوتے ہیں، اس لئے ختنہ کر کے ان کا امتحان لیا جائے، آپ نے لکھا کہ رسول اللہ ہادی ورہنما تھے، خاتن نہ تھے[۵]،

آپ کے محاسنِ اخلاق کی شہرت اور تبلیغِ اسلام سے آپکا شغف سن کر ان ممالک نے اسلام کی جانب جن کا میلان تھا خود اپنے یہاں مبلغِ اسلام بھیجنے کی درخواست کی، چنانچہ تبت کے وفود کی درخواست پر آپ نے سلیط بن عبداللہ حنفی کو تبت روانہ کیا[۶]، اس طرح آپ کے زمانہ میں اسلام کی غیر معمولی اشاعت ہوئی،

خلافت کو جمہوری بنانا چاہتے تھے، حضرت عمر بن عبد العزیز کا دلی منشا خلافت کو جمہوری شکل میں تبدیل کرنا تھا لیکن یہ مستقل تغیر ان کے بس میں نہ تھا، اسلئے کہ اب شاہی خاندان میں موروثی بادشاہت اصولی حیثیت سے مسلم ہو چکی تھی، اور عام مسلمان بھی اس کے خوگر ہو گئے تھے عمر بن عبد العزیز

---

[۱] ابن سعد ج ۵ ص ۲۸۵، [۲] فتوح البلدان ص ۲۳۵، [۳] مقریزی ج اول ص ۱۲۵، [۴] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۹۹، [۵] ابن سعد ج ۵ ص ۲۸۳، [۶] یعقوبی ج ۲ ص ۳۶۲

نے بعض مواقع پر اپنے اس خیال کا اظہار بھی کر دیا کہ "اگر خلافت کا معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں قاسم بن عبداللہ کو خلیفہ بنا دیتا[1]"، بلکہ ایک مرتبہ آل مروان کو اسکی دھمکی بھی دی، اس کا سبب یہ ہوا کہ انھوں نے جمع ہو کر آپ سے کہا کہ گذشتہ خلفاء ہمارے ساتھ جو کچھ کرتے تھے، وہ سب آپ نے کم کر دیا اور اس پر بڑی برہمی ظاہر کی، آپ نے فرمایا "اگر آئندہ پھر تم نے میرے سامنے اس قسم کی باتیں کیں، تو میں چھوڑ کر مدینہ چلا جاؤنگا اور خلافت کو شوری پر چھوڑ دونگا، میں اس کے اہل (قاسم بن عبداللہ) کو پہچانتا ہوں[2]"

بادشاہت کے امتیازات کا استیصال لیکن سلیمان آپ کے بعد یزید بن عبدالملک کو نامزد کر گیا تھا، اس لئے یہ انقلاب آپ کے اختیار میں نہ رہ گیا تھا، تاہم جہاں تک ہو سکا آپنے شاہنشاہیت کا زور توڑنے اور اس کے مفاسد کو دور کرنے کی پوری کوشش کی اور ہر شعبہ سے ملوکیت کے اثرات کو بالکل مٹا دیا،

خلفاء کے ساتھ نقیب و علمبردار چلتے تھے، نماز کے بعد رسول اللہ صلعم کی طرح ان پر درود و سلام بھیجا جاتا تھا، سلام میں خاص امتیاز برتا جاتا تھا، عمر بن عبدالعزیز نے ان تمام امتیازات کو مٹا دیا، چنانچہ پہلی مرتبہ جب کوتوال نے حسب دستور نیزہ لے کر آپ کے ساتھ چلنا چاہا تو آپنے روک دیا کہ میں مسلمانوں کا ایک معمولی فرد ہوں[3]، سلام کے متعلق ہدایت فرمائی کہ عام سلام کیا جائے[4]، عمال کو فرمان لکھا کہ پیشہ ور واعظ خلفاء پر درود و سلام بھیجتے ہیں، انھیں روک دو اور حکم دو کہ وہ عام مسلمانوں کے لئے دعا کریں، باقی چھوڑ دیں[5]، مخصوص میرے لئے کوئی دعا نہ کرو بلکہ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعا کرو، اگر میں ان میں ہوں گا تو میں بھی

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۴، [2] ایضاً ص ۲۵۳، [3] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۵۳، [4] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۳، [5] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۲۳۶،

شامل ہو جاؤں گا[۱]،

شاہی خاندان کے متعلق ابوبکر بن محمد کو لکھا کہ کسی کو صرف اس لئے ترجیح نہ دو کہ وہ خاندانِ خلافت سے تعلق رکھتا ہے، میرے نزدیک یہ لوگ عام مسلمانوں کے برابر ہیں[۲]، اور اسے عملاً کرکے دکھا دیا، ایک مرتبہ مسلمہ بن عبد الملک ایک مقدمہ میں فریق کی حیثیت سے آپ کے اجلاس میں آیا اور درباری فرش پر بیٹھ گیا، آپ نے اس سے کہا کہ "اپنے فریق کی موجودگی میں تم فرش پر نہیں بیٹھ سکتے، یا عام لوگوں کے برابر بیٹھو، یا کسی دوسرے کو اپنا وکیل مقرر کرو[۳]" شاہی خاندان کے وظائف عام مسلمانوں کے برابر کر دیئے، غرض آپ نے ملوکیت کے کنگرے کو پست کرکے عام سطح کے برابر کر دیا،

فتوحات، حکومت اور سلطنت کے باب میں آپ کا نقطۂ نظر دوسرے خلفاء سے بالکل جدا گانہ تھا، آپ کا مقصد اس کی توسیع نہیں بلکہ اس کی اصلاح تھی، اس لئے آپ کے زمانہ میں جو شے سب سے زیادہ آخری درجہ پر نظر آتی ہے، وہ فوجی سرگرمی ہے، چنانچہ سلطنت کے بقا و تحفظ اور قیامِ امن کی ضروریات کے علاوہ جارحانہ اقدام بہت کم ہوا، صرف اندلس کے بعض علاقوں اور سندھ کی بعض فتوحات کے علاوہ کوئی قابلِ ذکر فتوحات نہیں ہوئیں،

خوارج کا مقابلہ، حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت سے لے کر اس وقت تک کی اسلامی تاریخ مسلمانوں کے خون سے رنگین تھی، اس لئے حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس میں اتنی احتیاط برتی کہ مفسدہ پرداز اور فتنہ پرست اسلامی فرقوں کے خلاف بھی تلوار نہ اٹھائی، خوارج امویوں کے پرانے دشمن تھے، ان کی مخالفانہ روش حضرت عمر بن عبد العزیز کے عہد میں بھی قائم رہی، اپنے ہر ممکن طریقہ سے ان کو سمجھا بجھا کر باز رکھنے کی کوشش کی، چنانچہ عبد الحمید والی کوفہ کو جو خوارج کے مقابلہ میں بھیجے

۱؎ ابن سعد ج ۵ ص ۲۷۱، ۲؎ ایضاً ص ۲۵۲، ۳؎ سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۷ ،

لکھا کہ "جب تک یہ لوگ خون ریزی اور فساد نہ کریں ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے، ایک دور اندیش اور مستقل مزاج آدمی کو میرا یہ حکم سنا کر تھوڑی سی فوج کے ساتھ بھیجدو، اس حکم کے مطابق عبد الحمید نے محمد بن جریر بجلی کو دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ روانہ کردیا،

اس سلسلہ میں آپ نے اس سے بھی زیادہ احتیاط یہ فرمائی کہ خوارج کے سردار بسطام کو خط لکھکر اصلاح و مناظرہ کی دعوت دی کہ "آؤ ہم تم مناظرہ کرلیں، اگر ہم حق پر ہوں تو تم عام لوگوں کی طرح حلقۂ اطاعت میں داخل ہو جاؤ، اگر تم حق پر ہو تو ہم اپنے معاملہ پر غور کریں"، اس دعوت پر بسطام نے دو شخصوں کو مناظرہ کے لئے بھیجا، اور فریقین میں مناظرہ ہوا، اسکی تفصیلات کتابوں میں مذکور ہیں، حضرت عمر بن عبد العزیز نے انھیں ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی لیکن ان پر افہام و تفہیم کا کوئی اثر نہ ہوا، اور وہ اپنی مفسدانہ روش سے کسی طرح باز نہ آئے حضرت عمر بن عبد العزیز نے آخر میں مجبور ہو کر ان شرائط کے ساتھ ان سے جنگ کرنے کی اجازت دی کہ

(۱) عورت، بچے اور قیدی قتل نہ کئے جائیں، زخمیوں کا تعاقب نہ کیا جائے،

(۲) فتح کے بعد جو مالِ غنیمت ہاتھ آئے، وہ ان کے اہل و عیال کو واپس کردیا جائے،

(۳) قیدی اس وقت تک مقید رہیں جب تک راہ راست پر نہ آجائیں،

ان پابندیوں کے ساتھ عبد الحمید نے ان پر حملہ کیا، لیکن شکست کھائی، حضرت عمر بن عبد العزیز کو اس کی اطلاع ہوئی تو مسلمہ بن عبد الملک کو روانہ کیا، انھوں نے چند دنوں میں قابو حاصل کرلیا،[۱]

خصوصیاتِ حکومت پر اجمالی تبصرہ، اوپر کے حالات سے حضرت عمر بن عبد العزیز کی خلافت کی

---

[۱] تاریخوں میں ان کی تفصیلات بہت طویل ہیں، ہم نے مختصر خلاصہ نقل کیا ہے، طبری اور ابن اثیر وغیرہ سب میں یہ حالات ہیں

خصوصیات کا خود اندازہ ہو جاتا ہے اسلئے مختصراً اسکی بنیادی خصوصیات پر اجمالی تبصرہ کیا جاتا ہے آپکی خلافت کی بنیاد کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور خدا کی اطاعت پر تھی، ان بنیادی اصولوں اور اپنی حیثیت کو اپنی پہلی تقریر میں ان الفاظ میں واضح فرمایا،

اما بعد لوگو! تمھارے نبی کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں ہے، اور اس پر جو کتاب نازل ہوئی ہے اس کے بعد کوئی دوسری کتاب نہیں ہے، خدا نے جو چیز حلال کردی وہ قیامت تک حلال رہے گی، اور جو چیز حرام کردی وہ قیامت تک حرام رہے گی میں (اپنی جانب سے) کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلکہ محض (احکام الٰہی کو) نافذ کرنے والا ہوں میں خود کوئی بات شروع کرنے والا نہیں ہوں، بلکہ محض پیرو ہوں، کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ خدا کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کیجائے، میں تم میں کا بہتر آدمی بھی نہیں ہوں، البتہ خدا نے مجھکو تمھارے مقابلہ میں زیادہ گرانبار کیا ہے[۱]"

امور خلافت میں خلافت فاروقی کو اپنے لئے نمونہ عمل بنایا، چنانچہ حضرت عمرؓ کے پوتے سالم بن عبداللہ بن عمر کو لکھا "میں چاہتا ہوں کہ اگر خدا کو منظور ہو اور مجھ میں اس کی استطاعت ہو تو رعایا کے معاملہ میں عمرؓ بن الخطاب کی روش اختیار کروں، اس لئے تم میرے پاس عمرؓ کی تحریریں، اور ان کے فیصلے جو انھوں نے مسلمانوں اور ذمیوں کے بارہ میں کئے بھیجو، اگر خدا کو منظور ہوگا، تو میں ان کے نقش قدم پر چلوں گا"

لیکن اب زمانہ بدل چکا تھا، عہد رسالت پر مدت گذر چکی تھی، صحابہ اٹھ چکے تھے بنی امیہ کی حکومت نے اسلامی حکومت کے بارہ میں عام مسلمانوں کا نقطہ نظر بدل دیا تھا اس لئے اس زمانہ میں عہد فاروقی کو زندہ کرنا بہت مشکل تھا، سالم نے بھی ان دشواریوں کو محسوس کیا اور آپ کو لکھا:

---

[۱] ابن سعد ج ۵، صفحہ ۲۵۰، ۲۵۱،

کہ عمر نے جو کچھ کیا وہ دوسرے زمانہ میں اور دوسرے آدمیوں کے ذریعہ سے اگر تم نے اس زمانہ میں اور ان آدمیوں کے ذریعہ سے عمر بن الخطاب کی پیروی کی تو تم ان سے افضل ہو گئے[1]

لیکن حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس تغیر حالات اور ہر طرح کے موانع و مشکلات کے باوجود ایک مرتبہ پھر فاروقی خلافت کا نمونہ دنیا کو دکھا دیا، اسی لئے بعض محدثین آپ کو پانچواں خلیفۂ راشد مانتے ہیں[2]،

علالت | لیکن افسوس مسلمانوں کو ڈھائی سال سے زیادہ اس سراپا خیر و برکت ہستی سے مستفیض ہونے کا موقع نہ ملا، اور رجب ۱۰۱ھ میں مجددِ خلافت نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا،

آپ کے سببِ وفات کے بارہ میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ آپ کی موت طبعی تھی، دوسرا بیان یہ ہے کہ بنی امیہ نے جب یہ محسوس کیا کہ اگر آپ کی خلافت کا زمانہ زیادہ ممتد ہوا تو آپ اموی خاندان کی قوت ہمیشہ کے لئے توڑ دیں گے، تو انھوں نے آپ کے ایک غلام کو ایک ہزار اشرفی دیکر خفیہ زہر دلوا دیا، آپ کو اس کا علم ہو گیا، لیکن غلام پر کوئی سختی نہیں کی بلکہ اشرفیاں واپس لے کر بیت المال میں داخل کر دیں اور غلام کو آزاد کر دیا[3]،

طبیب نے بھی زہر تجویز کیا، لیکن آپ نے علاج کرنے سے انکار کر دیا، اور فرمایا اگر مجھے یہ بھی یقین ہو جاتا کہ میرے کان کی لو کے پاس میری شفا ہے تو بھی میں ہاتھ نہ بڑھاتا[4]،

یزید بن عبد الملک کو وصیت نامہ | زندگی سے مایوسی کے بعد اپنے بعد ہونے والے خلیفہ یزید بن عبد الملک کو یہ وصیت نامہ لکھا،

"میں تم کو یہ وصیت نامہ اس حالت میں لکھ رہا ہوں کہ مرض سے لاغر ہو گیا ہوں، تمکو

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۱۲۶ ملخصاً و ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۲ [2] ابو داود کتاب السنۃ باب فی التفضیل [3] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۷، [4] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۲۷۶،

معلوم ہے کہ امورِ خلافت کے متعلق مجھ سے سوال کیا جائیگا، اور خدا مجھ سے اس کا حساب لے گا، اور میں اس سے اپنا کوئی کام نہ چھپا سکوں گا، خدا خود فرماتا ہے،

فلنقص علیھم بعلم وما کنا غائبین ہم اون کو علم سے قصہ سناتے ہیں، اور ہم غیر حاضر نہ تھے،

اگر خدا مجھ سے راضی ہوگیا تو میں کامیاب ہوا، ایک طویل عذاب سے نجات پائی، اور اگر مجھ سے ناراض ہوا تو افسوس ہے میرے انجام پر، میں اس خدا سے جس کے سوا کوئی خدا نہیں، دعا کرتا ہوں کہ مجھے اپنی رحمت سے دوزخ سے نجات دے، اور اپنی رضامندی سے جنت عطا کرے، تم کو تقوی اختیار کرنا چاہئے، اور رعایا کا خیال رکھنا چاہئے، کیونکہ میرے بعد تم صرف تھوڑے دن زندہ رہوگے، تم کو اس سے بہت احتراز کرنا چاہئے، کہ تم سے غفلت میں ایسی لغزش سرزد ہو کہ تم اسکی تلافی نہ کرسکو،

سلیمان بن عبد الملک خدا کا ایک بندہ تھا، خدا نے اسے وفات دی، اور اس نے مجھکو خلیفہ بنایا، اور میرے بعد تم کو ولیعہد مقرر کیا، میں جس حالت میں تھا، اگر وہ اس لئے ہوتی کہ میں بہت سی بیویوں کا انتخاب کروں اور مال و دولت جمع کروں، تو خدا نے مجھ کو اس سے بہتر سامان دیئے تھے، جو کسی بندہ کو دے سکتا تھا، لیکن میں سخت اور نازک سوال سے ڈرتا ہوں، بجز اس کے کہ خدا میری دستگیری فرمائے،[۱]

اپنی اولاد کے متعلق ارشاد آپ کے اہل و عیال کے متعلق مسلمہ نے آپ سے کہا:-

امیر المومنین آپ نے ہمیشہ اپنی اولاد کا منہ اس مال و دولت سے خشک رکھا، اور اون کو ایسی حالت میں چھوڑے جاتے ہیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے، کاش آپ ان کے متعلق مجھے یا

[۱] سیرت عمر بن عبد العزیز صفحہ ۲۸۵،

اپنے خاندان کے کسی اور شخص کو کچھ وصیت کرتے جاتے، یہ سن کر فرمایا "مجھے ٹیک لگا کر بٹھا دو" پھر فرمایا تمھارا یہ کہنا کہ اس مال سے میں نے ہمیشہ اپنی اولاد کا منہ خشک رکھا، تو خدا کی قسم میں نے ان کا کوئی حق تلف نہیں کیا، البتہ جس میں ان کا حق نہیں تھا وہ ان کو نہیں دیا، تمھارا یہ کہنا کہ میں تم کو یا کسی اور اہل خاندان کو وصیت کرتا جاؤں، تو اس معاملہ میں میرا وصی اور ولی صرف خدا ہے، جو صلحا کا ولی ہوتا ہے، میرے لڑکے اگر خدا سے ڈریں گے تو خدا ان کے لئے کوئی سبیل نکال دیگا، اور اگر وہ گناہ میں مبتلا ہوں گے تو میں ان کو گناہ کرنے کے لئے قوی نہ بناؤنگا" اس کے بعد لڑکوں کو بلا کر ان سے بچشم پرنم فرمایا،

" میری جان تم پر سے قربان جن کو میں نے خالی ہاتھ چھوڑا ہے، لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں نے تم کو اچھی حالت میں چھوڑا، میرے بچو! تم کسی ایسے عرب اور ذمی سے نہ ملوگے جس پر تمھارا حق نہ ہو، بچو! دو باتوں میں سے ایک بات تمھارے باپ کے اختیار میں تھی، ایک یہ کہ تم دولت مند ہو جاؤ اور تمھارا باپ دوزخ میں جائے، دوسرے یہ کہ تم محتاج رہو، اور تمھارا باپ جنت میں داخل ہو، ان دونوں میں اس کو یہ زیادہ پسند تھا کہ تم محتاج رہو، اور وہ جنت میں جائے اچھا اب جاؤ خدا تم کو حفظ و امان میں رکھے"[1]

آخری وصیتیں اور وفات، | بعض لوگوں نے عرض کیا آپ مدینہ منتقل ہو جاتے اور روضۂ نبوی میں جو چوتھی جگہ خالی ہے اس میں رسول اللہ صلعم اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ دفن ہوتے، یہ سن کر فرمایا "خدا کی قسم آگ کے سوا اگر خدا مجھے ہر قسم کے عذاب دے تو میں انھیں بخوشی منظور کرلوں گا لیکن یہ گوارا نہیں کہ خدا کو یہ معلوم ہو کہ میں اپنے کو رسول اللہ صلعم کے پہلو میں دفن ہونے کے قابل سمجھتا ہوں"[2]

اس کے بعد ایک ذمی سے قبر کے لئے زمین خریدی، اس نے قیمت لینے میں عذر کیا، اور کہا یہ

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۲۸۰، [2] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۲۹۵،

میرے لئے خیر و برکت کا باعث ہے کہ آپ میری مملوکہ زمین میں دفن ہوں، لیکن آپ نے اسے منظور نہ کیا اور بہ اصرار قیمت حوالہ کی،[1]

پھر کفن اور دفن کے متعلق ضروری وصیتیں کیں، اور آنحضرت صلعم کے ناخن اور موے مبارک منگا کر انھیں کفن میں رکھنے کی ہدایت کی،[2]

دم آخر زبان پر یہ آیت تھی،

تلک الدار الآخرۃ نجعلھا للذین	یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے بناتے
لا یریدون علواً فی الارض ولا	ہیں جو زمین میں نہ برتری چاہتے ہیں، اور نہ فساد
فساداً والعاقبۃ للمتقین،	کرتے ہیں، اور عاقبت پرہیزگاروں کے لئے ہے،

یہی آیت تلاوت کرتے ہوئے واصل بحق ہوئے، یہ رجب کا مہینہ اور ۱۰۱ھ تھا، تاریخوں میں اختلاف ہے، وفات کے وقت انتالیس یا چالیس سال کی عمر تھی، دیر سمعان میں دفن کئے گئے،

ازدواج و اولاد، | حضرت عمر بن عبد العزیز کے چار بیویاں تھیں، اور ان سب سے اولادیں ہوئیں لمیس بنت علی، ان سے تین لڑکے تھے، عبد اللہ، بکر اور ام عمار، ام عثمان بنت شعیب، ان سے ایک لڑکا ابراہیم تھا، فاطمہ بنت عبد الملک، ان سے تین لڑکے تھے، اسحاق، یعقوب اور موسیٰ، ام ولید سے نو اولادیں تھیں، عبد الملک، ولید، عاصم، یزید، عبد اللہ، عبد العزیز، زبان، امنۃ اور ام عبد اللہ،

حلیہ، | صورۃً شکیل تھے، رنگ گورا اور چہرہ نازک تھا، خلافت سے پہلے عیش و تنعم کی زندگی کی وجہ سے جسم نہایت ترو تازہ تھا، ازار بند پیٹ کے بٹوں میں غائب ہو جاتا تھا، لیکن خلافت کے بعد کی زاہدانہ زندگی نے رنگ روپ بالکل بدل دیا تھا، سوکھ کر لاغر ہو گئے تھے، پسلیاں بغیر چھوئے ہوئے گنی جاسکتی تھیں،[4]

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۹، [2] ایضاً ص ۳۰۰، [3] ایضاً ص ۳۰۷، [4] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۳،

فضل وکمال، حضرت عمر بن عبد العزیز کو اگر سیاسی حالات تخت خلافت پر نہ بٹھا دیتے تو وہ کسی مسندِ درس کی زینت ہوتے علمی اعتبار سے وہ ائمہ کبار میں تھے، تمام علماء و مصنفین کا ان کی جلالت علمی پر اتفاق ہے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں، کان فقیھاً مجتھداً عارفاً بالسنن کبیر الشان ثبتاً حجۃ حافظاً قانتاً للّٰہ اوّاھاً منیباً[1]، عمر بن عبد العزیز امام فقیہ، مجتہد، عالم سنت، کبیر الشان ثبت حجت حافظ (حدیث) خدا کے فرمان بردار نہایت دل درد مند اور خدا کی طرف رجوع کرنیوالے تھے، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت فضیلت وفورِ علم صلاح زہد و ورع عدل شفقت علی المسلمین، حسن سیرت، خدا کی راہ میں ان تھک کوشش سنت نبوی اور آثار نبوی کے اتباع اور خلفاء راشدین کی اقتدا میں سب کا اتفاق ہے،[2]

معاصر علماء میں درجہ اس عہد کے اکابر علماء ان کے علمی کمالات کے مقابلہ میں طفل دبستان تھے میمون ابن مہران کہتے تھے کہ علماء عمر بن عبد العزیز کے سامنے شاگرد معلوم ہوتے تھے[3] ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں، کہ وہ علماء کے معلّم تھے[4]، وہ علماء جو انھیں تعلیم دینے کے خیال سے ان کے پاس آتے تھے، وہ خود ان سے تعلیم حاصل کرتے تھے، مجاہد کا جو بڑے جلیل القدر تابعی عالم تھے بیان ہے کہ ہم لوگ ان کے پاس تعلیم دینے کے لئے گئے تھے لیکن کچھ دنوں کے بعد ہم خود ان سے تعلیم حاصل کرنے لگے[5]،

تفسیر، تفسیر قرآن میں آپ کی نظر نہایت وسیع تھی بڑے بڑے علماء قرآنی مشکلات میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، ایک مرتبہ حجاز اور شام کے کچھ علماء نے آپ کے صاحبزادے عبد الملک سے کہا کہ اپنے والد سے قرآن کی اس آیت

أَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ — وہ دور سے کیونکر پا سکتے ہیں،

کو پوچھو کہ اس سے کیا مراد ہے، انھوں نے پوچھا، حضرت عمر بن عبد العزیز نے جواب دیا کہ اس سے مراد

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۵، [2] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۷، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۶،

[4] ابن سعد ج ۵ ص ۲۷۱، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۶،

وہ توبہ ہے، جس کی خواہش اس وقت کی جائے جس وقت انسان اس پر قادر نہ ہو،[1]

حدیث | حدیث کے وہ اجلہ حفاظ میں تھے، حافظ ذہبی ان کو امام، عارف سنت، حجت اور حافظ لکھتے ہیں[2]، امام مالک اور ابن عیینہ آپ کو امام وقت کہتے تھے[3]،

جتنی مرفوع حدیثیں ان کے حافظہ میں محفوظ تھیں، اتنی کسی تابعی کے علم میں نہ تھیں، ایوب سختیانی کہتے تھے کہ میں جن جن لوگوں سے ملا، ان میں سے کسی کو عمر بن عبد العزیز سے زیادہ رسول اللہ صلعم سے روایت کرنے والا نہیں دیکھا،[4]

احادیث نبوی کا تحفظ | حدیث کی انھوں نے بڑی خدمت کی، ہر ممکن طریقوں سے اسکی اشاعت کی، محفوظ کیا، ان کا سب سے بڑا کارنامہ احادیث نبوی کی تدوین اور اس کا تحفظ ہے، اگر آپ اس کی طرف توجہ نہ کی ہوتی تو احادیث نبوی کا بڑا حصہ برباد ہو جاتا،

آپ کے زمانہ میں مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ اکابر علماء و حفاظ حدیث اٹھتے جاتے تھے، جب آپ نے دیکھا کہ یہ بہار آخر ہو رہی ہے، اگر احادیث کی حفاظت نہ کی گئی تو اس کا بڑا حصہ علماء کے ساتھ دفن ہو جائے گا، تو قاضی ابوبکر بن حزم گورنر مدینہ کو لکھا کہ احادیث نبوی کی تلاش و جستجو کر کے ان کو لکھ لو کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے فنا ہونے کا خوف ہے، لیکن صرف رسول اللہ صلعم کی احادیث قبول کی جائیں[5]،

حافظ ابن حجر کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام صوبوں کے گورنروں کے نام اسی مضمون کا فرمان بھیجا تھا،[6]

---

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص۲، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۰۵، [3] تہذیب ج ۷، ص۴۷۹، [4] تہذیب الاسماء ج اول، ص۱۰۱، [5] بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم، [6] فتح الباری ج اول ص۱۷۴،

اس حکم کی تعمیل ہوئی اس کے بعد جمع شدہ احادیث کے مجموعے تیار کرا کے تمام ممالک محروسہ میں تقسیم کئے گئے، سعد بن ابراہیم کا بیان ہے کہ ہم کو عمر بن عبد العزیز نے حدیث جمع کرنے کا حکم دیا ہم نے دفتر کی دفتر حدیثیں لکھیں اور انھوں نے ایک ایک مجموعہ جہاں جہاں ان کی حکومت تھی بھیجا[۱]

فقہ، | فقہ میں وہ امامت و اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں، کان اماماً فقیھاً مجتھداً،[۲] انھوں نے حضرت عمرؓ کے ان تمام فیصلوں کو جو انھوں نے رعایا کے متعلق کئے تھے، جمع کرایا تھا جو فقہ کا درس تھے،

شاعری | حضرت عمر بن عبد العزیز کو اگرچہ مروجہ شاعری سے ذوق نہ تھا لیکن اخلاقی اشعار پسند کرتے تھے، اور کبھی کبھی خود بھی اس قسم کے اشعار کہتے تھے، ابن جوزی نے سیرت میں بہت سے اشعار نقل کئے ہیں[۳] ایک راگ بھی جو مدینہ میں بہت مقبول تھا، آپ کی جانب منسوب تھا[۴] ممکن ہے، مدینہ کی گورنری کے زمانہ میں جب کہ آپ کی طبیعت عیش و تنعم کی راغب تھی یہ راگ ایجاد کیا ہو،

خطابت، | اگرچہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے بحیثیت خطیب کے کوئی شہرت حاصل نہیں کی لیکن آپ کے خطبات نہایت موثر اور دلپذیر ہوتے تھے، ابن جوزی نے آپکے بہت سے خطبات جمع کئے ہیں، جاحظ نے کتاب البیان و التبیین میں جو بلیغ خطبات کا بہترین مجموعہ ہے، آپ کے ایک[۵] دو خطبے نمونۃً نقل کئے ہیں،

علماء کی قدردانی اور عزت، | گذشتہ خلفاء کی بزم طرب کی زینت شعراء خطباء اور ادیبوں سے تھی، لیکن عمر بن عبد العزیز کا ذوق ان سے مختلف تھا اس لئے ان کے زمانہ میں شعراء کا ہجوم چھٹ گیا اور اس کی جگہ علماء دین نے لے لی،

---

[۱] جامع بیان العلم ص۳۳، [۲] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۰۱، [۳] سیرت عمر بن عبد العزیز ص۲۲۵، [۴] ایضاً ص۲۳،
[۵] کتاب البیان والتبیین ج اول ص۱۹۳،

ان کی تخت نشینی کے بعد حسب معمول حجاز اور عراق کے مشہور شعراء میں نصیب، جریر، فرزدق،
احوص، کثیر اور اخطل قصیدے لے کر پہنچے، اور عرصہ تک ٹھہرے رہے، لیکن کسی کو باریابی کی
اجازت نہیں ملی، انکے بجائے علماء فقہا بلائے جاتے تھے، اور ان کی قدردانی کیجاتی تھی، یہ کس مپرسی
دیکھ کر ایک دن جریر نے عون بن عبداللہ کے وسیلہ سے جو ایک ممتاز فقیہ تھے عمر بن عبدالعزیز کو یہ
پیام کہلا بھیجا،

یا ایھا القاری المرخی عمامتہ ۔۔۔ ھذا زمانک انی قد مضی زمنی

اے وہ قاری جس کے عمامہ کا شملہ لٹک رہا ہے ۔۔۔ یہ تیرا زمانہ ہے، میرا زمانہ گزر گیا،

ابلغ خلیفتنا ان کنت لاقیہ ۔۔۔ انی لدی الباب کالمصفود فی قرن

اگر ہمارے خلیفہ سے ملاقات ہو تو میرا یہ پیام پہنچا دو ۔۔۔ کہ میں دروازہ پر بیڑیوں میں جکڑا ہوں،

عون بن عبداللہ نے جا کر عمر بن عبدالعزیز سے کہا کہ جریر سے میری آبرو بچائیے، آپ نے جریر کو باریابی
کی اجازت دی، اس نے قصیدہ سنایا جس میں اہل مدینہ کے مصائب و مشکلات کا حال تھا حضرت
عمر بن عبدالعزیز نے ان کے لئے کپڑا، غلہ اور نقد روپیہ بھیجا، اور جریر سے پوچھا بتاؤ تم کس جماعت میں سے
ہو، مہاجرین میں، انصار میں، ان کے اعزہ میں، مجاہدین میں؟ اس نے کہا کسی میں نہیں، فرمایا پھر مسلمانوں
کے مال میں تمہارا کیا حق ہے، اس نے کہا اگر میرے حق کو روکیں نہیں تو خدا نے میرا حق مقرر کیا ہے،
میں ابن سبیل (مسافر) ہوں، دور دراز سے آکر آپ کے دروازہ پر ٹھہرا ہوں، آپ نے فرمایا، خیر اگر تم
میرے پاس آئے ہو تو میں اپنی جیب سے تم کو بیس روپیہ دیتا ہوں، اسے لو، اس حقیر رقم پر خواہ میری
تعریف کرو یا مذمت، جریر نے اسے بھی غنیمت سمجھا، اور اسے لے کر باہر آیا، دوسرے شعراء نے دیکھا تو لپک
کر پوچھا، کہو ابو حرزہ کیا رہا، اس نے جواب دیا اپنا اپنا راستہ لو یہ شخص شاعروں کو نہیں بلکہ گداگروں کو دیتا ہے[1]

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۶۵ تا ۱۶۸،

ان کے مقابلہ میں علماء فقہاء اور قراء کی بڑی قدردانی تھی، وہ دور دور سے بلاکر خواص میں داخل کئے جاتے تھے[1]،

زمامِ خلافت ہاتھوں میں لینے کے بعد سالم بن عبداللہ بن عمر، محمد بن کعب قرظی، اور رجاء بن حیوٰۃ ریاح بن عبیدہ سے مشورہ طلب کیا، انھوں نے مفید مشورے دیئے[2]، میمون بن مہران، رجاء بن حیواۃ، ریاح ابن عبیدہ آپ کے خاص اصحاب میں تھے[3]، ان کے علاوہ اور متعدد علماء آپ کے ہم جلیس تھے[4]،

فضائل اخلاق، اگرچہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے مجددانہ کارناموں کے بعد ان کے عادات وخصائل اور فضائلِ اخلاق پر روشنی ڈالنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اس گلستاں سے اس بہار کا پورا اندازہ ہوجاتا ہے، لیکن محض اس لئے کہ آپ کی تصویرِ حیات کا یہ رخ بھی سامنے آجائے، اس پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لیجاتی ہے،

خلافت سے پہلے، آپ فطرۃً صالح اور سعید تھے، اس لئے زندگی کے کسی دور میں بھی آپ کا دامن اخلاق داغدار نہ تھا، لیکن خلافت سے پہلے آپ کی زندگی بڑے عیش وتنعم اور شان وشکوہ کی تھی،

ان کا خود بیان ہے کہ مجھے لباس عیش پرستی اور عطریات کا شوق ہوا، تو میں نے اسے اتنا پورا کیا کہ میرے علم میں میرے خاندان بلکہ دوسرے خاندانوں میں بھی ایسی زندگی کسی کو نصیب نہ ہوئی ہوگی[5]، ان کے شوق و نفاست مزاج کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب ان کے کپڑوں پر ایک مرتبہ دوسروں کی نظر پڑجاتی تھی تو پھر انھیں وہ پرانا سمجھتے تھے[6]، ولید کے زمانہ میں ان کو چار چار سو روپیہ کی قیمت کا کپڑا سخت وکرخت معلوم ہوتا تھا، لیکن پھر چودہ درہم کا کپڑا بھی نرم وملیح معلوم ہونے لگا تھا[7]، خوشبو کے لئے نمک کی طرح عنبر داڑھی پر چھڑکتے تھے[8]، رجاء بن حیوٰۃ کا بیان ہے کہ

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۱۶۶، [2] ایضاً، [3] ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۲، [4] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۶۶، [5] ایضاً ص ۱۴۶

[6] تہذیب الاسماء ج اول ص ۳۰، [7] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۱۵۱،

عمر بن عبد العزیز سب سے زیادہ خوش لباس، سب سے زیادہ معطر اور سب سے تبختر کی چال چلنے والے تھے[1]
لیکن تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد اس زندگی میں دفعۃً انقلاب ہوگیا، عیش و تنعم کے سارے سامان چھوٹ گئے اور عیش پرور دہ عمر بن عبد العزیز نے ابوذر غفاری اور حسن بصری کا قالب اختیار کر لیا خلیفہ ہونے کے بعد انھوں نے جس طرح دنیا سے دامن جھاڑا، اس کے کچھ حالات اوپر گذر چکے ہیں، ساری املاک بیت المال کو واپس کر دی، لونڈی غلام فرش فروش لباس و عطریات عیش و تجمل کے جملہ سامانوں کو بیچ کر اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی[2] بیت المال سے گذارہ کے لئے چار سو دینار سالانہ لیتے تھے، اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ لیتے تھے[3] لباس بقدر ستر پوشی اور غذا بقدر لایموت سے زیادہ نہ ہوتی تھی،

لباس، لباس میں عموماً صرف ایک جوڑا رہتا تھا، اسی کو دھو دھو کر پہنتے تھے[4] مرض الموت میں ایک قمیص کے علاوہ دوسری قمیص نہ تھی کہ بدلی جاتی، آپ کے سالے مسلمہ بن عبد الملک نے اپنی بہن فاطمہ سے کہا کہ قمیص میلی ہو گئی ہے، لوگ عیادت کے لئے آتے ہیں، اس لئے دوسری بدلوا دو، وہ خاموش رہیں مسلمہ نے دوبارہ کہا، فاطمہ نے جواب دیا، خدا کی قسم اس کے علاوہ دوسرا کپڑا نہیں ہے، پھر ایک جوڑا بھی سالم نہ ہوتا تھا، بلکہ اس میں پیوند لگے ہوتے تھے[5]

آپ کے بچے بھی اسی تنگی سے بسر کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ کی بچی کے پاس کپڑا نہ تھا، آپ نے حکم دیا کہ فرش پھاڑ کر کرتہ بنا دیا جائے، آپ کی بہن کو خبر ہوئی تو انھوں نے ایک تھان بھجوا دیا، اور منع کر دیا کہ عمر سے نہ مانگنا[6]

ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے نے کپڑے مانگے، آپ نے فرمایا میرے کپڑے خیار بن رباح

---

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص۱۵۱، [2] تہذیب الاسماء ج۱ اول ص۲۱، [3] ابن سعد ج۵ ص۲۹۷ و سیرت ص۲۲۷، [4] ایضاً ص۱۹۷، [5] سیرت عمر بن عبد العزیز ص۱۵۱، [6] ایضاً ص۲۷۵،

کے پاس رکھے ہیں، ان سے جا کر لے لو، وہ ان کے پاس گئے، انھوں نے گاڑھے کے کپڑے نکال کر دئے، عبید اللہ نے کہا یہ تو ہمارے پہننے کے لائق نہیں ہیں، خبار نے کہا میرے پاس تو امیر المومنین کے یہی کپڑے ہیں، عبید اللہ نے واپس جا کر حضرت عمر بن عبد العزیز سے بھی وہی عذر کیا، آپ نے فرمایا میرے پاس تو یہی ہیں، یہ جواب سنکر وہ مایوس ہو کر لوٹنے لگے، حضرت عمر بن عبد العزیز نے واپس بلا کے کہا اگر اپنے وظیفہ سے پیشگی لینا چاہو تو لے سکتے ہو، چنانچہ سو درہم دلوا دیئے اور وظیفہ تقسیم ہونے کے وقت کاٹ لیئے[1]

غذا۔ غذا نہایت معمولی اور سادہ ہوتی تھی، روٹی اور روغن زیتون[2] یا دال روٹی کھاتے تھے، آپ کے غلاموں کو بھی یہی ملتا تھا، ایک مرتبہ ایک غلام نے کہا روز روز دال روٹی، آپ کی بیوی نے جواب دیا، امیر المومنین کی یہی غذا ہے[3]، پھر یہ غذا بھی کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی، آپ کے غلام کا بیان ہے کہ جب سے آپ خلیفہ ہوئے اس وقت سے وفات تک کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا[4] اگر کبھی کوئی اچھی چیز کھانے کی خواہش بھی ہوتی تھی تو اس کی مقدرت نہ تھی، ایک مرتبہ انگور کھانے کو دل چاہا، اپنی بیوی سے پوچھا "تمھارے پاس ایک درہم ہے، میں انگور کھانا چاہتا ہوں" انھوں نے جل کر جواب دیا "امیر المومنین ہو کر تمکو ایک درہم کی استطاعت نہیں" فرمایا "یہ جہنم کی ہتکڑیوں سے میرے لئے زیادہ آسان ہے[5]"

لباس و غذا کے علاوہ فطری خواہشات کو بھی انھوں نے بالکل ترک کر دیا تھا خلیفہ ہونے کے بعد سے میاں بیوی کے درمیان زن و شوئی کے تعلقات قائم نہ رہ گئے تھے[6]، ان کی یہ زندگی دیکھ کر ان کی بیوی فاطمہ نے جنھوں نے امارت کے گہوارہ میں پرورش پائی تھی، بھی اسی رنگ

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۲۰۳، [2] ابن سعد ج ۵ ص ۲۷۴، [3] سیرت ص ۲۵۲، [4] ایضاً ص ۲۵۴، [5] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۵، [6] ایضاً،

میں اپنے کو رنگ لیا تھا، آرایش و زیبایش وغیرہ ترک کردی تھی، ایک مرتبہ ایک دولت مند گھرانے کی خاتون نے اس حالت میں دیکھا تو انھوں نے اس کی معذرت میں کہا کہ میرے شوہر کو یہی پسند ہے[1]

ذمہ داری کا احساس اور خشیتِ الٰہی، حکومت اور سلطنت دلوں کو سخت اور مواخذہ سے بے خوف بنا دیتی ہے لیکن اسی شے نے عمر بن عبد العزیز کے دل کو خشیتِ الٰہی سے لبریز کر دیا تھا، وہ خلافت کی ذمہ داریوں کے احساس سے لرزہ براندام رہتے تھے،

آپ کا معمول تھا کہ عشا کے بعد تنہائی میں مسجد میں بیٹھکر رو رو کر دعائیں کرتے تھے، اور اسی حالت میں آنکھ لگ جاتی تھی، آنکھ کھلتی تو پھر یہی مشغلہ جاری ہو جاتا، اسی طرح روتے دعائیں کرتے اور جاگتے سوتے ساری رات گذر جاتی تھی،

یہ مشغلہ کبھی گھر میں بھی تنہائی میں ہوتا تھا، ایک دن آپ کی بیوی نے دیکھ لیا، اس کی وجہ پوچھی آپ نے ٹالا کہ تم کو اس سے کیا غرض، بیوی مصر ہوئیں اور کہا کہ میں اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہتی ہوں، اس وقت آپ نے بتایا کہ میں نے اپنے بارہ میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ میں اس امت کے چھوٹے بڑے اور سیاہ و سپید جملہ امور کا ذمہ دار ہوں، اس لئے جب میں بیکس، غریب محتاج فقیر گم شدہ قیدی اور اس قبیل کے دوسرے آدمیوں کو یاد کرتا ہوں جو سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں، جن کی ذمہ داری مجھ پر ہے، اور خدا ان کے بارہ میں مجھ سے سوال کریگا، اور رسول اللہ صلعم ان کے متعلق مجھ پر دعوی کریں گے، اگر میں خدا کے سامنے ان کا کوئی عذر اور رسول اللہ صلعم کے سامنے کوئی دلیل نہ پیش کر سکا تو مجھے خوف پیدا ہو جاتا ہے، اور میرے آنسو نکل آتے ہیں، اور جس قدر میں ان چیزوں پر غور کرتا ہوں اسی قدر میرا دل خوفزدہ ہوتا ہے[2]،

بعض لوگ آپ کے گریہ و بکا پر ملامت کرتے آپ جواب دیتے تم لوگ مجھے رونے پر ملامت

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز ص۱۵۲، [2] ایضاً ص۱۸۸ و ۱۸۹ و تاریخ الخلفاء تذکرہ عمر بن عبد العزیز،

کرتے ہو حالانکہ اگر فرات کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی ہلاک ہو جائے تو عمر اس کے بدلہ میں پکڑا جائیگا[۱]

ایک مرتبہ آپ نے ایک فوجی افسر سلیمان بن ابی کریمہ کو لکھا :-

"خدا کی عظمت و خشیت کا سب سے زیادہ مستحق وہ بندہ ہے جس کو اس نے اس آزمائش میں ڈالا جس میں میں ہوں، خدا کے نزدیک مجھ سے زیادہ سخت حساب دینے والا اور اگر اس کی نافرمانی کروں تو مجھ سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں ہے، میں اپنی حالت سے سخت دل گرفتہ ہوں، مجھے خوف ہے کہ میرے یہ حالات مجھے ہلاک نہ کر دیں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم جہاد فی سبیل اللہ کے لئے جانیوالے ہو تو اے برادر من جب تم میدانِ جہاد میں پہنچ جاؤ تو خدا سے دعا کرو کہ وہ مجھے شہادت عطا فرمائے اس لئے کہ میری حالت نہایت سخت اور میرا خطرہ بہت بڑا ہے،[۲]

موت اور قیامت کا خوف ، سلاطین کی بزم طرب میں موت اور قیامت کے ذکر اور خوف کا گذر بھی نہیں ہوتا، لیکن عمر بن عبد العزیز کی مجلس بزم عزا ہوتی تھی، رات کو علما جمع ہو کر موت اور قیامت کا ذکر کر کے اس طرح روتے تھے جیسے ان کے سامنے جنازہ رکھا ہے،[۳]

رات رات بھر جاگ کر موت پر غور و فکر کیا کرتے تھے، اور قبر کی ہولناکیوں کا ذکر کر کے بے ہوش ہو جاتے تھے، ایک مرتبہ اپنے ایک ہم جلیس سے فرمایا میں رات بھر غور و فکر میں جاگتا رہا، اس نے پوچھا کس چیز کے متعلق فرمایا قبر اور اہل قبر کے متعلق، اگر تم مردے کو تین دن کے بعد قبر میں دیکھو تو انس و محبت کے باوجود اس کے پاس جاتے ہوئے خوف زدہ ہو گے، تم ایسا گھر دیکھو گے جس میں خوش وضعی، خوش لباسی اور خوشبو کے بعد کیڑے رینگ رہے ہوں گے، پیپ بہ رہی ہوگی، اور اس میں کیڑے تیر رہے ہوں گے، بدبو پھیلی ہو گی، کفن بوسیدہ ہو چکا ہو گا، یہ کہہ کر ہچکی بندھ گئی، اور بیہوش ہو کر گر پڑے، ان کی بیوی پانی چھڑک کر ہوش میں لائیں،[۴]

[۱] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۲۹۱-۲۹۲ [۲] ابن سعد جلد ۵ ص ۲۹۲ [۳] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۷ [۴] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۱۸۶

یزید بن حوشب کا بیان ہے کہ "میں نے حسن بصری اور عمر بن عبد العزیزؒ سے زیادہ کسی شخص کو قیامت سے ڈرنے والا نہیں دیکھا معلوم ہوتا تھا گویا دوزخ ان ہی کے لئے بنائی گئی تھی[۱]

آیات قرآنی سے تاثر طبیعت نہایت اثر پذیر تھی قرآن کی پر موعظت آیات پڑھ کر بے حال ہو جاتے تھے ایک شب کو یہ آیت

یوم یکون الناس کالفراش المبثوث	جس دن لوگ مثل بکھرے ہوئے پروانوں کے
و تکون الجبال کالعھن المنفوش	ہوں گے، اور پہاڑ مثل دھنکے ہوئے اون کے ہونگے،

تلاوت کرکے زور سے چیخے "واسوء صباحاہ" اور اچھل کر اس طرح گرے کہ معلوم ہوتا تھا دم نکل جائے گا، پھر اس طرح ساکن ہو گئے کہ معلوم ہوتا تھا ختم ہو گئے، پھر ہوش میں آئے اور یا سوء صباحاہ" کا نعرہ لگا کر کودے کود کر گھر بھر میں دوڑنے لگے، اور کہتے جاتے تھے "افسوس اس دن پر جب لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح اور پہاڑ دھنکے ہوئے اون کی طرح ہوں گے" یہ حالت صبح تک قائم رہی پھر اسطرح گرے کہ مردہ معلوم ہوتے تھے، یہاں تک کہ موذن کی آواز نے ہوشیار کیا[۲]، ایک دن نماز میں یہ آیت

وقفوھم انھم مسئولون	ان کو بتا دو کہ ان سے بازپرس کیجائیگی،

پڑھی تو اتنے متاثر ہوئے کہ اسی کو بار بار دہراتے رہے، اور اس سے آگے نہ بڑھ سکے[۳]

دیانت آپ کے فضائل اخلاق میں دیانت کا وصف سب سے زیادہ نمایاں ہے، مسلمانوں کے مال کی حفاظت میں آپ نے دیانت کا جو اعلیٰ نمونہ پیش کیا، اس کی مثال کسی قوم کی تاریخ میں مشکل سے مل سکتی ہے، بیت المال سے انھوں نے کبھی معمولی سا فائدہ اٹھانا بھی گوارا نہ کیا، رات کو جب تک خلافت کے کام انجام دیتے تھے، اس وقت تک بیت المال کی شمع جلاتے تھے، اس کے بعد گل کر کے اپنا

۱ ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۴، ۲ سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۱۹۱، ۳ ایضاً ص ۱۹۱،

ذاتی چراغ جلواتے تھے[1]

بیت المال کی جانب سے فقرا اور مساکین کے لئے جو مہمان خانہ تھا، اس کے باورچی خانہ سے اپنے لئے پانی بھی گرم نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ غفلت میں آپ کا ملازم ایک مہینہ تک اس مطبخ سے آپ کے وضو کا پانی گرم کرتا رہا، آپ کو معلوم ہوا تو اتنی لکڑی خرید کر باورچی خانہ میں داخل کرا دی[2]

ایک بار غلام کو گوشت کا ٹکڑا بھوننے کا حکم دیا، وہ اسی مطبخ سے بھون لایا، آپ نے اسے ہاتھ نہ لگایا، اور غلام سے فرمایا تم ہی کھالو، میری قسمت کا نہ تھا[3]

خلافت کے کاموں کے سلسلہ میں جو لوگ آتے تھے وہ اسی مہمان خانہ کے مہمان ہوتے تھے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے، ایک مرتبہ چند مہمانوں نے کھانے سے انکار کر دیا، کہ جب آپ نہیں کھاتے تو ہم کیوں کھائیں، اس دن سے معاوضہ دیکر مہمانوں کے ساتھ کھانے لگے[4]

ایک مرتبہ بہت سے سیب آئے، آپ انھیں عام مسلمانوں میں تقسیم فرما رہے تھے، آپ کا ایک چھوٹا بچہ ایک سیب اٹھا کر کھانے لگا، آپ نے اس کے منہ سے چھین لیا، وہ رونے لگا، اور جا کر اپنی ماں سے شکایت کی، ماں نے بازار سے سیب منگا دیئے، عمر بن عبد العزیزؓ گھر آئے تو انھیں سیب کی خوشبو معلوم ہوئی، پوچھا فاطمہ کوئی سرکاری سیب تو تمھارے پاس نہیں آیا ہے، انھوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا، آپ نے فرمایا، "خدا کی قسم میں نے اس کے منہ سے نہیں چھینا تھا اپنے دل سے چھینا تھا، لیکن مجھے یہ پسند نہ تھا کہ میں مسلمانوں کے حصہ کے ایک سیب کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنے نفس کو برباد کروں[5]"

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۷ و ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۵، [2] ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۵، [3] سیرت عمر بن عبد العزیز صفحہ ۶۰
[4] ایضاً صفحہ ۱۶۲، [5] ایضاً صفحہ ۱۶۱،

آپ کو لبنان یا سینہ کا شہد بہت مرغوب تھا، ایک مرتبہ آپ نے اس کی خواہش ظاہر کی، آپکی بیوی فاطمہ نے یہاں کے حاکم ابن معدیکرب کے پاس کہلا بھیجا، انھوں نے بہت سا شہد بھجوا دیا، فاطمہ نے اسے حضرت عمر بن عبد العزیز کو دیا، کہ لو یہ تم کو بہت مرغوب ہے، آپ نے شہد دیکھکر فرمایا معلوم ہوتا ہے تم نے ابن معدیکرب کے پاس کہلا بھیجا تھا، ان ہی نے اس کو بھیجا ہے، چنانچہ کل شہد بچوا کر اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی، اور ابن معدیکرب کو لکھ بھیجا کہ تم نے فاطمہ کے کہلانے پر شہد بھیجا ہے، خدا کی قسم اگر آئندہ تم نے ایسا کیا تو اپنے عہدہ پر نہیں رہ سکتے، اور تمھارے چہرہ پر نظر نہ ڈالوں گا،[۱]

ایک مرتبہ آپ کی حاملہ بیوی کے لئے تھوڑے سے دودھ کی ضرورت تھی، لونڈی مہمانخانہ سے ایک پیالہ میں تھوڑا سا دودھ لے آئی، آپ نے پوچھا یہ کیا ہے، اس نے کہا بی بی کے لئے دودھ کی ضرورت تھی، اگر اون کو دودھ نہ دیا جائیگا تو اسقاط کا اندیشہ ہے، اس لئے یہ دودھ دار الضیافہ سے لے آئی ہوں، یہ سن کر لونڈی کا ہاتھ پکڑا، اور چلاتے ہوئے بیوی کے پاس لائے اور کہا اگر حمل فقراء و مساکین کے کھانے کے علاوہ اور کسی چیز سے قائم نہیں رہ سکتا تو خدا اس کو قائم نہ رکھے یہ برہمی دیکھ کر بیوی نے دودھ واپس کرادیا،[۲]

احتیاط کا آخری نمونہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ بیت المال کا مشک آپ کے سامنے لایا گیا، آپنے ناک بند کر لی کہ اس کی خوشبو نہ جانے پائے، لوگوں نے عرض کیا امیر المومنین اسکی خوشبو سونگھ لینے میں کیا حرج ہے، فرمایا مشک کا انتفاع یہی ہے،[۳]

تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد ہدایا و تحائف کا سلسلہ بھی بند کر دیا تھا، ایک مرتبہ کسی شخص نے آپکو سیب اور دوسرے میوے ہدیہ میں بھیجے، آپ نے واپس کر دیا، بھیجنے والے نے آپ

[۱] سیرت عمر بن عبد العزیز صفحہ ۱۵۸، [۲] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۲۷۹، [۳] سیرت عمر بن عبد العزیز صفحہ ۱۶۳،

سے کہا ہدیہ تو رسول اللہ صلعم قبول فرماتے تھے، آپ نے جواب دیا، لیکن ہمارے لئے اور ہمارے بعد والوں کے لئے وہ رشوت ہے[1] ابن جوزی نے اس قبیل کے اور بہت سے واقعات لکھے ہیں

توکل، | توکل اور اعتماد علی اللہ نے تمام خطرات سے بے پرواہ کر دیا تھا، جس زمانہ سے امیر معاویہ پر حملہ ہوا تھا، اس زمانہ سے خلفاء کی حفاظت کا بڑا اہتمام رہتا تھا، سیکڑوں سپاہی پہرہ پر متعین رہتے تھے، عمر بن عبد العزیز نے دوسرے سامان تجمل کے ساتھ یہ مد فاضل بھی حذف کر دی تھی، ایک مرتبہ آپ کے بعض ہوا خواہوں نے عرض کیا کہ گذشتہ خلفاء کی طرح آپ بھی کھانا دیکھ بھال کر کھایا کریں اور حملہ کی حفاظت کے لئے نماز میں پہرہ کا انتظام رکھا کریں، طاعون میں ہٹ جایا کریں، یہ سن کر فرمایا اُن حفاظت کے باوجود آخر وہ لوگ کیا ہوئے، جب لوگوں نے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا "خدایا اگر میں تیرے علم میں روز قیامت کے علاوہ اور کسی دن سے ڈروں تو میرے خوف کو اطمینان نہ دلا۔"[2]

تواضع و مساوات، | ترفع، کبر، خود نمائی، اور عدم مساوات وغیرہ امارت کے لوازم ہیں، خود حضرت عمر بن عبد العزیز میں خلافت سے پہلے تمکنت تھی، لیکن خلافت کے بعد وہ سراپا عجز و انکسار اور مساوات کا نمونہ بن گئے تھے،

اوپر گذر چکا ہے کہ خلافت کے بعد انھوں نے تمام شاہی امتیازات مٹا دیئے تھے، اور فرمایا تھا کہ "میں بھی عام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں"، سرکاری پہرہ داروں کو تعظیم کے لئے اٹھنے کی ممانعت کر دی، اور خود ان کے ساتھ برابر بیٹھتے تھے،[3]

جنازہ میں شرکت کے وقت خلفاء کے لئے علحدہ چادر بچھائی جاتی تھی، حسب معمول جب آپ کے لئے پہلی مرتبہ بچھائی گئی تو آپ نے اس کو پیروں سے ہٹا دیا،[4]

لونڈی غلاموں کے ساتھ برتاؤ اتنا مساویانہ تھا کہ کبھی کبھی آپ خود بھی ملازمین کی خدمت کرتے

[1] سیرت صفحہ ۱۷۰، [2] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۲۹۴، [3] سیرت عمر بن عبد العزیز صفحہ ۵۳، [4] ایضاً صفحہ ۵۰،

تھے، ایک مرتبہ پنکھا جھلتے جھلتے ایک لونڈی کی آنکھ لگ گئی، آپ نے پنکھا لے کر اس کو جھلنا شروع کر دیا، اس کی آنکھ کھلی تو گھبرا کر چلائی، آپ نے فرمایا آخر تم بھی میری طرح انسان ہو، تم کو بھی گرمی لگتی ہوگی جس طرح تم مجھے پنکھا جھل رہی تھیں میں نے تم کو جھلنا مناسب سمجھا،[1]

ملازموں کے آرام میں خلل انداز نہ ہوتے تھے، اور ان کے آرام کے اوقات میں خود اپنے ہاتھ سے کام کر لیتے تھے، ایک مرتبہ رجاء بن حیوٰۃ سے گفتگو میں رات زیادہ گذر گئی، اور چراغ جھلملانے لگا، پاس ہی ملازم سویا ہوا تھا، رجاء نے کہا اسے جگا دوں، فرمایا سونے دو، رجاء نے خود چراغ درست کرنے کا ارادہ کیا، آپ نے روک دیا کہ مہمان سے کام لینا مروت کے خلاف ہے، اور خود اٹھکر زیتون کا تیل لیا اور چراغ ٹھیک کر کے پلٹ کر فرمایا، "جب میں اٹھا تھا تب بھی عمر بن عبد العزیز تھا، اور اب بھی عمر بن عبد العزیز ہوں"[2]

اس تواضع اور مساوات کی وجہ سے ان لوگوں کو جو خلیفہ میں جاہ و جلال دیکھنے کے عادی تھے، آپ کے پہچاننے میں دقت ہوتی تھی، حکم بن عمرو الرعینی کا بیان ہے کہ عمر بن عبد العزیز ایک حلقہ سے اٹھکر دوسرے حلقہ میں بیٹھ جاتے تھے، اور وہ اجنبی جو آپ کو پہچانتے نہ تھے، انھیں جب تک اشارہ سے بتایا نہ جاتا، اس وقت تک وہ پہچان نہ سکتے تھے[3]

اس مختصر تذکرہ میں ان کے اخلاقی کمال کا احاطہ مشکل ہے، اسلئے صرف چند نمونے پیش کئے گئے ہیں،

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز ص۱۷۲، [2] ایضاً ص۱۷۳، [3] ایضاً ص۱۷۱

۵۳- عمرو بن مرہ

نام ونسب، عمرو نام، ابو عبد اللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، عمرو بن مرہ بن عبد اللہ بن طارق بن الحارث ابن سلمہ بن کعب بن وائل بن جمل بن کنانہ بن ناجیہ بن مراد جملی مرادی،

فضل وکمال علمی اعتبار سے کوفہ کے ممتاز علماء میں تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں، کان ثقۃ ثبتاً اماماً، مسعر کہتے ہیں کہ میں نے ان سے افضل کسی کو نہیں پایا،[1]

حدیث حفظِ حدیث کے لیے یہ سند کافی ہے کہ حافظ ذہبی ان کو حافظ کا لقب دیتے ہیں، عبد الرحمن بن مہدی انھیں حفاظِ کوفہ میں شمار کرتے تھے،[2] حفص بن غیاث کا بیان ہے کہ میں نے اعمش سے عمرو بن مرہ کے علاوہ کسی کی تعریف نہیں سنی، وہ کہتے تھے کہ ابن مرہ اپنی روایات میں مامون تھے، شعبہ کہتے تھے کہ تمام راویان حدیث سے حدیثوں میں کچھ نہ کچھ ردوبدل ہو جاتا ہے، صرف ابن عون اور عمرو بن مرہ اس سے مستثنیٰ ہیں، مسعر کہتے تھے کہ وہ صدق کی کان ہیں،[3] حدیث میں انھوں نے عبد اللہ بن ابی اوفیٰ، ابو وائل، مرۃ الطیب، سعید بن مسیب، عبد الرحمن ابن ابی لیلیٰ، عبد اللہ بن حارث نجرانی، عمرو بن میمون اودی، عبد اللہ بن سلمہ، حسن بن مسلم، خیثمہ بن عبد الرحمن، سعد بن عبیدہ، سعید بن جبیر اور ابراہیم نخعی جیسے علماء سے استفادہ کیا تھا، ابو اسحٰق سبیعی، اعمش، منصور، زید بن ابی انیسہ، مسعر، علاء بن مسیب، اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ، ثوری، شعبہ وغیرہ آپ کے زمرۂ تلامذہ میں تھے،[4]

نماز میں خلوص اس علم کے ساتھ وہ عمل کے زیور سے بھی آراستہ تھے، نماز اس خضوع سے پڑھتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا پڑھتے ہی مغفرت ہو جائیگی، شعبہ بیان کرتے ہیں کہ جب جب میں نے عمرو بن مرہ کو نماز پڑھتے دیکھا ہمیشہ یہی خیال ہوا کہ نماز سے لوٹنے کے قبل ہی انکی قبولیت ہو جائیگی،[5] ایک روایت میں ہے کہ انکی مغفرت ہو جائیگی،[6]

وفات ١١٦ھ میں وفات پائی، جنازہ میں عبد الملک بن میسرہ کی زبان پر یہ کلمہ تھا کہ وہ خیر البشر تھے،[7]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ١٠١، [2] ایضاً، [3] تہذیب التہذیب ج ٨ ص ١٠٢ و ١٠٣، [4] ایضاً ص ١٠٢، [5] ابن سعد ج ٦ ص ٢٢٢،

[6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ١٠١ [7] ابن سعد ج ٦ ص ٢٢٢،

۵۴ علقمہ بن قیس،

نام ونسب، علقمہ نام ابو شبل کنیت، مشہور محدث ابراہیم نخعی کے ماموں اور اسود بن یزید کے چچا تھے، نسب نامہ یہ ہے: علقمہ بن قیس بن عبد اللہ بن مالک بن علقمہ بن سلامان بن کہیل بن بکر بن عوف بن نخع نخعی،

پیدائش، آنحضرت صلعم کے عہد میں پیدا ہوئے،[۵۱]

فضل وکمال، فضل وکمال اور زہد وورع کے لحاظ سے ممتاز تابعین میں تھے،

انھوں نے زمانہ ایسا پایا کہ بہت سے اکابر صحابہ سے استفادہ کا موقع ملا، حضرت عمرؓ حضرت علی مرتضیٰؓ، عبد اللہ بن مسعود، حذیفہ بن یمان، سلمان فارسی، ابی مسعود بدری، ابو درداء انصاری وغیرہ اکابر صحابہؓ موجود تھے، ان سے انھوں نے روایتیں کی ہیں، لیکن فقیہ الامت عبد اللہ بن مسعودؓ کے سرچشمۂ فیض سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ مستفید ہوئے تھے، انھوں نے ان کو ابتدا سے انتہا تک تعلیم دی، اسود کا بیان ہے، کہ عبد اللہ ابن مسعود علقمہ کو جس طرح قرآن کی تعلیم دیتے تھے، اسی طرح تشہد کی تعلیم دیتے تھے[۵۲] ان کی اس توجہ اور فیض بخشی سے علقمہ ابن مسعودؓ کا ثنیٰ بن گئے تھے، ابن مسعودؓ خود فرمایا کرتے

۵۱؎ تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۲۷۶،

۵۲؎ طبقات ابن سعد جلد ۶ ص ۵۹،

تھے کہ میں جو کچھ پڑھتا اور جانتا ہوں وہ سب علقمہ پڑھتے اور جانتے ہیں[1]، ان کے علمی کمالات پر تمام علماء و محدثین کا اتفاق ہے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ اور امام بارع تھے[2] علامہ نووی لکھتے ہیں کہ علقمہ بلند مرتبہ جلیل القدر اور صاحب کمال فقیہ تھے[3]۔

قرآن، علقمہ کو قرآن، حدیث اور فقہ جملہ علوم میں یکساں کمال حاصل تھا، قرآن کی اعلیٰ تعلیم ابن مسعودؓ سے حاصل کی تھی، کان جوّدا القرآن علی ابن مسعودؓ[4]، ابن مسعود کبھی کبھی صحت کے لئے علقمہ کو قرآن پڑھ کر سناتے تھے، علقمہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن مسعودؓ نے مجھ سے کہا کہ تم سورہ بقرہ میں میری گرفت کرو، چنانچہ اسے سنا کر مجھ سے پوچھا میں نے کچھ چھوڑا تو نہیں، میں نے کہا ایک حرف چھوٹ گیا ہے، انھوں نے خود ہی کہا، فلاں حرف میں نے کہا ہاں[5]۔

علقمہ نہایت خوش گلو اور شیریں آواز تھے، اس لئے ابن مسعودؓ انھیں ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھنے کی ہدایت کرتے تھے، بیان کرتے ہیں کہ خدا نے مجھے خوش آوازی عطا فرمائی تھی، عبداللہ بن مسعودؓ مجھ سے قرآن پڑھوا کر سنتے اور فرماتے میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں، خوش آوازی کے ساتھ پڑھا کرو، میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ حسن صوت قرآن کی زینت ہے[6]۔

حدیث، حدیث کے وہ نہایت ممتاز حفاظ میں تھے، حافظہ نہایت قوی تھا، جو چیز ایک دفعہ یاد کرلی وہ گویا کتاب میں محفوظ ہو گئی، ان کا خود بیان ہے کہ میں نے جو چیز جوانی

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۵، [2] ایضاً ص ۴۴، [3] تہذیب الاسماء ج اول ص ۳۴۲، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۵،
[5] ابن سعد ج ۶ ص ۵۸، [6] ایضاً،

کے زمانہ میں یاد کی اس کو اس طرح پڑھتا ہوں گویا ورق میں لکھی ہوئی تحریر کو پڑھتا ہوں[1] اس حافظہ کے ساتھ انھیں حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، سعدؓ، حذیفہ بن یمانؓ، ابو دردؓاء، ابو مسعودؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، خباب بن ارتؓ، خالد بن ولیدؓ، معقل بن سنانؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ جیسے اکابر اور علمائے صحابہ سے استفادہ کا موقع ملا[2]

ان بزرگوں کے فیض نے انھیں حدیث کا بڑا حافظ بنا دیا، علامہ ابن سعد ان کو کثیر الحدیث[3] اور حافظ ذہبی امام بارع لکھتے ہیں[4]، عبداللہ بن مسعودؓ کی احادیث کا بیشتر حصہ بلکہ قریب قریب کل علقمہ کے سینہ میں محفوظ تھا،

روایت حدیث میں احتیاط: لیکن اس وسعت علم کے باوجود وہ محدث بننا اور اس کے ذریعہ عظمت و جاہ حاصل کرنا پسند نہ کرتے تھے، ابن مسعودؓ کے انتقال کے بعد لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ اب آپ سنت کی تعلیم کے لئے بیٹھئے انھوں نے جواب دیا کہ تم لوگ چاہتے ہو کہ لوگ میرے پیچھے پیچھے چلیں[5]،

تلامذہ: حدیث میں ان کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع تھا عبدالرحمن بن یزید، ابراہیم بن سعید، امام شعبی، ابو رقاد نخعی، شقیق بن سلمہ بن کہیل قیس بن رومی، قاسم بن مخیمرہ، ابو اسحٰق سبیعی وغیرہ ان کے تلامذہ میں ہیں، ان میں ان کے بھانجے ابراہیم نخعی اور بھتیجے اسود ابن یزید خصوصیت کے ساتھ لائق ذکر ہیں[6]،

فقہ: فقہ کا فن انھوں نے فقیہ الامت ابن مسعودؓ سے حاصل کیا تھا، اس لئے اس میں وہ امامت و اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے، کان فقیھا اماما بارعًا[7]، امام نووی صاحب کمال

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۵۸ [2] تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۲۷۶ [3] ابن سعد ج ۶ ص ۶۱ [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۱
[5] ابن سعد ج ۶ ص ۶۰ [6] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۷۶ [7] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۱،

فقیہ لکھتے ہیں[1]،

وسعت علم، وسعت علم کے اعتبار سے علقمہ بن مسعود کے ممتاز اصحاب میں سے تھے، ابن مدنی کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کے علم کے بڑے حاملین علقمہ، اسود، عبیدہ، اور حارث تھے[2]، ان میں علقمہ سب پر فائق تھے، ابراہیم کا بیان ہے کہ ابن مسعودؓ کے چھ[3] اصحاب لوگوں کو درس اور سنت کی تعلیم دیتے تھے، ان میں دو[4] علقمہ اور اسود تھے، ابو الہذیل نے پوچھا ان دونوں میں کون افضل تھا، انھوں نے علقمہ کا نام لیا[5] عبد اللہ بن مسعودؓ کے یہ الفاظ کہ "جو کچھ پڑھتا اور جانتا ہوں، وہ سب علقمہ پڑھتے اور جانتے ہیں[6]" ان کے وسعت علم کی سند کے لئے کافی ہیں،

صحابہ کا استفادہ، ان کا علمی کمال اتنا مسلم تھا کہ صحابۂ رسولؐ تک ان سے استفادہ کرتے تھے، جو ایک تابعی کے لئے سب سے بڑا طغرائے کمال ہے، ابو ظبیان کا بیان ہے کہ میں نے متعدد صحابۂ رسول کو دیکھا ہے کہ وہ علقمہ سے مسائل پوچھتے تھے، اور استفتا کرتے تھے[7]،

فضائل اخلاق، عادات و خصائل و اخلاق میں علقمہ ذات نبوی کا نمونہ تھے، ابراہیم کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ طور و طریق اور عادات و خصائل میں نبی صلعم کے مشابہ تھے، اور علقمہ عبد اللہ بن مسعودؓ کے مشابہ تھے، اس طرح گویا علقمہ رسول اللہ صلعم کے مشابہ تھے[8]، علقمہ عادات و خصائل میں ابن مسعودؓ سے اس درجہ مشابہ تھے، کہ جن لوگوں نے انکو نہیں دیکھا تھا وہ علقمہ کے آئینۂ عمل میں ان کی تصویر دیکھ سکتے تھے[9]،

زہد و عبادت، یہ مشابہت محض علم اور ظاہری خصائل تک محدود نہ تھی، بلکہ عمل میں بھی وہ ابن مسعودؓ کے ساتھ کامل مشابہت رکھتے تھے، ان کا شمار علمائے ربانیین میں تھا[10]،

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۳۴۲، [2] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۷۷، [3] ایضاً، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۱،
[5] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۷۷، [6] ابن سعد ج ۶ ص ۵۸، [7] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۷۷، [8] ابن سعد ج ۶ ص ۶۱،

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ صاحب خیر و ورع تھے[۱]،

تلاوت قرآن۔ قرآن کے ساتھ ان کو غیر معمولی شغف و انہماک تھا معمولاً چھ دن میں ایک قرآن ختم کرتے تھے[۲]، کبھی کبھی ایک ایک رات میں پورا قرآن تمام کر دیتے تھے، ابراہیم کا بیان ہے کہ علقمہ ایک مرتبہ مکہ گئے شب کے وقت انھوں نے طواف شروع کیا، پہلے سات پھیروں میں انھوں نے طوال ختم کیں، دوسرے سات پھیروں میں مئین تیسرے سات پھیروں میں مثانی، اور چوتھے میں بقیہ سورتیں ختم کیں، اس طرح انھوں نے ایک شب میں طواف کی حالت میں پورا قرآن تمام کر دیا[۳]،

قرآن کے ساتھ اس شیفتگی کا یہ نتیجہ تھا کہ آیات قرآنی ان کی زبان پر اس قدر جاری ہو گئی تھیں کہ عموماً ہر کام آیت قرآنی کے اشارے سے شروع کرتے تھے، کھانے کے وقت قرآن کی اس آیت فان طبن لکم عن شئ منہ نفسا فکلوہ ھنیئا مریئا کی طرف اشارہ کرکے بیوی سے کھانا مانگتے، کہ مجھے ان لذیذ اور خوشگوار کھانوں میں سے کھلاؤ[۴]،

رکاب پر پاؤں رکھتے ہوئے پڑھتے الحمد للہ سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین، اور انا الی ربنا لمنقلبون[۵]

جہاد فی سبیل اللہ۔ علقمہ کی رگوں میں خدا کی راہ میں بہنے کیلئے خون جوش زن رہتا تھا چنانچہ ۳۲ھ میں وہ امیر معاویہ کے ساتھ قسطنطنیہ کی مہم میں شریک ہوئے، اس مہم کے اکثر شرکاء آنحضرت صلعم کی ایک پیشین گوئی کا مصداق بننے کے لئے جذبۂ شہادت سے مخمور تھے، ایک مجاہد معضد نے ایک برج پر حملہ کرتے وقت سر پر باندھنے کے لئے علقمہ سے چادر مستعار لی تھی، وہ خلعت شہادت سے

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۴۲، [۲] ابن سعد ج ۶ ص۶۰، [۳] ایضاً ص۵۹، [۴] ایضاً ص۵۸،

[۵] ایضاً ص۵۹،

سرفراز ہوئے، علقمہ کی چادر ان کے خون میں تر بتر ہوگئی، علقمہ اس چادر کو بہت متبرک سمجھتے تھے، اور اس کو اوڑھ کر جمعہ میں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ میں اس کو اس لئے اوڑھتا ہوں کہ اس میں معضد کا خون ہے[1]،

شہرت سے نفرت شہرت سے بہت گھبراتے تھے، اس سے بچنے کیلئے وہ تعلیم و تعلم کے سلسلہ میں کسی خاص مقام میں بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے، عبد الرحمٰن بن یزید کا بیان ہے، کہ ہم لوگوں نے علقمہ سے درخواست کی کہ آپ مسجد میں نماز پڑھتے اور بعد نماز وہاں بیٹھتے تاکہ ہم لوگ آپ سے مسائل پوچھا کرتے، فرمایا میں یہ پسند نہیں کرتا کہ لوگ اشارہ کریں کہ یہ علقمہ ہیں[2]،

امرائے دولت سے دامن کشی، امراء اور ارباب دول سے نہ صرف بے نیاز تھے، اور ان سے دامن بچاتے تھے، بلکہ ان سے میل جول اور آمد و رفت رکھنا، اخلاقی نقصان تصور کرتے تھے، ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ آپ امراء کے یہاں جایا کیجئے، کہ وہ آپ کی حقیقت سے آگاہ ہوں اور آپ کا مرتبہ پہچانیں، فرمایا میں ان سے جتنی باتیں دور کروں گا اور جتنی چیزیں کم کرونگا، اس سے زیادہ چیزیں وہ مجھ سے گھٹا دیں گے[3]، یعنی میں جتنی ان کی برائیاں دور کروں گا، اتنی وہ میری بھلائیاں دور کردیں گے، وہ نہ صرف خود امراء سے نہ ملتے تھے، بلکہ حتی الامکان دوسروں کو بھی اس سے روکتے تھے، ابو وائل کا بیان ہے کہ جب کوفہ اور بصرہ دونوں کی ولایت ابن زیاد سے متعلق ہوئی تو اس نے مجھ سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ چلنا، میں نے جاکر علقمہ سے پوچھا، انھوں نے کہا ان لوگوں (امراء) سے تم کو جو حاصل ہوگا اس سے زیادہ بہتر چیز وہ تم سے لے لیں گے[4]، وفود وغیرہ کے سلسلہ میں بھی وہ امراء کے دربار میں جانا پسند نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ ابو بردہ نے ایک وفد میں جو امیر معاویہ کے پاس جانے والا تھا، ان کا

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۳، [2] ابن سعد ج ۶ ص ۵۹، [3] ایضاً، [4] ایضاً ص ۶۰،

نام لکھ دیا، انھیں معلوم ہوا تو فوراً ابو بردہ کو لکھا کہ میرا نام کاٹ دو[1]

وفات، ۶۲ھ میں کوفہ میں وفات پائی، مرض الموت میں وصیت کی تھی کہ دم آخر کلمہ طیبہ کی تلقین کیجائے، تاکہ میری زبان سے آخری کلمہ لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ نکلے کسی کو موت کی خبر نہ دیجائے، ورنہ وہ زمانہ جاہلیت کا اشتہار بن جائیگی، دفن کرنے میں جلدی کیجائے، بین کرنے والی عورتیں ساتھ نہ ہوں[2]،

۵۵۔ قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ

نام و نسب: قاسم نام ابو محمد کنیت حضرت ابو بکر صدیقؓ کے صاحبزادے محمد بن ابی بکرؓ کے فرزند ہیں، ان کی ماں سودہ ام ولد تھیں، قاسم اپنے علمی اور اخلاقی کمالات کے لحاظ سے مدینہ کے ممتاز ترین بزرگوں میں تھے،

یتیمی اور پھوپھی کی آغوش میں پرورش: حضرت عثمانؓ کی مخالفت اور شہادت کے سلسلہ میں محمد بن ابی بکرؓ کا نام تاریخ اسلام میں کافی شہرت رکھتا ہے، وہ حضرت عثمانؓ کے شدید ترین مخالفین میں تھے، بلکہ قاتلین عثمان کے سلسلہ میں انکا نام لیا جاتا ہے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد وہ حضرت علیؓ کے ساتھ ہو گئے تھے، اور ان کے اور امیر معاویہ کے اختلافات میں وہ حضرت علیؓ کے پرجوش حامیوں میں رہے، ان کے ان خدمات کے صلہ میں حضرت علیؓ نے انکو مصر کا والی بنا دیا تھا، جب امیر معاویہ کی جانب سے عمرو بن العاصؓ نے مصر پر فوج کشی کی، اس وقت محمد بن ابی بکرؓ کام آگئے،

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۶، [2] ایضاً ص ۲۲،

قاسم کی عمر اس وقت بہت کم تھی، اس لئے ان کی پھوپھی ام المومنین عائشہ رضی نے ان کو اپنے آغوش شفقت میں لے لیا، اور بڑے لاڈ پیار سے پالا قاسم اس زمانہ کے بعض واقعات جو ان کے حافظہ میں محفوظ رہ گئے تھے، بیان کیا کرتے تھے، چنانچہ کہتے تھے کہ ہماری پھوپھی عائشہ رض عرفہ کی شب کو ہم لوگوں کے سر منڈاتی تھیں، اور ہمیں ٹوپی پہنا کر مسجد بھیجتی تھیں اور دوسرے دن صبح کو ہم لوگوں کی طرف سے قربانی کرتی تھیں[1]،

فضل وکمال، حضرت عائشہ رض وہ مخدومۂ علم تھیں جن کے ادنیٰ ترین خدام مسند علم وعمل کے وارث ہوئے قاسم تو گویا محبوب فرزند تھے، ان کی تربیت نے ان کو علم وعمل کا مجمع البحرین بنا دیا تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ رفیع المنزلت، عالی مرتبت فقیہ، امام اور بڑے حافظ حدیث اور متورع تھے[2] امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے جلیل القدر تابعی ہیں، ان کی جلالت توثیق اور امامت پر سب کا اتفاق ہے[3]،

تفسیر، انھیں جملہ علوم میں پورا درک تھا، لیکن کلام الٰہی میں انتہائی احتیاط کی وجہ سے انھوں نے بحیثیت مفسر کے کوئی شہرت حاصل نہیں کی، وہ غایت احتیاط میں تفسیر ہی نہ بیان کرتے تھے[4]،

حدیث، عائشہ صدیقہ رض کی ذات سرچشمۂ حدیث تھی، قاسم زیادہ تر اسی سرچشمہ سے سیراب ہوئے تھے، ان کے علاوہ انھوں نے دوسرے اساطین حدیث میں ابن عباس رض، ابن عمر رض، اور ابو ہریرہ رض سے بھی پورا استفادہ کیا تھا، ان کا خود بیان ہے کہ میں بحر ابن عباس رض کے پاس بیٹھتا تھا، ابن عمر رض اور ابو ہریرہ رض کے پاس بیٹھتا تھا، اور ان سے زیادہ سے زیادہ

[1] ابن سعد ج ۵ صہ ۱۳۹، [2] ایضاً صہ ۱۴۳، [3] تہذیب الاسماء ج اول صہ ۵۵
[4] ابن سعد ج ۵ صہ ۱۳۹،

فائدہ اٹھایا، ابن عمرؓ کے پاس بڑا علم و ورع تھا، اور ایسے نادر معلومات تھے، جو اور کہیں نہیں حاصل ہو سکتے تھے[1]، ان بزرگوں کے علاوہ، ابن عمرو بن العاصؓ، عبداللہ بن جعفرؓ، معاویہؓ، عبداللہ بن خباب، رافع بن خدیجؓ، اسلم مولی عمر وغیرہ سے بھی سماع حدیث کیا تھا[2]، ان بزرگوں کے فیض نے ان کو ممتاز حافظ حدیث بنا دیا تھا، ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ کثیر الحدیث تھے[3]، حافظ ذہبی انھیں حفاظ حدیث میں امام اور قدوہ لکھتے ہیں[4]، ابوالزناد کہتے تھے کہ میں نے قاسم سے زیادہ سنت کا عالم نہیں دیکھا[5]، حضرت عائشہؓ کی احادیث کے خصوصیت کے ساتھ بڑے حافظ تھے، خالد بن بزاز کا بیان ہے کہ عائشہؓ کی احادیث کے تین بڑے واقف کار تھے، قاسم، عروہ اور عمرہ[6]،

ان کی روایات کا درجہ، محدثین اور ارباب فن کے نزدیک حضرت عائشہؓ سے ان کی روایات طلائے خالص کا حکم رکھتی ہیں، ابن معین کا بیان ہے کہ عبیداللہ بن عمر عن قاسم عن عائشہؓ کا سلسلہ روایت طلائے خالص ہے[7]،

مذاکرۂ حدیث، روزانہ شب کو بعد عشا وہ اور ان کے ساتھی مل کر حدیث خوانی کرتے تھے[8]

روایت حدیث میں احتیاط، روایت حدیث کے باب میں وہ اتنے محتاط تھے کہ روایت میں الفاظ کی پابندی ضروری سمجھتے تھے، اسی احتیاط کی بنا پر وہ حدیثوں کو قلمبند کرنا پسند نہ کرتے تھے[9]،

تلامذہ، حدیث میں ان کے تلامذہ میں بڑے بڑے ممتاز ائمہ تھے ان میں سے بعض کے

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ص ۵۵، [2] تہذیب ج ۸ ص ۳۳۳، [3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۹، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۴، [5] ایضاً ص ۸۵، [6] تہذیب ج ۸ ص ۳۳۴، [7] تہذیب الاسماء ج اول ص ۵۵، [8] ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۱، [9] ایضاً،

نام یہ ہیں، عبدالرحمٰن بن قاسم، امام شعبی، سالم بن عبداللہ بن عمر، سعید انصاری کے لڑکے یحییٰ، سعید بن ابی ملیکہ، نافع مولی ابن عمر، امام زہری، عبید اللہ بن عمر، ایوب، ابن عون اور مالک بن دینار وغیرہ[۱]

فقہ | قاسم کا خاص فن فقہ تھا، اس میں ان کو درجہ امامت و اجتہاد حاصل تھا، ان کے فقہی کمال کی سب سے بڑی سند ہے، کہ وہ مدینہ کے سات مشہور اور ممتاز فقہا میں سے ایک تھے[۲] فقہ بھی انھوں نے اپنی پھوپھی عائشہ صدیقہؓ، ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے حاصل کی تھی، فرماتے تھے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانہ میں عائشہؓ مستقل فتویٰ دیتی تھیں، اور میں ان کے ساتھ رہتا تھا[۳] اس عہد کے تمام علماء ان کے تفقہ کے معترف تھے، ابی الزناد کہتے تھے کہ میں نے قاسم سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا[۴] امام مالک فرماتے تھے کہ قاسم اس امت کے فقہا میں تھے[۵]

فتاویٰ میں احتیاط | اس فقہی کمال کے باوجود وہ حدیث کی طرح فقہ میں بھی بڑے محتاط تھے اور بغیر علم کے کوئی بات کہنا یا کسی مسئلہ کا جواب دینا نہایت برا سمجھتے تھے، فرماتے تھے کہ خدا کے فرض احکام جان لینے کے بعد انسان کا جاہل رہنا اس سے بہتر ہے کہ وہ بغیر علم کے کوئی بات کہے، جو مسئلہ ان کے علم میں نہ ہوتا اس کے جواب میں بلا تکلف لاعلمی ظاہر کر دیتے، ایک مرتبہ ان سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا، انھوں نے جواب دیا مجھے اس کے متعلق کوئی واقفیت نہیں ہے، صرف عیاں اور کھلے ہوئے مسائل کا جواب دیتے تھے، جن مسائل کا اپنی رائے سے جواب دیتے، اس میں یہ صراحت کر دیتے کہ یہ میری رائے ہے یہ نہیں کہتا کہ یہ حق ہے[۶]

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۳۳، [۲] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۵۵، [۳] ایضاً، [۴] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۹، [۵] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۳۴، [۶] ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۹

حلقۂ درس، | مسجد نبوی میں قاسم کا حلقۂ درس تھا، ان کی اور سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کی مجلس ایک ہی تھی، ان کے بعد ان کے لڑکے عبدالرحمن، سالم کے بھائی عبیداللہ بن عمرؓ اس مجلس میں بیٹھتے تھے، پھر ان دونوں کے بعد اس مقام پر امام مالک کی مسندِ درس بچھی، یہ جگہ روضۂ نبوی اور منبر نبوی کے درمیان خوخۂ عمر کے سامنے تھی[۱]، قاسم صبح سویرے درس و افتا کے لئے مسجد میں آجاتے تھے، اور دو رکعتیں پڑھ کر مجلس میں بیٹھتے تھے، اس وقت لوگوں کو جو کچھ پوچھنا ہوتا پیش کرتے[۲]،

معاصرین کا اعتراف کمال، | اس عہد کے تمام بڑے بڑے علماء اور ارباب کمال قاسم کے کمالات علمی کے معترف تھے، یحییٰ بن سعید انصاری کہتے تھے کہ ہم نے مدینہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں پایا جس کو قاسم پر فضیلت دی جا سکے، ابوالزناد کہتے تھے کہ قاسم اپنے زمانہ کے سب سے بڑے جاننے والے تھے، ایوب سختیانی کہتے تھے کہ میں نے قاسم سے افضل آدمی نہیں دیکھا[۳]

علمی انکسار اور معاصرین کا احترام | اس علمی علوے مرتبت کے باوجود انہیں اپنی برتری کا مطلق احساس نہ تھا، وہ اپنے سے کم پایہ معاصرین کا اتنا لحاظ رکھتے تھے کہ کسی موقع پر بھی ان کی زبان سے کوئی کلمہ ایسا نہ نکلنے پاتا جس سے ان کے کسی معاصر کی خفیف سی سبکی کا بھی احتمال ہو سکتا ہو، اس احتیاط کی وجہ سے وہ بعض مواقع پر عجب نازک صورتِ حال میں پھنس جاتے تھے، ایک مرتبہ ایک اعرابی نے ان سے سوال کیا آپ بڑے عالم ہیں یا سالم، اس سوال کے جواب دینے میں بڑی کشمکش پیش آئی، اگر اظہار واقعہ کرتے تھے تو اپنی زبان سے اپنی تعریف ہوتی تھی اور اگر سالم کو کہتے تھے تو جھوٹ ہوتا تھا، اس لئے پہلے تو انھوں نے سبحان اللہ کہکر ٹالا، لیکن جب اعرابی نے دوبارہ پوچھا تو آپ نے کہا سالم موجود ہیں ان سے جاکر پوچھ لو[۴]

[۱] ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۹، [۲] ایضاً ص ۱۴۱، [۳] تذکرة الحفاظ ج اول ص ۸۵، [۴] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۳۴،

فضائل اخلاق، | قاسم میں جس پایہ کا علم تھا اسی درجہ کا عمل بھی تھا، اون کی ذات جملہ فضائل اخلاق کی جامع تھی، وہ اپنے جد بزرگوار حضرت ابوبکرؓ کا مثنیٰ تھے، زبیر کہتے تھے کہ ابوبکر کی اولاد میں میں نے اس نوجوان (قاسم) سے زیادہ ان سے مشابہ کسی کو نہیں پایا[1]،

عمر بن عبدالعزیز ان کے علمی اور اخلاقی کمالات کے اتنے معترف تھے کہ فرماتے تھے کاش خلافت قاسم کے لئے ہوتی، ایک دوسری روایت میں ہے کہ اگر خلافت کا فیصلہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں قاسم کو خلیفہ بنا دیتا[2]، عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ ان کے تعلقات بڑے دوستانہ اور بے تکلفانہ تھے، قاسم بہت کم گو، کم سخن اور خاموش طبیعت تھے، جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو اہل مدینہ نے کہا اب کنواری (قاسم) بولے گی[3]،

زہد و ورع، | زہد و ورع کے اعتبار سے وہ ممتاز ترین تابعین میں تھے، علامہ ابن سعد انکو ورع عجلی خیار تابعین میں اور رجل صالح لکھتے ہیں، ابن حبان ان کو سادات تابعین میں اور افضل زمانہ میں شمار کرتے ہیں[4]،

عالم پیری میں بھی رمی جمار کے لئے پاپیادہ جاتے تھے، ربیعہ بن ابی عبدالرحمن کا بیان ہے کہ قاسم جب زیادہ ضعیف ہو گئے تھے، اس وقت وہ اپنی اقامت گاہ سے منیٰ تک سواری پر آتے، پھر یہاں سے جمار تک پاپیادہ جاتے تھے، رمی کرنے کے بعد مسجد تک پیدل واپس آتے تھے، پھر یہاں سے سوار ہو کر گھر واپس جاتے[5]،

دولت سے بے نیازی، | دولت دنیا سے وہ اتنے بے نیاز تھے کہ اس کے لئے کسی عزیز کا بھی احسان لینا گوارا نہ کرتے تھے، سلیمان بن قتہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن عبیداللہ نے

[1] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۳۴، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۵ [3] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۳۵
[4] ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۱ [5] تہذیب ج ۸ ص ۳۳۵، و تہذیب الاسماء ج اول ص ۵۵،

عبید اللہ بن عمرؓ اور قاسم بن محمد کے پاس میرے ہاتھ ایک ہزار دینار بھیجے ابن عمرؓ نے لیا اور شکریہ ادا کیا کہ عمر بن عبید نے صلہ رحم سے کام لیا، اس وقت مجھ کو اس کی ضرورت تھی"، لیکن قاسم نے قبول کرنے سے انکار کر دیا، ان کی بیوی کو معلوم ہوا تو انھوں نے کہا کہ عمر بن عبید اللہ کے ساتھ ہم دونوں کا رشتہ برابر کا ہے، اگر قاسم ان کے چچیرے بھائی ہیں تو میں ان کی پھوپھیری بہن ہوں اُن کے اس کہنے پر میں نے ان کو روپیہ دیدیا۔[1]

اعتراف حق، | حق پرست ایسے تھے کہ اپنے باپ کی غلطی کو بھی غلطی سمجھتے تھے، اور اسکی آمرزش کے لئے وہ خدا سے دعائے مغفرت کرتے تھے، یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ان کے والد محمد بن ابی بکرؓ حضرت عثمانؓ کے شدید ترین مخالفین میں تھے، اور باغیوں کے ساتھ کاشانۂ خلافت میں گھس گئے تھے، قاسم ان کی اس غلطی کو مانتے تھے، اور ان کے لئے سجدہ میں بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتے تھے، کہ خدایا عثمانؓ کے معاملہ میں میرے والد کے گناہ بخشدے۔[2]

وفات، | باختلاف روایت ۱۰۱ھ یا ۱۰۸ھ میں انتقال کیا، مرض الموت میں کاتب کو بلا کر وصیت لکھنے کو کہا، اس نے بغیر بتائے ہوئے لکھدیا کہ قاسم بن محمد وصیت کرتے ہیں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں" قاسم نے سنا تو کہا کہ اگر آج کے دن سے پہلے ہم نے اس کی شہادت نہیں دی تو کتنے بد قسمت ہیں، کفن کے متعلق وصیت کی کہ میں جن کپڑوں میں نماز پڑھتا ہوں اسی میں کفنایا جاؤں، اس میں قمیص ازار اور چادر وغیرہ کفن کے تمام کپڑے ہیں، آپ کے صاحبزادے نے کہا کیا آپ اور دو نئے کپڑے پسند نہیں کرتے فرمایا ابو بکرؓ بھی تین کپڑوں میں کفنائے گئے تھے، مُردوں کے مقابلہ میں زندوں کو نئے کپڑوں کی زیادہ ضرورت ہے، ان وصایا کے بعد قدیہ میں انتقال کیا اور اس سے تین میل کے فاصلہ پر

---

[1] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۴۱، [2] ابن خلکان ج اول صفحہ ۴۱۸،

مقام مشلل میں سپرد خاک کر گئے، انتقال کے وقت ستر یا بہتر سال کی عمر تھی،[1]

ترکہ | وفات کے وقت ایک لاکھ نقد چھوڑا، جس میں ناجائز آمدنی کا ایک حبہ بھی نہ تھا،[2]

حلیہ و لباس | آخر عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے، سر اور داڑھی میں حنا کا خضاب کرتے تھے، چاندی کی انگوٹھی پہنتے تھے، جس پر ان کا نام کندہ تھا، لباس نفیس اور خوش رنگ استعمال کرتے تھے، جبہ، عمامہ اور ردا وغیرہ سارے کپڑے عموماً خز کے ہوتے تھے، خز کے علاوہ اور قیمتی کپڑے بھی استعمال کرتے تھے، چادر بوٹے دار اور رنگین ہوتی تھی، عمامہ سپید ہوتا تھا، زعفرانی رنگ زیادہ پسند خاطر تھا، کبھی کبھی سبز بھی استعمال کرتے تھے،

۷۶ قبیصہ بن ذویب

نام و نسب | قبیصہ نام، ابو اسحٰق کنیت، نسب نامہ یہ ہے، قبیصہ بن ذویب بن حلحلہ بن عمرو ابن کلیب بن حرام بن عبد اللہ بن قمیر بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو خزاعی،

پیدائش | فتح مکہ کے سال پیدا ہوئے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ ہجرت کے سال ولادت ہوئی، لیکن پہلی روایت زیادہ مشہور ہے،[3]

عبد الملک کا عہد | شروع میں مدینہ میں رہتے تھے، پھر شام میں سکونت اختیار کر لی تھی، عبد الملک کے زمانہ میں ان کو بڑا عروج حاصل ہوا، خاتم برداری اور بریدِ دو دو عہدے ان سے متعلق تھے، ممالک محروسہ سے جو خطوط اور خبریں موصول ہوتی تھیں ان کو پڑھکر عبد الملک کے سامنے پیش کرتے تھے،[4]

---

[1] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۴۳ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۵۹ [3] تہذیب الاسماء ج ۱ صفحہ ۵۶ [4] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۳۱

فضل وکمال قبیصہ مدتوں مدینہ میں رہے تھے ان کے زمانہ میں وہاں صحابہ کی بڑی جماعت موجود تھی اسکے فیض سے وہ محروم نہ رہے انکا شمار علمائے تابعین میں ہے، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ انکی توثیق اور علمی جلالت پر سب کا اتفاق ہے[1] بڑے بڑے ہمعصر علما ان کے علمی کمالات کے معترف تھے، مکحول شامی کہتے تھے کہ میں نے قبیصہ سے بڑا جاننے والا نہیں دیکھا[2] ابن شہاب زہری کہتے تھے کہ وہ اس امت کے علما میں تھے[3]،

حدیث، حدیث میں علامہ ابن سعد ثقہ مامون اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں[4]،

حدیث میں انھوں نے بلالؓ، عثمان بن عفانؓ، حذیفہ بن یمانؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، زید بن ثابتؓ، عبادہ بن صامتؓ، عمرو بن العاصؓ، محمد بن سلمہؓ، تمیم داریؓ، ابو درداء انصاریؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، ابو ہریرہؓ، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور ام سلمہؓ وغیرہ سے استفادہ کیا تھا ان سے استفادہ کرنے والوں میں، امام زہری، رجاء بن حیوۃ، عبداللہ بن ابی مریم، مکحول اور ابو قلابہ جرمی وغیرہ لائق ذکر ہیں[5]،

فقہ، فقہ میں بھی درک رکھتے تھے، ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ مدینہ کے فقہا اور صالحین میں تھے[6] ابو الزناد انھیں فقہاء میں شمار کرتے تھے[7] زید بن ثابتؓ کے فیصلوں کے بڑے عالم تھے شعبی کا بیان ہے کہ وہ زید بن ثابتؓ کے فیصلوں کے سب سے بڑے عالم تھے[7]،

وفات ابن سعد کے بیان کے مطابق سنہ ۸۶ھ میں وفات پائی[8]،

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ص ۵۷، [2] ایضاً، [3] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۴۶،
[4] ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۱، [5] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۴۷، [6] ایضاً ص ۳۴۷، [7] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۲، [8] ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۱،

۵۷- قتادہ بن دعامہ سدوسی

نام ونسب قتادہ نام، ابو الخطاب کنیت، نسب نامہ یہ ہے، قتادہ بن دعامہ بن قتادہ بن عزیز بن عمرو بن ربیعہ بن عمرو بن حارث بن سدوس سدوسی،

قتادہ علمی اعتبار سے اجلۂ تابعین میں تھے،

پیدائش ۶۱ھ میں پیدا ہوئے[1]

ذوق علم قتادہ کو علم کے ساتھ فطری مناسبت تھی، حصول علوم کا ذوق بچپن سے لیکر بڑھاپے تک یکساں قائم رہا، مطر الوراق کا بیان ہے کہ قتادہ مرتے دم تک طالب العلم رہے[2]

قوت حافظہ اس ذوق و شوق کے ساتھ، انھوں نے حافظہ نہایت قوی پایا تھا، ایک مرتبہ جو چیز سن لیتے تھے، وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتی تھی، انھوں نے ایک مرتبہ حدیث سننے کے بعد کبھی کسی محدث سے دوبارہ اس کو سننے کی خواہش نہیں کی، ایک مرتبہ جو بات کانوں میں پڑ گئی وہ ہمیشہ کے لئے قلب کے خزانہ میں محفوظ ہو گئی[3]، ان کے حافظہ کے نہایت حیرت انگیز واقعات کتابوں میں مذکور ہیں ان میں سے ایک واقعہ لائق ذکر ہے، عمران بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ قتادہ ایک مرتبہ سعید بن مسیب کے پاس آئے، اور چند دنوں قیام کر کے ان سے دل کھول کر اچھی طرح حدیثیں پوچھیں، اور بکثرت سوالات کرتے رہے، ایک دن ابن مسیب نے ان سے پوچھا کہ تم نے جو باتیں مجھ سے پوچھی ہیں کیا وہ سب تم کو یاد ہیں؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا، اور پوچھے ہوئے مسائل کو دہرانا شروع کیا کہ میں نے

[1] تہذیب التہذیب ج ۸ صفہ ۳۵۱ [2] ایضاً ص ۳۵۳ [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۹

آپ سے یہ پوچھا تھا، آپ نے یہ جواب دیا تھا، میں نے یہ سوال کیا تھا، آپ نے یہ بتایا تھا، اور حسن بصری نے یہ جواب دیا تھا، اس طریقہ سے انھوں نے اُن حدیثوں کا بیشتر حصہ جو ان سے سنا تھا دہرا دیا، ابن مسیب کو اس قوتِ حافظہ پر سخت حیرت ہوئی، فرمایا میں نہیں گمان کر سکتا تھا کہ خدا نے تمہارا جیسا شخص بھی پیدا کیا ہے[1]

فضل و کمال اس ذوق و شوق تلاش و جستجو اور قوتِ حافظہ نے ان کو قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، زبان، لغت، ایام عرب، اور نسب وغیرہ اس عہد کے جملہ مذہبی اور غیر مذہبی علوم کا دریا بنا دیا تھا[2] علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت شان اور فضیلت علمی پر سب کا اتفاق ہے

قرآن قرآن کے حافظ تھے، اور نہایت اچھا یاد تھا، بڑی بڑی سورتوں میں ایک لفظ کی بھی غلطی نہ ہوتی تھی، معمر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ قتادہ نے سعید بن ابی عروبہ کو قرآن دیکر انھیں سورۂ بقرہ سنائی، اور اس میں ایک حرف کی غلطی نہیں کی، سنانے کے بعد ان سے پوچھا کیوں میں نے ٹھیک یاد کیا ہے، انھوں نے کہا ہاں[3]

تفسیر تفسیر قرآن کے وہ بہت بڑے عالم تھے، آیات قرآنی کی تفسیر و تاویل میں ان کی نظر نہایت وسیع تھی، وہ خود کہتے تھے کہ قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق میں نے کچھ نہ کچھ نہ سنا ہو[4] امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ قتادہ تفسیر کے بڑے عالم تھے[5] ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ قرآن کے سب سے بڑے جاننے والے تھے[6] ابن ناصر الدین ان کو مفسر الکتاب کہتے ہیں[7]

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۳، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۰ و ص ۱۱، [3] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۶، [5] ایضاً، [6] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۵۵، [7] شذرات الذہب ج اول ص ۱۵۳،

حدیث قتادہ کا اصل فن حدیث تھا، اس میں وہ نہایت بلند پایہ رکھتے تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ حدیث میں وہ ثقہ، مامون اور حجت تھے[1] حافظ ذہبی انھیں حافظ علامہ کے نام سے یاد کرتے ہیں[2]، ان کے زمانہ میں کوئی شخص ان کا مقابل نہ تھا عراق کے وہ سب سے بڑے حافظ حدیث مانے جاتے تھے، ابن مسیب کہتے تھے، کہ ہمارے یہاں قتادہ سے بڑا عراق کا کوئی حافظ نہیں آیا، سفیان کہتے تھے کہ دنیا میں قتادہ کا مثل نہ تھا، بکر بن عبد اللہ کہتے تھے کہ جو شخص سب سے بڑے حافظ اور ایسے شخص کو دیکھنا چاہے جو حدیث کو بعینہٖ اسی طرح جس طرح اس نے سنا ہے روایت کرتا ہے تو اسے قتادہ کو دیکھنا چاہئے، عبد الرحمن بن مہدی کہتے تھے کہ قتادہ حمید کے جیسے پچاس آدمیوں سے زیادہ بڑے حافظ ہیں[3]، امام احمد بن حنبل فرماتے تھے، کہ قتادہ باشندگان بصرہ میں سب سے بڑے حافظ تھے، جو چیز بھی سنتے تھے اس کو یاد کر لیتے تھے، ایک مرتبہ ان کے سامنے جابر کا صحیفہ پڑھا گیا ایک ہی مرتبہ سن کر اس کو یاد کر لیا[4]، ابن حبان ان کو ان کے عہد کا سب سے بڑا حافظ حدیث شمار کرتے ہیں، سلیمان تیمی اور ایوب سختیانی جیسے محدثین ان کی احادیث کے محتاج تھے، اور ان سے پوچھا کرتے تھے[5]،

شیوخ قتادہ کے اصل شیخ حسن بصری تھے زیادہ تر وہ انہی کے سرچشمۂ فیض سے سیراب ہوئے تھے، بارہ سال تک ان کی خدمت میں رہے، خود ان کا بیان ہے کہ میں بارہ برس تک حسن بصری کی خدمت میں بیٹھا اور تین برس تک نماز فجر ان کے ساتھ پڑھی، میرے جیسے شخص نے انکے جیسے شخص سے علم حاصل کیا[6]، حسن بصری کے سب سے ممتاز تلامذہ میں تھے، ابو حاتم کہتے تھے کہ حسن کے سب سے بڑے اصحاب میں قتادہ تھے[7]،

[1] ابن سعد ج ۷، ق ۲ صدا، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۵، [3] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۵۸ و ص ۵۹، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۶، [5] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۵۵، [6] ابن سعد ج ۷، ق ۲ [7] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۵۸،

حسن بصری کے علاوہ اس عہد کے تمام ممتاز محدثین، انس بن مالکؓ، ابوسعید خدریؓ، عمران بن حصین، سعید بن مسیب، عکرمہ، ابوبردہ بن ابی موسیٰ، شعبی، عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، مطرف بن عبداللہ بن شخیر وغیرہ صحابہ اور تابعین کی ایک کثیر جماعت سے سماع حدیث کیا تھا[۱]

ان کا یہ خاص کمال تھا کہ جس محدث کے پاس پہنچ جاتے تھے، چند ہی دنوں میں اس کا سارا علم پی لیتے تھے، ایک مرتبہ سعید بن مسیب کے پاس جاکر چند دنوں کے لئے قیام کیا اور ان سے اس قدر سوالات کئے کہ انھوں نے آٹھ ہی دن کے اندر گھبراکر ان سے کہا کہ اب جاؤ تم نے میرا سارا علم خالی کرلیا[۲]

تلامذہ، ان کے کمالات کی وجہ سے ان کی ذات مرجع خلائق بن گئی تھی، سینکڑوں تشنگان علم ان کے حلقۂ درس سے سیراب ہوئے، ان کی فہرست نہایت طویل ہے، بعض قابل ذکر نام یہ ہیں، ایوب سختیانی، سلیمان تیمی، جریر بن حازم، شعبہ، مسعر، ابوہلال راسبی، مطرالوراق ہمام بن یحییٰ، عمرو بن حارث المصری، شیبان نحوی، سلام بن ابی المطیع، سعید بن ابی عروبہ ابان بن یزید العطار، حصین بن ذکوان، حماد بن سلمہ، اوزاعی، عمرو بن ابراہیم عبدی اور عمران القطان وغیرہ[۳]

فقہ، فقہ میں بھی امتیازی پایہ رکھتے تھے، ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ قرآن اور فقہ کے بڑے علماء میں تھے[۴] امام احمد بن حنبل ان کے تفسیر وحدیث کے کمال کے ساتھ ان کے فقہی کمال کے بھی معترف تھے[۵] بصرہ کی جماعت افتاء کے ایک معزز رکن تھے[۶]

---

[۱] تفصیل کے لئے دیکھو تہذیب التہذیب ج ۸ ص۳۵۱ و ص۳۵۲، [۲] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص۲
[۳] تہذیب التہذیب ج ۸ ص۳۵۲، [۴] ایضاً ص۳۵۵، [۵] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۱۹،
[۶] اعلام الموقعین ج اول ص۲۶،

رائے سے احتراز، ان کمالات کے باوجود فتوی دینے میں بڑے محتاط تھے، جو مسئلہ نہ معلوم ہوتا نہایت صفائی کیساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کردیتے، اپنی رائے سے کبھی جواب نہ دیتے، ابوہلال کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ قتادہ سے ایک مسئلہ پوچھا، انھوں نے کہا میں نہیں جانتا میں نے کہا اپنی رائے بتادیجئے جواب دیا کہ "میں نے چالیس سال سے اپنی رائے سے کوئی جواب نہیں دیا ہے"[1]

جامعیت، "قتادہ کی جیسی جامعیت کم تابعین میں تھی، وہ تنہا مذہبی عالم نہ تھے بلکہ مذہبی علوم کے ساتھ وہ اس عہد کے دوسرے مروجہ فنون مثلاً عربی، لغت، ایام عرب اور نسابی کے بھی بڑے ماہر تھے[2]، ابوعمر کا بیان ہے، کہ وہ بڑے نساب تھے، ابوعبیدہ کا بیان ہے کہ بنی امیہ کے پاس سے روزانہ کوئی نہ کوئی آدمی قتادہ کے پاس خبر، نسب یا شعر کے متعلق کچھ نہ کچھ پوچھنے کے لئے آتا تھا[3]، ابن ناصر الدین ان الفاظ میں ان کی جامعیت پر تبصرہ کرتے ہیں،

ابوالخطاب الضریرا لاکمہ مفسر الکتاب آیۃ فی الحفظ اماماً فی النسب راساً فی العربیۃ واللغۃ وایام العرب[4]

وفات، باختلاف روایت ۱۱۷ھ یا ۱۱۸ھ میں وفات پائی،[5]

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۶، [3] شذرات الذہب ج اول ص ۱۵۳، [4] ایضاً، [5] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۲ و ص ۳،

۵۸- کعب احبار

نام ونسب، کعب نام ابو اسحٰق کنیت، نسباً یمن کے مشہور حمیری خاندان کی شاخ آلِ ذی رُعین سے تھے، نسب نامہ یہ ہے کعب بن مانع بن ہینوع بن قیس بن معن بن جشم بن عبد شمس بن وائل بن عوف بن جمہر بن عوف بن زہیر بن ایمن بن حمیر بن سبا حمیری۔

اسلام اور ورود مدینہ۔ کعب مشہور تابعی ہیں، قبولِ اسلام سے پہلے وہ یہود کے بڑے جید علماء میں تھے، عہد رسالت میں وہ موجود تھے، لیکن بروایت صحیح اس زمانہ میں وہ اسلام کی سعادت سے محروم رہے، ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے، کہ اسی عہد میں وہ مشرف باسلام ہو گئے تھے، بروایت کعب ارشاطی کا بیان ہے، کہ حضرت علیؓ جب یمن آئے تو میں نے ان کے پاس جاکر رسول اللہ صلعم کے اوصاف پوچھے، انھوں نے بتائے میں سنکر مسکرایا، علیؓ نے مجھ سے مسکرانے کا سبب پوچھا میں نے کہا ہمارے یہاں (نبی آخر الزماں کے) جو علامات بتائے گئے ہیں، (رسول اللہ صلعم کے ساتھ) اس کی مطابقت پر مسکرایا، یہ سننے کے بعد میں مسلمان ہو گیا، اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگا، لیکن قیام یمن ہی میں رہا، عمرؓ کے عہد میں ہجرت کر کے مدینہ گیا، کاش میں نے اس سے پہلے ہجرت کی ہوتی[1] ایک روایت یہ ہے کہ وہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں اسلام کے شرف سے مشرف ہو گئے[2] لیکن دونوں روایتیں نہایت کمزور ہیں، اس باب میں صحیح ترین روایت وہ ہے، جو ابن سعد میں کعب کے حلیف حضرت عباسؓ سے مروی ہیں، جس سے خود کعب کی زبان سے

---

[1] اصابہ ج ۵ ص ۳۲۲، [2] ایضاً،

عہد فاروقی میں ان کا اسلام لانا ثابت ہوتا ہے، سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ عباس نے کعب کے اسلام کے بعد ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلعم اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں قبول اسلام سے تمھارے لئے کیا چیز مانع تھی کہ تم اب عمرؓ کے زمانہ میں اسلام لائے، انھوں نے جواب دیا کہ میرے والد نے مجھ کو توراۃ سے ایک تحریر لکھ کر دی تھی، اور ہدایت کر دی تھی کہ اس پر عمل کرنا، اور اپنی جملہ مذہبی کتابوں پر مہر لگا کر حق ابوت کا واسطہ دلا کر مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ مہر کو کبھی نہ توڑنا، اسی لئے میں نے ان کو نہیں توڑا اور والد جو تحریر دے گئے تھے، اس کے مطابق عمل کرتا رہا، جب اسلام کی اشاعت اور اس کا غلبہ ہونے لگا، اور کسی قسم کا خوف باقی نہیں رہ گیا، اس وقت میں نے دل میں خیال کیا کہ معلوم ہوتا ہے مجھ سے والد نے کچھ علم چھپایا ہے، مجھے ان کتابوں کو کھول کر دیکھنا چاہئے، چنانچہ میں نے مہر توڑ کر کتابیں پڑھیں تو ان میں محمد (صلعم) اور ان کی امت کے اوصاف نظر آئے، اس وقت مجھ پر اصل حقیقت روشن ہوئی، اس لئے اب آکر میں مسلمان ہوا،[۱] قبول اسلام کے بعد وہ آنحضرت صلعم کے چچا حضرت عباسؓ کے حلیف بن گئے تھے،

فضل وکمال کعب یہود کے بڑے ممتاز اور نامور علماء میں تھے، یہودی مذہب کے متعلق ان کے معلومات نہایت وسیع تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علم کا ظرف اور اہل کتاب کے علمائے کبار میں تھے،[۲] امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کے وفور علم اور توثیق پر سب کا اتفاق ہے، وہ اپنی وسعت علم کی وجہ سے "کعب الاحبار" اور "کعب الحبر" کہے جاتے تھے، ان کے مناقب بکثرت ہیں، اور ان کے اقوال وحکم بہت مشہور ہیں،[۳] اکابر صحابہ ان کی وسعت نظر کے معترف

---

[۱] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱۵۶، [۲] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۵، [۳] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۶۹،

تھے، حضرت ابو درداء انصاریؓ جن کا حمص میں کعب کا بڑا ساتھ رہا تھا، فرماتے تھے کہ ابن حمیریہ کے پاس بڑا علم ہے[1]، امیر معاویہ کہتے تھے کہ ابو درداء حکماء میں ہیں اور کعب علماء میں، ان کے پاس سمندر جیسا بے تھاہ علم تھا[2]۔

چونکہ ایک مذہب کے وہ ایک بڑے عالم تھے، اس لئے اسلامی علوم کے ساتھ بھی انھیں خاص مناسبت تھی، انھوں نے کتاب و سنت کی تعلیم صحابہ سے مدینہ میں حاصل کی تھی، اور صحابہ نے ان سے اہل کتاب کے علوم سیکھے تھے[3]۔

کتاب و سنت میں انھوں نے حضرت عمرؓ، صہیبؓ اور حضرت عائشہؓ سے استفادہ کیا تھا[4] اور اسرائیلیات میں صحابہ میں ابوہریرہؓ، معاویہؓ، ابن عباسؓ، اور تابعین میں مالک بن ابی عامر اصبحی، عطاء بن ابی رباح، عبداللہ بن رباح انصاری، عبداللہ بن حمزہ سلولی، ابو رافع صائغ، عبدالرحمن بن شعیب ایک کثیر جماعت ان سے فیضیاب ہوئی تھی[5]۔

علم و علماء اور زوال علم ایک مرتبہ عبداللہ بن سلام نے ان سے پوچھا کہ کعب علماء کون لوگ ہیں، جواب دیا جو علم جانتے ہیں، ابن سلام نے پوچھا کون سی شے علماء کے دلوں سے علم زائل کردے گی، فرمایا، طمع، حرص اور لوگوں کے سامنے اپنی حاجت پیش کرنا، عبداللہ بن سلام نے کہا تم نے سچ کہا[6]۔

شام کا قیام کعب کا آبائی مذہب یہودی تھا، اس لئے پہلے سے ان کو ارض شام کے ساتھ دلی لگاؤ تھا، اسلام کے نزدیک بھی یہ سرزمین مقدس و محترم ہے، اس لئے چند دنوں مدینہ میں قیام کرنے کے بعد کعب شام چلے گئے تھے، اور حمص میں سکونت اختیار کرلی تھی[7]۔

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ صفحہ ۱۵۶، [2] اصابہ ج ۵ صفحہ ۳۲۳، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۴۹، [4] تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۴۳۸، [5] اصابہ ج ۵ صفحہ ۳۲۴، [6] ابن سعد ج ۷ ق ۲ صفحہ ۱۵۶،

مواعظ۔ شام کے زمانہ قیام میں ان کا مشغلہ زیادہ تر اسرائیلی قصص کے مواعظ تھے، ایکمرتبہ عوف بن مالک نے دوران وعظ میں ان سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ امیر مامور اور مکلف کے علاوہ لوگوں کے سامنے اور کسی کو مواعظ وقصص نہ بیان کرنے چاہئیں، یہ سن کر کعب نے چھوڑ دیا لیکن پھر امیر کے حکم سے کہنے لگے[1]

اسلامی روایات میں اسرائیلیات کا شمول۔ کعب کی علمی جلالت میں کوئی شک نہیں، وہ یہودی مذہب کے بڑے نامور عالم تھے لیکن خود یہودیوں کا سرمایہ علم زیادہ تر قصص وحکایات تھیں، اس لئے کعب کا سرمایہ معلومات بھی اسی پر مشتمل تھا، اس سے ایک نقصان یہ ہوا کہ بہت سی بے سروپا اسرائیلی روایات اسلامی لٹریچر میں بھی سرایت کر گئیں، اسی بنا پر بعض ائمہ کعب کی روایات ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں،

وفات۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت ۳۲ھ میں شام میں وفات پائی[2]

۵۹۔ کعب بن سور

نام ونسب۔ کعب نام، نسب نامہ یہ ہے، کعب بن سور بن بکر بن عبد بن ثعلبہ بن سلیم ابن ذہل بن لقیط بن حارث بن مالک بن فہم بن غنم بن اوس بن عدنان بن عبداللہ بن زہران بن کعب بن حارث بن کعب بن عبداللہ بن مالک بن نصر،

قضائے بصرہ۔ کعب سے کوئی حدیث نہیں مروی ہے، اس لئے ارباب رجال نے انکے حالات نہیں لکھے ہیں، لیکن وہ ایک ممتاز تابعی ہیں حضرت عمرؓ کے ہم صحبت وہم جلیس تھے، نہایت

---

[1] اصابہ ج ۵ ص ۳۲۳، [2] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱۵۶،

ذہین اور طباع تھے ان کی ذہانت اور طباعی کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے ان کو عہدۂ قضا پر ممتاز کیا تھا،

ان کے تقرر کا واقعہ یہ ہے کہ کعب ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت آپ کے پاس آئی اور کہا کہ میں آپ کے پاس دنیا کے ایک بہترین آدمی کی شکایت لے کر آئی ہوں، کوئی آدمی عمل میں اس پر سبقت نہیں لیجا سکتا، اور اس کے جیسا عمل نہیں کر سکتا، وہ قیام لیل میں صبح کر دیتا ہے، روزے میں سارا دن گذار دیتا ہے اتنا کہنے کے بعد اس عورت کو شرم دامنگیر ہوئی، اور اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکی، کہ امیر المومنین مجھے معاف فرمائیے، آپ نے فرمایا، خدا تم کو جزائے خیر دے، تم نے اچھی تعریف کی، میں نے تم کو معاف کیا، اس کے بعد وہ عورت چلی گئی، اس کے واپس جانے کے بعد کعب نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ امیر المومنین اس عورت نے آپکے سامنے نہایت بلیغ پیرایہ میں شکایت پیش کی ہے، فرمایا کیسی شکایت، کعب نے کہا اپنے شوہر کی (یعنی وہ رات دن عبادت میں مشغول رہتا ہے، اور اس کی طرف ملتفت نہیں ہوتا) یہ سن کر حضرت عمرؓ نے عورت کو بلوا کر کعب سے کہا تم دونوں کا فیصلہ کر دو، کعب نے عرض کیا آپ کی موجودگی میں میں فیصلہ کروں، فرمایا جس چیز کو تم نے سمجھ لیا میں نہ سمجھ سکا، اس کا فیصلہ بھی تم ہی کو کرنا چاہیئے، چنانچہ کعب نے کلام پاک کی اس آیت

فانکحوا ما طاب لکم من النساء — تم کو جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح

مثنیٰ وثلث ورباع — کرو دو، تین اور چار تک،

سے اس استدلال پر کہ جب قرآن میں چار بیویوں کی اجازت ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہر چار شبانہ یوم میں ایک شبانہ یوم ہر بیوی کا حق ہوا تو تنہا ایک بیوی کا کم سے کم یہی حق ہوگا

اس عورت کے شوہر کو تین دن روزہ رکھنے اور ایک دن بیوی کیلئے افطار کرنے اور تین رات عبادت کرنے اور ایک رات بیوی کے پاس رہنے کا حکم دیا،

حضرت عمرؓ یہ استدلال سن کر پھڑک گئے، اور فرمایا کہ یہ (استدلال) میرے لئے پہلے (ذہانت) سے بھی زیادہ تعجب انگیز ہے، چنانچہ اسی وقت ان کو بصرہ کا قاضی بنا کر بھیجدیا[1]،

فتنہ سے اجتناب | کعب بصرہ جانے کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ میں اختلافات رونما ہوئے، اور حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ سے مقابلہ کی تیاریوں کے لئے طلحہؓ اور زبیرؓ کے ساتھ بصرہ آئیں، تو کعب اس خانہ جنگی سے اپنے کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک گھر میں خلوت نشین ہوگئے اور کھانے پینے کا سامان لینے کے لئے اس میں ایک سوراخ بنالیا، لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ اگر کعب آپ کے ساتھ ہوجائیں تو پورا قبیلہ ازد آپ کے ساتھ ہوجائیگا، اس تحریک پر آپ کعب کے پاس تشریف لے گئیں، اور باہر سے پکار کر کعب سے گفتگو کرنی چاہی، اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا، آخر میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کعب کیا میں تمہاری ماں نہیں ہوں اور تم پر میرا حق نہیں ہے، یہ سن کر کعب جواب دینے پر مجبور ہوگئے، اور حضرت عائشہؓ سے گفتگو کی، اونھوں نے فرمایا میں چاہتی ہوں کہ تم لوگوں کو سمجھا کر اصلاح کی کوشش کرو، یہ ایک ایسا حکم تھا جس کی تعمیل میں کعب کے لئے کوئی عذر نہ ہوسکتا تھا، چنانچہ وہ قرآن لے کر لوگوں کو سمجھانے کے لئے نکلے، اور جب دونوں فوجیں بالمقابل ہوئیں تو وہ صفوں کے درمیان گھس کر قرآن کھول کر فریقین کو سمجھاتے تھے اور قرآن کی طرف بلاتے تھے،

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۶۵،

شہادت | لیکن یہ معاملہ افہام وتفہیم کے حدود سے بہت آگے بڑھ چکا تھا اس لئے انکی کوششیں بے کار ثابت ہوئیں، اور جنگ شروع ہو گئی، اور یہ اپنا فرض ادا کرتے ہوئے کسی شقی کے تیر سے ہلاک ہو گئے[1]

فضائل و اخلاق | ان کے حالات کتابوں میں بہت کم ہیں، صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑے نیک سیرت اور نیکوکار لوگوں میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ خیر اور صلاح میں مشہور تھے[2]

۶۰۔ مجاہد بن جبیرؒ

نام و نسب | مجاہد نام، ابوالحجاج کنیت، قیس بن مخزومی کے غلام تھے،

فضل و کمال | اگرچہ مجاہد غلام تھے، لیکن اقلیم علم کے فرماں روا تھے، علمی اعتبار سے وہ امام وقت تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان فقیھا عالما ثقۃ کثیر الحدیث[3]، حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ وہ علم کا ظرف تھے[4] امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت اور امامت پر سب کا اتفاق ہے[5] ان کو تفسیر حدیث اور فقہ جملہ علوم میں درجۂ امامت حاصل تھا،

قرأت و تفسیر | قرأت اور تفسیر کے اس عہد کے نہایت نامور عالم تھے، تفسیر انھوں نے حبر الامۃ ابن عباسؓ سے حاصل کی تھی، اور پورے تیس مرتبہ ان سے قرآن کا

[1] ابن سعد ج ۶ ق اول ص۶۵ و ص۶۶، [2] ایضاً ص۶۶، [3] ایضاً ج ۵ ص۳۴۴، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۸۰، [5] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص۸۳،

دورہ کیا تھا[1]، اور اس محنت اور تحقیق کے ساتھ کہ ہر ایک سورہ پر رک کر اس کا شانِ نزول اور اس کے جملہ متعلقات پوچھتے جاتے تھے[2]، ان کی اس محنت اور ابن عباس رضؓ جیسے مفسرِ قرآن کی تعلیم نے ان کو بہت بڑا مفسر بنا دیا، خصیف کا بیان ہے، کہ مجاہد تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے[3]، قتادہ کہتے تھے کہ اس وقت باقیات صالحات میں مجاہد تفسیر کے سب سے بڑے عالم ہیں[4]، قرآن کے قاری بھی تھے[5]،

حدیث | حدیث کے بھی وہ نہایت مشہور حافظ تھے، امام ذہبی ان کو مفسر اور حافظِ حدیث[6] ابن سعد کثیر الحدیث اور امام نووی امام حدیث لکھتے ہیں[7]، حبر الامہ عبداللہ بن عمرؓ ان کے حفظ کے اتنے معترف تھے کہ فرماتے تھے کہ کاش نافع کا حفظ بھی تمھاری طرح ہوتا[8]،

اکابر صحابہ میں انھوں نے حضرت علیؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، ابوسعید خدریؓ، ابوہریرہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، رافع بن خدیجؓ، عائشہ صدیقہؓ، جویریہ بنت حارثؓ، ام ہانیؓ اور تابعین میں عبدالرحمن بن ابی لیلی، طاؤس، عبداللہ بن سائب، عبداللہ بن سخبرہ، عبدالرحمن بن صفوان، عمر بن اسود، مورق العجلی، ابوعیاش الزرقی اور ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود وغیرہ سے استفادہ کیا تھا[1]،

ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی خاصہ وسیع تھا، ایوب سختیانی، عطار، عکرمہ ابن عون، عمرو بن دینار، ابواسحق سبیعی، ابوالزبیر مکی، قتادہ، حبیب بن ابی ثابت، حسن بن عمرو، سلمہ بن کہیل سلیمان الاحول، سلیمان الاعمش، مسلم البطین، طلحہ بن مصرف اور عبداللہ بن کثیر قاری

---

[1] ابن سعد ج ۵ صد ۳۴۴، [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ صد ۴۳، [3] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ صد ۸۳ [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول صد ۸۰، [5] تہذیب التہذیب ج ۱۰ صد ۴۴ [6] دیکھو کتب مذکور حالات مجاہد [7] شذرات الذہب ج اول صد ۱۲۵، [8] تہذیب التہذیب ج ۱۰ صد ۴۲،

وغیرہ لایق ذکر ہیں[1]،

فقہ | فقہ میں انھیں امامت و اجتہاد کا درجہ حاصل تھا[2] حافظ ذہبی، ابن حجر اور امام نووی سب ان کے تفقہ پر متفق اللسان ہیں انکے فقہی کمال کے لئے یہ سند کافی ہے کہ مخزن علوم مکہ کی جماعت افتاء کے ایک معزز رکن تھے[3]،

اخلاص فی العلم، | علم کا مقصد کسی نہ کسی دنیاوی منفعت سے کم خالی ہوتا ہے لیکن مجاہد کا دامن ان تمام آمیزشوں سے بالکل پاک تھا، مسلمہ بن کہیل کا بیان ہے، کہ عطار، طاؤس اور مجاہد کے علاوہ میں نے کسی کو نہیں پایا جس کا مقصد علم سے خالصۃً لوجہ اللہ رہا ہو[4]،

زہد و ورع | علم کے ساتھ ان میں زہد و ورع بھی اسی درجہ کا تھا، ابن حبان لکھتے ہیں کہ مجاہد فقیہ متورع اور عابد و زاہد تھے[5]

دنیا سے بے تعلقی، | وہ دنیا سے ہمیشہ بے تعلق اور بیگانہ رہے، اس سے ان کا دل اس قدر برداشتہ تھا، کہ کسی دنیاوی چیز سے دلچسپی نہ لیتے تھے، ہمیشہ مغموم رہا کرتے، اعمش کا بیان ہے کہ مجاہد کو جب ہم دیکھتے مغموم پاتے، ان سے کسی نے اس کا سبب پوچھا جواب دیا کہ عبد اللہ بن عباسؓ نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ رسول اللہ صلعم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ عبد اللہ دنیا میں اس طرح رہو کہ معلوم ہو مسافر یا راہ رو ہو[6]،

سادگی | وہ ظاہری زیب و زینت سے اتنے بے پرواہ تھے کہ ان میں اور ادنی درجہ کے آدمیوں میں امتیاز مشکل تھا، اعمش کا بیان ہے، کہ جب میں مجاہد کو دیکھتا تھا تو (ان کی ظاہری حالت سے) ان کو نہایت حقیر سمجھتا تھا، وہ اپنی ظاہری وضع سے سائیس معلوم ہوتے تھے جن کا

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ صـ ۴۳، [2] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ صـ ۸۳، [3] اعلام الموقعین ج اول صـ ۲۶، [4] تہذیب التہذیب ج ۱۰ صـ ۴۳ [5] ایضاً صـ ۴۴ [6] شذرات الذہب ج اول صـ ۱۲۵،

گدھا گم ہوگیا ہو، اور وہ حالت پریشانی میں اس کو تلاش کر رہا ہو[1] لیکن اس سے ان کی علمی عظمت میں کوئی فرق نہ آتا تھا، جب وہ بولتے تھے تو منہ سے موتی ٹپکتے تھے[2]، بڑے بڑے صحابہ ان کی عظمت و وقعت کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے بزرگ ان کی سواری کی رکاب تھام لیتے تھے[3]

سیر و سیاحت، مجاہد کو سیر و سیاحت اور عجائبات عالم دیکھنے کا بہت شوق تھا، انھوں نے اس پاس کے تمام عجائبات دیکھے تھے،[4]

وفات سنہ وفات کے بارہ میں روایات مختلف ہیں، باختلاف روایت سنہ۱۰۲ یا سنہ۱۰۳ میں وفات پائی، عین سجدہ کی حالت میں سفر آخرت کیا، وفات کے وقت ستر اسی سال کی عمر تھی،[5]

۶۱۔ محمد بن اسحاق

نام و نسب محمد نام، ابو عبداللہ کنیت، والد کا نام اسحٰق تھا، ان کے دادا یسار عین التمر کے قیدیوں میں تھے، اور غالباً اسی تعلق سے ابن اسحاق بھی غلامی کے سلسلہ میں منسلک تھے چنانچہ وہ قیس بن مخرمہ بن مطلب بن عبد مناف کے غلام تھے،

فضل و کمال علمی اعتبار سے ابن اسحٰق ممتاز تابعین میں تھے خصوصاً فن مغازی اور سیرت کے امام تھے،

حدیث میں ان کا پایہ، حدیث کے اکابر حفاظ میں تھے، اگرچہ امام مالک اور بعض دوسرے علماء

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول صہ۸۰، [2] ایضاً، [3] ایضاً، [4] ایضاً، [5] ابن سعد ج ۵ صہ۳۴۴،

نے ان پر جرح کی ہے، لیکن ایک دو کے علاوہ اور باقی تمام ائمہ اور ارباب کمال کا ان کے حفظ پر اتفاق ہے، ابوزرعہ عبدالرحمن بن عمرو النضری روایت کرتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق ایسے شخص ہیں جن سے اخذ حدیث میں تمام بڑے بڑے اہل علم سفیان ثوری، شعبہ، ابن عیینہ، حماد بن زید، حماد بن سلمہ، ابن مبارک اور ابراہیم بن سعد وغیرہ کا اتفاق ہے، اکابر میں یزید بن ابی حبیب نے ان سے روایت کی ہے، اہل حدیث نے ان کا امتحان لیا تو انھیں سچا اور خیر پایا[۱]۔

علماء کا اعتراف۔ شعبہ ان کو "امیر المومنین فی الحدیث" اور "امیر المحدثین" کہتے تھے، لوگوں نے پوچھا کیوں، جواب دیا انکے حفظ کی وجہ سے[۲] یزید بن ہارون کہتے تھے کہ اگر میرے ہاتھوں میں حکومت ہوتی تو محمد بن اسحٰق کو محدثین کا سردار بناتا[۳]، ابومعاویہ انھیں احفظ الناس اور یحیی بن معین انھیں ثقہ اور حسن الحدیث کہتے تھے[۴]، علی بن مدائنی کا بیان ہے، کہ رسول اللہ صلعم کی احادیث کا مدار چھ شخصوں پر تھا، پھر ان چھ آدمیوں کا علم بارہ میں منتقل ہو گیا تھا، ان میں ایک ابن اسحٰق تھے[۵]۔

امام زہری کا طرز عمل۔ خود ان کے استاد امام زہری کو ان کے علم پر اس قدر اعتماد تھا کہ فرماتے تھے، جب تک محمد بن اسحٰق موجود ہیں، اس وقت تک اہل مدینہ میں علم رہے گا[۶]، چنانچہ جب وہ مدینہ کے باہر جاتے تھے، تو ان کو اپنا قائم مقام بنا جاتے تھے، ایک مرتبہ وہ باہر جا رہے تھے، بعض شائقین علم نے بھی ساتھ جانا چاہا، زہری نے ان سے کہا کہ احول غلام (زہری) کو تم میں چھوڑے جاتا ہوں[۷]، ان کی یہ جانشینی زہری کے تلامذہ میں مسلم تھی، چنانچہ ان کے بعد لوگ ان کی روایات کی تصدیق کے لئے ابن اسحٰق کی طرف رجوع کرتے تھے[۸]۔

---

[۱] تاریخ خطیب بغدادی ج اول صفحہ ۲۲۴، [۲] ایضاً صفحہ ۲۲۸، [۳] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۱۵۶، [۴] تاریخ خطیب بغدادی ج اول صفحہ ۲۱۶ و ۲۲۰، [۵] ایضاً صفحہ ۲۱۹، [۶] ایضاً، [۷] ابن خلکان ج اول صفحہ ۴۸۴، [۸] ایضاً،

زہری انھیں اس قدر مانتے تھے کہ دربانوں کو خاص ہدایت دے رکھی تھی کہ ابن اسحٰق جس وقت بھی آئیں انھیں آنے دیا جائے، ایک مرتبہ ابن اسحٰق نے آنے میں معمول سے دیر کی زہری نے پوچھا کہاں تھے، اونھوں نے کہا حاجبوں اور دربانوں کی وجہ سے کوئی شخص آپ تک پہنچ بھی سکتا ہی، زہری نے اسی وقت دربان کو بلا کر حکم دیا کہ ابن اسحٰق جس وقت بھی آئیں، انھیں روکا نہ جائے[1]

مالک اور ہشام کی جرح اور اس کے اسباب، ان محامد اور کمالات کے ساتھ ابن اسحٰق پر امام مالک اور ہشام کی جرح بھی ملتی ہے، خصوصاً امام مالک کی رائے انکے بارہ میں زیادہ سخت تھی اور وہ ان کے متعلق نامناسب الفاظ تک استعمال کر جاتے تھے،

ہشام بھی انھیں لایق اعتماد نہ سمجھتے تھے، لیکن محدثین نے خود ان دونوں کی جرح کے اسباب بیان کر دیئے ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام مالک اتنے متشدد تھے، اور ان کا معیار اتنا بلند تھا کہ اگر کسی میں ادنیٰ خامی بھی ہوتی تھی، تو وہ اس کے متعلق سخت الفاظ استعمال کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے، خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ بعض علماء کا بیان ہے کہ امام مالک کے ہمعصر علماء نے ان لوگوں پر جو صلاح، تقویٰ، دینداری، ثقاہت اور امامت میں مشہور تھے، امام مالک کی درشتی زبان پر نکتہ چینی کی ہے[2]، دوسری وجہ یہ تھی کہ ابن اسحٰق خود امام مالک پر طعن کیا کرتے تھے، اور لوگوں سے کہتے تھے کہ "مالک کی حدیثیں مجھے سنایا کرو، میں ان کے امراض کا طبیب ہوں[3]" ایسی حالت میں اگر امام مالک نے ان کے متعلق درشت الفاظ استعمال کئے تو اس سے ابن اسحٰق کی ثقاہت مجروح نہیں ہو سکتی،

تیسرا سبب یہ ہے کہ ابن اسحٰق غزوات کی روایات قبول کرنے میں محتاط نہ تھے، اسلئے

---

[1] تاریخ خطیب بغدادی ج اول صفحہ ۲۱۹، [2] ایضاً صفحہ ۲۲۳، [3] ابن خلکان ج اول صفحہ ۴۸۳،

اس لیے امام مالک ان کے مغازی پر طعن کرتے تھے، ان کی احادیث کو اس جرح سے کوئی تعلق نہ تھا، ابن حبان لکھتے ہیں کہ مالک نے صرف ایک مرتبہ محمد بن اسحٰق کے بارہ میں کہا تھا، پھر ان کے رتبہ کے مطابق ان سے برتاؤ کرتے تھے، مالک انکی احادیث کی وجہ سے نہیں، بلکہ مغازی کی وجہ سے ان پر جرح کرتے تھے، کیونکہ ابن اسحٰق غزوۂ خیبر وغیرہ کے حالات یہودیوں کی نومسلم اولادوں سے سنتے تھے، جن کو وہ اپنے بزرگوں سے سن کر بیان کرتے تھے، گو ابن اسحٰق ان بیانات سے حجت نہیں لاتے تھے، لیکن امام مالک متقن کے علاوہ کسی دوسرے سے روایت لینا جائز ہی نہ سمجھتے تھے[1]

بعض علماء کا بیان ہے کہ مالک کی جرح مغازی کی بنا پر بھی نہ تھی بلکہ بعض عقائد کی بنا پر تھی، عبد الرحمٰن بن عمرو النصری کا بیان ہے کہ میں نے وحیم کے سامنے ابن اسحٰق کے بارے میں مالک کی جرح کا تذکرہ کیا تو انھوں نے کہا، یہ احادیث کی وجہ سے نہ تھی، بلکہ اس لئے تھی کہ امام مالک انھیں قدر کے عقیدے سے متہم سمجھتے تھے[2]

بہرحال ان تمام روایات سے اتنا معلوم ہوگیا کہ مالک کی جرح کا سبب ابن اسحٰق کی بے اعتباری اور ان کا ضعف نہ تھا بلکہ اس کے اسباب دوسرے تھے، اس لئے اس جرح سے ان کی مرویہ احادیث پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، اسی لئے امام مالک کے علاوہ اور ائمہ اور علماء ان کی روایات قبول کرتے تھے، خود امام احمد بن حنبل جو عقیدہ کے تشدد میں امام مالک سے کم نہ تھے، ابن اسحٰق کی روایات قبول کرتے تھے،

امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبد اللہ نے ایک شخص کے جواب میں جس نے ابن اسحٰق کے بارہ میں ان سے پوچھا تھا کہا کہ میرے والد ان کی روایات جانچ کر قبول کرتے تھے مسند میں

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۵، [2] تاریخ خطیب ج اول ص ۲۲۴،

لیتے تھے، لیکن سنن میں ان سے احتجاج نہیں کرتے تھے[1]،

امام مالک کے بعد ابن اسحٰق پر جرح کرنے والوں میں دوسرا نام ابن ہشام کا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ ہشام ان کو محض اس لیے لایق اعتماد نہ سمجھتے تھے کہ انھوں نے ان کی بیوی فاطمہ بنت منذر سے بعض روایتیں کی ہیں، ہشام کہتے تھے کہ انھوں نے میری بیوی سے جو ایک پردہ نشین خاتون تھیں اور جن پر نو سال کی عمر سے موت تک کسی مرد کی نظر نہیں پڑی، کیسے احادیث سنیں، لیکن جیسا کہ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ محض اس دلیل پر ابن اسحٰق کی روایات کو غلط کہنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ پردہ کے آڑ سے سن سکتے تھے، ابن حبان لکھتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق کے بارہ میں ہشام اور مالک دو آدمیوں نے کلام کیا ہے، لیکن ہشام کے قول سے کوئی انسان بھی مجروح نہیں ہو سکتا تابعین بغیر چہرے پر نظر ڈالے ہوئے حضرت عائشہؓ سے سنا کرتے تھے، اسی طریقہ سے ابن اسحٰق نے فاطمہ سے سنا ہوگا، درمیان میں پردہ حائل رہا ہوگا[2]،

شیوخ ابن اسحٰق خاص شاگرد تو امام زہری کے تھے لیکن ان کے علاوہ بھی انھوں نے بہت سے شیوخ سے استفادہ کیا تھا، چنانچہ ان کے شیوخ میں عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمرو، معبد بن کعب بن مالک، محمد بن ابراہیم تیمی، قاسم بن محمد بن ابی بکر، محمد بن جعفر بن زبیر، عاصم بن عمرو بن قتادہ، عباس بن سہل بن سعد، ابن منکدر، مکحول، ابراہیم بن عقبہ، حمید الطویل، سالم ابی النضر، سعید مقبری، سعید بن ابی ہند، ابی الزناد، عبد الرحمٰن بن اسود نخعی، عطار بن ابی رباح، عکرمہ بن خالد، علار بن عبد الرحمٰن وغیرہ جیسے اکابر علماء تھے[3]،

تلامذہ خود ابن اسحٰق سے فیض اٹھانے والوں کی فہرست نہایت طویل ہے، ان میں بعض ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں، جریر بن حازم، عبد اللہ بن سعید، ابن عون، ابراہیم بن سعد، شعبہ، سفیان،

---

[1] تاریخ خطیب ج اول ص ۲۲۳، [2] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۵، [3] ایضاً ص ۳۸،

زہیر بن معاویہ، ابن ادریس، ابو عوانہ، عبد الاعلیٰ، عبدہ بن سلیمان، جریر بن عبد الحمید، اور زیاد البکائی وغیرہ[1]؛

سیرت و مغازی، ابن اسحٰق کا اصل فن مغازی و سیرت تھا، اس کے وہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے امام تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں، کہ وہ مغازی اور سیرت کی معرفت میں جر تھے[2]، امام شافعی کہتے تھے کہ جو شخص مغازی میں تبحر حاصل کرنا چاہتا ہے وہ ابن اسحٰق کا دست نگر ہے[3]، خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ وہ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے اس علم کی طرف توجہ کی، اور اس کو اتنا بڑھایا کہ ان کے بعد پھر کوئی اس پر اضافہ نہ کر سکا، اور سلاطین اور امراء کی توجہ بے نتیجہ اور لایعنی قصص و حکایات سے تاریخ کی طرف پھیر دی، اس طرح انھوں نے سب سے پہلے تاریخ کا مذاق پیدا کیا، ابن عدی کا بیان ہے کہ اگر اس فضیلت کے علاوہ ابن اسحٰق میں اور کوئی فضیلت نہ ہوتی کہ انھوں نے سلاطین کا مذاق بدل کر ان کی توجہ اور مشغولیت لاحاصل کتابوں سے رسول اللہ صلعم کے مغازی، آپ کی سنت اور آغاز عالم کی تاریخ کی جانب پھیر دی، تو تنہا یہی کارنامہ اور واقفیت کا یہ فخر ہی ان کی فضیلت کے لئے کافی تھا، ان کے بعد بہت سے لوگوں نے اس فن پر کتابیں لکھیں لیکن کوئی ان کے درجہ کو نہ پہنچ سکا، خود امام زہری جن سے انھوں نے اس فن کو حاصل کیا، اس میں ان کی وسعتِ علم کے معترف تھے[5]؛

تاریخ اگرچہ مغازی اور سیرت تاریخ ہی کی ایک شاخ ہے لیکن اس کے علاوہ ابن اسحٰق تاریخ عام کے بھی عالم تھے خطیب لکھتے ہیں کہ وہ سیرت مغازی، ایام ناس، آغاز خلق اور قصص انبیاء کے عالم تھے[6]؛

---

[1] تہذیب التہذیب ج ٩ ص ٣٩، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ١٥٦، [3] تاریخ خطیب ج اول ص ٢١٩،
[4] تہذیب التہذیب ج ٩ ص ٤٢، [5] تاریخ خطیب ج اول ص ٢١٩، [6] ایضاً ص ٢١٥،

تصانیف | انھوں نے تاریخ اور سیرت پر متعدد مستقل تصانیف کی تھیں ابن ندیم لکھتے ہیں[۱]

من الکتب کتاب الخلفاء رواہ عنہ الاموی کتاب السیرۃ والمبتداء والمغازی

ان کی سب سے مشہور اور قدیم ترین کتاب سیرت ابن اسحٰق ہے، یہ کتاب صدیوں سے ناپید ہوگئی ہے، لیکن اس لحاظ سے اس کی روایات اب تک محفوظ ہیں، کہ ابن ہشام کی سیرت کا سب سے بڑا ماخذ یہی ہے، اس لئے اس کی تمام روایتیں اس میں محفوظ ہوگئی ہیں، موجودہ سیرت ابن ہشام درحقیقت ابن اسحٰق کی سیرت کا مثنیٰ ہے،

ابن اسحٰق نے یہ کتاب خلیفہ مہدی عباسی کے کسی لڑکے کے لئے لکھی تھی، اس کی تالیف کا واقعہ یہ ہے، کہ ایک مرتبہ وہ مہدی کے دربار میں گئے، اس وقت مہدی کا لڑکا بھی موجود تھا، مہدی نے ابن اسحٰق سے پوچھا اس کو جانتے ہو، انھوں نے کہا کیوں نہیں امیرالمومنین کے صاحبزادے ہیں، مہدی نے فرمایش کی کہ ان کے لئے ایک ایسی کتاب لکھو جسمیں خلقِ آدم سے لیکر اس وقت تک کے حالات ہوں، اس حکم کے مطابق انھوں نے کتاب لکھ کر پیش کی مہدی نے دیکھ کر کہا یہ کتاب تو بہت طویل ہے، اس کو مختصر کرو، چنانچہ انھوں نے دوبارہ اس کو مختصر کیا، اور پہلی کتاب مہدی کے کتب خانہ میں رکھدی[۲]،

عقیدۂ قدر | بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن اسحٰق قدری تھے لیکن کچھ روایات اسکے خلاف بھی ہیں[۳] محمد بن عبداللہ بن نمیر کا بیان ہے کہ ابن اسحٰق قدر سے متہم کئے جاتے تھے، حالانکہ ان کو اس سے دور کا لگاؤ بھی نہ تھا[۴]

وفات | ابتدا میں وہ مدینہ میں رہتے تھے پھر یہاں کا قیام ترک کرکے کوفہ، جزیرہ اور رے وغیرہ مختلف مقامات میں پھرتے رہے، آخر میں بغداد چلے گئے تھے، وہیں ۱۵۱ھ میں وفات پائی اور ہارون رشید کی ماں خیزران کے قبرستان میں دفن ہوئے[۵]،

۱؎ فہرست ابن ندیم ص۱۳۶ طبع مصر، ۲؎ تاریخ خطیب ج اول ص۲۲۱، ۳؎ ایضاً ص۲۲۷، ۴؎ ایضاً ص۲۳۲، ۵؎ ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص۶۷،

۱۲۔ محمد بن حنفیہ

نام ونسب، محمد نام، ابو القاسم کنیت، حضرت علیؓ کے فرزند اور حضرت حسنین علیہما السلام کے سوتیلے بھائی تھے، حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ زہراؓ کے انتقال کے بعد کئی شادیاں کیں، ان بیویوں میں ایک خاتون خولہ المعروف بہ حنفیہ تھیں، خولہ کے نسب کے بارہ میں مورخین کے بیانات مختلف ہیں، بعض انھیں جنگ یمامہ کے قیدیوں میں لکھتے ہیں، بعض سندھی النسل بتاتے ہیں، بعض بنی حنفیہ کی لونڈی بتاتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ بنی حنفیہ کی معزز خاتون تھیں، محمد انہی کے بطن سے پیدا ہوئے خولہ کا نسب نامہ یہ ہے، خولہ بنت جعفر بن قیس بن مسلمہ بن ثعلبہ بن یربوع بن ثعلبہ بن الاول بن حنفیہ بن لجیم بن صعب بن علی بن بکر بن وائل، محمد بن حنفیہ علم و تقویٰ کے اعتبار سے کبار تابعین میں تھے،

پیدائش، عہد فاروقی کے اختتام کے دو سال پہلے پیدا ہوئے[1] اس لحاظ سے ان کی پیدائش ۲۱ سنہ کے آخر یا ۲۲ سنہ کے شروع میں ہوئی ہوگی،

جنگ جمل، ان کے بچپن کے حالات پردۂ خفا میں ہیں، جنگ جمل سے ان کا پتہ چلتا ہے، شجاعت و بہادری پدر بزرگوار سے وراثۃً ملی تھی، اس لئے وہ بچپن ہی سے نہایت جری بہادر اور شجاع تھے، جنگ جمل میں جب کہ ان کی عمر مشکل سے پندرہ سولہ سال کی تھی حضرت علیؓ نے ان کو فوج کا نشان مرحمت فرمایا تھا،[2]

جنگ کے ابتدائی انتظامات کے بعد حضرت علیؓ نے انھیں آگے بڑھنے کا حکم دیا، انھوں نے

[1] ابن خلکان ج اول ص۴۴۹، [2] اخبار الطوال ص۱۵۶،

فوراً حکم کی تعمیل کی اور بے محابا علم لے کر آگے بڑھے، اہل بصرہ نیزے اور تلواریں سنبھال کر انکی طرف لپکے، ابھی وہ بالکل کم سن تھے، اس لئے زیادہ بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی، حضرت علیؓ نے ان کے ہاتھوں سے علم لے کر خود حملہ کیا، دوسرے سرفروشوں نے بھی آپ کا ساتھ دیا، اور جنگ شروع ہوگئی، آغاز جنگ کے بعد حضرت علیؓ نے دوبارہ محمد بن حنیفہ کو علم دیدیا،[1]

یہ واقعہ خود محمد بن حنیفہ کی زبانی بھی منقول ہے، ان کا بیان ہے کہ جنگ جمل میں جب ہماری فوجیں صف آرا ہوئیں، تو والد نے علم مجھے مرحمت فرمایا، پھر جب دونوں فوجیں بالمقابل ہوئیں اور ایک دوسرے کی طرف بڑھیں، اور والد نے مجھ میں پچھڑنے کے آثار دیکھے تو علم میرے ہاتھ سے لے کر جنگ شروع کر دی میں نے بڑھ کر ایک بصری پر حملہ کیا جب وہ زد پر آگیا تو پکارا کہ میں ابی طالب کے مذہب پر ہوں، یہ سن کر میں رک گیا، ان لوگوں کے شکست کھانے کے بعد والد نے منادی کرادی کہ کوئی شخص زخمیوں کو پامال نہ کرے، میدان چھوڑ دینے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، اختتام جنگ کے بعد وہ گھوڑے اور اسلحہ جو دشمنوں نے جنگ میں استعمال کئے تھے والد نے بطور مال غنیمت کے تقسیم کر دیئے،[2]

جنگ صفین، جنگ جمل کے بعد ہی جنگ صفین کے مقدمات شروع ہو گئے تھے، محمد بن حنفیہ اس جنگ میں شروع سے آخر تک اپنے والد بزرگوار کے ساتھ رہے، چنانچہ صفین کے ابتدائی حالات ان سے اس طرح منقول ہیں، کہ میرے والد معاویہ اور اہل شام سے جنگ کرنے کا ارادہ کرتے تھے، اور جنگی علم تیار کرکے قسم کھاتے تھے، کہ جب تک یہ میدان جنگ میں ہونہ آئیگا اس وقت تک اس کو نہ کھولوں گا، لیکن ان کے آدمی ان کی مخالفت کرتے تھے، ان کی رائیں مختلف ہو جاتی تھیں، اور وہ جنگ سے پہلو تہی کرنے لگتے، ان کی مخالفت دیکھ کر والد

---

[1] اخبار الطوال ص۱۵۸، [2] ابن سعد ج ۵ ص۶۷ ۔

علم کھول دیتے اور قسم کا کفارہ ادا کرتے، اس طریقہ سے انھوں نے چار مرتبہ علم تیار کیا، اور چار مرتبہ کھولا، مجھے یہ بات پسند نہ آئی، میں نے مسور بن مخرمہ سے کہا کہ آپ والد سے کہتے نہیں کہ ان حالات میں وہ کہاں کا قصد کر رہے ہیں، خدا کی قسم مجھے ان لوگوں سے کسی فائدہ کی امید نہیں نظر آتی، مسور نے کہا وہ جس کام کے لئے جاتے ہیں وہ یقینی، اور طے شدہ ہے، میں نے ان سے گفتگو کی تھی، وہ جانے کا تہیہ کر چکے ہیں[1]،

بہر حال جب یہ خونی جنگ کسی طرح نہ ٹلی، اور حضرت علیؓ امیر معاویہؓ سے لڑنے کے لئے صفین روانہ ہوئے، تو محمد بھی ان کے ہمرکاب ہوئے، اور حضرت علیؓ نے جنگ جمل کی طرح صفین میں بھی انھیں علم مرحمت فرمایا[2]،

جنگ صفین کا سلسلہ مدتوں قائم رہا تھا، ابتدا میں تو عرصہ تک متحدہ اور فیصلہ کن جنگ کے بجائے فریقین کے ایک ایک دو دو دستے میدان میں آتے تھے، ایک دن محمد بن حنفیہ ایک دستے کو لے کر نکلے، شامی فوج سے عبید اللہ بن عمران کے مقابلہ میں آئے اور محمد بن حنفیہ کو للکارا، انھوں نے کہا گھوڑے سے اترو، اس للکار پر دونوں گھوڑے سے اتر پڑے، حضرت علیؓ نے دیکھا تو گھوڑا بڑھا کر ابن حنفیہ کے پاس پہنچے اور گھوڑا انھیں دے کر، خود عبید اللہ کے مقابلہ کے لئے بڑھے، وہ انھیں دیکھ کر ہٹ گئے، اور کہا میں آپ سے نہیں بلکہ آپ کے لڑکے سے مقابلہ کرنا چاہتا تھا، عبید اللہ کے چلے جانے کے بعد ابن حنفیہ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ اگر آپ نے مجھے مقابلہ کرنے دیا ہوتا تو مجھے امید تھی کہ میں ان کو قتل کر دیتا، حضرت علیؓ نے فرمایا امید تو مجھے بھی یہی تھی لیکن خطرہ سے خالی نہ تھا، مجھے خوف تھا کہ تمھاری جان کو کوئی صدمہ نہ پہنچ جائے، اس کے بعد فریقین کے سوار دوپہر تک لڑتے رہے لیکن کوئی ایک دوسرے

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۶۷، [2] ایضاً ص ۶۵،

کو مغلوب نہ کر سکا[1]،

ایک موقع پر حضرت علیؓ نے ان کو شامیوں کے ایک دستہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا، اور ہدایت کی کہ ان کے سینوں میں نیزے پیوست کرنے کے بعد ہاتھ روک لینا، اور میرے دوسرے حکم کا انتظار کرنا، انھوں نے اس حکم کی تعمیل کی، حضرت علیؓ نے ایک اور دستہ ان کی مدد کے لیے بھیجا، اس نے ابن حنفیہ کی قیادت میں شامی دستے کو مار کر اس کی جگہ سے ہٹا دیا[2]،

جنگ صفین میں بہت سے نازک مواقع پر ابن حنفیہ اپنے والد بزرگوار کی حفاظت میں اپنے برادرانِ محترم (حسن و حسین) کے دوش بدوش سینہ سپر ہوئے، چنانچہ جب حضرت علیؓ پر ہر طرف سے تیروں کی بارش ہوتی تھی، اور تیر آپ کے کانوں اور شانے کے پاس سے اُڑتے ہوئے گذر جاتے تھے، محمد بن حنفیہ اور حسنینؓ ان تیروں کو اپنے جسم سے روکتے تھے[3]،

ابن حنفیہ کے متعلق حضرت علیؓ کی آخری وصیت جنگ صفین کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد حضرت علیؓ کی شہادت کا حادثہ پیش آگیا، دمِ آخر آپ نے جب حضرت حسنینؓ کو وصیتیں فرمائیں تو محمد بن حنفیہ سے ارشاد ہوا کہ میں نے تمھارے بھائیوں کو جو وصیتیں کی ہیں وہی تمھارے لیے بھی ہیں، میرے بعد تم دونوں بھائیوں کی جن کا تم پر بڑا حق ہے، پوری عظمت و توقیر کرنا، ان کے کاموں کو سنوارنا، ان کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرنا، پھر حسنین سے فرمایا، کہ ان کے (محمد بن حنفیہ) بارہ میں میری یہ وصیت ہے کہ وہ تمھارے حقیقی بھائی کے برابر اور تمھارے باپ کے لڑکے ہیں، اس کو ہمیشہ یاد رکھنا کہ تمھارے باپ ان سے محبت کرتے تھے[4]،

حضرت حسنؓ کی وصیت، حضرت حسینؓ نے اس وصیت کو پورے طور پر ملحوظ رکھا، اور کسی موقع

[1] اخبار الطوال صد ۱۸۶ وصد ۱۸۷، [2] ابن اثیر ج ۳ صد ۲۶۳، [3] اخبار الطوال صد ۱۹۴،
[4] ابن اثیر ج ۳ صد ۳۲۹،

پر بھی ابن حنفیہ کو نظر انداز نہ ہونے دیا، چنانچہ جب حضرت حسنؓ کا وقت آخر ہوا، تو حضرت حسینؓ سے فرمایا کہ میں تم کو تمہارے بھائی محمد کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں، وہ دونوں آنکھوں کے درمیانی چمڑے کی طرح عزیز ہیں، پھر محمد بن حنفیہ سے فرمایا کہ تم کو بھی یہ وصیت کرتا ہوں کہ ضرورت کے وقت حسینؓ کے گرد جمع ہو کر ان کی مدد کرنا[۵]۔

یزید کے مطالبۂ بیعت پر حضرت حسینؓ کو مشورہ

حضرت حسنؓ کے بعد محمد بن حنفیہ حضرت حسینؓ کو اپنا بڑا بھائی سمجھتے رہے، اور ان کی مشکلات میں ایک وفادار بھائی کی حیثیت سے ان کے مخلص و غمگسار رہے، امیر معاویہ کی وفات کے بعد، جب یزید کے حکم پر ولید حاکم مدینہ نے حضرت حسینؓ سے بیعت کا مطالبہ کیا، اور آپ اس کے رد و قبول کے بارہ میں کشمکش میں مبتلا ہوئے، اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے مدینہ چھوڑ دینا چاہا تو اس وقت محمد بن حنفیہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، کہ بھائی آپ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب و عزیز ہیں، دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کا میں آپ سے زیادہ خیر خواہ ہوں، میرا مشورہ یہ ہے کہ اس موقع پر جہاں تک آپ سے ہو سکے یزید کی بیعت اور کسی خاص شہر میں جانے کے ارادہ سے بالکل الگ رہیئے، اور اپنے دُعاۃ بھیجکر لوگوں کو اپنی خلافت کی دعوت دیجئے، اگر وہ بیعت کرلیں تو ہمارے لئے موجب شکر ہوگا، اور اگر آپ کے علاوہ کسی اور شخص پر مسلمانوں کا اتفاق ہو جائے تو اس سے آپ کے مذہب اور آپ کی عقل میں کوئی کمی نہ آئیگی، اور آپ کے فضائل پر اس کا کوئی اثر نہ پڑے گا، اور اگر آپ کسی متعین شہر اور متعین مقام پر جائیں گے تو مجھے ڈر ہے کہ وہاں کے لوگوں میں اختلاف ہو جائے گا، ان میں ایک جماعت تو آپ کا ساتھ دے گی، لیکن ایک جماعت آپ کے

---

[۵] اخبار الطوال ص۲۳۵،

خلاف جائیگی، پھر یہ دونوں جماعتیں باہم لڑیں گی، اور درمیان میں آپ کی ذات ان کے نیزوں کا نشانہ بنے گی، اگر خدا نخواستہ یہ صورت حال پیدا ہوگئی تو نسب اور ذاتی اوصاف کے اعتبار سے اس امت کا معزز اور بلند ترین شخص سب سے زیادہ ذلیل اور پست ہو جائے گا، اور اس کا خون سب سے زیادہ ارزاں ہوگا، یہ مشورہ سن کر حضرت حسینؓ نے فرمایا پھر کہاں جاؤں، ابن حنفیہ نے کہا مکہ جائیے، اگر وہاں آپ کو اطمینان سے بیٹھنے کا موقع مل جائے تو پھر خود ہی کوئی سبیل نکل آئے گی، اور اگر حالات خلاف ہوئے تو پھر ریگستان اور پہاڑی علاقوں میں نکل جائیگا، اور جب تک ملک کوئی فیصلہ نہ کرلے اس وقت تک برابر ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہوتے رہیئے، اس دوران میں آپ کی کوئی نہ کوئی رائے قائم ہو جائے گی، اور آپ کسی نہ کسی نتیجہ پر پہنچ جائینگے کیونکہ جب حالات سامنے آجاتے ہیں، اس وقت آپ کی رائے نہایت صائب اور آپ کا عمل نہایت محتاط ہو جاتا ہے یہ باتیں سن کر حضرت حسینؓ نے فرمایا تم نے بہت محبت آمیز نصیحت کی مجھ کو امید ہے کہ تمہاری رائے صائب ہوگی[۵]

حضرت حسینؓ نے ایک حد تک ان کے مشورہ پر عمل بھی کیا چنانچہ مدینہ سے مکہ چلے گئے، پھر کوفیوں کی پیہم دعوت پر چند دنوں کے بعد کوفہ روانہ ہوگئے، لیکن تقدیر الٰہی کچھ اور ہی تھی اس لئے آپ کی شہادت کا حادثۂ عظمیٰ پیش آگیا، محمد بن حنفیہ اس حادثہ میں آپ کے ساتھ نہ تھے،

مختار بن ابی عبید ثقفی کا خروج اور ابن حنفیہ کی سرپرستی

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بنی امیہ کے مقابلہ میں خلافت کا دعویٰ کیا اور اس سلسلہ میں برسوں دونوں میں جنگ جاری رہی، عین اسی زمانہ میں بنی ثقیف کا ایک نہایت معمولی اور گمنام شخص جو کسی وقت اموی عمال کے ہاتھوں سزایاب ہو چکا تھا وجاہت دنیاوی کی طمع میں ابن زبیرؓ کے ساتھ ہو گیا،

---

[۵] ابن اثیر ج ۴ صہ ۱۲

اور چند دنوں تک ان کے ساتھ رہا لیکن جب اس کو یہاں امید پوری ہوتی ہوئی نظر نہ آئی، تو اس نے ان سے الگ ہوکر قسمت آزمائی کا ارادہ کیا لیکن اس کے جیسے فرومایہ شخص کے لئے بغیر کسی امداد و حمایت کے اپنے ارادہ میں کامیاب ہونا مشکل تھا، اس لئے اس نے حضرت حسینؓ کے خونِ بے گناہی کے انتقام کو آڑ بنایا، چونکہ یہ حادثہ ابھی تازہ تھا مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت اس سے متاثر تھی، اس لئے بہت سے لوگ اس کے دام میں آگئے اس دعوت کے ساتھ ہی اس نے حضرت حسینؓ کے جانشین امام زین العابدین کے پاس نذرانہ بھیجکر ان سے سرپرستی کی درخواست کی کہ "آپ ہمارے امام ہیں، ہم سے بیعت لے کر ہماری سرپرستی قبول فرمائیے" لیکن امام موصوف اس کی حقیقت سے آگاہ تھے، اس لئے اس کے فریب میں نہ آئے، اور نہایت حقارت سے اس کی درخواست ٹھکرادی اور مسجد نبوی میں علی الاعلان اس کے فسق و فجور کا پردہ چاک کرکے فرمایا، کہ یہ شخص محض لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے اہل بیت کو آڑ بنانا چاہتا ہے حقیقت میں اس کو محبت اہل بیت سے کوئی تعلق نہیں،

یہ وہ زمانہ تھا جب مطالبۂ بیعت کے سلسلہ میں ابن زبیرؓ اور محمد بن حنفیہ میں ناخوشگواری پیدا ہوچکی تھی، مختار نے اس سے فائدہ اٹھایا اور وہ امام زین العابدین کا جواب سننے کے بعد ان سے مایوس ہوکر ابن حنفیہ کے پاس پہنچا، امام زین العابدین کو معلوم ہوا تو انھوں نے ان کو بھی روکا اور فرمایا کہ مختار اہل بیت کی محبت کا دعویٰ محض لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے کرتا ہے، ورنہ حقیقت میں اس کو اس سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ وہ ان کا دشمن ہے، میری طرح آپ کو بھی اس کا پردہ فاش کرنا چاہئے، محمد بن حنفیہ نے ابن عباسؓ سے اس کا تذکرہ کیا، انکو ابن زبیرؓ کی جانب سے بڑا خطرہ تھا، اس لئے انھوں نے ابن حنفیہ سے کہا کہ اس معاملہ میں تم ابن حنفیہ کا کہنا نہ مانو[1]

[1] مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۷۹ و ۸۰

محمد بن حنیفہ بھی مختار کو اچھا آدمی نہ سمجھتے تھے، اور انھیں اس پر مطلق اعتماد نہ تھا، لیکن محض ابن زبیرؓ کے مقابلہ میں اس کی امداد و اعانت حاصل کرنے کے لئے (ابن زبیرؓ محمد بن حنفیہ کو اپنی بیعت کیلئے مجبور کر رہے تھے) اس کی سرپرستی قبول کر لی،

محبانِ اہل بیت کا اصل مرکز عراق تھا، اس لئے محمد بن حنفیہ کو سرپرست بنانے کے بعد مختار ان سے اجازت لیکر عراق روانہ ہو گیا، لیکن چونکہ ابن حنفیہ کو اس پر اعتماد نہ تھا اور وہ اسکے متعلق اچھی رائے نہ رکھتے تھے اسلئے انھوں نے اپنا ایک آدمی عبداللہ بن کامل ہمدانی اس کے ساتھ کر دیا، اور اسکو ہدایت کر دی کہ مختار زیادہ لایق اعتماد نہیں ہے، اس سے بچتے رہنا، اب تک ابن زبیرؓ کو اس سازباز کا علم نہ ہوا تھا، اور وہ بدستور اسے اپنا خیرخواہ سمجھ رہے تھے، مختار نے جاکر ان سے کہا کہ میرا قیام مکہ سے زیادہ آپ کے لئے عراق میں مفید ہوگا، اس لئے میں وہاں جاتا ہوں، ابن زبیرؓ نے بخوشی رخصت کر دیا، اور مختار عبداللہ بن کامل کے ساتھ عراق روانہ ہو گیا، مقام عذیب میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی، اس سے مختار نے پوچھا عراق میں لوگوں کا کیا حال ہے، اس نے کہا وہ بغیر ملاح کی کشتی کی طرح جھکولے لے رہے ہیں، مختار نے کہا میں ان کا ملاح بنوں گا[1]

عراق میں ورود، اور ابن حنفیہ کی دعوت

محبانِ اہل بیت کی سب سے بڑی تعداد کوفہ میں تھی اس لئے مختار سیدھا کوفہ پہنچا اور اپنے کو محمد بن حنفیہ کا داعی ظاہر کرکے ان کے زہد و ورع کی تبلیغ اور ابن زبیرؓ کی مذمت اور ان کی تشہیر شروع کر دی، کہ ابن زبیر درحقیقت محمد بن حنفیہ کے کارکن تھے، اور ابتدا میں وہ ان ہی کے لئے کوشش کرتے تھے، لیکن پھر خود اس پر غاصبانہ قابض ہو گئے، اس لئے ابن حنفیہ نے مجھے اپنا داعی بنا کر بھیجا ہے، ان کے دست و قلم لکھی ہوئی سند بھی میرے پاس موجود ہے، جن لوگوں پر اسے اعتماد ہوتا تھا، انھیں یہ تحریر

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۷۲،

بڑھکر سنا بھی دیتا تھا، غرض اس چالاکی سے بہت سے محبانِ اہلِ بیت اس کے فریب میں آگئے اور ایک اچھی خاصی جماعت نے اس کے ہاتھوں پر بیعت کر لی، لیکن کچھ لوگوں کو شک ہوا، وہ ابن حنفیہ کے پاس مکہ پہنچے، اور ان سے مختار کے بیانات کی تصدیق چاہی، یہ نہ صاف اقرار ہی کر سکتے تھے اور نہ انکار، اقرار اس لئے نہیں کر سکتے تھے کہ مختار کے بیانات بہت کچھ مبالغہ آمیز بلکہ جھوٹ سے تھے لیکن اتنا صحیح بھی تھا کہ ابن حنفیہ نے اس کی سرپرستی قبول کر لی تھی، لیکن ان کو اس کی صداقت پر خود اعتماد نہ تھا، اس لئے یہ جواب دیا کہ تم لوگ خود دیکھتے ہو کہ ہم لوگ (اہل بیت) صابر و شاکر بیٹھے ہیں، میں کسی مسلمان کا خون ناحق گرا کر دنیاوی حکومت نہیں چاہتا، لیکن اسے ہم پسند کرتے ہیں کہ اللہ نے جس بندے کے ذریعہ سے چاہا ہماری مدد کی، البتہ تم لوگ کذابین سے ڈرتے رہو اور اپنی جان اور اپنے دین کی حفاظت کرو، یہ سنکر یہ لوگ عراق لوٹ گئے، کوفہ میں ابراہیم بن اشتر نخعی بڑے بااثر محبانِ اہل بیت میں تھے، مختار نے محمد بن حنفیہ کی جانب سے ان کو ایک فرضی خط دیکر انھیں اپنا حامی و مددگار بنا لیا[1]،

کوفہ پر قبضہ اور قاتلین حسین کا قتل، ابراہیم نخعی کی حمایت سے مختار کی قوت بہت بڑھ گئی، اور اب وہ علانیہ میدان میں آگیا، ابن زبیرؓ کے پولیس افسر ایاس بن نضار نے روک ٹوک شروع کی تو ابراہیم بن اشتر نے اسے قتل کر دیا، عبد اللہ بن مطیع کو جو ابن زبیرؓ کی جانب سے کوفہ کے والی تھے، خبر ہوئی تو انھوں نے مختار کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی، مگر ناکام رہے، اور مختار اور ابراہیم دونوں نے اس کو نہایت فاش شکست دی، ابن مطیع نے ان سے اپنی جان بخشی کرا کے کوفہ چھوڑ دیا، اور یہاں مختار کی حکومت قائم ہو گئی[2]،

کوفہ پر قابض ہونے کے بعد مختار کی قوت بہت بڑھ گئی، اس وقت اسے اپنی کارگذاری

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۷۲، [2] اخبار الطوال ص ۲۹۶ تا ص ۳۰۰ ملخصاً،

دکھانے کا موقع ملا، چنانچہ اس نے حضرت حسینؓ کے قاتلوں اور ان کے معاونوں کو قتل کرنا شروع کیا، اور چند دنوں کے اندر ان سب کا صفایا کر دیا، ابن زیاد کا سر قلم کرکے محمد بن حنفیہ اور امام زین العابدین کی خدمت میں بھیجا، مختار کے مکر و فریب کے باوجود اس کی یہ کارگذاری ایسی تھی، کہ قدرۃً یہ بزرگوار اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اور ان کی زبان نے بے ساختہ اس کے خدمات کا اعتراف کیا۔[1]

ابن حنفیہ کی قید و رہائی، ابن زبیرؓ نے ابتدا میں ابن حنفیہ پر اپنی بیعت کے لئے زیادہ زور نہ ڈالا تھا، مگر جب کوفہ وغیرہ پر مختار کا قبضہ ہوگیا اور اس کی قوت کے ساتھ ساتھ عراق میں ابن حنفیہ کے بیعت کرنے والوں کا دائرہ زیادہ وسیع ہوگیا، تو ابن زبیرؓ کو ان کی جانب سے خطرات بڑھ گئے، اس وقت انھوں نے ابن حنفیہ اور ان کے ساتھ ابن عباسؓ پر بھی دباؤ ڈالنا شروع کیا، لیکن یہ لوگ بیعت کے لئے آمادہ نہ ہوئے، آخر میں انھیں اور ان کے تمام اہل خاندان کو مکہ کی ایک گھاٹی میں نظر بند کر دیا، ایک روایت یہ ہے کہ ابن حنفیہ کو چاہ زمزم کی چار دیواری میں قید کرکے لکڑیوں کا انبار لگوا دیا، اور دھمکی دی کہ اگر وہ بیعت نہ کریں گے تو انھیں پھونک دیا جائیگا، یہ نازک صورت پیدا ہونے کے بعد ابن حنفیہ نے ابن عباسؓ سے پوچھ بھیجا کہ اب کیا رائے ہے، انھوں نے کہلا بھیجا کہ ہرگز ہرگز اطاعت نہ کرنا، اپنی بات پر قائم رہنا، لیکن مکہ میں رہتے ہوئے انکار پر قائم رہنا مشکل تھا، اس لئے ابن حنفیہ نے مکہ چھوڑ کر کوفہ چلے جانے کا ارادہ کیا، مختار کو اس ارادہ کی اطلاع ہوئی تو اسے بہت گراں گذرا کہ ابن حنفیہ کے عراق پہنچ جانے کے بعد درمیان سے اس کی ہستی اُڑی جاتی تھی، وہ محض آپ کا نام استعمال کرنا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے ان کو روکنے کے لئے اہل کوفہ سے کہنا شروع کیا کہ "مہدی کی نشانی یہ ہے کہ جب وہ تمھارے یہاں

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۷۳،

آئیں گے، تو ایک شخص باز اریں ان پر وار کریگا لیکن اس سے مہدی کو کوئی صدمہ نہیں پہنچے گا
ابن حنفیہ کو اپنے متعلق اس کرامت کی خبر ہوئی، تو انھوں نے کوفہ جانے کا عزم ترک کردیا، اور
اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ کی زبانی اپنے عراقی متبعین کے پاس اپنے حالات کہلا بھیجے، عامر نے
وہاں پہنچکر تفصیلی حالات سنائے، یہ حالات سنکر مختار نے ابوعبداللہ جدلی کو چار ہزار فوج کیساتھ
محمد بن حنفیہ کو چھڑانے کے لئے بھیجا، اور ہدایت کردی کہ اگر بنی ہاشم زندہ مل جائیں، تو ان کی ہر قسم
کی مدد اور ان کے احکام کی تعمیل کرنا، اور اگر بنی ہاشم قتل کئے جاچکے ہوں تو جس طرح بھی ممکن
ہو آلِ زبیرؓ کا خاتمہ کردینا،

ابن زبیرؓ میں مختار کے فرستادہ دستہ کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لئے ایک بیان یہ
ہے کہ اس کے ورود مکہ کے وقت وہ دار الندوہ چلے گئے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ
انھوں نے خانہ کعبہ میں پناہ لی، اور عراقی دستے نے مکہ پہنچکر ابن حنفیہ اور ابن عباسؓ کو لکڑیوں
کے انبار سے نکالا، اس دوران میں ابن زبیرؓ کے آدمی پہنچ گئے، لیکن جنگ کی نوبت نہ آئی،
عراقیوں نے ابن عباسؓ سے کہا اگر اجازت ملے تو ہم ابن زبیرؓ کا خاتمہ کرکے لوگوں کو ان کی
مصیبت سے نجات دلادیں، لیکن ابن عباسؓ نے کہا نہیں اس شہر کو خدا نے حرمت دی ہے،
صرف نبی صلعم کے خاطر چند ساعتوں کے لئے اس کی حرمت اٹھ گئی تھی، اور نہ نہ اس سے پہلے
کسی کے لئے اٹھی تھی نہ اس کے بعد اٹھے گی بس اتنا کافی ہے، کہ ہمیں بچا کر نکال لے چلو، چنانچہ
عراقی ان لوگوں کو قید سے نکال کر منیٰ لے آئے، چند دنوں یہاں ٹھہرنے کے بعد یہ لوگ ابن زبیرؓ
کے جبر سے بچنے کے لئے طائف چلے گئے، [1]

امارت حج، | یہ طوائف الملوکی کا دور تھا، متعدد اشخاص خلافت کے مدعی تھے، چنانچہ اس سال

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۷۵ تا ص ۷۹، ملخصاً،

کا حج چار امرا کے زیر امارت ہوا، محمدؒ بن حنفیہ اہل طائف کے ساتھ، ابن زبیرؓ اپنے متبعین کے ساتھ، نجدہؒ بن عامر حروری خوارج کے ساتھ، اور بنی امیہؒ اہل شام کے ساتھ حج کے لیے آئے، ایک ساتھ ان چاروں کا اجتماع خطرہ سے خالی نہ تھا، اور ارض حرم میں خون ریزی کا اندیشہ تھا، اس لئے محمد بن جبیر نے چاروں جھتوں کے امرا کے پاس جاکر انھیں سمجھایا، سب سے پہلے ابن حنفیہ کے پاس گئے، اور ان سے کہا "ابوالقاسم خدا کا خوف کرو، ہم لوگ مشعر حرام اور بلد حرام میں ہیں، حجاج خانہ کعبہ میں خدا کے وفود اور اس کے مہمان ہیں، اس لیے ان کا حج نہ خراب کرو"، انھوں نے کہا "خدا کی قسم میں خود یہ نہیں چاہتا، اور میں کسی مسلمان کو بیت اللہ سے نہ روکوں گا اور نہ میری جماعت کا کوئی حاجی جائیگا، میں تو اپنی مدافعت کرتا ہوں، اور صرف اس صورت میں خلافت کا خواہاں ہوں جب دو آدمیوں کو بھی میری خلافت سے اختلاف نہ ہو، میری طرف سے پورا اطمینان رکھیے، میرے بجائے ابن زبیرؓ اور نجدہ حروری سے جاکر گفتگو کیجئے"، ان کا جواب سننے کے بعد ابن جبیر ابن زبیرؓ کے پاس گئے، اور ان سے بھی وہی کہا جو ابن حنفیہ سے کہہ چکے تھے، انھوں نے جواب دیا "میری خلافت پر مسلمانوں کا اجماع ہو گیا ہے، سب نے میری بیعت کرلی ہے، صرف یہ لوگ بنی ہاشم میری مخالفت کر رہے ہیں"، ابن جبیر نے کہا جو کچھ بھی ہو ہر صورت میں ہوقت آپ کے لئے ہاتھ روکے رکھنا بہتر ہے، انھوں نے کہا بہتر ہے، میں اس پر عمل کروں گا، ان کے بعد وہ نجدہ حروری کے پاس پہنچے، اس نے کہا میں اپنی جانب سے ابتدا نہ کروں گا، لیکن جو شخص ہم لوگوں سے لڑے گا ہم بھی اس کا مقابلہ کریں گے، اس کے بعد ابن جبیر بنی امیہ کے پاس گئے، انھوں نے بھی یہی جواب دیا کہ ہم تو اپنے علم کے پاس ہیں، جب تک خود کوئی ہم سے نہ لڑے گا، اس وقت تک ہم ابتدا نہ کریں گے، ابن جبیر کا بیان ہے کہ ان چاروں جماعتوں کے پرچموں میں سب سے زیادہ پرامن وسکون پرچم

ابن حنفیہ کا تھا؎، اس طرح ابن جبیر کی کوششوں سے ایک بڑا خطرہ ٹل گیا،

مختار کا خاتمہ اور ابن حنفیہ کے پاس ابن زبیرؓ کا پیام،

اسی سنہ یعنی ۶۷ھ میں ابن زبیرؓ کے بھائی مصعب نے بڑی بڑی معرکہ آرائیوں کے بعد مختار کا خاتمہ کر دیا، ان تمام معرکوں میں ابن حنفیہ نے عملاً کوئی حصہ نہیں لیا، اور نہ ان کو اس سے کسی قسم کا تعلق تھا، اس لئے ہم نے اون کی تفصیلات قلم انداز کر دی ہیں،

مختار کے خاتمہ کے بعد ابن حنفیہ کا کوئی سہارا باقی نہ رہ گیا، اور وہ بے یار و مددگار ہو گئے، اس لئے ابن زبیرؓ نے پھر ان سے بیعت کا مطالبہ شروع کیا، اور اپنے بھائی عروہ کو ان کے پاس بھیجا، انھوں نے جا کر ان کی جانب سے ابن حنفیہ کو یہ پیام دیا کہ "میں تم کو بغیر بیعت لئے ہوئے چھوڑنے والا نہیں ہوں، اگر بیعت نہ کرو گے تو پھر قید کر دوں گا، جس کذاب کی امداد و اعانت کا تم کو سہارا تھا، اس کو خدا نے قتل کر دیا، اور اب عرب و عراق کا میری خلافت پر اتفاق ہو گیا ہے، اس لئے تم بھی میری بیعت کر لو، ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ"، ابن حنفیہ نے اس تہدیدی پیام کا یہ جواب دیا کہ تمھارے بھائی (ابن زبیرؓ) قطع رحم اور استخفاف حق میں کتنے تیز اور خدا کی عقوبت سے کتنے غافل ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ انھیں دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے، ابھی تھوڑے دنوں پیشتر (جب تک مختار ان کا حامی تھا) وہ مختار اور اس کی روش کے مجھ سے زیادہ مداح و معترف تھے، خدا کی قسم نہ مختار کو میں نے اپنا داعی بنایا تھا، اور نہ مددگار، ابھی کچھ ہی دنوں کا ذکر ہے کہ وہ مجھ سے زیادہ خود ان کی طرف مائل تھا، اور ان کے ساتھ تھا، اس لئے اگر وہ کذاب تھا تو انھوں نے مدتوں اس کذاب کو اپنے ساتھ رکھا، اور اگر وہ کذاب نہیں تھا تو ابن زبیرؓ مجھ سے زیادہ اس سے واقف ہیں، میں ان کا (ابن زبیرؓ) کا مخالف نہیں ہوں،

؎ ابن سعد ج ۵ ص ۷۵ و ۷۶ ملخصاً،

اگر مخالف ہوتا تو ان کے قریب نہ رہتا، اور جو لوگ مجھے بلاتے ہیں ان کے یہاں چلا جاتا، لیکن میں نے کسی کی دعوت قبول نہیں کی، تمھارے بھائی کا ایک اور حریف عبدالملک ہے، جو تمھارے بھائی ہی کی طرح دنیا کا طالب ہے، اس نے اپنی قوتوں سے تمھارے بھائی کی گردن پکڑلی ہے، میرے نزدیک عبدالملک کا جوار تمھارے بھائی کے جوار سے میرے لئے زیادہ بہتر ہے، عبدالملک نے مجھے خط لکھکر اپنے یہاں آنے کی دعوت دی ہے" یہ سن کر عروہ نے کہا پھر اس کے پاس جانے سے کون امر مانع ہے، ابن حنفیہ نے جواب دیا میں اس بارہ میں عنقریب خدا سے استخارہ کروں گا، یہ صورت (یعنی میرا یہاں سے چلا جانا) تمھارے بھائی کے لئے زیادہ پسندیدہ اور خوش آیند ہوگا، عروہ نے کہا میں بھائی سے اس کا تذکرہ کروں گا، اس گفتگو کے بعد عروہ لوٹ گئے، ابن حنفیہ کے بعض آدمی عروہ کو قتل کرنا چاہتے تھے، لیکن انھوں نے ان کو روک دیا تھا، عروہ کے واپس جانے کے بعد ان لوگوں کو بڑا افسوس ہوا، انھوں نے ابن حنفیہ سے کہا اگر آپ نے ہمارا کہنا مانا ہوتا تو ہم ان کی گردن اڑا دیئے ہوتے، ابن حنفیہ نے کہا آخر کس قصور میں، وہ تو محض اپنے بھائی کے پیامی بن کر آئے تھے، اور ہمارے جوار میں تھے، ہمارے اور ان کے درمیان میں گفتگو ہوئی، گفتگو کے بعد ہم نے ان کو ان کے بھائی کے پاس واپس کر دیا، تم لوگ جو کچھ کہتے ہو وہ فریب ہے، اور فریب میں کوئی بھلائی نہیں ہے، اگر میں تمھارے کہنے پر عمل کرتا تو مکہ میں خوں ریزی ہوتی، اور اس بارے میں تم لوگ میرے خیالات سے واقف ہو، اگر سارے مسلمان میری خلافت پر متفق ہو جائیں، اور صرف ایک شخص کو اختلاف باقی رہے تو بھی میں اس ایک شخص سے لڑنا پسند نہ کرونگا"

عروہ نے واپس جاکر اپنے بھائی کو ابن حنفیہ کا جواب سنایا اور انھیں مشورہ دیا کہ میری رائے میں آپ ان سے کوئی تعرض نہ کیجئے، ان کو آزاد کر دیجئے، تاکہ وہ ہمارے یہاں سے نکل

جائیں، اور ہم سے دور ہو جائیں، عبد الملک بغیر ان سے بیعت لئے ہوئے کبھی انھیں شام میں ٹکنے نہ دیگا، اور وہ جب تک عبد الملک پر اجماع نہ ہو جائے کبھی اس کی بیعت نہ کریں گے ایسی صورت میں عبد الملک یا انھیں قتل کر دیگا، یا قید کرے گا اس طرح آپ کا کام اس کے ہاتھوں انجام پا جائیگا، اور آپ کا دامن بالکل محفوظ رہے گا، ابن زبیرؓ نے عروہ کا یہ مشورہ قبول کر لیا اور پھر محمد بن حنفیہ سے کوئی تعرض نہیں کیا۔[1]

عبد الملک کی دعوت اور ابن حنفیہ کا سفر شام اور واپسی

عبد الملک ابن زبیرؓ کے مقابلہ میں ابن حنفیہ کی حمایت حاصل کرنے کے لئے عرصہ سے ان کو اپنے یہاں شام چلے آنے کی دعوت دے رہا تھا، محمد بن حنفیہ کے پاس سے عروہ کی واپسی کے بعد پھر ابن حنفیہ کے پاس عبد الملک کا بلاوے کا خط پہنچا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ابن زبیر بیعت لینے کے لئے آپ کو تنگ اور پاس عزیزداری کو چھوڑ کر آپ کے حقوق پامال کر رہے ہیں، آپ نے جو کچھ کیا وہ اپنی جان اور اپنے مذہب کو ملحوظ رکھ کر کیا ہے، شام کا ملک آپ کے لئے موجود ہے، یہاں آپ جس جگہ چاہیں قیام فرمائیں ہم لوگ آپ کی بزرگداشت اور عزیزداری کا پورا لحاظ رکھیں گے، اور آپ کے حقوق ادا کریں گے" یہ خط پاکر ابن حنفیہ شام روانہ ہو گئے، اور سب سے پہلے ایلہ میں اترے، یہاں کے باشندوں نے ان کا اور ان کے ہمراہیوں کا بڑے جوش سے استقبال کیا، اور ابن حنفیہ کے ساتھ بڑی عقیدت ظاہر کی، یہ لوگ نہایت عزت توقیر کے ساتھ یہاں ٹھہر گئے، اور دو ہی چار دن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی، کہ انکے ہوتے ہوئے یہاں اور ان کی نگاہوں کے سامنے کسی پر ظلم نہ کیا جائے" عبد الملک کو محمد بن حنفیہ کی پذیرائی اور مقبولیت کی خبر ہوئی تو اس پر سخت گراں گذرا، اور اس نے اپنے اہل الرائے مشیروں رقبیصہ بن ذویب اور روح بن زنباع جذامی

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۷۸ و ۸۰

سے اس کا تذکرہ کیا، ان دونوں نے کہا کہ بغیر بیعت لئے ہوئے انھیں اتنے قریب اس طرح آزاد نہ چھوڑنا چاہیئے، یا تو وہ بیعت کریں، ورنہ انھیں حجاز ویس کر دیجئے، اس مشورہ کے بعد عبدالملک نے ابن حنفیہ کو پھر خط لکھا کہ آپ ہمارے ملک میں آکر ٹھہرے ہیں، ہم میں اور ابن زبیرؓ میں جنگ چھڑی ہوئی ہے، آپ کا ایک خاص مرتبہ اور اعزاز ہے، اس لئے میرے ملک میں بغیر میری بیعت کے آپ کا قیام میرے مصالح کے خلاف ہے، اگر آپ بیعت کے لئے آمادہ ہیں تو آپ کی خدمت میں سو کشتیاں مع ساز و سامان کے جو ابھی بحر قلزم سے آئی ہیں اور بیس لاکھ درہم نذر کئے جاتے ہیں، ان میں سے پانچ لاکھ فوراً پیش کر دیئے جائیں گے، اور پندرہ لاکھ بعد میں بھجوا دیئے جائیں گے، اس نذرانہ کے علاوہ آپ جس قدر فرمائیں گے آپ کی اولاد آپ کے اعزہ اور آپ کے موالی اور آپ کے ساتھیوں کا وظیفہ مقرر کر دیا جائیگا، اور اگر بیعت نہیں کرتے تو فوراً میرا ملک چھوڑ دیجئے، اور میرے حدود حکومت سے نکل جایئے،

ابن حنفیہ نے اس تحریر کا یہ جواب دیا، "بسم اللہ الرحمن الرحیم، محمد بن علی کی جانب سے عبدالملک کو سلام پہنچے، میں اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں حمد کرتا ہوں، امابعد تم کو خلافت کے بارہ میں میرے خیالات معلوم ہیں، اس معاملہ میں کسی کو بیوقوف بنا دھوکا نہیں دیتا، خدا کی قسم اگر ساری امت اسلامیہ میری خلافت پر متفق ہو جائے، اور صرف اہل زرقا باقی رہ جائیں تو بھی میں ان سے جنگ نہ کروں گا، اور نہ انھیں چھوڑ کر علیٰحدہ ہونگا تا آنکہ وہ سب متفق ہو جائیں، میں مدینہ کے پر آشوب حالات کی وجہ سے مکہ چلا آیا تھا، اور ابن زبیرؓ کے جوار میں ٹھہرا تھا، لیکن انھوں نے میرے ساتھ بدسلوکی کی اور مجھ سے بیعت لینی چاہی، میں نے انکار کیا کہ جنگ تمھارے اور انکے اختلافات میں عام مسلمانوں کا کوئی متفقہ فیصلہ نہ ہو جائے اس وقت تک میں بیعت نہ کروں گا، وہ جو فیصلہ کرینگے میں بھی انکے ساتھ ہونگا، ان حالات اور اس

کشمکش میں تم نے مجھے اپنے یہاں آنے کی دعوت دی، میں نے قبول کرلی، اور تمہارے ملک کے ایک گوشہ میں آکر اترا، خدا کی قسم مجھ میں مخالفت کا کوئی جذبہ نہیں ہے، میرے تمام آدمی میرے ساتھ تھے، میں نے دیکھا کہ یہ مقام ارزاں زندگی کا ہے، اس لئے خیال کیا کہ اچھا ہے، تمہارے جوار میں قیام کرکے تمہارے تعلقات سے فائدہ اٹھاؤں، لیکن اب تم وہ لکھتے ہو جو تم کو نہ لکھنا چاہیئے، اس لئے ہم انشاء اللہ لوٹ جائیں گے [۱]۔

یہ جواب بھیجکر محمد بن حنفیہ نے اپنے سات ہزار ساتھیوں کے سامنے یہ تقریر کی "خدا جملہ امور کا والی اور حاکم ہے، وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا، جو باتیں ہونے والی ہیں، اس کا وقوع قریب ہے، تم لوگوں نے امر میں اس کے پیش آنے سے قبل جلدی کی، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، ہم لوگوں کی پشت میں وہ جان نثار نہاں ہیں، جو آل محمد کی حمایت میں لڑیں گے، آل محمد کا حق اہل شرکت پر مخفی نہ رہے گا، پچھڑ کے سہی مگر پورا ہوگا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، جس طرح یہ امر (خلافت) شروع میں تم میں تھا، ایک دن پھر تم میں لوٹ کر آئیگا، اس خدا کا شکر ہے، جس نے تمہارے خون کو بچایا اور تمہارے دین کی حفاظت کی، تم میں سے جو شخص امن و حفاظت کے ساتھ اپنے شہر اور اپنے مقام پر واپس جانا چاہتا ہو، وہ جاسکتا ہے، اس اجازت پر ابن حنفیہ کے بیشتر ساتھی چلے گئے، سات ہزار میں سے صرف نو سو باقی رہ گئے اون کو لیکر وہ مکہ واپس ہوئے [۲]۔

ایلہ سے واپسی کے بعد ابن حنفیہ کے حالات کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ یہ حج کا زمانہ تھا، اس لئے ابن حنفیہ عمرہ کی نیت سے احرام باندھ کر اور قربانی کے جانوروں کو لیکر سیدھے مکہ پہنچے لیکن جب حرم میں داخل ہونا چاہا تو ابن زبیرؓ کے سواروں نے روکا، ابن حنفیہ نے ابن زبیرؓ کے

---

[۱] ابن سعد ج ۵ ص ۷۸ و ۷۹، [۲] ایضاً ص ۷۹،

پاس کہلا بھیجا کہ مکہ سے جاتے وقت بھی میں لڑنے کے ارادہ سے نہیں نکلا تھا، اور اب واپسی کے بعد بھی اسکا کوئی خیال نہیں ہے، اس لئے ہمارا راستہ چھوڑ دو، کہ ہم بیت اللہ جا کر مناسک حج ادا کریں انھیں پورا کرنے کے بعد یہاں سے چلے جائیں گے لیکن ابن زبیرؓ نے بیت اللہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی، اور ابن حنفیہ سواری کے جانوروں کو یوں ہی لئے ہوئے مدینہ چلے گئے[1]

دوسری روایت یہ ہے کہ وہ مکہ پہنچکر منی کی گھاٹی میں ٹھہرے، تھوڑے ہی دن کے بعد ابن زبیر نے کہلا بھیجا کہ یہاں سے ہٹ جاؤ، ہمارے قریب نہ ٹھہرو، یہ پیام سن کر ابن حنفیہ نے کہا جبتک خدا ہمارے لئے کوئی راہ نہ پیدا کردے اسوقت تک ہم چاروناچار صبر کرتے ہیں، خدا کی قسم میں نے ابتک تلوار اٹھانے کا ارادہ نہیں کیا، اگر میں تلوار اٹھالیتا، تو خواہ تنہا ہی کیوں نہ ہوتا اور ان کے ساتھ پوری جماعت کیوں نہ ہوتی وہ میرے ساتھ اس طرح نہیں کھیل سکتے تھے لیکن میں تلوار اٹھانا نہیں چاہتا، ابن زبیر ہمسایہ آزاری سے باز آنے والے نہیں، یہ کہکر وہ طائف چلے گئے ان کو یہاں آنے کے چند مہینوں کے بعد حجاج نے ۷۳ھ میں ابن زبیرؓ کا خاتمہ کر دیا[2]

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابن زبیرؓ کے حصار کے زمانہ میں ابن حنفیہ مکہ ہی میں تھے، چنانچہ حجاج نے ان کے پاس عبدالملک کی بیعت کے لئے کہلا بھیجا، انھوں نے جواب دیا کہ تم کو میرے مکہ کے قیام طائف اور شام کے سفر کے حالات معلوم ہیں، تمام زحمتیں میں نے صرف اسلئے اٹھائی تھیں کہ میں اس وقت تک کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنا نہیں چاہتا تھا جب تک ان میں سے کسی ایک پر سب کا اتفاق نہ ہو جائے، مجھ میں مخالفت کا کوئی جذبہ نہیں ہے، لیکن جب میں نے دیکھا کہ خلافت کے بارہ میں لوگوں کی رائیں مختلف ہیں تو میں نے اس وقت تک ان معاملات سے الگ رہنے کے لئے جب تک کسی پر اجماع نہ ہو جائے خدا کے اس شہر میں جس کی حرمت سب سے

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۸۰، [2] ایضاً،

بڑی اور سب سے زیادہ ہے، اور جس میں طیور تک کے لئے امان حاصل ہے، پناہ لی ہے، ابن زبیرؓ نے میرے ساتھ بدسلوکی کی، اس لئے میں شام چلا گیا، لیکن وہاں عبدالملک نے بھی میرا قرب پسند نہ کیا، اس لئے میں پھر حرم چلا آیا، اب اگر ابن زبیرؓ قتل ہو جائیں گے اور عبدالملک پر مسلمانوں کا اتفاق ہو جائیگا تو میں تمہارے ہاتھوں پر بیعت کرلوں گا، لیکن حجاج نے ذرا توقف بھی گوارا نہ کیا، اور بیعت کے لئے برابر مصر رہا، لیکن محمد بن حنفیہ کسی نہ کسی طرح ٹالتے رہے تا آنکہ ابن زبیرؓ قتل ہو گئے[1]

عبدالملک کی بیعت اور دور سکون ابن زبیرؓ کے مقتول ہو جانے کے بعد عبدالملک نے حجاج کو لکھا کہ "محمد بن حنفیہ میں مخالفت کا کوئی جذبہ نہیں ہے، امید ہے کہ اب وہ تمہارے پاس آکر بیعت کرلیں گے، ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا، محمد بن حنفیہ خود بھی شروع سے یہی کہتے چلے آرہے تھے کہ جب کسی ایک شخص پر مسلمانوں کا اتفاق ہو جائیگا تو میں بھی اس کو تسلیم کرلوں گا، چنانچہ عبدالملک پر اتفاق عام کے بعد جب عبداللہ بن عمرؓ نے اس کی بیعت کرلی تو محمد بن حنفیہ سے بھی کہا کہ اب کوئی اختلافی مسئلہ باقی نہیں ہے اسلئے تم بھی بیعت کرلو، ان کا پہلے سے یہی خیال تھا اسلئے آمادہ ہو گئے، اور حجاج کے ہاتھ پر بیعت کر کے عبدالملک کو حسب ذیل خط لکھا،

" بسم اللہ الرحمن الرحیم ۰ محمد بن علی کی جانب سے خدا کے بندے عبدالملک کو! اما بعد اس وقت جب امت میں خلیفہ کے بارے میں اختلاف تھا میں لوگوں سے کنارہ کش رہا، اب جب کہ خلافت تم کو مل گئی ہے، اور مسلمانوں نے تمہاری بیعت کرلی ہے، تو میں بھی اس جماعت میں شامل ہوتا ہوں، اور اس بھلائی میں جس میں وہ سب داخل ہوئے ہیں میں بھی داخل ہوتا ہوں، میں نے حجاج کے ہاتھوں پر تمہاری بیعت کرلی ہے اور اب یہ تحریری بیعت تم کو بھیجتا ہوں

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۸۱

کیونکہ تم پر مسلمانوں کا اجماع ہوگیا ہے، اب میں یہ چاہتا ہوں کہ تم ہم لوگوں کو امان اور ایفائے عہد کا یقین دلاؤ، فریب میں کوئی بھلائی نہیں ہے، اور اگر اب بھی تم کو اس میں تامل یا اس سے انکار ہے تو خدا کی زمین وسیع ہے،

عبد الملک کو یہ خط ملا تو اس نے اپنے مشیروں قبیصہ بن ذویب اور روح بن زنباع جذامی سے مشورہ کیا، انھوں نے کہا ابن حنفیہ پر آج بھی آپ کو کوئی قابو نہیں حاصل ہے، وہ جس وقت چاہیں جنگ وفساد برپا کر سکتے ہیں، ایسی حالت میں جب کہ انھوں نے آپ کی خلافت تسلیم کرکے بیعت کرلی ہے، میری رائے ہے آپ فوراً ان کو جان بخشی وامان کا عہد وپیمان لکھدیجئے، اور ان کے ساتھیوں کے لئے بھی وعدہ کرلیجئے، ان کے اس مشورہ پر عبد الملک نے یہ جواب لکھا "آپ میرے نزدیک لائق ستائش مجھکو زیادہ محبوب اور میرے ابن زبیرؓ سے زیادہ قریب عزیز ہیں، اس لئے میں خدا اور رسول کو حاضر وناظر جان کر وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو اور آپ کے تمام ساتھیوں کو کسی ایسے طرز عمل سے جسے آپ ناپسند کرتے ہیں پریشان نہ کیا جائیگا، آپ اپنے شہر واپس جائے اور جہاں دل چاہے اطمینان کے ساتھ رہئے، میں جب تک زندہ رہونگا عزیزداری کا پورا لحاظ رکھوں گا اور آپ کی مدد سے کبھی دستکش نہ ہونگا"

اس خط کے ساتھ ہی حجاج کے نام علیحدہ ان کے ساتھ حسن جوار اور ان کے اعزاز و احترام ملحوظ رکھنے کا حکم بھیجا، اس خوش آیند مصالحت کے بعد ابن حنفیہ مدینہ واپس گئے اور اطمینان وسکون کے ساتھ ان کو رہنے کا موقع ملا[1]،

شام کا سفر اور عبد الملک کا حسن سلوک، چند برسوں کے بعد ابن حنفیہ نے عبد الملک کو خط لکھکر اس کے پاس جانے کی اجازت چاہی، اس نے نہایت خوشی سے منظور کیا، چنانچہ انھوں نے

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۹۲،

۸۰ھ میں شام کا سفر کیا، عبد الملک نے بڑی خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا، اور انکے شایان شان ان کی پذیرائی اور بزرگداشت کی، اپنے محل کے قریب ہی ٹھہرایا، ان کے اور ان کے جملہ ہمراہیوں کی میزبانی کے لئے شاہی خزانہ کھول دیا، ایک مہینہ سے کچھ زیادہ ابن حنفیہ دمشق میں رہے، اس دوران میں وہ وقتاً فوقتاً عبد الملک سے ملتے رہے، دربار کے داخلہ میں شاہی خاندان والوں کے بعد ان کا نمبر تھا، ایک دن انھوں نے تنہائی میں عبد الملک کے سامنے اپنے قرض کا تذکرہ کیا، عبد الملک نے اسے ادا کرنے کا وعدہ کیا، اور ان سے ان کی اور ضروریات پوچھیں، انھوں نے قرض کی ادائگی اور بعض اور ضروریات کے ساتھ اپنی اولاد، اپنے خواص اور اپنے غلاموں کے وظایف مقرر کئے جانے کی خواہش کی، عبد الملک نے غلام کے وظائف کے علاوہ ان کی جملہ ضرورتیں اور خواہشیں پوری کر دیں، پھر ان کے اصرار پر غلاموں کے وظائف بھی مقرر کر دیئے لیکن ان کی مقدار کم رکھی، لیکن پھر ابن حنفیہ کا اصرار اتنا بڑھا کہ عبد الملک کو ان وظائف کی مقدار بھی پوری کرنی پڑی، ان ضروریات کے پورے ہونے کے بعد ابن حنفیہ مدینہ واپس ہوئے[1] اور تا دم آخر ان کے اور عبد الملک کے تعلقات نہایت خوش گوار رہے،

وفات: محمد بن حنفیہ کے سنہ وفات اور جائے وفات کے بارہ میں مختلف روایتیں ہیں، لیکن صحیح تر روایت یہ ہے کہ ۸۱ھ میں انھوں نے مدینہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے،[2]

گذشتہ حالات پر تبصرہ: اوپر جو حالات لکھے گئے ہیں ان کی حیثیت محض سوانح کی ہے، جن میں واقعات کو صرف واقعات کی حیثیت سے لکھدیا گیا ہے، اور ان پر کوئی نقد و تبصرہ نہیں کیا گیا ہے، لیکن

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۸۲ و ۸۳، [2] ایضاً ص ۸۵ و ۸۶،

ان میں بہت سے واقعات و مسائل نقد و نظر کے محتاج ہیں، ورنہ محض اوپر کے واقعات کے آئینہ میں ابن حنفیہ کی تصویر حیات داغدار نظر آتی ہے، اس لئے آیندہ سطور میں مذکورۂ بالا واقعات پر تنقیدی نظر ڈالی جاتی ہے،

حضرت امام حسینؓ کے حقیقی وارث اور جانشین امام زین العابدین تھے، لیکن اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے بعد وہ دنیا سے ایسے برداشتہ خاطر ہوگئے تھے کہ خلافت اور امامت کے جھگڑوں سے کنارہ کش ہو کر گوشۂ عزلت کی زندگی اختیار کرلی تھی، شیعیانِ[1] علی نے انھیں بہت میدان میں لانا چاہا، لیکن وہ ایسے دل شکستہ تھے کہ گھر سے باہر قدم نہ نکالا، ان سے مایوس ہونے کے بعد شیعیان علی نے ابن حنفیہ کو اس بارِ امانت کا حامل بنا دیا، اس لئے خلافت و امامت، اہل بیت و غیر اہل بیت کے سوالات اور اس سے متفرع عقائد و خیالات اور مسائل کا تعلق ابن حنفیہ کی ذات سے ہوگیا، اور اس سلسلہ میں بعض افعال ابن حنفیہ سے ایسے سرزد ہوگئے اور بہت سے ایسے عقائد و خیالات انکی جانب غلط منسوب ہوگئے جو بظاہر ان کی ذات سے بہت فروتر ہیں، انہی واقعات پر تنقید مقصود ہے،

شیعی تحریک اور اہل بیت و غیر اہل بیت وغیرہ مسائل کی بنیاد تمام تر پروپگنڈے پر ہے، اس جماعت نے اپنی تحریک اور اپنے مقاصد کو کامیاب بنانے کے لئے بہت سے ایسے عقائد و خیالات بزرگانِ اہل بیت کی جانب منسوب کر دیئے ہیں، جن کی وجہ سے وہ حرص خلافت کا مجسم پیکر معلوم ہوتے ہیں، ان میں سے بعض خیالات تو ایسے گمراہ کن ہیں کہ اگر وہ ان بزرگوں کے زمانہ میں ظاہر کئے جاتے یا ان کو معلوم ہو جاتے تو وہ ان کے اختراع کرنے والوں کو اپنے اتباع

[1] یہاں شیعیت مراد اثنا عشری شیعیت نہیں ہے کیونکہ اس عہد میں اسکا وجود ہی نہ تھا، پھر ان کا سلسلہ امامت امام زین العابدین سے چلتا ہے، امام حسینؓ کے بعد زین العابدین ان کے بعد ان کے فرزند امام باقر اور جعفر صادق وغیرہ اثنا عشری جماعت کے ائمہ زین العابدین کی نسل سے پوشیدہ ہوتے ہیں بلکہ اس عہد کی وہ سیاسی جماعت مراد ہے جو غیر فاطمی خلفاء کے مقابلہ میں انکی پشت پناہ تھی،

کی جماعت سے خارج کر دیتے،

اس میں شبہہ نہیں کہ "خلافت اسلامیہ" نے جب دنیاوی حکومت کا قالب اختیار کر لیا، اس وقت اہل بیت کرام میں حصولِ خلافت کا جذبہ ضرور پیدا ہوگیا تھا، جو بڑی حد تک درست تھا، اس لئے کہ "اسلامی حکومت" اسی وقت تک نیابت الٰہی اور خلافت نبوی ہے، جب تک وہ جمہوری ہے، اور اسی وقت وہ جمہوری ہے، جب تک وہ خلافت ہے، شخصی حکومت کا قالب اختیار کر لینے کے بعد اس کی حیثیت مذہبی باقی نہیں رہتی، اس وقت اگر اس حکومت کے بانی کے ورثہ کے دلوں میں اس کے حصول کا جذبہ پیدا ہو یا کوئی جماعت ان کی حمایت کے لئے کھڑی ہو جائے تو یہ دونوں امور قابل اعتراض نہیں کہے جا سکتے، لیکن اس سلسلہ میں مدعیانِ محبت اہل بیت نے عجیب گمراہ کن عقائد اختراع کر کے ان بزرگوں کی جانب منسوب کر دیئے ہیں جس سے ان کا دامن بالکل پاک ہے،

محمد بن حنفیہ اس موحد اعظم کی نسل میں تھے، جس نے اپنے متعلق غلط عقیدہ رکھنے والوں کو زندہ جلا دیا تھا، اس لئے ان کا دامن فاسد عقائد سے آلودہ ہو ہی نہیں سکتا تھا، ان کو کانوں میں جب اس قسم کے خیالات پڑتے تھے تو وہ اس کی پوری تردید کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کو معلوم ہوا کہ مختار کے متبعین کہتے ہیں کہ ان کے (ابن حنفیہ) پاس قرآن کے علاوہ علم (سینہ) کا کچھ حصہ ہے، یہ روایت سن کر انھوں نے مخصوص تقریر کی کہ "خدا کی قسم اس کتاب کے علاوہ جو لوحوں کے درمیان ہے (قرآن پاک)، رسول اللہ سے وراثت میں ہمکو اور کوئی علم نہیں ملا"[۱]

ان کے بہت سے عقیدت مند انھیں مہدی کہہ کر سلام کرتے تھے کہ "سلام علیک یا مہدی" یہ جواب دینے میں اس معنی میں بیشک مہدی ہوں کہ میں لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی ہدایت کرتا ہوں،

---

[۱] ابن سعد ج ۵ صفحہ،

لیکن میرا نام بنی اللہ کے نام پر اور میری کنیت بنی اللہ کی کنیت پر ہے، اس لئے جب تم لوگ سلام کیا کرو تو مھدی کے بجائے السّلام علیک یا محمد اور السلام علیک یا ابا لقاسم کہا کرو[۱]

لوگوں نے قریش کے دو خانوادوں بنی امیہ اور بنی ہاشم کا رتبہ ایک کا دنیاوی وجاہت کی بنا پر اور دوسرے کا مذہبی سیادت کی بنا پر پرستش کی حد تک پہنچا دیا تھا، ابن حنفیہ اس کو سخت ناپسند کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ ہمارے قریش کے دو گھرانوں کو خدا کے علاوہ اس کا ایک اور مثیل ٹھہرا لیا گیا ہے، ہم کو (اہل بیت) اور بنی امیہ کو[۲]

بعض فرقے حضرت علیؓ کو الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیتے ہیں، لیکن ابن حنفیہ انھیں بندگی ہی کے درجہ میں رکھتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ میں رسول اللہ صلعم کے بعد کسی انسان کی نجات اور اس کے جنتی ہونے کی یقینی شہادت نہیں دے سکتا حتی کہ اپنے باپ علیؓ کے متعلق بھی جنھوں نے مجھے پیدا کیا ہے، یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا[۳]

مختار ثقفی کی سرپرستی کے اسباب، غرض ان کا کوئی عقیدہ صحیح عقائد اسلامی کے خلاف نہ تھا، مختار ثقفی کے دام تزویر میں پھنس جانا ضرور بظاہر نظر کھٹکتا ہے لیکن یہ فطرت انسانی کا تقاضا تھا، امیر معاویہ نے زندگی بھر اہل بیت کے حقوق اور ان کے مراتب کا خیال رکھا، ان کے بعد یزید سے لیکر عبد الملک کے زمانہ تک ان بزرگوں کے ساتھ اموی خلفاء کا جو طرز عمل رہا، وہ بالکل عیاں ہے، امام حسین علیہ السلام اور نبوت کے سارے کنبہ کو جس بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا وہ اموی حکومت کے دامن کا ایسا داغ ہے جو کبھی نہیں مٹ سکتا، ان حالات میں نہ صرف ابن حنفیہ بلکہ سارے بنی ہاشم کے دل امویوں کی طرف سے پھرے ہوئے تھے، اس کے علاوہ ابن زبیرؓ کا خطرہ علیحدہ ان کے سروں پر مسلط تھا، ان حالات میں مختار خون حسینؓ کے انتقام کی دعوت لیکر

---

[۱] ابن سعد ج ۵ ص ۶۶ و ص ۶۹، [۲] ایضاً ص ۶۶، [۳] ایضاً،

اٹھا اور قاتلین حسینؓ کو ڈھونڈھ کر قتل کیا، اور بنی امیہ اور ابن زبیرؓ دونوں کے مقابلہ میں ابن حنفیہ کا پشت پناہ بنا، ایسی حالت میں اگر ابن حنفیہ فطرت انسانی کے مطابق یا کسی مصلحت کی بنا پر اس سے متاثر ہو گئے تو ایک حد تک معذور تھے، پھر بھی انھوں نے کبھی اس پر اعتماد نہیں کیا، اور اسکو آلۂ کار سے زیادہ حیثیت نہیں دی، اوپر گذر چکا ہے کہ جب مختار نے ابن حنفیہ سے عراق جانے کی اجازت چاہی تھی تو انھوں نے اجازت تو دیدی لیکن چونکہ اس پر اعتماد نہ تھا، اس لئے اپنے ایک آدمی عبداللہ ابن کامل ہمدانی کو اس کے ساتھ کر دیا، اور اس کو ہدایت کر دی کہ یہ شخص لائق اعتماد نہیں ہے، اس سے بچتے رہنا،[1] یا جب عروہ ابن زبیر کی جانب سے ابن حنفیہ کے پاس پیام لے کر آگئے تو انھوں نے ان سے کہا کہ میں نے نہ اس کو اپنا داعی بنایا تھا، نہ مددگار،[2] یا جب بعض اہل عراق کو مختار کے بیانات پر شبہہ ہوا اور وہ ابن حنفیہ کے پاس اس کی تصدیق کے لئے گئے، تو انھوں نے کہا کہ "ہم پسند کرتے ہیں کہ اللہ نے جس بندے کے ذریعہ سے چاہا ہماری مدد کی، البتہ تم لوگ کذابین سے ڈرتے رہو، اور ان سے اپنی جان اور اپنے دین کی حفاظت کرو"[3]،

لیکن ابن حنفیہ میں خاندانی عصبیت اور حصول خلافت کی فطری خواہش ضرور تھی، اور اس کا باعث بھی بنی امیہ کی غیر محتاط روش اور ان کا جابرانہ طرز عمل تھا، ابن زبیرؓ اور عبدالملک کے اختلافات اور ابن حنفیہ پر ابن زبیرؓ کے جبر نے اس جذبہ کو اور زیادہ قوی کر دیا تھا لیکن اس کے لئے بھی انھوں نے کوئی عملی کوشش نہیں کی، بلکہ ہمیشہ یہی کرتے رہے کہ میں خلافت ضرور چاہتا ہوں مگر اس صورت میں کہ کسی ایک مسلمان کو بھی اس سے اختلاف نہ ہو، یہ جذبہ بنی امیہ کے مقابلہ میں کسی طرح ناروا نہیں کہا جا سکتا

ابن حنفیہ کی پیرو ایک جماعت، اگرچہ ابن حنفیہ فرقۂ اثنا عشری کے امام نہیں ہیں، ان کے تمام ائمہ حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے ہیں، لیکن شیعیوں کی ایک جماعت حضرت حسینؓ کے بعد انہی کو امام

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۷۱، [2] ایضاً ص ۷۴، [3] ایضاً ص ۷۲،

تسلیم کرتی ہے، اس جماعت کا نام کیسانیہ ہے، اس کا عقیدہ ہے کہ ابن حنفیہ نے وفات نہیں پائی بلکہ اپنے چالیس اصحاب کے ساتھ کوہ رضوی میں چلے گئے تھے اور اب تک وہاں موجود ہیں، ایک شیر اور ایک چیتا ان کی پاسبانی کرتا ہے اور ان کی سیرابی کے لئے ایک شہد اور ایک پانی کا چشمہ رواں ہے، خدا انھیں اس گوشہ میں روزی پہنچاتا رہتا ہے، ایک دن وہ اس دنیا میں آئیں گے، اور اسکو عدل وانصاف سے معمور کر دیں گے، ابن حنفیہ کے بعد ان کے صاحبزادے عبداللہ ان کے جانشین ہوئے تھے[1]،

فضل وکمال ابن حنفیہ علی مرتضیٰ جیسے مجمع العلم والعمل باپ کے فرزند تھے، اس لئے علم کی دولت ان کو ورثہ میں ملی تھی، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کہ وہ بڑے صاحب علم تھے[2]، ابن حبان ان کو ان کے خاندان کے فاضل ترین افراد میں شمار کرتے ہیں[3]، لیکن اس کی تفصیلات کتابوں میں مذکور نہیں

حدیث حدیث میں انھوں نے اپنے والد بزرگوار، اور حضرت عثمانؓ، عمار بن یاسرؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، ابوہریرہؓ، اور ابن عباسؓ سے فیض اٹھایا تھا، بعض محدثین کے نزدیک حضرت علیؓ کی مستند ترین روایات انہی سے مروی ہیں[4]،

ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی خاصہ وسیع تھا، آپ کے چار صاحبزادے، ابراہیم، حسن، عبداللہ اور عون، بھتیجے محمد بن عمر بن علی، بھائی کے پوتے محمد بن علی بن حسن، بھانجے عبداللہ بن محمد بن عقیل، اور بیرونی اشخاص میں عطار بن ابی رباح، منہال بن عمرو، محمد بن قیس بن مخرمہ، منذر بن یعلی، محمد بن بشیر ہمدانی، سالم بن ابی الجعد اور عمرو بن دینار آپ کے فیض یافتگان میں تھے[5]،

کلمات طیبات آپ کے مختصر کلمات طیبات نہایت پر حقیقت اور سبق آموز ہیں، فرماتے تھے،

---

[1] ابن خلکان ج اول ص۴۵۰، [2] ابن سعد ج ۵ ص۶۷، [3] تہذیب التہذیب ج ۹ ص۳۵۴،

[4] ایضاً ص۳۵۵، [5] ایضاً،

جس کا نفس اس کی نگاہ میں معزز ہوا، اس کی نگاہ میں دنیا کی کوئی قیمت باقی نہیں رہتی"۔ "جو شخص ان لوگوں کے ساتھ جن کے ساتھ زندگی بسر کرنا ہے نہیں بناہ سکتا وہ عقلمند نہیں ہے"۔ "خدا نے جنت کو تمھارے نفس کی قیمت قرار دیا ہے، اس لئے اس کو دوسری چیز کے بدلہ میں فروخت نہ کرو"۔ "جو چیز لوجہ اللہ نہیں کی جاتی وہ فنا ہو جاتی ہے"[1]

عبادت وریاضت | علم کے ساتھ وہ بڑے عابد و زاہد تھے، ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ علم اور عبادت دونوں میں انتہائی درجہ پر تھے[2]

ماں کی خدمت | ماں کے بڑے خدمت گذار تھے، اپنے ہاتھوں سے ان کے بالوں میں خضاب لگاتے تھے، کنگھی کرتے تھے، چوٹی گوندھتے تھے، ایک مرتبہ گھر سے نکلے ہاتھوں میں مہندی کا اثر تھا، کسی نے پوچھا یہ کیا، فرمایا ماں کے بالوں میں خضاب لگا رہا تھا[3]،

قوت و شجاعت | اسد اللہ الغالب کے خلف الصدق تھے، اس لئے علم کے ساتھ قوت و شجاعت بھی ورثہ میں ملی تھی، اتنے قوی اور طاقتور تھے کہ زرہ کو دونوں ہاتھوں سے کھینچ کر چیر ڈالتے تھے حضرت علیؓ کی ایک زرہ آپ کے جسم سے زیادہ لمبی تھی، آپ نے بقدر زیادتی نشان لگا کر انکو دیا کہ اس کو نشان سے کم کردو، انھوں نے ایک ہاتھ سے زرہ کا دامن پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے بڑھا ہوا حصہ کھینچکر دو ٹکڑے کر دیئے، ابن زبیرؓ جسمانی طاقت میں ان کے حریف تھے، انکے سامنے جب اس واقعہ کا تذکرہ کیا جاتا تھا تو وہ غصہ سے کانپنے لگتے،

ایک مرتبہ قیصر روم نے اپنے یہاں کے دو پہلوان امیر معاویہؓ کے پاس قوت آزمائی کے لئے بھیجے، ان میں سے ایک کو قیس نے زیر کیا، دوسرے کے مقابلہ کے لئے امیر معاویہ نے ابن حنفیہ کو بلایا، انھوں نے مقابلہ کی یہ صورت پیش کی کہ یا رومی پہلوان بیٹھ کر اپنا ہاتھ انکے

---

[1] مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۳۲، [2] شذرات الذہب ج اول ص ۸۹، [3] ابن سعد ج ۵ ص ۸۵،

ہاتھ میں دے، دونوں زور کریں، یا وہ کھینچکر انھیں بٹھا دے، یا یہ بیٹھکر زور کریں، رومی پہلوان نے پہلی صورت پسند کی، چنانچہ دونوں میں مقابلہ ہوا، رومی نے ہر چند زور لگایا، لیکن ان کو نہ بٹھا سکا اور انھوں نے کھینچ کر اسکو کھڑا کر دیا، اس کے بعد یہ خود بیٹھے، رومی نے کھڑا کرنیکی ہر چند کوشش کی مگر ناکام رہا، مگر انھوں نے اسکو کھینچ کر بٹھا دیا[۱]،

اس طاقت کی وجہ سے وہ ہمیشہ اپنے والد بزرگوار کے دست راست اور پشت و پناہ رہے ہر میدان میں ان کے دوش بدوش واد شجاعت دیتے تھے جمل اور صفین کے معرکوں میں علوی علم انہی کے ہاتھ میں تھا، ایک مرتبہ کسی نے ان سے سوال کیا کیا بات ہے کہ تمھارے والد خطرات کے مواقع پر تم ہی کو آگے بڑھاتے تھے اور حسنؓ و حسینؓ کو علٰحدہ رکھتے تھے، جواب دیا وہ دونوں ان کی آنکھ کے بجائے تھے، اور میں ان کا دست و بازو تھا اس لئے وہ ہاتھ سے آنکھوں کی حفاظت کرتے تھے[۲]،

حلیہ و لباس، میانہ قد تھا، آخر عمر میں بال سپید ہو گئے تھے، بالوں میں مہندی کا خضاب کرتے تھے، خز کا لباس پہنتے تھے، سیاہ عمامہ باندھتے تھے، ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے[۳]،

اولاد و ازواج آپ نے متعدد شادیاں کیں اور ان سے بہت سی اولادیں ہوئیں، انکی تفصیل یہ ہے، ابو ہاشم، عبداللہ، حمزہ، علی، جعفر اکبر یہ چاروں ایک ام ولد کے بطن سے تھے حسنؒ جنھوں نے سب سے پہلے رجا کا عقیدہ پیدا کیا، یہ عبدالملک کی پوتی جمال کے بطن سے تھے، ابراہیم یہ مسرعہ بنت عباد کے بطن سے تھے، قاسم، عبدالرحمٰن یہ دونوں برہ بنت عبدالرحمٰن بن حارث مطلبی کے بطن سے تھے، جعفر اصغر، عون، عبداللہ الاصغر یہ تینوں جعفر بن ابی طالب کی پوتی ام کلثوم کے بطن سے تھے، عبداللہ اور رقیہ یہ دونوں ام ولد سے تھے[۴]،

---

[۱] یہ تمام واقعات ابن خلکان ج اول ص ۴۴۹ سے ماخوذ ہیں [۲] ایضاً [۳] ابن سعد ج ۵ ص ۸۴ [۴] ایضاً ص ۶۷،

۶۳- محمد بن سیرین

نام ونسب | محمد نام، ابوبکر کنیت، والد کا نام سیرین تھا، سیرین جرجرایا (عراق) کے باشندے تھے، اور ٹھٹھیرے کا کام کرتے تھے عین التمر میں ان کی دوکان تھی، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں عین التمر کے معرکہ میں اور عجمیوں کے ساتھ سیرین بھی گرفتار ہوئے، اور کسی مجاہد کے حصہ میں پڑے، بعد میں وہ انس بن مالکؓ کی غلامی میں تھے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید وہ انھیں کے حصہ میں پڑے ہوں گے، یا انھوں نے کسی مجاہد سے خریدا ہوگا، بہرحال وہ انس ابن مالکؓ کی غلامی میں تھے، سیرین بڑے صناع تھے کافی کماتے تھے، اس لئے انسؓ نے بیس یا چالیس ہزار لیکر انھیں کچھ عرصہ کے بعد آزاد کر دیا۔[1]

ان کی بیوی صفیہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی لونڈی تھیں، اور ایسی لونڈی تھیں جن کی ذات آزاد عورتوں کے لئے قابل رشک ہے، ان کے نکاح میں تین امہات المومنین نے ان کو سنوارا تھا، اور اٹھارہ بدری صحابہ شریک نکاح تھے، اور ان کے لئے دعائے خیر کی تھی۔[2]

پیدائش | ان دونوں کی شخصیت سے مل کر محمد بن سیرین کی ذات وجود میں آئی، وہ ۳۳ھ میں تولد ہوئے۔[3]

فضل وکمال | حضرت انس بن مالکؓ کی ذات وہ تھی جن کے معمولی تربیت یافتہ علم وعمل کے وارث ہوئے، ابن سیرین نے انہی کے دامن علم میں تربیت پائی تھی، اور مدتوں

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۴۵۳، [2] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۴۱، [3] ایضاً،

ان کے ساتھ رہے تھے [۱] انس بن مالک کے علاوہ اکابر صحابہ میں انھوں نے ابوہریرہؓ کی زیادہ صحبت اٹھائی تھی، اور ان کے اصحاب میں ان کا شمار تھا [۲] تابعین میں وہ مدتوں سرتاج تابعین حضرت حسن بصری کی صحبت میں رہے [۳]

ان بزرگوں کے فیض صحبت نے ابن سیرین کو پیکر علم وعمل بنادیا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کان ثقۃً ماموناً عالیاً رفیعاً فقیہاً اماماً کثیر العلم ورعاً، [۴] حافظ ذہبی لکھتے ہیں کان فقیہاً اماماً غزیر العلم، ثقۃً ثبتاً علامۃ التفسیر راسا فی الورع، [۵]

تفسیر، انھیں جملہ علوم میں یکساں کمال حاصل تھا، امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ تفسیر، حدیث، فقہ اور تعبیر رویا وغیرہ فنون میں امام تھے [۶]

حدیث، ابن سیرین حضرت انسؓ کے تربیت یافتہ، ابوہریرہؓ کے ساتھی اور حسن بصری کے ہمجلیس تھے، جن میں سے ہر ایک حدیث کا رکن اعظم تھا، ان تینوں بزرگوں کے علاوہ انھوں نے اس فن شریف میں صحابہ میں زید بن ثابتؓ، حذیفہ بن یمانؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، حسن بن علیؓ، جندب ابن عبداللہ بجلیؓ، رافع بن خدیجؓ، سلیمان بن عامرؓ، سمرہ بن جندبؓ، عثمان بن ابی العاصؓ، عمران بن حصینؓ، کعب بن عجرہؓ، معاویہؓ، ابودرداؓ، ابوسعید خدریؓ، ابوقتادہ انصاریؓ، ابوبکر ثقفیؓ، ام المومنین عایشہ صدیقہؓ اور غیر صحابہ علماء میں عکرمہ، شریح، حمید بن عبدالرحمن حمیری، عبداللہ ابن شقیق، عبدالرحمن بن ابی بکرہ، قیس بن عباد، مسلم بن یسار، یونس بن جبیر، عمرو بن وہب، یحییٰ بن ابی اسحٰق حضرمی، خالد الحذار وغیرہ ایک بڑی جماعت سے روایتیں کی ہیں [۷]

---

[۱] تہذیب، تذکرۃ الحفاظ و ابن سعد وغیرہ، [۲] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۱۵، [۳] ابن خلکان ج اول ص ۴۵۱، [۴] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۴۳، [۵] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۲، [۶] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۸۲، [۷] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۱۴،

ان بزرگوں کے فیض نے ان کو علم حدیث کا دریا بنا دیا تھا، ابن سعد، حافظ ذہبی، امام نووی ابن حجر انھیں امام الحدیث لکھتے ہیں،

احتیاط اس وسعت علم کے باوجود وہ بڑے محتاط تھے، اور سماع اور روایت دونوں میں انتہائی احتیاط برتتے تھے، معمولی درجہ کے اشخاص سے تحصیل علم اور اخذ حدیث خلاف احتیاط سمجھتے تھے چنانچہ فرماتے تھے کہ علم دین ہے، اس لئے اس کو حاصل کرنے سے پہلے اس شخص کو خوب اچھی طرح سے پرکھ لو جس سے اس کو حاصل کرنا ہے[1]،

روایت میں اتنے محتاط تھے، کہ احادیث کو بالفاظہا روایت کرتے تھے، تنہا معنی لے لینا کافی نہ سمجھتے تھے[2]، حدیث اس احتیاط سے بیان کرتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چیز صاف کر رہے ہیں، یا کسی چیز کا خوف ہے[3]، انتہائی احتیاط کی بنا پر حدیثوں کا قلمبند کرنا پسند نہ تھا، فرماتے تھے کہ کتابت سے بچو، تمھارے اگلے لوگ کتابوں ہی سے سرگرداں اور گمراہ ہوئے، اگر میں کسی چیز کو کتاب بناتا تو رسول اللہ صلعم کے خطوط کو بناتا[4]، لیکن حدیثوں کو حفظ کرنے کے لئے اس شرط پر ان کا قلمبند کرنا جائز سمجھتے تھے، کہ حفظ کرنے کے بعد وہ مٹا دی جائیں[5]، روایت اور کتابت حدیث کے سلسلہ میں ایک باریک اور نادر نکتہ ارشاد فرماتے تھے، کہ اگر کسی بات کرنے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی باتیں مواخذہ کے لئے قلم بند کی جاتی ہیں، تو وہ گفتگو کم کر دے[6]،"

اس کا حاصل یہ ہے کہ جب معمولی باتوں میں باتیں کرنے والے مواخذہ کے خوف سے احتیاط کرنے لگتے ہیں تو حدیثوں کی کتابت میں تو بدرجہ اولی احتیاط کرنی چاہئے کہ اس کی بھول چوک میں زیادہ مواخذہ ہے، اور کتابت کی بھول چوک کو دوام حاصل ہو جاتا ہے،

---

۱ ابن سعد ج ۶، ق اول ص ۱۲۱، ۲ ایضاً، ۳ ایضاً ص ۱۲۲، ۴ ایضاً ص ۱۲۱، ۵ ایضاً ص ۱۲۲،
۶ ایضاً ص ۱۲۲،

ان کی مرویات کا پایہ اس احتیاط کی بنا پر ارباب فن کے نزدیک وہ بڑے صادق القول اور ان کی روایات نہایت معتبر مانی جاتی تھیں، ہشام بن حسان کہتے تھے کہ میں نے انسانوں میں سب سے زیادہ سچا ابن سیرین کو پایا،[1] بڑے بڑے ائمہ حدیث شائقین علم کو ان کا دامن پکڑنے کی ہدایت کرتے تھے، شعیب بن حجاب کا بیان ہے کہ شعبی ہم لوگوں سے کہتے تھے کہ تم لوگ ابن سیرین کا دامن پکڑو، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۸)

تلامذہ حدیث میں ان کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا، بعضوں کے نام یہ ہیں، امام شعبی، ثابت، خالد الحذاء، داؤد بن ابی ہند، ابن عون، جریر بن حازم، ایوب، عاصم الاحول، قتادہ، سلیمان التیمی، مالک بن دینار، امام اوزاعی، قرہ بن خالد، ہشام بن حسان اور ابو ہلال راسبی وغیرہ،[2]

فقہ فقہ میں بھی ان کا پایہ نہایت بلند تھا، وہ بالاتفاق اپنے عہد کے اکابر فقہاء میں تھے، ابن سعد، حافظ ذہبی، امام نووی اور ابن حجر وغیرہ جملہ ائمہ فقہ میں ان کی امامت کے معترف ہیں،[3] ابن حبان کہتے ہیں کہ ابن سیرین فقیہ فاضل حافظ اور متقن تھے،[4]

مہارت قضاء اور اس سے گریز ان کے فقہی کمال کی وجہ سے انہیں قضا میں بڑی مہارت تھی، عثمان البتی کا بیان ہے کہ اس علاقہ میں ابن سیرین سے زیادہ قضاء کا عالم نہ تھا،[5] ان کی مہارت قضا کی وجہ سے ان کے سامنے عہدۂ قضا پیش کیا گیا، یہ اس کے خوف سے شام بھاگ گئے، پھر کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے مدینہ واپس آئے،[6]

فتاوی میں احتیاط مسائل اور فتاوی کے جواب میں وہ اتنے محتاط تھے کہ جواب دیتے وقت نہ

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۱۴، [2] ایضاً ص ۲۱۵، [3] دیکھو کتب مذکورہ حالات ابن سیرین، [4] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۱۶

[5] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۴۳، [6] شذرات الذہب ج اول ص ۱۳۹،

شدت احتیاط یا خوف سے گھبرا جاتے اور ان کی حالت بدل جاتی تھی، اشعث کا بیان ہے کہ ہم لوگ جب ابن سیرین کے پاس بیٹھتے تھے، تو وہ باتیں بھی کرتے تھے ہنستے بھی تھے، حالات بھی پوچھتے تھے، لیکن جہاں ان سے فقہ کا کوئی مسئلہ یا حرام و حلال کے متعلق کچھ پوچھا جاتا تو اُن کا رنگ متغیر ہو جاتا، اور یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ تھوڑی دیر پہلے وہ ہنس بول رہے تھے[۱] ابن عون کا بیان ہے کہ میں نے ایک مسئلہ میں ابن سیرین کی طرف رجوع کیا، انھوں نے جواب میں کہا میں یہ نہیں کہتا کہ "اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا"[۲]

علما کا اعتراف، اس عہد کے بڑے بڑے علما، اور ارباب کمال انھیں ان کے زمانہ کا ممتاز ترین فاضل سمجھتے تھے، ابن عون کہتے تھے کہ ساری دنیا میں تین آدمیوں کا مثل نہیں مل سکتا عراق میں ابن سیرین کا، حجاز میں قاسم بن محمد کا، اور شام میں رجاء بن حیوۃ کا، اور پھر ابن سیرین ان تینوں میں فائق تھے[۳] ابن حبان لکھتے ہیں کہ محمد بن سیرین بصرہ کے سب سے بڑے متورع فقیہ، فاضل، حافظ، متقن اور معبّر خواب تھے[۴]

زہد و ورع، ان کی ذات جامع العلم والعمل تھی، ان میں جس درجہ کا علم تھا، اسی درجہ کا عمل تھا وہ اپنے عہد کے بڑے عابد و متورع بزرگ تھے، ابن سعد لکھتے ہیں، کہ وہ کثیر العلم اور متورع تھے[۵]، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ راس المتورعین تھے[۶] خطیب کا بیان ہے کہ وہ متورع فقہاء میں تھے[۷]، عجلی کا بیان ہے کہ میں نے کسی کو ورع میں ان سے بڑا فقیہ اور فقہ میں ان سے زیادہ

---

[۱] ابن سعد ج، ق اول ص۱۴۲، [۲] ایضاً ص۱۴۳، [۳] تہذیب التہذیب ج ۹ ص۲۱۶، [۴] ایضاً، [۵] ابن سعد ج، ق اول ص۱۴۰، [۶] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۷۶، [۷] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص۸۳،

متورع نہیں دیکھا[1] فرماتے تھے کہ ورع نہایت آسان شے ہے، کسی نے پوچھا وہ کیسے فرمایا جس چیز میں شک معلوم ہو اس کو چھوڑ دو[2]،

خشیت الٰہی اور رقت قلب، طبعاً نہایت خندہ جبیں اور خوش مزاج تھے لیکن ان کا دل خشیت الٰہی سے لبریز تھا، یونس کا بیان ہے کہ ابن سیرین ہنس مکھ اور پر مذاق آدمی تھے[3] لیکن گداز قلب اور خشیت الٰہی کا یہ حال تھا کہ جلوت میں ان کے لب ہنستے تھے لیکن خلوت میں ان کی آنکھیں اشکبار رہتی تھیں، ہشام بن حسان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ ابن سیرین کے ساتھ مقیم تھے، دن کو انھیں ہنستا دیکھتے تھے، اور رات کی تاریکی میں ان کے گریہ کی آواز سنتے تھے[4] موت کے ذکر سے ان پر موت کی سی کیفیت طاری ہوجاتی تھی، ازہر الاقطع کا بیان ہے کہ ابن سیرین جب موت کا ذکر کرتے تھے، تو ان کا ہر عضو بدن مرجاتا تھا[5]،

صحت عقیدہ، عقائد میں وہ سلف صالحین کے سادہ اور بے آمیز عقیدہ کے پابند تھے، اس میں عقلی موشگافیوں اور جدتوں کو سخت ناپسند کرتے تھے، قدر کا مسئلہ ان کے زمانہ میں چھڑ چکا تھا، ابن سیرین کو اس سے سخت نفرت تھی، اس کو وہ سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے، ابن عون کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص ابن سیرین کے پاس آیا اور ان سے قدر کے متعلق کچھ باتیں کیں، انھوں نے اس کے جواب میں یہ آیت تلاوت کی،

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان	اللہ تعالیٰ عدل، احسان اور قرابت مندوں
وایتاء ذی القربی وینھی عن	کو دینے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی اور ناشائستہ
الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون	باتوں اور زیادتی کرنے سے منع کرتا ہے تم لوگوں کو نصیحت ...

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۴۲، [2] شذرات الذہب ج اول ص ۱۳۸، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۹، [4] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۸۴، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۷،

یہ آیت سنا کر انھوں نے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور باتیں کرنے والے شخص سے کہا تم میرے پاس سے چلے جاؤ، یا میں خود اٹھا جاتا ہوں، یہ نفرت دیکھ کر وہ شخص چلا گیا، اس کے جانے کے بعد ابن سیرین نے کہا کہ میرا دل میرے اختیار میں نہیں ہے مجھے ڈر تھا کہ وہ میرے دل میں ایسا خیال نہ پھونک دے، جس کے دور کرنے پر مجھ کو قدرت نہ ہو، اس لئے میرے لئے یہی مناسب تھا کہ میں اس کی باتیں ہی نہ سنوں[1]،

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک اعرابی آیا اور مذہب کے متعلق کچھ باتیں پوچھنے لگا، آپ اس کے جوابات دیتے رہے، کسی نے اس شخص سے کہا ذرا قدر کے متعلق دریافت کرو، دیکھو کیا کہتے ہیں، اس نے پوچھا، ابو بکر قدر کے بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے، انھوں نے کہا تم سے یہ کن لوگوں نے کہا ہے، پھر چند ساعت خاموش رہ کر فرمایا، کسی کے اوپر شیطان کا بس نہیں ہے، جو شخص خود اس کی اطاعت کر لیتا ہے، اسکو وہ ہلاک کر دیتا ہے[2]،

عبادت، ان کا سب سے محبوب مشغلہ عبادت تھا، اور وہ بڑی سخت عبادتیں کرتے تھے، ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ علم اور عبادت دونوں میں انتہائی کمال پر تھے[3]،

روزانہ شب کو سات ورد پڑھتے تھے، اگر ان میں سے کوئی باقی رہجاتا تھا، تو اسے دن میں پورا کرتے تھے، تنہائی میں تسبیح کا شغل رہتا تھا[4]، سوتے وقت نفس کو (ذکر الٰہی) کی طرف متوجہ کر لیتے تھے[5]، اس طرح گویا ساری رات عبادت میں بسر ہوتی تھی سیرین کے گھر کے احاطہ میں ایک مسجد تھی، جس میں بچہ کو بھی جانے کی اجازت نہ تھی[6]، ایک دن درمیان دیکر ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، اور اس میں اس قدر سختی برتتے تھے کہ اگر روزہ کا دن یوم شک میں پڑتا یعنی شعبان اور رمضان

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۴۱، [2] ایضاً، [3] شذرات الذہب ج اول ص ۱۳۹، [4] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۴۲، [5] ایضاً ص ۱۴۶، [6] ایضاً ص ۱۴۱،

کا فیصلہ نہ ہو سکتا تو شک سے روزہ نہ چھوڑتے تھے[1] معمولی معمولی عبادتوں میں بھی مبالغہ سے کام لیتے تھے، وضو میں پنڈلیوں تک پاؤں دھوتے تھے[2] زکوٰۃ کے باب میں اتنا اہتمام تھا کہ بغیر اس کو نکالے ہوئے عید کی نماز کے لئے گھر سے نہ نکلتے تھے، ابن عون کا بیان ہے کہ ہم کو کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ عید کے دن ہم ابن سیرین کے پاس گئے ہوں اور انہوں نے ہم کو خبیص (ایک قسم کا کھانا) یا فالودہ نہ کھلایا ہو، وہ بغیر زکوٰۃ ادا کئے ہوئے عید کے لئے گھر سے نہ نکلتے تھے، پہلے زکوٰۃ نکال کر جامع مسجد بھجوا دیتے تھے، اس کے بعد عید کی نماز کے لئے نکلتے تھے[3]

احترام شعائر اللہ، شعائر اللہ کا بڑا احترام کرتے تھے، چنانچہ تلاوت قرآن کے درمیان باتیں کرنا پسند نہ کرتے تھے[4] مسجد کو اپنے کپڑے سے صاف کرتے تھے[5]

محرمات سے اجتناب یہ تو ایک پہلو یعنی اوامر کی پابندی کا حال تھا نواہی میں وہ اس سے بھی زیادہ متشدد تھے، مشتبہات تک سے اس قدر بچتے تھے کہ اس کے لئے بڑے سے بڑا نقصان گوارا کر لیتے تھے، بکار ابن محمد اپنے باپ کی زبانی روایت کرتے ہیں کہ ابن سیرین نے جرجرایا کے پرگنہ میں ایک قطعہ زمین خریدا اور اس کی مال گذاری وصول کی، اس میں انگوروں کی کافی مقدار تھی، کچھ لوگوں نے افشردہ نکالنے کا ارادہ کیا، ابن سیرین نے منع کیا اور کہا انھیں یوں ہی بیچو، لوگوں نے کہا اس طرح ان کی نکاسی نہیں ہو سکتی، فرمایا تو انھیں خشک کر کے منقے بنا لو، لوگوں نے کہا ان انگوروں سے منقے نہیں بن سکتے، جب نکاسی کی کوئی صورت بھی نہ نکلی تو اس کا افشردہ نکالنے کے مقابلہ میں ان کو ضائع کر دینا بہتر سمجھا، اور تمام انگور پانی میں پھینک دیئے[6]

---

[1] ابن سعد ج، ۷ ق ۱ ص ۱۴۵، [2] ایضاً ص ۱۴۳ [3] ایضاً ص ۱۴۶، [4] ایضاً ص ۱۴۱، [5] ایضاً ص ۱۴۱، [6] ایضاً ص ۱۴۴،

شدتِ احتیاط میں مالی نقصان تجارت ایک ایسا شغل ہے جس میں زیادہ احتیاط برتنا عموماً خسارہ میں پڑتا ہے، ابن سیرین کا شغل تجارت تھا، وہ اپنی احتیاط کے سلسلہ میں خندہ پیشانی کے ساتھ نقصان اٹھاتے تھے لیکن مشتبہ اشیاء کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے، ایک مرتبہ انھوں نے بیع کے طور پر غلہ خریدا، اس میں انھیں اسّی ہزار کا فائدہ ہوا، لیکن ان کے دل میں شک پیدا ہو گیا کہ اس منافع میں سود کا شائبہ ہے، اس لئے پوری رقم چھوڑ دی حالانکہ اس میں مطلق ربٰو نہ تھا۔[1]

بعض مرتبہ اس احتیاط کی وجہ سے انھیں قید تک کی سزا اٹھانی پڑی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے چالیس ہزار کا غلہ خریدا، بعد میں انھیں اس کے متعلق کچھ ایسی باتیں معلوم ہوئیں جنھیں وہ مکروہ سمجھتے تھے، اس لئے غلہ چھوڑ دیا یا خیرات کر دیا اور اس کی قیمت باقی رہ گئی، جس کے بدلہ میں انھیں قید ہونا پڑا۔[2]

اس واقعہ کے سلسلہ میں ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ چالیس ہزار کا روغن زیتون خریدا تھا، اس کے پیپوں میں چوہا نکلا، معلوم ہوا کہ یہ چوہا کولھو میں پڑ گیا تھا، یہ معلوم کرکے انھوں نے کل تیل پھنکوا دیا، لیکن اتنی بڑی رقم نہ ادا کر سکے، اور اس کی سزا میں قید کی مشقت اٹھانی پڑی۔[3]

ایک روایت یہ ہے کہ عبد اللہ بن عثمان بن ابی العاص ثقفی کی لڑکی ام محمد کے ہاتھ ایک لونڈی بیچی تھی، اس نے شکایت کی، کہ ام محمد اس کو تکلیف پہنچاتی ہے، اس لئے لونڈی کو واپس کر لیا، لیکن قیمت خرچ ہو چکی تھی، اس لئے سزا کاٹنی پڑی۔[4]

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۴۵، [2] ایضاً ص ۱۴۴، [3] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۸۴، [4] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۴۴،

جو سودا بیچتے تھے اسے گاہک کو اچھی طرح دکھا کر، خریداری پر لوگوں کو گواہ بناتے تھے میمون بن مہران کا بیان ہے کہ میں کچھ کپڑے خریدنے کے لئے کوفہ گیا، اور محمد بن سیرین کی دوکان پر پہنچا جب میں بھاؤ کر کے کوئی کپڑا خریدتا تھا تو وہ مجھ سے تین مرتبہ پوچھتے تھے، کہ تم اس کی خریداری پر راضی ہو اسکے بعد بھی تشفی نہ ہوتی تھی، اور دو آدمیوں کو بلا کر گواہ بناتے تھے ان کے بعد کہتے اب سامان لیجاؤ، بجائی درہم سے سودا نہیں بیچتے تھے، یہ احتیاط دیکھکر میں اپنی ضرورت کا کل سامان انہی کے یہاں سے خریدتا تھا، یہاں تک کہ کپڑا لپیٹنے کا سامان بھی انہی کے یہاں سے لیتا تھا،[1]

اس زمانہ میں چونکہ وزن کرنے کے پیمانوں کی مقدار گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، اس لئے جب کسی مال قرض لیتے تھے تو رائج پیمانوں اور اوزان کے علاوہ کسی اور چیز سے تول کر مال لیتے تھے اور جس چیز سے تولتے تھے اسکو مہر کر کے محفوظ کر دیتے تھے، پھر جب مال واپس کرنے لگتے تو اسی مہر کردہ شے سے تول کر واپس کرتے اور فرماتے کہ وزن گھٹتا بڑھتا رہتا ہے،[2]

تجارت کے سلسلہ میں اکثر ان کے پاس کھوٹے سکے آجاتے، یہ اپنی احتیاط کی بنا پر سب کو بیکار کر دیتے، ابن عون کا بیان ہے، کہ جب ابن سیرین کے پاس کوئی کھوٹا سکہ آجاتا تو وہ اس سے کوئی چیز نہ خریدتے، چنانچہ ان کی وفات کے وقت اس قسم کے بیکار سکے پانسو کی تعداد میں جمع ہو گئے تھے،[3]

کسب حلال کی تلقین، خود تو محتاط تھے ہی دوسروں کو بھی کسب حلال کی تلقین کرتے تھے، لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ خدا کیجانب سے حلال روزی تمہارے لئے مقدر ہو چکی ہے، اسی کو تلاش کیا کرو، اگر تم حرام کے ذریعہ سے اس کو حاصل کرو گے، تو بھی اس سے زیادہ نہ ملے گی

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۴۲، [2] ایضاً ص ۱۴۳، [3] ایضاً،

جو تمہارے لئے مقدر ہو چکی ہے[1]، دوسروں کو حرام مال سے بچانے کے یہاں تک کرتے کہ اگر آپ سے کوئی ناجائز مال حاصل کرنا چاہتا تو محض اس شخص کو مال حرام سے بچانے تک قسم کھا لیتے ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ پر دو درہم کا دعویٰ کیا آپ نے انکار کیا، مدعی نے کہا قسم کھاؤ، ابن سیرین تیار ہو گئے، لوگوں نے کہا دو درہم کے لئے قسم کھاتے ہیں، جواب دیا میں جان بوجھ کر اس شخص کو حرام نہیں کھلا سکتا،[2]

امراو سلاطین کے ہدایا سے احتراز، غالباً اسی احتیاط کی بنا پر وہ امراء و سلاطین کے ہدایا نہ قبول کرتے تھے، ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز جیسے بزرگ نے ان کے اور حسن بصری کے پاس کچھ بھیجا، حسن بصری نے قبول کر لیا، لیکن انھوں نے قبول نہ کیا،[3]

خیانت سے احتراز، خیانت سے اس قدر بچتے تھے کہ ان جائز فوائد کو بھی جن میں خیانت کا کوئی خفیف پہلو بھی تصور کیا جا سکتا تھا، محض احتیاط کی وجہ سے چھوڑ دیتے تھے، انکے قید کے زمانہ میں اتفاق سے جیل کا محافظ ان کا مرتبہ شناس تھا، اس نے ان سے کہا کہ آپ رات کو گھر چلے جایا کیجئے، اور صبح ہوتے ہوتے پھر چلے آیا کیجئے، فرمایا میں سلطانی خیانت میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا،[4]

شہرت سے نفرت، شہرت سے بہت گھبراتے تھے، اور اس سے بچنے کے لئے وہ عام مجلسوں میں نہیں شریک ہوتے تھے، فرماتے کہ "میں صرف شہرت کے خوف سے تمہاری مجلسوں میں نہیں آتا"[5] وہ ہر ایسے امتیاز سے جس سے لوگوں کی توجہ ان کی طرف منعطف ہوتی بچتے تھے، اکثر نمازمیں اپنے سے کم درجہ کے لوگوں کو امامت کے لئے بڑھا دیتے، ابن عون کا بیان ہے

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۴۲، [2] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۸۳، [3] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۴۳
[4] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۸۳، [5] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۴۴،

کہ ابن ہبیرہ کے خروج کے زمانہ میں میں بھی ابن سیرین کیساتھ نکلا نماز کا وقت آیا تو انھوں نے مجھے نماز پڑھانے کا حکم دیا میں نے اس کی تعمیل تو کی لیکن نماز پڑھانے کے بعد میں نے ان سے کہا کہ آپ تو فرمایا کرتے تھے کہ نماز اسی شخص کو پڑھانا چاہیے جس کو قرآن زیادہ یاد ہو، فرمایا مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھوں اور لوگ یہ کہیں کہ محمد لوگوں کی امامت کرتے ہیں[۱]،

ماں کی اطاعت ماں کے بڑے مطیع اور خدمت گذار تھے، ان کی بہن کا بیان ہے کہ انکی ماں حجازی تھیں اس لئے ان کو رنگین اور نفیس کپڑوں کا بڑا شوق تھا ابن سیرین اس شوق کا اتنا لحاظ رکھتے تھے کہ جب ان کے لئے کپڑا خریدتے تھے تو محض کپڑے کی لطافت اور نرمی کو دیکھتے اس کی مضبوطی کا مطلق خیال نہ کرتے تھے، عید کے لئے خود اپنے ہاتھوں سے ماں کے کپڑے رنگتے میں نے کبھی ان کو ماں کے مقابلہ میں آواز بلند کرتے نہیں سنا جب ماں سے باتیں کرتے تو اس آہستگی کے ساتھ جیسے کوئی راز کی بات کہہ رہے ہیں، ابن عون کا بیان ہے کہ ابن سیرین جس وقت اپنی ماں کے سامنے ہوتے تھے تو ان کی آواز اتنی پست ہوتی تھی کہ ناواقف آدمی انھیں بیمار سمجھتا تھا[۲]،

عجز اور فروتنی اپنے کو نہایت حقیر سمجھتے تھے، اپنی ذات کے لئے کسی قسم کا امتیاز پسند نہ کرتے تھے چنانچہ کسی کو اپنے ساتھ چلنے نہ دیتے تھے اگر کوئی شخص ساتھ چلنا چاہتا تو فرماتے اگر تم بلا ضرورت چل رہے ہو تو لوٹ جاؤ، فرماتے تھے کہ اگر گناہوں میں بو ہوتی تو کوئی شخص بو کی شدت سے میرے قریب نہ آسکتا تھا[۳]

---

[۱] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۴۸، [۲] ایضاً ص ۱۴۷

[۳] مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۵۱،

بے باکی اور بے خوفی | لیکن اس فروتنی اور تواضع کے ساتھ وہ بڑے بے باک اور بے خوف تھے، بڑے سے بڑے خطرہ کو وہ دھیان میں نہ لاتے تھے، ابو قلابہ کہا کرتے تھے کہ محمد کی برابر کون طاقت رکھتا ہے، وہ نیزے کی نوک پر چڑھ جاتے تھے[1]

صاف دلی | بڑے صاف دل تھے، وہ کبھی کسی پر رشک و حسد نہ کرتے تھے، خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بھلے برے کسی پر حسد نہیں کیا[2]

اجمالی رائے | غرض وہ اخلاقی اور مذہبی محاسن کا ایک مکمل ترین نمونہ تھے، ابو عوانہ کا بیان ہے کہ ابن سیرین کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا[3]

صحابہ اور تابعین پر ابن سیرین کا اثر | ان کے ان محاسن کا بڑے بڑے صحابہ اور تابعین پر اتنا اثر تھا کہ وہ ان سے جنازہ کی نماز پڑھانا باعث برکت سمجھتے تھے، انس بن مالک نے مرض الموت میں وصیت کی تھی کہ ابن سیرین انھیں غسل میت دیں اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھائیں اتفاق سے انس بن مالک کی وفات کے زمانہ میں وہ قید میں تھے، اس لئے حاکم شہر سے حصول اجازت کے بعد وہ لائے گئے اور غسل، تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ کے بعد پھر قید خانہ واپس کئے گئے[4]، ابن عون کا بیان ہے کہ حسن بصری کی روپوشی کے زمانہ میں ان کی ایک لڑکی کا انتقال ہوگیا، میں نے جاکر اون کو اطلاع دی، مجھے خیال تھا کہ وہ مجھ ہی کو نماز جنازہ پڑھانے کا حکم دیں گے، لیکن انھوں نے ضروری ہدایات دینے کے بعد ابن سیرین سے نماز جنازہ پڑھوانے کا حکم دیا[5]

وصیت و وفات | ۱۱۰ھ میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے، آخر عمر میں چالیس ہزار کے مقروض

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۴۳، [2] ایضاً ص ۱۴۳، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۹، [4] ابن خلکان ج اول ص ۴۵۳، [5] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۴۸،

ہو گئے تھے، اس کی بڑی فکر تھی، آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے ادائیگی کی ذمہ داری اپنے اوپر لی، اس سعادت مندی پر ان کے لئے دعائے خیر کی پھر وصیت فرمائی کہ تم لوگ خدا کا خوف کرتے رہنا، آپس میں صلح و مسالمت سے رہنا اگر مومن ہونے کا دعویٰ ہے، تو خدا اور رسول کی اطاعت کرنا، خدا نے تمہارے لئے ایک دین منتخب کیا ہے، اسی پر مرنا، اس کا دعویٰ نہ کرنا کہ تم دین میں انصار کے بھائی اور موالی ہو، صدق اور عفاف، زنا اور جھوٹ سے زیادہ بہتر اور پائدار ہیں" ان وصایا کے بعد جمعہ کے دن انتقال فرمایا، اس وقت اسّی سے اوپر عمر تھی۔[۱]

حلیہ اور لباس، بالوں میں کتم اور حنا کا خضاب کرتے تھے، مونچھیں بہت ہلکی کترواتے تھے لباس اچھا پہنتے تھے،

اولاد آپ کے تیس اولادیں ہوئیں، لیکن عبداللہ کے علاوہ کوئی زندہ نہ رہی،

۶۴ - محمد بن عجلان

نام و نسب، محمد نام، ابو عبداللہ کنیت، باپ کا نام عجلان تھا، فاطمہ بنت ولید بن ربیعہ قرشی کے غلام تھے،

فضل و کمال، علم اور تقویٰ کے اعتبار سے ممتاز تابعی تھے، امام نووی لکھتے ہیں کان اماماً فقیھاً عابداً،[۲] ان کی ہرا دا علم میں ڈوبی ہوئی تھی، ابن مبارک کہتے تھے کہ ابن عجلان سے زیادہ کوئی شخص اہل علم سے مشابہ نہ تھا، ان کو علماء میں یاقوت سے تشبیہ دیا تھا،[۳]

۱؎ ابن سعد ج ۷ ق اول ص۱۴۹، ص۱۵۰، ۲؎ تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص۸۶ ۳؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۴۹

حدیث | حدیث کے وہ ممتاز حافظ تھے، حافظ ذہبی انھیں امام اور قدوہ لکھتے ہیں[۱]،

صحابہ میں انس بن مالکؓ اور ابو الطفیلؓ سے اور تابعین میں عکرمہ، نافع، سعید مقبری، سلمان ابن ابی حازم اشجعی، ابراہیم بن عبد اللہ، رجاء بن حیوۃ، عامر بن عبد اللہ بن زبیر، اعرج، ابی الزناد، زید بن اسلم، عبید اللہ بن مقسم، بکیر بن الاشج، علی بن یحیی، محمد بن یحیی بن حبان اور ابو اسحق سبیعی وغیرہ سے استفادۂ حدیث کیا تھا[۲]،

عبید اللہ بن عمر، منصور بن معتمر، مالک بن انس، لیث، سفیان ثوری، ابن عیینہ، حیوۃ ابن شریح، شعبہ، قطان اور عبد اللہ بن ادریس وغیرہ جیسے اکابر آپ کے خوشہ چینوں میں تھے[۳]،

فقہ و فتاوی | فقہ و فتاوی میں پوری دستگاہ رکھتے تھے، حافظ ذہبی انکو مفتی اور فقیہ لکھتے ہیں[۴]، مسجد نبوی میں افتا کی خدمت انجام دیتے تھے[۵]،

حلقۂ درس | اسی میں ان کا حلقۂ درس تھا جس میں بڑے بڑے تابعین شریک ہوتے تھے[۶]،

زہد و ورع | زہد و ورع ان کا مخصوص طغرائے کمال تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ عالم عامل ربانی اور کبیر القدر تھے[۷]، ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ عابد و زاہد تھے[۸]، اپنے مذہبی کمالات کی وجہ سے مدینہ کے حسن بصری شمار کیے جاتے تھے، ایک دفعہ ایک معاملہ میں جعفر بن سلیمان نے انکو کوڑے لگوانے کا ارادہ کیا، اہل مدینہ نے اس سے کہا اگر حسن بصری سے اس قسم کا فعل سرزد ہو جاتا تو کیا تم انکو مارتے؟ جعفر نے کہا نہیں، لوگوں نے کہا تو وہ مدینہ کے حسن بصری ہیں[۹]،

وفات | ۱۴۸ھ میں وفات پائی[۱۰]،

۱؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۴۸ ۲؎ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۰۱ ۳؎ ایضاً ۴؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۴۸ ۵؎ تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۔۔ ۶؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۴۹ ۷؎ ایضاً ص۱۴۸ ۸؎ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۔۔ ۹؎ ابن سعد ۱۰؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۴۹ ۱۱؎ ایضاً

۶۵- محمد بن علی بن حسین ملقب بہ باقر

نام و نسب، محمد نام، ابو جعفر کنیت، باقر لقب، حضرت امام زین العابدین کے فرزند ارجمند تھے، ان کی ماں ام محمد حضرت امام حسن علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں، اس لئے آپ کی ذات گویا ریاض نبوی کے پھولوں کا دو آتشہ عطر تھی،

پیدائش صفر ۵۷ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے، اس حساب سے ان کے جد بزرگوار حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے وقت ان کی عمر تین سال کی تھی،[1]

فضل و کمال باقر اس معدن کے گوہر شب چراغ تھے، جس کے فیض سے ساری دنیا میں علم و عمل کی روشنی پھیلی، پھر حضرت امام زین العابدین جیسے مجمع البحرین باپ کے آغوش میں پرورش پائی تھی، ان موروثی اثرات کے علاوہ خود ان میں فطرۃً تحصیل علم کا ذوق تھا، ان اسباب نے مل کر آپ کو اس عہد کا ممتاز ترین عالم بنا دیا تھا، وہ اپنے وفور علم کی وجہ سے باقر کے لقب سے ملقب ہو گئے تھے، بقر کے معنی عربی میں پھاڑنے کے ہیں، اسی سے بقر العلم ہے یعنی وہ علم کو پھاڑ کر اس کی جڑ اور اندرونی اسرار سے واقف ہو گئے تھے،[2] بعض علماء ان کا علم ان کے والد بزرگوار سے بھی زیادہ وسیع سمجھتے تھے، محمد بن منکدر کا بیان ہے، کہ میری نظر میں کوئی ایسا صاحب علم نہ تھا، جسے علی بن حسین پر ترجیح دی جا سکتی، یہاں تک کہ ان کے صاحبزادے محمد کو دیکھا،[3] وہ اپنے عہد میں اپنے خاندان بھر کے سردار تھے، علامہ ذہبی لکھتے ہیں، کان سید بنی ہاشم فی زمانہ،[4] امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ جلیل القدر تابعی اور امام بارع

۱؎ ابن خلکان ج اول ص۴۵۰، ۲؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۱۱، تہذیب الاسماء نووی ج اول ق اول ص۸۷، ۳؎ تہذیب التہذیب ج ۹ ص۳۵۰، ۴؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۱۱

تھے، ان کی جلالت پر سب کا اتفاق ہے، ان کا شمار مدینہ کے فقہا اور ائمہ میں تھا،[1]

حدیث، حدیث ان کے گھر کی دولت تھی، اس لئے وہ اس کے سب سے زیادہ مستحق تھے،

علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقۃ کثیر العلم والحدیث،[2]

اس گنج گراں مایہ کو انھوں نے اپنے والد محترم امام زین العابدین اپنے نانا حضرت امام حسنؓ، اپنے دادا حضرت علیؓ، اپنے چچیرے دادا محمد بن حنفیہ اور اپنے جد امجد کے چچیرے بھائی عبد اللہ بن جعفر اور عبد اللہ بن عباس اپنی دادی حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ وغیرہ کے مخزن سے بالواسطہ حاصل کیا تھا، یعنی ان بزرگوں سے ان کی روایات مرسل ہیں، اپنے گھر کے باہر انس بن مالکؓ سعید بن مسیب، عبد اللہ بن ابی رافع، حرملہ، عطا بن یسار، یزید بن ہرمز اور ابو مرہ وغیرہ سے مستفید ہوئے تھے،[3]

تلامذہ، اس عہد کے بڑے بڑے ائمہ امام اوزاعی، اعمش، ابن جریج، امام زہری، عمرو بن دینار اور ابو اسحٰق سبیعی وغیرہ اکابر تابعین اور تبع تابعین کی بڑی جماعت آپ کے خرمن کمال کی خوشہ چین تھی،[4]

فقہ، فقہ میں آپ کو خاص دستگاہ حاصل تھی، ابن برقی آپ کو فقیہ و فاضل کہتے ہیں، امام نسائی فقہائے تابعین میں[5] اور امام نووی مدینہ کے فقہا اور ائمہ میں شمار کرتے ہیں،[6]

زہد و عبادت، آپ نے ان بزرگوں کے دامن میں پرورش پائی تھی جن کا مشغلہ ہی عبادت تھا، اور ایسے ماحول میں آپکی نشو و نما ہوئی تھی جو ہر وقت خدا کے ذکر اور اس کی تسبیح و تحمید سے گونجا کرتا تھا، اس لئے عبادت کی روح آپ کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی،

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۸۰، [2] ابن سعد ج ۵ ص ۲۳۸، [3] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۵۰،
[4] ایضاً، [5] ایضاً، [6] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۸۰،

عبادت وریاضت آپ کا محبوب مشغلہ تھا، شبانہ یوم میں ڈیڑھ سو رکعتیں نماز پڑھتے تھے[۱]، سجدوں کی کثرت سے پیشانی پر نشان سجدہ تاباں تھا لیکن زیادہ گہرا نہ تھا[۲]،

شیخین کے ساتھ عقیدت، اپنے اسلاف کرام اور بزرگان عظام کی طرح شیخین کے ساتھ قلبی عقیدت رکھتے تھے، جابر کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ محمد بن علی سے پوچھا کہ آپ کے اہل بیت میں کوئی ابوبکرؓ وعمرؓ کو گالیاں بھی دیتا تھا، فرمایا نہیں میں انھیں دوست رکھتا ہوں اور انکے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں[۳]

سالم بن ابی حفصہ کا بیان ہے کہ میں نے امام باقر اور ان کے صاحبزادے جعفر صادق سے ابوبکرؓ وعمرؓ کے بارہ میں پوچھا، انھوں نے فرمایا سالم میں انھیں دوست رکھتا ہوں، اور ان کے دشمنوں سے تبری کرتا ہوں، یہ دونوں امام ہدی تھے، میں نے اپنے اہل بیت میں سے ہر شخص کو انکے ساتھ تولا ہی کرتے پایا[۴]،

صحت عقیدہ، بعض جماعتوں نے بہت سے ایسے غلط عقائد ان بزرگوں کی طرف منسوب کردیئے ہیں، جن سے ان کا دامن بالکل پاک تھا، وہ امور دین میں خالص اور بے آمیز اسلامی عقائد کے علاوہ کوئی جدید عقیدہ نہ رکھتے تھے، جابر روایت کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن علی سے پوچھا کیا اہل بیت کرام میں سے کسی کا یہ خیال تھا کہ کوئی گناہ شرک ہے، فرمایا نہیں، میں نے دوسرا سوال کیا، ان میں کوئی رجعت کا قائل تھا فرمایا نہیں[۵]،

وفات، مقام حمیمہ میں انتقال فرمایا، لاش مدینہ لاکر جنت البقیع میں دفن کی گئی[۶]، سنہ وفات کے بارہ میں بیانات مختلف ہیں، بعض ۱۱۴ھ بعض ۱۱۷ھ اور بعض ۱۱۸ھ بتاتے ہیں[۷]، عمر کے بارہ میں

---

۱ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۱، ۲ ابن سعد ج ۵ ص ۲۳۶، ۳ ایضاً ص ۲۳۶،
۴ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۵۱، ۵ ابن سعد ج ۵ ص ۲۳۶، ۶ ابن خلکان ج اول ص ۴۵۰
۷ ابن سعد ج ۵ ص ۲۳۸،

بھی دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ اٹھاون سال کے تھے، دوسری یہ کہ ۷۳ سال کے تھے لیکن دوسری روایت قطعاً غلط ہے پہلی اقرب الی الصحۃ ہے، اس لئے کہ ان کی پیدائش بالاتفاق ۵۶ھ میں ہوئی، اس حساب سے آپ کی عمر پہلے سنہ وفات کے مطابق اکسٹھ سال سے زیادہ ہوگی

اولاد | امام باقر کے کئی اولادیں تھیں جعفر، عبداللہ، یہ دونوں حضرت ابوبکر صدیق کی پوتی ام فروہ کے بطن سے تھے، ابراہیم یہ ام حکیم بنت اسید کے بطن سے تھے، علی اور زینب یہ دونوں ام ولد سے تھے، ام سلمہ یہ بھی ام ولد سے تھیں، ان میں جعفر الملقب بہ صادق سب میں نامور اور باپ کے جانشین تھے[۱]

لباس | امام باقر نہایت خوش لباس تھے، خز جو ایک بیش قیمت کپڑا ہے اور سادہ اور رنگین دونوں طرح کا لباس استعمال کرتے تھے، ابریشم کے بوٹے دار کپڑے بھی پہنتے تھے، اور وسمہ اور کتم کا خضاب لگاتے تھے[۲]

۶۶- محمد بن کعب

نام و نسب | محمد نام، ابو حمزہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، محمد بن کعب بن حبان بن سلیم بن اسد قرظی ان کے والد کعب بنی قریظہ کے یہودی اور انصار کے قبیلہ اوس کے حلیف تھے، غزوہ قریظہ میں گرفتار ہوئے لیکن بہت کم سن تھے، اس لئے چھوڑ دیئے گئے،

فضل و کمال | محمد بن کعب بڑے فاضل اور بلند مرتبہ تابعی تھے، ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ علم و فقہ میں مدینہ کے فاضل ترین علماء میں تھے[۳] امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے اور ائمہ تابعین میں تھے[۴]

۱؎ ابن سعد ج ۵ ص ۲۳۵، ۲؎ ایضاً ص ۲۳۶، ۳؎ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲۱،

۴؎ تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۹۰،

قرآن | ان کو قرآن اور حدیث دونوں میں یکساں کمال حاصل تھا، عجلی ان کو ثقہ رجل صالح اور عالمِ قرآن لکھتے ہیں[1]، عون بن عبداللہ کا بیان ہو کہ میں نے تاویلِ قرآن کا ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا[2]، حافظ ذہبی مفسر قرآن لکھتے ہیں[3]،

حدیث | حدیث کے بھی وہ ممتاز حافظ تھے، علامہ ابن سعد ثقہ عالم اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں[4]،

حدیث میں انھوں نے مغیرہ بن شعبہؓ، معاویہ بن کعب بن عجرہ، ابوہریرہؓ، زید بن ارقمؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرو بن العاص، عبداللہ بن یزید خطمیؓ، عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب، براء بن عازب، جابرؓ اور انس بن مالکؓ سے استفادہ کیا تھا،

ان سے فیض اٹھانے والوں میں ان کے بھائی عثمان، حکم بن عتیبہ، یزید بن ابی زیاد، ابن عجلان، موسیٰ بن عبیدہ، ابو معشر، ابو جعفر خطمی، یزید بن الہاد، ولید بن کثیر، محمد بن المنکدر، عاصم بن کلیب، ایوب بن موسیٰ، ابن ابی الموال، ابی المقدام اور ہشام بن زیاد وغیرہ لائقِ ذکر ہیں[5]،

فقہ | فقہ میں مدینہ کے ممتاز فقہاء میں شمار تھا، کان من افضل اهل المدینۃ علماً و فقهاً[6]،

زہد و ورع | زہد و ورع کی دولت سے بھی بہرہ مند تھے، ابن سعد انکو علمائے متورعین میں[7]، حافظ ذہبی زاہد[8] اور ابن عماد حنبلی علم صلاح اور ورع سے متصف لکھتے ہیں[9]،

وفات | ۱۱۸ھ میں وفات پائی[10]،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲۱، [2] ایضاً، [3] دول الاسلام ذہبی ج اول ص ۵۶، [4] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲۱ بحوالہ ابن سعد، [5] ایضاً، [6] ایضاً، [7] ایضاً، [8] دول الاسلام ج اول ص ۵۶، [9] شذرات الذہب ج اول ص ۱۳۶، [10] ایضاً،

۶۷- محمد بن مسلم المعروف بہ ابن شہاب زہری

نام ونسب محمد نام، ابوبکر کنیت، نسب نامہ یہ ہے، محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب بن حارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ قرشی، زہری کے والد کا نام مسلم تھا، لیکن وہ اپنے دادا شہاب بن حارث کی نسبت سے ابن شہاب مشہور ہوئے، ان کے پردادا عبد اللہ بن شہاب آغاز اسلام میں دوسرے عمائد قریش کی طرح آنحضرت صلعم کے سخت دشمن تھے، اور بدر و احد کے مشہور معرکوں میں مشرکین کے ساتھ اسلام کے استیصال کے لئے نکلے تھے، اور نثر کا ے احد کے ان پرجوش مشرکین میں تھے جنھوں نے یا رسول اللہ صلعم کو قتل کردینے یا خود لڑکر مرجانے کا عہد کیا تھا[1]

اسی دشمن اسلام کی نسل میں محمد بن مسلم پیدا ہوئے جن کے دینی خدمات کو اسلامی تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی، وہ ان چند ائمہ اسلام میں سے ایک ہیں، جن کی ذات سے اسلام کے مذہبی علوم میں زندگی پیدا ہوئی، اور اس کی روشنی سے ساری دنیاے اسلام منور ہوئی،

حصول علم کی استعداد علمی کمالات کے اعتبار سے ابن شہاب کا کوئی معاصر ان کا ہم پایہ نہ تھا حصول علم کی استعداد ان میں فطری تھی، ذہانت، ذکاوت، اور قوت حافظہ بے نظیر پائی تھی ذہن ایسے تھے کہ کسی مسئلہ کو دوبارہ سمجھنے کی ضرورت نہ پیش آتی تھی، حافظہ اتنا قوی تھا کہ ایک مرتبہ جو بات سن لی وہ ہمیشہ کے لئے لوح دل پر نقش ہوگئی، اور دوبارہ پوچھنے کی ضرورت نہ پڑی[2]، ان کی قوت حافظہ کی یہ ادنی مثال ہے کہ اسی دن میں پورا کلام اللہ حفظ کر لیا تھا[3]، ساری

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۴۵۱، [2] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۸، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۸،

عمر میں صرف ایک مرتبہ ایک حدیث میں کچھ شبہہ پیدا ہوا تھا، لیکن پوچھنے کے بعد معلوم ہوا کہ جس طریقہ سے ان کو یاد تھی ویسی ہی تھی[1]،

ذوق وطلب، اس ذہن اور حافظہ کے ساتھ انکے ذوق اور طلب وجستجو کا بھی یہی حال تھا علم وفن کا کوئی خرمن ایسا نہ تھا جس سے انھوں نے خوشہ چینی نہ کی ہو آٹھ سال تک امام مدینہ سعید بن مسیب کی خدمت میں رہے تھے، اس عہد کا مدینہ وہ تھا جس کی گلی گلی علم وفن کا مرکز تھی یہاں کے تمام زن ومرد اور بوڑھے بچے ایک علمی درسگاہ تھے، ابن شہاب گھر گھر جاکر سب سے استفادہ کرتے تھے، ابو الزناد کا بیان ہے کہ ہم لوگ زہری کے ساتھ علماء کے گھروں کا چکر لگاتے تھے، زہری کے ساتھ تختیاں اور بیاضیں ہوتی تھیں وہ جو کچھ سنتے جاتے تھے، اوس کو قلمبند کرتے جاتے تھے[2]،

علمی مجلسوں میں وہ سب سے پہلے جاتے تھے، اور بلا امتیاز بوڑھوں اور بچوں سب سے استفادہ کرتے تھے، ان مجلسوں سے نکلنے کے بعد وہ مدینہ کی گلیوں کا طواف کرتے اور تمام بچوں بوڑھوں اور عورتوں تک سے استفادہ کرتے سعد بن ابراہیم کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ زہری علم میں آپ لوگوں پر کیسے فائق ہوگئے، انھوں نے جواب دیا کہ وہ علمی مجالس میں سب سے پہلے آتے تھے، یہاں سے اٹھ کر وہ انصار کے گھروں پر جاتے اور کوئی جوان، نوخیز، ادھیڑ مرد اور بوڑھی عورت باقی نہ رہتی جس سے وہ فائدہ نہ حاصل کرتے ہوں یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں تک کے پاس جاتے تھے[3]،

جہاں کسی فاضلہ خاتون کا پتہ چلتا فوراً اس کے پاس پہنچتے، ان کا خود بیان ہے، کہ ایک مرتبہ قاسم بن محمد نے مجھ سے کہا کہ تم میں علم کی بڑی حرص ہے، اس لئے میں تم کو علم کے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۹۸، [2] ایضاً صفحہ ۹۷، [3] تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۴۴۹،

ظرف کا پتہ بتاتا ہوں، انھوں نے کہا ضرور بتایئے، قاسم نے کہا عبد الرحمٰن کی لڑکی کے پاس جاؤ، انھوں نے ام المومنین عائشہؓ کے آغوشِ تربیت میں پرورش پائی ہے، چنانچہ میں ان کے پاس گیا، واقعی وہ علم کا بحر بیکراں تھیں[1]،

ہمہ گیری، ان کا ذوق ہمہ گیر تھا، کسی خاص علم و فن کی تخصیص نہ تھی، بلکہ وہ ہر علم یکساں ذوق سے حاصل کرتے تھے، اور جو کچھ سنتے تھے سب کچھ لکھ لیتے تھے، ابو الزناد کا بیان ہے کہ ہم لوگ صرف حلال و حرام کے مسائل قلمبند کرتے تھے اور زہری جو کچھ سنتے تھے، سب کچھ لکھ لیتے تھے، جب آگے چل کر ضرورت پڑی تو معلوم ہوا کہ وہ سب سے بڑے عالم ہیں[2]،

جامعیت، ان کے ذوق کی اس ہمہ گیری کی وجہ سے انھیں جملہ علوم و فنون میں یکساں دستگاہ حاصل تھی، جس فن پر وہ گفتگو کرتے تھے، معلوم ہوتا تھا، کہ یہی ان کا خاص فن ہے، لیث کا بیان ہے، کہ میں نے زہری سے زیادہ جامع شخصیت نہیں دیکھی، جب وہ ترغیب پر گفتگو کرتے تو معلوم ہوتا کہ وہ اسی کے بڑے عالم ہیں، جب عرب اور انساب عرب پر روشنی ڈالتے تو معلوم ہوتا یہی ان کا خاص موضوع ہے، اور جب قرآن اور سنت پر بولتے تو معلوم ہوتا یہی ان کا خاص فن ہے[3]، معمر کا بیان ہے کہ جن جن فنون میں ان کو درک تھا ان میں وہ اپنا مثل نہ رکھتے تھے[4]،

قرآن، قرآن کے وہ بڑے حافظ تھے اور اس کے متعلقات پر ان کی نظر اتنی وسیع تھی، کہ کلام اللہ ان کا خاص موضوع معلوم ہوتا تھا، نافع نے جو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ جیسے حبر الامۃ کے تربیت یافتہ تھے، ان سے قرآن کا دورہ کیا تھا[5]،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۹، [2] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۸ [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۶

[4] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۹، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۹،

حدیث اگرچہ ان کو جملہ فنون میں یکساں کمال حاصل تھا لیکن ان کا خاص فن حدیث و سنت تھا، اس کا انھیں جتنا ذوق تھا، اور جس مشقت سے انھوں نے صدہا خرمنوں سے ایک ایک دانہ چن کر علم کا انبار لگایا تھا، اس کے حالات اوپر گذر چکے ہیں، انھوں نے اس عہد کے تمام ائمہ اور اکابر علما کا علم اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا، ابن مدینی کا بیان ہے کہ حجاز میں ثقات کا سارا علم زہری اور عمرو بن دینار کے درمیان تقسیم تھا[1] ان کی احادیث کی تعداد دو ہزار دو سو تک پہنچتی ہے[2]

سنن رسول اور سنن صحابہ انھیں سنن رسول اور سنن صحابہ کے ساتھ بڑا ذوق تھا، اور مدینہ کے جملہ سنن انھوں نے قلمبند کر لئے تھے، صالح بن کیسان کا بیان ہے، کہ وہ تحصیل علم میں زہری کے ساتھ تھے، انھوں نے مجھ سے کہا کہ ہم کو سنن لکھ لینا چاہئے، چنانچہ ہم لوگوں نے رسول اللہ صلعم کے تمام سنن لکھ لئے، سنن رسول کو قلمبند کرنے کے بعد انھوں نے کہا اب صحابہ کے سنن کو لکھنا چاہئے، لیکن سنن صحابہ ہم لوگوں نے نہیں لکھے، اور انھوں نے لکھ لئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کامیاب رہے، اور میں نے موقع ضائع کر دیا[3]

مدینہ کے سنن رسول اور سنن صحابہ ان ہی کی ذات سے محفوظ رہے تھے، امام شافعی فرماتے تھے، کہ اگر زہری نہ ہوتے تو مدینہ کے سنن ضائع ہو جاتے[4] وہ باتفاق اپنے زمانہ کے سنن کے سب سے بڑے عالم تھے، عمر بن عبد العزیز فرمایا کرتے تھے کہ اب ابن شہاب سے زیادہ سنت ماضیہ کا جاننے والا کوئی نہیں رہا[5]

علم حاضر انھوں نے حافظہ ایسا پایا تھا کہ جو کچھ حاصل کیا تھا وہ سب محفوظ تھا، وہ خود کہا کرتے تھے کہ میں نے اپنے سینہ میں جو علم ودیعت کیا وہ نہیں بھولا[6] پھر حفظ کا یہ حال تھا کہ ایک تہہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۹، [2] تہذیب ج ۹ ص ۴۴۸، [3] ایضاً ص ۴۴۸، [4] تہذیب الاسماء ج اول ص ۹۱
[5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۹، [6] تہذیب ج ۹ ص ۴۴۸

سیکڑوں حدیثیں سناجاتے تھے اور جب پھر انھیں دہرانے کی ضرورت ہوتی تھی تو ایک حرف کا بھی تغیر و تبدل نہ ہوتا تھا،

ایک مرتبہ ہشام بن عبد الملک نے اپنے کسی لڑکے کے واسطے ان سے حدیثیں لکھنے کی درخواست کی، انھوں نے چارسو حدیثیں قلمبند کرادیں، ایک مہینہ کے بعد ہشام نے امتحاناً کہا کہ وہ مجموعہ گم ہوگیا، انھوں نے پھر لکھوا دیا، بعد میں دونوں مجموعوں میں مقابلہ کیا گیا تو ایک حرف کا فرق نہ تھا[1] علاوہ ان احادیث سنن کے جو ان کے سینہ ہی میں رہ گئیں ان کی مرویات کی تعداد دو ہزار ہے اور ہے[2]، غرض حدیث میں ان کا پایہ نہایت بلند تھا، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کے مناقب اور ثنا و صفت اور ان کے حفظ کے کمالات شمار سے باہر ہیں[3]،

مرویات کا پایہ، حفظ حدیث میں روایات کی کثرت سے زیادہ ان کی کیفیت اور نوعیت معیار کمال ہے، اس اعتبار سے زہری کی روایات کا جو پایہ تھا اس کا اندازہ ان رایوں سے ہوگا، عمرو بن دینار جو خود بہت بڑے محدث تھے فرماتے تھے کہ میں نے زہری سے زیادہ حدیث میں کسی کو انص نہیں دیکھا[4]، امام احمد بن حنبل اور اسحٰق بن راہویہ کی رائے ہے کہ زہری کی وہ روایات اصح الاسانید ہیں جو انھوں نے سالم سے اور سالم نے اپنے والد عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہیں[5]،

شیوخ، چونکہ زہری نے ہر خرمن سے خوشہ چینی کی تھی اس لئے ان کے شیوخ کا دائرہ نہایت وسیع تھا، جن میں بہت سی فاضلہ خواتین بھی ہیں، ان کے عہد کے صحابہ اور اکابر تابعین میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جس سے انھوں نے استفادہ نہ کیا ہو، صحابہ میں عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن جعفرؓ

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۹۸، [2] ایضاً ص۹۶، [3] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص۹۱، [4] تہذیب التہذیب ج ۹ ص۴۴۶، [5] تہذیب الاسماء ج اول ص۹۱،

ربیعہ بن عبادؓ مسور بن مخرمہؓ، انس بن مالکؓ، سہل بن سعدؓ، سائب بن یزیدؓ، شنیبؓ، ابو جمیلہؓ، عبدالرحمٰن بن ازہرؓ، محمود بن ربیعؓ، عبداللہ بن ثعلبہؓ، عبداللہ بن عامر بن ربیعہؓ، ابو امامہؓ سعد بن سہل اور ابوالطفیلؓ وغیرہ، اور اکابر تابعین میں سعید بن مسیب، مدینہ کے ساتوں مشہور فقہا، ان کے علاوہ تابعین کی ایک بڑی جماعت سے فیض اٹھایا تھا جن کی فہرست نہایت طویل ہے[1]،

تلامذہ۔ ابن شہاب کی ذات مرجع انام تھی، اس لئے ان کے تلامذہ کی تعداد بے شمار ہے، ان میں سے بعض ممتاز تلامذۂ حدیث کے نام یہ ہیں، عطار بن ابی رباح، عمر بن عبدالعزیز، عمرو بن دینار، صالح بن کیسان، یحییٰ بن سعید انصاری، ایوب سختیانی، عبداللہ بن مسلم زہری، امام اوزاعی، ابن جریج، محمد بن علی بن حسین، محمد بن منکدر، منصور بن معتمر، موسیٰ بن عقبہ، ہشام بن عروہ، امام مالک، معمر الزبیدی، ابن ابی ذیب، لیث، اسحٰق بن یحییٰ کلبی اور بکر بن وائل وغیرہ[2]،

فقہ۔ فقہ میں بھی وہ نہایت بلند پایہ رکھتے تھے، مدینہ کے ساتوں مشہور فقہا کا علم ان کے سینہ میں محفوظ تھا[3]، ان کے علاوہ اس عہد کے تمام اکابر فقہا کا علم انھوں نے کھینچ لیا تھا، جعفر بن ربیعہ کا بیان ہے کہ میں نے عراک بن مالک سے پوچھا کہ مدینہ میں سب سے بڑا فقیہ کون ہے، انھوں نے کہا سعید بن مسیب، عروہ اور عبداللہ بن عبداللہ، یہ نام گنانے کے بعد کہا کہ میرے نزدیک زہری ان سب سے بڑے عالم تھے، اس لئے کہ انھوں نے ان سب کا علم اپنے علم میں شامل کرلیا تھا[4]،

فتاویٰ۔ اس فقہی کمال کی وجہ سے وہ مدینہ کی مجلس افتا کے مسند نشین تھے، ان کے فتاویٰ کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ محمد بن نوح نے فقہی ترتیب سے ان کو تین ضخیم جلدوں میں جمع کیا تھا[5]

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو تہذیب ج ۹ ص ۴۴۶ و تہذیب الاسماء، ص ۹۱، [2] دیکھو تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۶ و تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۹۱، [3] ابن خلکان ج اول ص ۴۵۱، [4] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۶، [5] اعلام الموقعین ج اول ص ۲۶،

مغازی، مغازی کے بھی وہ امام وقت تھے، ان سے پہلے کسی نے مغازی کی طرف توجہ نہ کی تھی، تاریخ اسلام میں وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مغازی پر مستقل کتاب لکھی، امام سہیلی کے بیان کے مطابق یہ اس فن کی سب سے پہلی کتاب تھی، ان کی ذات سے مغازی اور سیرت کا عام مذاق پیدا ہوگیا، ان کے تلامذہ میں یعقوب بن ابراہیم، محمد بن صالح، عبدالرحمن بن عبدالعزیز، موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحٰق نے اس فن میں بڑا کمال پیدا کیا، خصوصاً آخر الذکر دونوں تلامذہ نے بڑی شہرت اور ناموری حاصل کی،

علما میں ابن شہاب کا درجہ، زہری کا علمی مرتبہ اس عہد کے تمام علما اور ارباب کمال میں مسلم تھا ایوب سختیانی کہتے تھے کہ میں نے زہری سے بڑا عالم نہیں دیکھا کسی نے پوچھا حسن بصری کو بھی نہیں انھوں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں نے زہری سے بڑا کسی کو بھی نہیں پایا[1] مکحول سے جنھوں نے تحصیل علم کے سلسلہ میں ساری دنیا چھان ماری تھی اور دنیائے اسلام کے تمام بڑے بڑے علمائے ملے تھے، کسی نے پوچھا تم سب سے بڑے کس عالم سے ملے، انھوں نے جواب دیا ابن شہاب سے، امام مالک فرماتے تھے، کہ دنیا میں زہری کا کوئی مثل نہ تھا[2] سعد بن ابراہیم یہاں تک مبالغہ کرتے تھے کہ میرے نزدیک رسول اللہ صلعم کے بعد زہری کے اتنا علم کسی میں نہ تھا[3]

اشاعت علم، خدا نے زہری کو جس فیاضی کے ساتھ علم کی دولت عطا کی تھی اسی فیاضی کے ساتھ انھوں نے اس کو تقسیم کیا اور بڑی محنت سے علم کی اشاعت کی، فرمایا کرتے تھے نہ کسی نے تحصیل علم میں میری جیسی مشقت اٹھائی، اور نہ اس کی اشاعت میں[4] ان کے تلامذہ کی فہرست سے ان کے علمی خدمات کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے،

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص۹۱، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۹۶ [3] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص۹۲، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۹۶،

علمی انہماک | آپکی زندگی سراپا علم میں ڈوبی ہوئی تھی علم کے علاوہ کوئی مشغلہ ہی نہ تھا علمی انہماک میں دہ دنیا و مافیہا حتیٰ کہ بیوی تک سے بے خبر ہو جاتے تھے، جب گھر آتے تھے تو چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر لگا کر اس میں گم ہو جاتے تھے، ان کی بیوی نے ایک دن تنگ آکر کہا "خدا کی قسم یہ کتابیں میرے لئے تین سوتوں سے زیادہ تکلیف دہ ہیں[1]"

عہدۂ قضا اور خلفاء سے تعلقات | عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز اور ہشام وغیرہ جو چھ خلفا زہری کے زمانہ میں تھے، ان سب سے ان کے نہایت گہرے روابط تھے اس کا آغاز عبدالملک سے ہوا، عبدالملک خود بڑا صاحب علم اور جوہر شناس تھا اگر وہ خلیفہ ہو کر برباد نہ ہو گیا ہوتا، تو عہد تابعین کا نہایت جلیل القدر عالم ہوتا، امام شعبی اس کے علمی کمالات کے اتنے معترف تھے کہ فرماتے تھے "میں جن جن لوگوں سے ملا عبدالملک کے سوا اپنے کو سب سے افضل پایا، عبدالملک کے سامنے جب میں کوئی حدیث بیان کرتا یا شعر پڑھتا، تو وہ اس میں اور زیادہ اضافہ کر دیتا[2]"

زہری سب سے اول سنہ ۸۰ھ میں عبدالملک کے پاس دمشق گئے[3] وہ ان کے علمی کمالات سے بہت متاثر ہوا، زہری مقروض تھے ان کا کل قرض ادا کیا[4] قرض کی ادائگی کے علاوہ اور بھی سلوک کئے، اور انھیں دمشق کے عہدۂ قضا پر ممتاز کیا[5] اس تعلق سے زہری کا دمشق میں مستقل قیام ہو گیا تھا، اور وہ عبدالملک ہی کے ساتھ رہتے تھے، اموی خلفاء میں عبدالملک کے بعد عمر بن عبدالعزیز بڑے صاحب علم اور جوہر شناس تھے، اس لئے وہ زہری کو بہت مانتے تھے بلکہ ان کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے اور زہری کے بارہ میں ان کے بعض اقوال گذر چکے ہیں،

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۴۵۲، [2] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۱۶، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۶،

[4] ابن خلکان ج اول ص ۴۵۲،

انھوں نے تمام ممالک محروسہ میں اعلان کرادیا تھا کہ سب لوگ ابن شہاب کی اقتدا کیا کریں، کہ ان سے زیادہ سنت ماضیہ کا جاننے والا کوئی نہیں مل سکتا[۱]،

عبد الملک کی وفات کے بعد وہ اس کے لڑکے ہشام کے ساتھ رہنے لگے تھے[۲]، پھر وہ ہشام کے لڑکے کے اتالیق ہوگئے تھے، ہشام پر بھی ان کا بڑا اثر تھا، اور وہ انھیں بہت مانتا تھا، اس نے ہزاروں روپیہ کا ان کا قرض کیا[۳]، ہشام کے ساتھ ان کی درباری گفتگو اور حاضر جوابی کے بعض دلچسپ واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں، ایک دن یہ اور ابو الزناد ہشام کے دربار میں تھے، ہشام نے ان سے سوال کیا کہ اہل مدینہ کے وظیفے کس مہینہ میں تقسیم ہوا کرتے تھے، زہری نے لاعلمی ظاہر کی، اس نے ابو الزناد سے پوچھا، انھوں نے بتایا محرم میں، یہ جواب سن کر ہشام نے زہری سے کہا ابو بکر، یہ علم تم کو آج حاصل ہوا، زہری نے برجستہ جواب دیا، امیر المومنین کی مجلس ایسی ہی ہے کہ اس سے علمی استفادہ کیا جائے[۴]،

فیاضی، | فیاضی اور سیر چشمی زہری کا نہایت نمایاں وصف تھا، وہ دولت کی کوئی حقیقت نہ سمجھتے، عمرو بن دینار کا بیان ہے کہ میں نے درہم و دینار کو زہری کی نگاہ سے زیادہ کسی کی نگاہ میں بے وقعت نہیں دیکھا، وہ اس کو اونٹ کی مینگنی سے زیادہ نہ سمجھتے تھے، اسی کا نتیجہ تھا کہ بے دریغ روپیہ لٹاتے تھے اور بار بار مقروض ہوجاتے تھے، عبد الملک اور ہشام نے بارہا ان کا قرض ادا کیا، لیکن ان کی غلط بخشیوں نے ان کو ہمیشہ مقروض رکھا، ولید بن محمد موقری کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ زہری سے کہا کہ ابو بکر تم میں صرف ایک عیب قرض کا ہے، جواب دیا مجھ پر قرض ہی کیا ہے، کل چالیس ہزار دینار کا قرض ہے، اور میرے پاس چار غلام

---

[۱] ابن خلکان ج اول ص ۴۵۱، [۲] ایضاً، [۳] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۷،

[۴] ابن خلکان ج اول ص ۴۵۱،

ہیں جن میں سے ہر ایک چالیس ہزار سے زیادہ بہتر ہے، اور صرف ایک پوتا میرا وارث ہے، میری تو تمنا یہ ہے کہ کسی کو میری وراثت نہ ملتی[5]

وفات، ۱۲۴ھ میں یہ آفتاب علم و عمل دنیا سے روپوش ہوا،

حلیہ، قد پستہ تھا، سر پر کاکلیں تھیں،

۶۸-محمد بن منکدر

نام و نسب، محمد نام، ابو عبد اللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے محمد بن منکدر بن عبد اللہ بن ہدیر بن عبد العزی بن عامر بن حارث بن حارثہ بن سعد بن تیم بن مرہ تیمی قرشی مدنی،

فضل و کمال، محمد بن منکدر فضل و کمال اور زہد و تقویٰ میں نہایت بلند پایہ کے مالک تھے حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ان کی ثقاہت اور علمی و عملی برتری پر سب کا اتفاق ہے، اور ان کے نام کے ساتھ امام اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں[1]، حافظ ابن حجر ائمہ اعلام میں لکھتے ہیں[2]،

قرأت، قرآن کے ممتاز قاری تھے، امام مالک انھیں سید القرار کہتے تھے[3]،

حدیث، حدیث کے بڑے نامور حافظ تھے، حافظ ذہبی امام وقت کے لقب سے یاد کرتے ہیں، حدیث میں انھوں نے صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت سے فیض اٹھایا تھا صحابہ کرام میں ابو ایوب انصاریؓ، انس بن مالکؓ، جابرؓ، ابو امامہ بن سہلؓ، ربیعہ بن عبد اللہؓ، عبد اللہ ابن عمرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، ابو قتادہؓ، سفینہؓ اور عائشہ صدیقہؓ اور تابعین میں سعید بن مسیب، عبید اللہ بن ابی رافع، عروہ بن زبیر، معاذ بن عبد الرحمن تیمی، سعید بن عبد الرحمن بن یربوع اور ابو بکر بن سلیمان سے روایتیں کی ہیں[4]،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۹، [2] تہذیب وقت ۳، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۱، [4] تہذیب ج ۹ ص ۴۷۳،

صحابہ میں بعض بزرگوں سے ان کی روایات مرسل ہیں لیکن علماء کے نزدیک ان کی مرسلات دوسروں کی مرفوع روایات سے زیادہ لائق اعتماد ہیں، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ وہ صدق کا معدن تھے، صلحاء ان کے پاس جمع ہوتے تھے، میں نے ان کے سوا کسی کو اس کا اہل نہیں دیکھا، کہ وہ قال رسول اللہ کہے، اور بے چون وچرا مان لیا جائے[1] ابراہیم کہتے تھے کہ وہ حفظ، اتقان اور زہد کے انتہائی درجہ پر تھے، اور حجۃ تھے[2]۔

تلامذہ، جن لوگوں نے ان سے سماع حدیث کیا تھا ان میں ان کے صاحبزادے یوسف اور منکدر اور بھتیجے ابراہیم اور عبد الرحمن اور عام مستفیدین میں عمرو بن دینار، امام زہری، ایوب یونس بن عبید، سلمہ بن دینار، جعفر بن محمد صادق، محمد بن واسع، سعد بن ابراہیم، سہیل بن ابی صالح، ابن جریج، علی بن زید، موسیٰ بن عقبہ، ہشام بن عروہ، اور یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہ لائق ذکر ہیں[3]،

فقہ | فقہ وفتویٰ میں بھی پورا درک تھا، مدینۃ الرسول کے صاحب افتا تابعین میں انکا شمار تھا[4]،

زہد وورع | زہد وتقویٰ کا رنگ نہایت گہرا تھا، اپنے نفس کی اصلاح کے لئے وہ بڑی سخت ریاضتیں کرتے تھے، مسلسل چالیس سال تک نفس پر ہر طرح کی سختیاں جھیلیں[5] امام مالک فرماتے تھے کہ وہ عابد وزاہد ترین لوگوں میں تھے، ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ ان کا گھر صلحاء اور عباد کا مادی اور مخزن تھا[6]،

رقت قلب واثر پذیری، | ان کا دل اتنا گداختہ اور اثر پذیر تھا کہ کلام اللہ کی موثر آیات پڑھکر بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے، ایک شب کو تہجد میں بہت روئے، صبح کو ان کے بھائیوں

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۷۴، [2] ایضاً ص ۴۷۵، [3] ایضاً ص ۴۷۳، [4] اعلام الموقعین ج اول ص ۲۲،

[5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۴، [6] شذرات الذہب ج اول ص ۱۵۸،

نے سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ اس آیت پر گریہ طاری ہوا تھا،

بدا لھم من اللہ ما لم یکونوا ان لوگوں کے لئے خدا کی جانب سے ایسی چیز

یحتسبون، ظاہر ہوگی جس کا دہ وہم وگمان بھی نہ کرتے تھے

حدیثوں سے تاثر کا بھی یہی حال تھا، امام مالکؒ کا بیان ہے کہ جب ان سے کوئی حدیث

پوچھی جاتی تھی تو وہ رونے لگتے تھے[1]

حج کا ذوق | حج کا اتنا ذوق وشوق تھا کہ مقروض ہونے کی حالت میں بھی حج کرتے تھے، کسی نے اعتراض کیا کہ آپ قرض کا بار ہوتے ہوئے حج کرتے ہیں، فرمایا حج خود ہی قرض کی ادائگی میں سب سے بڑا معین ومددگار ہے، جب حج کو جاتے تھے تو تنہا نہ جاتے بلکہ عورتوں اور بچوں سب کو ساتھ لیجاتے، کسی نے اس کے بارہ میں کہا فرمایا ان کو خدا کے سامنے پیش کرتا ہوں[2]،

ان کی زندگی کا اثر دوسروں پر | ان کے دیکھنے سے نفس کی اصلاح ہوتی تھی، امام مالکؒ کا بیان ہے کہ جب میں اپنے قلب میں قساوت محسوس کرتا تھا، تو جا کر ابن منکدر کو دیکھتا تھا، اس کا یہ اثر ہوتا تھا کہ چند دنوں تک نفس میری نگاہ میں مبغوض ہو جاتا تھا[3]،

بہترین عمل اور بہترین دنیا | کسی نے ان سے پوچھا آپ کے نزدیک سب سے افضل عمل کون ہے، فرمایا مسلمانوں کو خوش کرنا، پوچھا سب سے پسندیدہ دنیا کون ہے، جواب دیا دوستوں کے ساتھ سلوک کرنا[4]،

وفات | ۱۳۰ھ میں وفات پائی[5]، عالم احتضار میں سخت رقت طاری ہوئی فرمایا مجھے اس آیت بدا لھم من اللہ ما لم یکونوا یحتسبون سے خوف ہے کہ مبادا میرے لئے بھی خدا کی جانب سے ایسی شے ظاہر ہو جو میرے وہم وگمان میں نہ ہو[6]،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۱، [2] شذرات الذہب ج اول ص ۱۷۷، [3] ایضاً، [4] ایضاً،

[5] [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۱،

۶۹- مسروق بن اجدع

نام و نسب، مسروق نام، ابو عائشہ کنیت، انکے والد کا خاندانی نام اجدع اور اسلامی نام عبد الرحمٰن تھا، وہ یمن کے مشہور خاندان ہمدان کے سردار اور عرب کے نامور شہسوار معدیکرب کے عزیز تھے، نسب نامہ یہ ہے مسروق بن اجدع (عبد الرحمٰن) بن مالک بن امیہ بن عبد اللہ بن مر ابن سلمان بن معمر بن حارث بن سعد بن عبد اللہ بن وداعہ بن عمرو بن عامر بن ناشح ہمدانی،

اسلام، مسروق نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا، عہد رسالت میں موجود تھے انکے گھرانے کے اور ارکان اسی عہد میں مسلمان ہو گئے تھے، خود ان کے عزیز عمرو بن معدیکرب نے مدینہ جا کر آنحضرت صلعم کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا تھا[1] لیکن مسروق اس عہد میں اس شرف سے محروم رہے، ان کے زمانۂ اسلام کا صریح تذکرہ نہیں ملتا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عہد صدیقی میں مسلمان ہو چکے تھے، ابن سعد میں خود ان کی زبانی یہ روایت ملتی ہے کہ میں نے ابوبکر صدیق کے پیچھے نماز پڑھی،[2]

عہد فاروقی، عہد فاروقی میں مسروق نمایاں نظر آتے ہیں، فاروقی عہد میں ایک مرتبہ وہ یمن کے وفد میں مدینہ گئے، حضرت عمرؓ نے ان سے نام و نشان پوچھا، انھوں نے بتایا مسروق بن اجدع، حضرت عمرؓ نے فرمایا اجدع شیطان ہے، تم مسروق بن عبد الرحمٰن ہو، اس وقت سے ان کے والد کا نام بدل گیا، ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان سے نہیں بلکہ ان کے والد ہی سے

---

[1] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۴۴، [2] ایضاً ج ۶ صفحہ ۵،

نام پوچھ کر اجدع کے بجائے عبد الرحمٰن نام تجویز کیا تھا[۱] بہرحال ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد فاروقی میں باپ بیٹے دونوں مدینہ آگئے تھے،

مسروق یمن کے بڑے نامور شہسواروں میں تھے، عہد فاروقی میں وہ اپنے تین بھائی عبد اللہ، ابوبکر اور منتشر سمیت قادسیہ کے مشہور معرکہ میں شریک ہوئے تینوں بھائی شہید ہوئے، مسروق کا لڑتے لڑتے ہاتھ شل ہوگیا، اور سر میں گہرا زخم آیا جس کا نشان ہمیشہ باقی رہا، اس نشان کو وہ بہت محبوب رکھتے تھے، کہ شجاعت و جانبازی کی سند تھا، اور اس کا مٹ جانا ناپسند کرتے تھے[۲]۔

حضرت عثمانؓ کی حمایت، لیکن ان کی یہ شجاعت و شہامت اسلام کی خدمت کے لئے اور غیروں کے مقابلہ میں تھی، ورنہ مسلمانوں کی خانہ جنگی میں ان کی تلوار نیام میں رہی، عثمانی عہد کے ہنگاموں میں انھوں نے کسی جانب عملی حصہ نہ لیا، لیکن بحیثیت خیر خواہِ اسلام کے وہ اپنے شہر (کوفہ) والوں کو اہل مدینہ کی اعانت اور حمایت پر آمادہ کرتے تھے[۳]،

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب جنگ جمل کی تیاریاں شروع ہوئیں اور حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ اور عمار بن یاسرؓ کو حصول مدد کے لئے کوفہ بھیجا تو سب سے پہلے مسروق ان سے ملے، اور عمار بن یاسرؓ سے پوچھا "ابو الیقظان تم لوگوں نے عثمانؓ کو کس بات پر شہید کر دیا" انھوں نے جواب دیا اپنی آبرو ریزی اور مار پر، مسروق نے کہا خدا کی قسم تم لوگوں نے جتنی سزا پائی تھی اس سے زیادہ انتقام لیا، اگر تم لوگوں نے صبر کیا ہوتا تو وہ صبر کرنیوالوں کے لئے بہتر تھا[۴]،

خانہ جنگی سے احتراز، جنگ جمل سے خانہ جنگی کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ جنگ صفین تک جاری رہا، مسروق نے ان میں سے کسی میں حصہ نہ لیا، کوفہ حضرت علیؓ کے حامیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا، یہاں رہ کر مسروق کے لئے بچنا مشکل تھا اس لئے وہ اپنے کو بچانے کے لئے کوفہ چھوڑ کر

۱؎ ابن سعد ج ۶ ص ۵۰، ۲؎ ایضاً ص ۵۲، ۳؎ ابن اثیر ج ۳ ص ۱۲۷، ۴؎ ایضاً ص ۱۵۹،

قزوین چلے گئے تھے[1]

شعبی کا بیان ہے کہ مسروق کسی جنگ میں بھی حضرت علیؓ کے ساتھ نہ تھے جب ان سے پوچھا جاتا کہ تم نے علیؓ کا ساتھ کیوں نہیں دیا، تو کہتے میں تم لوگوں کو خدا کا واسطہ دلاکر پوچھتا ہوں کہ فرض کرو جب ہم لوگ ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا ہوں اور فریقین اسلحہ نکال کر ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہوں، اس وقت تمہاری آنکھوں کے سامنے آسمان میں کوئی دروازہ کھل جائے، اور اس سے فرشتے اتر کر دونوں لڑنے والی صفوں کے درمیان آکر کہیں،

یا ایھا الذین آمنوا لا تاکلوا اموالکم	اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو تم ایک دوسرے کا
بالباطل الا ان تکون تجارۃ	مال باطل طریقہ پر نہ کھاؤ، مگر یہ کہ تمہاری رضامندی
عن تراضٍ منکم ولا تقتلوا	سے تجارت سے حاصل ہوا ہو، اور اپنے نفسوں کو
انفسکم ان اللہ بکم رحیما،	ہلاک نہ کرو، اللہ تمہارے حال پر رحیم ہے،

تو بتاؤ ان کا یہ کہنا فریقین کے لئے جنگ سے روک ہوگا یا نہیں، لوگ جواب دیتے، ہاں ضرور ہوگا، اس وقت مسروق کہتے خدا کی قسم تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ خدا آسمان کا دروازہ کھول چکا ہے، اور اس کے راستہ سے ایک فرشتہ اتر کر تمہارے نبی صلعم کی زبان سے یہ حکم سنا چکا ہے، جو صحائف میں موجود ہے، اور اس کو کسی شے نے منسوخ نہیں کیا ہے[2]،

ایک دوسری روایت میں عامر بیان کرتے ہیں کہ مسروق نے مجھ سے کہا کہ جب مومنین کی دو جماعتیں آپس میں لڑنے کے لئے صف بستہ ہوں، اور اس وقت آسمان سے کوئی فرشتہ نمودار ہو کر ندا دے کہ،

---

[1] ابن اثیر ج ۳ صفحہ ۲۳،

[2] ابن سعد ج ۶ ص ۵۱ و ص ۵۲،

یا ایہا الذین آمنوا لا تاکلوا — اے ایمان ایک دوسرے کا مال باطل
اموالکم بالباطل الخ — طریقہ سے نہ کھاؤ،

تو تمہارا کیا خیال ہے کیا لوگ جنگ کریں گے یا رک جائیں گے، میں نے کہا اگر وہ بے حس اور جامد پتھر نہیں ہیں تو ضرور رک جائیں گے، یہ جواب سن کر انھوں نے کہا تو خدا کا ایک سماوی صحیفہ اس حکم کے ساتھ ایک ارضی صحیفہ پر نازل ہو چکا ہے، لیکن اس کے باوجود لوگ نہ رکے، حالانکہ ایمان بالغیب عینی مشاہدہ کے بعد کے ایمان سے بہتر ہے، ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ وہ نہ صرف خود کنارہ کش رہے بلکہ عام مسلمانوں کو روکنے کے لئے صفین کے میدان تک گئے، اور دونوں صفوں کے درمیان میں کھڑے ہو کر مذکورۂ بالا وعظ سنا کر لوگوں کو جنگ سے روکتے تھے،[1] لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ وہ خود نہیں شریک ہوئے، اور کسی حیثیت سے بھی صفین میں نہیں گئے،

قضات | اموی دور میں کچھ دنوں قاضی رہے،[2]

وفات | سنہ ۶۳ھ میں واسط میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے، زندگی ہمیشہ سے متوکلانہ تھی، اور دنیا سے کبھی دامن آلودہ نہ ہوا تھا، قضاوت کے زمانہ میں بھی کوئی معاوضہ نہ لیتے تھے،[3] اس لئے کفن تک کا سامان نہ تھا، شعبی کا بیان ہے کہ مسروق نے مرتے وقت کفن تک کی قیمت نہ چھوڑی، اور کفن کے لئے قرض کی وصیت کی، مگر یہ ہدایت کر دی کہ زراعت پیشہ اور جزیہ دہی سے نہ لیا جائے، بلکہ مویشی رکھنے والے یا تجارت پیشہ سے لیا جائے، دم آخر بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا "خدایا میں رسول اللہ اور ابوبکرؓ و عمرؓ کی سنت کے خلاف طریقہ پر نہیں مر رہا ہوں، خدا کی قسم میں نے اپنی تلوار کے علاوہ کسی انسان

۱ ابن سعد ج ۶ ص ۵۲، ۲ ایضاً ص ۵۵، ۳ ایضاً،

کے پاس کوئی سونا اور چاندی نہیں چھوڑا ہے، اسی کے ذریعہ سے مجھے کفنانا، (غالباً اس سے تلوار بیچ کر روپیہ حاصل کرنے کی طرف اشارہ تھا)

ان وصایا کے بعد سنہ مذکور میں سلسلہ واسط میں وفات پائی اور یہیں سپرد خاک کئے گئے، ان کی وفات کے بعد بھی ان کا روحانی فیض جاری رہا، خشک سالی کے مواقع پر خلق اللہ ان کے مزار پر انوار پر جمع ہو کر پانی کے لئے دعا کرتی تھی، اور اس کی برکت سے پانی برستا تھا[1]

فضل و کمال علمی اعتبار سے وہ علمائے تابعین میں تھے، انھیں آغاز عمر ہی سے طلب علم کا ذوق تھا، شعبی کا بیان ہے کہ ان سے زیادہ علم کا طلب کرنے والا کوئی نہ تھا[2] خوش قسمتی سے انھیں عائشہ صدیقہ جیسی شفیق اور فاضلہ ماں مل گئی تھیں جو انھیں لڑکے کی جگہ سمجھتی تھیں، مسروق کے ساتھ ان کو مادرانہ محبت تھی، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ان کو متبنی بنا لیا تھا[3] لیکن یہ بیان مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے تاہم اس میں شبہ نہیں کہ مسروق کے حال پر وہ غیر معمولی شفقت فرماتی تھیں، اور انھیں بیٹا کہہ کر پکارتی تھیں، جب وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو شہد سے ان کی تواضع کرتی تھیں، ایک مرتبہ مسروق چند آدمیوں کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے حکم دیا کہ میرے "لڑکے" کے لئے شہد گھولو[4] حضرت عائشہؓ کے بعد مسروق نے ابن مسعودؓ کے خرمن کمال سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ خوشہ چینی کی تھی، اور ان کے نہایت ممتاز اصحاب میں تھے، ابن مدائنی کا بیان ہے کہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کے اصحاب میں مسروق پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا[5]

مسروق کے ذاتی شوق و جستجو اور ان دونوں بزرگوں کے فیض صحبت نے مسروق کو

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۵۶، [2] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۱۱، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۲ [4] ابن سعد ج ۶ ص ۵۱ [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۲

علمائے اعلام میں بنا دیا، حافظ ذہبی ان کو فقیہ اور علمائے اعلام میں لکھتے ہیں[1]، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت، توثیق، فضیلت اور امامت پر سب کا اتفاق ہے[2]، شعبی کہا کرتے تھے کہ کوئی ہمدانی عورت مسروق جیسا فرزند پیدا نہ کرسکی[3]،

حدیث وسنت: حدیث وسنت میں مسروق کا علم خاصہ وسیع تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کان ثقۃ له احادیث صالحۃ[4]، اس فن میں انھوں نے حضرت عائشہؓ اور ابن مسعودؓ کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، خباب بن ارتؓ، عبداللہ ابن عمرؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ جیسے اکابر صحابہ سے فیض اٹھایا تھا، حدیث کے ساتھ وہ سنت کی تعلیم بھی دیتے تھے[5]،

فقہ وفتاوی: مسروق کا خاص فن فقہ تھا، اس میں وہ امامت واجتہاد کا درجہ رکھتے تھے، وہ عبداللہ ابن مسعودؓ کے ان اصحاب میں تھے جن کا شغل ہی درس وافتا تھا[6]، افتا میں قاضی شریح ان سے مشورہ لیا کرتے تھے، شعبی کا بیان ہے کہ مسروق افتا میں شریح سے فائق تھے، وہ ان سے مشورہ لیا کرتے تھے[7]، اور خود مسروق ان کے مشورہ سے بالکل بے نیاز تھے[8]،

قضاءت: اس فقہی کمال کی بنا پر انھیں قضاءت میں خاص ملکہ تھا، اور یہ شغلہ ان کے پسند خاطر بھی تھا، قاضی شریح کا فیصلوں میں ان سے مشورہ لینا اس کی سب سے بڑی سند ہے، اوپر گذر چکا ہے، وہ اموی دور میں کچھ دنوں قاضی بھی رہے، انھیں قضا سے اس قدر ذوق تھا کہ کہا کرتے تھے کہ مجھے کسی قضیہ میں صحیح اور حق کے موافق فیصلہ کرنا ایک سال کے جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ پسند ہے[9]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۴۲، [2] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص۸۹، [3] ابن سعد ج ۶ ص۵۲، [4] ایضاً [5] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص۱۱۰، [6] ایضاً ص۱۱۱، [7] ابن سعد ج ۶ ص۵۵، [8] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۴۲، [9] ابن سعد ج ۶ ص۵۵،

فضائل اخلاق، | علم کے ساتھ مسروق عمل اور فضائل اخلاق کے زیور سے بھی آراستہ تھے،

خشیت الٰہی، | تمام محاسن اخلاق کا سرچشمہ خشیت الٰہی ہے مسروق اصل علم خوف خدا کو سمجھتے تھے اور اس کے مقابلہ میں غرورِ عمل کو جہل تصور کرتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ "انسان کے لئے یہ علم کافی ہو کہ وہ خدا سے ڈرتا ہے اور جہل یہ ہے کہ اپنے علم پر غرور کرے"[1]

عبادت وریاضت، | بڑے مرتاض عابد تھے بڑی ریاضت کرتے تھے، نمازوں کی کثرت سے دونوں پاؤں ورم کر آتے تھے، خاص خاص زمانوں میں ان کی عبادت اور زیادہ بڑھ جاتی تھی، طاعون کی وبا کے زمانہ میں وہ عبادت کے لئے گوشۂ تنہائی اختیار کر لیتے تھے، بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ طاعون کی وجہ سے ہٹ گئے ہیں، لیکن یہ واقعہ نہ ہوتا تھا، بلکہ تنہا نشینی کی غرض محض عبادت ہوتی تھی، انس بن سیرین کا بیان ہے کہ ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ مسروق طاعون سے بھاگتے تھے، لیکن محمد کو اس کا یقین نہ آیا، انھوں نے کہا ان کی بیوی سے چل کر پوچھنا چاہئے، چنانچہ ہم لوگوں نے جاکر ان سے پوچھا، انھوں نے کہا خدا کی قسم ایسا نہیں ہے، وہ کبھی بھی طاعون سے نہیں بھاگتے تھے، البتہ جس زمانہ میں طاعون کی وبا پھیلتی تو وہ کہتے کہ یہ شغل وذکر کے ایام ہیں، میں چاہتا ہوں کہ تنہائی میں عبادت کروں چنانچہ وہ عبادت کرنے کے لئے گوشۂ خلوت اختیار کر لیتے تھے، اور اپنے نفس کے اوپر ایسی سختیاں کرتے تھے کہ بسا اوقات میں ان کی حالت دیکھ کر ان کے پیچھے بیٹھ کر روتی تھی[2] حج کے زمانہ میں جب تک مکہ میں رہتے، اس وقت سجدہ ہی میں سوتے تھے[3]

توبہ واستغفار | وہ اپنے نفس کا محاسبہ اور گناہوں کو یاد کرکے ان کے لئے استغفار کرنا ضروری سمجھتے تھے چنانچہ فرماتے تھے کہ انسان کے لئے ایسی مجالس ہونی چاہئیں جنھیں بیٹھ کر وہ اپنے گناہوں کو یاد کرکے خدا سے استغفار کرے[4]

---

[1] ابن سعد ج ۶ صفحہ ۵۱، [2] ایضاً صفحہ ۵۲، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۴۳، [4] ابن سعد ج ۶ صفحہ ۵۲،

دنیا کی حقیقت | ان کی نگاہ میں دنیا کی کوئی حقیقت نہ تھی، وہ اس کو ایک مزبلہ سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے، ایک مرتبہ اپنے بھتیجے کا ہاتھ پکڑ کر ایک مزبلہ پر لے گئے اور فرمایا میں تم کو دنیا دکھاؤں، دیکھو یہ دنیا ہے کہ اس کو کھا کر فنا دیا، پہن کر پرانا اور بوسیدہ کر دیا، سوار ہو کر لاغر کر دیا، اس کے لئے خون بہایا، محارم اللہ کو حلال اور رحم کو قطع کیا[1]

دنیا سے بے تعلقی | اسی لئے دنیا کی جانب ان کا دل کبھی مائل نہ ہوا، اور کسی دنیاوی شئی میں انکے لئے کوئی کشش باقی نہ تھی حضرت سعید بن جبیر ان کے ہم مذاق وہم مشرب تھے ان میں اور مسروق میں رانہ و نیاز کی باتیں ہوا کرتی تھیں، ابن جبیر کا بیان ہے کہ مسروق نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا، سعید اب کوئی ایسی شئے نہیں ہے جس کی جانب میلان خاطر باقی ہو، بجز اس کے کہ اپنے چہروں کو اسی مٹی میں آلودہ کریں[2]

دولت دنیا سے بے نیازی | اس دل شکستگی کی وجہ سے وہ دولت دنیا سے ہمیشہ بے نیاز رہے، لوگ ان کی خدمت کرنا چاہتے تھے، لیکن وہ قبول نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ خالد بن اسید نے ان کے پاس تیس ہزار کی رقم بھیجی، انھوں نے اس کے لینے سے انکار کر دیا، انکے اعزہ نے بہت سمجھایا کہ لے لیجئے اس سے صدقہ کیجئے گا، عزیزوں کیساتھ سلوک کیجئے گا، اور اس قبیل کے دوسروں کاموں میں لائے گا، مگر انھوں نے کسی طرح قبول نہ کیا[3]

توکل و قناعت | اس بے نیازی کی وجہ سے کبھی کبھی فاقہ کی نوبت آجاتی تھی، لیکن توکل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا، ایک مرتبہ گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہ تھا، بیوی نے کہا عائشہؓ کے باپ آج تمہارے بال بچوں کے کھانے کو کچھ نہیں ہے، یہ سن کر مسروق مسکرائے اور کہا خدا کی قسم وہ ضرور ان کے لئے رزق کا انتظام کرے گا[4]

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۵۵، [2] ایضاً ص ۵۳ و ص ۵۵، [3] ایضاً ص ۵۵، [4] ایضاً،

انفاق فی سبیل اللہ اس قناعت اور توکل کے باوجود بڑے فیاض اور سیر چشم تھے، جب انھیں اپنے عمل کی ہوئی کوئی رقم ہاتھ آجاتی تھی تو اسکو خدا کی راہ میں صرف کردیتے تھے، اپنی لڑکی کی شادی سائب بن اقرع کے ساتھ کی، اور ان سے مہر کے علاوہ دس ہزار اپنے لئے حاصل کئے یہ کل رقم مجاہدین فی سبیل اللہ، مساکین اور مکاتب غلاموں کی آزادی کے لئے مخصوص کردی تھی،[1]

احتیاط اعمال میں اتنے محتاط تھے، کہ ادنی ادنی باتوں میں، احتیاط ملحوظ رکھتے تھے، جب کشتی پر سوار ہونے لگتے تو طہارت کے خیال سے ایک اینٹ ساتھ لے لیتے، جس پر سجدہ کرتے،[2] جس کا کوئی کام ان سے نکلتا تھا اس سے ہدیہ تک قبول نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی معاملہ میں ایک شخص کی سفارش کی، اس نے شکریہ میں ایک لونڈی لاکر پیش کی، یہ اسے دیکھ کر سخت برہم ہوئے اور کہا اگر مجھے پہلے تمہارے اس خیال کا علم ہوتا، تو میں کبھی تمہاری سفارش نہ کرتا، جتنی سفارش کرچکا، وہ کرچکا، اب جتنی ضرورت اور باقی رہ گئی ہے، اس کے بارے میں میں کچھ نہ کہوں گا، میں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے سنا ہے کہ جو شخص کسی کا حق دلانے یا ظلم کے انسداد کے لئے کسی کی سفارش کرے، اور اس کے معاوضہ میں اسکو ہدیہ دیا جائے اور سفارش کرنے والا قبول کرے تو وہ ہدیہ اس پر حرام ہے،[3]

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۹۰، [2] ایضاً، [3] ایضاً ص ۹۱،

۷۰ مسعر بن کدام

نام ونسب، مسعر نام، ابوسلمہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے مسعر بن کدام بن ظہیر بن عبیداللہ بن حارث بن عبداللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ قرشی عامری،

فضل وکمال، مسعر علمی اور مذہبی دونوں کمالات کے اعتبار سے ممتاز ترین تابعین میں تھے[1] یعلی ابن مرہ کا بیان ہے کہ مسعر کی ذات علم اور ورع دونوں کی جامع تھی[2] عراق میں ان کے پایہ کے علماء کم تھے، ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ عراقیوں میں مسعر اور ایوب سے افضل ہمارے یہاں کوئی نہیں آیا[2] امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت پر سب کا اتفاق ہے[3]

حدیث، حدیث کے وہ اکابر حفاظ میں سے تھے، امام ذہبی انھیں حافظ اور علمائے اعلام میں سے لکھتے ہیں[4] ان کے حافظہ میں ایک ہزار حدیثیں محفوظ تھیں[5]

حدیث میں انھوں نے عمرو بن سعید نخعی، ابو اسحٰق سبیعی، عطار، سعید بن ابراہیم، ثابت بن عبید اللہ انصاری، عبدالملک بن نمیر، ہلال بن خباب، حبیب بن ابی ثابت، علقمہ بن مرثد، قتادہ، معن بن عبدالرحمن، مقدام بن شریح اور اعمش وغیرہ ایک کثیر جماعت سے استفادہ کیا تھا[6]

ان کی مرویات کا پایہ، ان کی روایات کی صحت کے لئے یہ کافی ہے کہ شعبہ کے پایہ کے محدث انھیں مصحف کہتے تھے[7] ان کی ذات احادیث کی جانچ کے لئے معیار تھی، میزان انکا لقب ہوگیا تھا[8]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۷۲، [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص۱۱۳، [3] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص۸۹،
[4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۶۹، [5] ایضاً [6] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص۱۱۳ و تہذیب الاسماء، [7] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۷۰
[8] تہذیب ج ۱۰ ص۱۱۴،

کم ایسے محدثین نکلیں گے جنکی مرویات پر کسی نہ کسی حیثیت سے تنقید نہ کی گئی ہو، لیکن مسعر کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی[1]
ائمہ حدیث شک اور اختلاف کے موقع پر ان کی طرف رجوع کرتے ہیں، سفیان ثوری کا
بیان ہے کہ جب ہم لوگوں میں (حدیث کی) کسی چیز کے بارہ میں اختلاف ہوتا تھا، تو مسعر سے پوچھتے
تھے[2] ابراہیم بن سعد کہتے تھے کہ جب سفیان اور شعبہ میں کسی کے بارہ میں اختلاف ہوتا تھا تو میزان
مسعر کے پاس جاتے تھے[2]

احتیاط | اس محدثانہ کمال کے باوجود وہ روایت حدیث میں بڑے محتاط تھے، اس ذمہ داری سے
وہ اس قدر گھبراتے تھے، کہ فرماتے تھے کہ "کاش حدیثیں میرے سر پر شیشوں کا بار ہوتیں، کہ گر کر چور چور
ہو جاتیں[3]" ان کی احتیاط شک کے درجہ تک پہنچ گئی تھی، ابونعیم کا بیان ہے کہ مسعر اپنی احادیث
میں بڑے شکی تھے لیکن وہ کوئی غلطی نہ کرتے تھے، اعمش کہا کرتے تھے کہ مسعر کا شیطان انکو کمزور کرکے
شک دلاتا رہتا ہے[4]

ان کے اس شک نے ان کی احادیث کا درجہ اتنا بلند کر دیا تھا کہ محدثین ان کے شک کو یقین
کا درجہ دیتے تھے، اعمش سے بعض لوگوں نے کہا کہ مسعر اپنی حدیثوں میں شک کرتے ہیں، انھوں نے کہا
ان کا شک اوروں کے یقین کے برابر ہے[5]

فقہ | فقہ میں گو کوئی قابل ذکر شخصیت نہ تھی، تاہم کوفہ کی صاحب افتا جماعت میں تھے[6]

حلقۂ درس | مسجد میں حلقۂ درس تھا، عبادت کے معمولات کے بعد روزانہ مسجد میں بیٹھ جاتے تھے اور
شائقین حدیث ان کے گرد حلقہ باندھ کر استفادہ کرتے تھے[7]

زہد و عبادت | ان کی ماں بڑی عابدہ خاتون تھیں، ان کے فیض تربیت کا مسعر پر بڑا گہرا اثر پڑا تھا

---

[1] تہذیب التہذیب ج ١٠ ص ١١٤، [2] تہذیب الاسماء ج اول ص ٩٥، [3] تذکرة الحفاظ ج اول ص ١٧٠،
[4] تہذیب التہذیب ج ١٠ ص ١١٤، [5] تذکرة الحفاظ ج اول ص ١٦٩، [6] اعلام الموقعین ص ٢٨، [7] ابن سعد
ج ٦ ص ٢٥٣،

ان کی ماں بھی مسجد میں نماز پڑھتی تھیں، اکثر دونوں ماں بیٹے ایک ساتھ مسجد جاتے، مسعر نمدہ لئے ہوتے تھے، مسجد پہنچ کر ماں کے لئے نمدہ بچھا دیتے، جس پر کھڑی ہو کر وہ نماز پڑھتیں، مسعر علیحدہ مسجد کے اگلے حصہ میں نماز میں مشغول ہو جاتے، نماز تمام کرنے کے بعد ایک مقام پر بیٹھ جاتے اور شایقین حدیث آکر جمع ہو جاتے مسعر انھیں حدیثیں سناتے، اس درمیان میں ان کی ماں عبادت سے فارغ ہو جاتیں، مسعر درس ختم کرنے کے بعد ماں کا نمدہ اٹھاتے اور ان کے ساتھ گھر واپس آتے[۱] ان کے صرف دو ٹھکانے تھے گھر یا مسجد[۲] کثرتِ عبادت سے پیشانی پر اونٹ کے گھٹے کی طرح نہایت موٹا گھٹا پڑ گیا تھا[۳]

روزانہ شب کو نصف قرآن تمام کرتے تھے، ان کے صاحبزادے محمد کا بیان ہے کہ والد آدھا قرآن ختم کئے بغیر نہ سوتے تھے[۴] وہ کسی درجہ پر پہنچ کر رکے نہیں، بلکہ ان کے روحانی مدارج ہمیشہ ترقی پذیر رہے، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ میں نے مسعر کو خیر میں ہر روز ترقی کرتے دیکھا[۵] معن کا بیان ہے کہ ہم نے ان کو ہر دن پہلے دن سے افضل پایا، وہ عبادت و ریاضت اور فضائل اخلاق کے اس درجہ پر پہنچ گئے تھے کہ لوگ ان کے جنتی ہونے میں کوئی شک نہ کرتے تھے، حسن بن عمارہ کہا کرتے تھے کہ اگر مسعر کے جیسے آدمی بھی جنت میں داخل نہ ہوں گے تب تو جنتیوں کی تعداد بہت ہی کم ہو گی[۶]

ابن مبارک یا کسی اور اسی درجہ کے بزرگ نے ان کے فضائل سے متاثر ہو کر ان کی شان میں یہ اشعار کہے تھے[۷]

من کان ملتمسًا جلیسًا صالحًا　　　فلیات حلقة مسعر بن کدام

جس شخص کو اچھے جلیس کی تلاش ہو،　　　اس کو مسعر بن کدام کے حلقہ میں آجانا چاہیے

۱؎ ابن سعد ج ۶ ص۲۵۳، ۲؎ ایضاً ص۲۵۴، ۳؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۷۰، ۴؎ ایضاً ص۱۷۱، ۵؎ ایضاً، ۶؎ ایضاً ص۱۶۹، ۷؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۷۱،

فیہا السکینہ والوقار واہلہا — اہل العفاف وعلیۃ الاقوام

اس میں سکینہ ہے اور وقار ہے اور اسکے ارکان — پاکباز اور اونچے درجے کے ہیں

دولت دنیا سے بے نیازی، اس زندگی کا فطری نتیجہ یہ تھا کہ وہ دنیا اور اس کے شان و شکوہ سے بالکل بے نیاز تھے، چنانچہ حکومت کے عہدوں کو وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے، ابو جعفر عباسی آپ کا عزیز تھا، اس نے ان کو کسی مقام کا والی بنانا چاہا، انھوں نے کہا میرے گھر والے تو مجھے دو درہم سودا لانے کے لائق بھی نہیں سمجھتے، اور کہتے ہیں ہم تمھارا دو درہم کا سودا کرنا بھی نہیں پسند کرتے، اور تم مجھے والی بنانا چاہتے ہو، خدا تم کو صلاحیت دے، ہماری قرابت داری ہے، اس لئے ہمارا حق ہے کہ ہم بھی کچھ کہہ سکیں، ان کے اس عذر پر ابو جعفر نے ان کو اس خدمت سے معاف کر دیا،[1]

خوش اخلاقی نہایت خوش اخلاق تھے، دوسروں کے جذبات کا بڑا لحاظ رکھتے تھے، جب کبھی انھیں کوئی ایسی حدیث سناتا جس سے وہ خود اس شخص سے زیادہ واقف ہوتے، تو وہ محض اس کی دل شکنی اور احترام حدیث کے خیال سے انجان بن کر نہایت خاموشی سے سنتے تھے[2]

وفات، باختلاف روایت ۱۵۲ھ یا ۱۵۳ھ میں کوفہ میں وفات پائی،[3]

۱۷ مسلم بن یسار

نام و نسب، مسلم نام ابو عبد اللہ کنیت مشہور صحابی حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ تیمی کے غلام تھے،

فضل و کمال حضرت طلحہ عشرۂ مبشرہ میں ہیں، ان کی ہستی علم و عمل کا مجمع البحرین تھی، ان کی غلامی کے فیض اور مدینۃ الرسول کے قیام سے مسلم کا دامن علم و عمل کی دولت سے معمور ہو گیا تھا، علامہ

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۸۰، [2] ابن سعد ج ۶ ص۲۵۳، [3] ایضاً، [4] ایضاً،

ابن سعد لکھتے ہیں، کان مسلم ثقۃ فاضلاً عابداً ورعاً، مسلم ثقہ فاضل، عبادت گذار اور ورع تھے، ابن عون کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں مسلم پر کسی کو فضیلت نہیں دیجاتی تھی۔[۲]

حدیث | مدینہ کے قیام کی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور ابن عمرؓ جیسے اکابر امت اور ابی الاشعث صنعانی، حمران بن ابان وغیرہ سے حدیث میں استفادہ کا موقع ملا تھا۔[۳]

ثابت البنانی، یعلی بن حکیم، محمد بن سیرین، ایوب سختیانی، ابو نضرہ بن قتادہ، صالح، ابو الخلیل، محمد بن واسع، عمرو بن دینار، اور آبان بن ابی عیاش جیسے علماء ان کے زمرۂ تلامذہ میں تھے۔[۴]

فقہ | فقہ میں ان کا پایہ نہایت بلند تھا، ان کا شمار بصرہ کے ان پانچ فقہاء میں تھا جو اپنے زمانہ کے امام سمجھے جاتے تھے۔[۵]

فضائل واخلاق | ان کے علم سے زیادہ ان کا عمل تھا، ابن سعد ان کو عابد اور متورع لکھتے ہیں۔[۶] ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ بصرہ کے عبادت گذار بزرگوں میں تھے۔[۷]

شرط ایمان | آپ کے نزدیک ایمان باللہ کے لئے یہ ضروری تھا کہ اس کی تمام ناپسندیدہ چیزوں کو ترک کر دیا جائے، چنانچہ فرماتے تھے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بندہ کا ایمان کس کام آسکتا ہے اگر وہ خدا کی ناپسندیدہ باتوں کو نہیں چھوڑتا۔[۸]

نماز میں ذوق واستغراق | ان کی نماز بڑے کیف اور استغراق کی ہوتی تھی، جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انکو نور القا ہو رہا ہے، ابن عون کا بیان ہے کہ جب وہ نماز

---

[۱] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۳۱، [۲] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۲۶، [۳] ایضاً، [۴] ایضاً [۵] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۹۳، [۶] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۳۱، [۷] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۲۷، [۸] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۳۲

ہیں ہوتے تھے، تو بے جان لکڑی معلوم ہوتے تھے، بدن اور کپڑے میں ذرا حرکت نہ ہوتی تھی،
نماز کی حالت میں خواہ کیسے ہی خطرہ کی اور گھبرا دینے والی صورت پیش آجاتی تھی لیکن ان پر اس کا
مطلق کوئی اثر نہ ہوتا تھا، ایک مرتبہ وہ نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کے پہلو ہی میں آگ لگی اور
لگ کر بجھ بھی گئی، لیکن ان کو مطلق خبر نہ ہوئی،[1]

مرض کے علاوہ جب کہ انسان بالکل مجبور ہو جاتا ہے اور کسی حالت میں خدا کے حضور
میں بیٹھ کر تضرع پسند نہ تھا، ایک مرتبہ کسی نے کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا، فرمایا میں
اسے پسند نہیں کرتا کہ خدا مجھے مرض کے علاوہ اپنی نماز میں بیٹھا ہوا دیکھے،[2] دعوت الی الصلوٰۃ
کا اتنا خیال تھا، کہ اگر دور سے کانوں میں اذان کی آواز آجاتی تو اسی مسجد میں جا کر نماز پڑھتے
ایک مرتبہ کسی مسجد سے واپس جا رہے تھے کہ کچھ دور جا کر مسجد کے موذن کی آواز سنی، اذان
سن کر پھر مسجد لوٹ گئے، موذن نے پوچھا آپ لوٹے کیوں فرمایا تم نے لوٹا دیا،[3]

مسجد کی خدمت ان کا خاص مشغلہ تھا، مسجدوں میں چراغ جلایا کرتے، اس مشغلہ کی وجہ سے
مسلم المصبح یعنی چراغ جلانے والے مسلم، ان کا لقب ہو گیا تھا،[4]

پابندی سنت میں اہتمام، سنت کی پابندی میں بڑا اہتمام تھا، معمولی معمولی سنتیں بھی نہ چھوٹنے
پاتی تھیں، محض سنت کے خیال سے جوتا پہن کر نماز پڑھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ جوتا اتارنا میرے
لئے آسان ہے لیکن محض پابندی سنت کے خیال سے جوتوں میں نماز پڑھتا ہوں، آنحضرت صلعم
خرمے سے روزہ افطار کرتے تھے، اس لئے ان کا افطار بھی خرمے ہی سے ہوتا تھا،[5]

کتاب اللہ کا احترام، کتاب اللہ کا اتنا احترام ملحوظ رہتا تھا کہ جس ہاتھ سے قرآن پکڑتے تھے

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۳۵، [2] ایضاً ص ۱۳۶، [3] ایضاً ص ۱۳۶، [4] تہذیب ج ۲ ص ۱۴۱،

[5] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۳۶،

اس کو محلِ نجاست سے مس نہ کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ میں داہنے ہاتھ سے شرمگاہ کو مس کرنا برا سمجھتا ہوں، کیونکہ اس سے قرآن پکڑنا پڑتا ہے[1]،

ریا جہل اور شیطان کا آلہ ہے، ریا اور دکھاوے کو جہالت اور شیطان کا آلہ سمجھتے تھے، فرماتے تھے کہ تم لوگ نمائش سے بچو، کیونکہ وہ عالم کی جہالت کی ساعت ہے، اسی کے ذریعہ سے شیطان لغزش پیدا کرتا ہے[2]،

حلم و متانت، نہایت متین اور حلیم الطبع تھے، اشتعال کے مواقع پر بھی زبان سے کوئی ناروا کلمہ نہ نکلتا تھا، کبھی کسی کو گالی نہیں دی، غیظ و غضب کے موقع پر جو سب سے زیادہ سنگین لفظ ان کے منہ سے نکلتا تھا، وہ یہ تھا کہ "اب مجھ سے قطع تعلق کرلو" جب وہ یہ الفاظ کہدیتے تو لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ اس کے بعد غصہ کا کوئی درجہ باقی نہیں رہ گیا ہے[3]،

فتنۂ اشعث کے ابتلاء پر تاسف اس متانتِ طبع کا نتیجہ یہ تھا کہ شور و ہنگامہ اور جنگ و جدل کو سخت ناپسند کرتے تھے، لیکن محمد بن اشعث کی شورش میں جس میں متعدد اکابر تابعی مبتلا ہوگئے تھے، ان کا دامن محفوظ نہ رہ سکا، اور اس میں وہ شریک ہوگئے تھے، گو اس میں بھی انھوں نے تلوار نہیں اٹھائی لیکن محض شرکت پر سخت متاسف تھے، ابو قلابہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مکہ کے سفر میں میرا اور مسلم کا ساتھ ہوا، انھوں نے اشعث کے فتنہ کا ذکر کرکے کہا الحمد للہ میں نے اس فتنہ میں نہ کوئی تیر پھینکا، نہ نیزہ مارا، اور نہ تلوار چلائی، میں نے کہا، لیکن یہ تو سوچئے کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوگا جنھوں نے آپ کو صف میں کھڑا دیکھ کر کہا کہ مسلم بن یسار اس میں ہیں، اور وہ ناحق کسی معاملہ میں شریک نہیں ہو سکتے یہ خیال کرکے وہ لڑے اور مارے گئے، یہ سن کر وہ بے تحاشا رونے لگے، ان کی یہ حالت دیکھ کر مجھے ندامت ہوئی کہ میں نے ایسا کیوں کہا[4]،

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول، ص ۱۳۶، [2] ایضاً، [3] ایضاً، [4] ایضاً ص ۱۳۷،

وفات | عمر بن عبد العزیزؓ کے عہدِ خلافت ۹۹ھ یا ۱۰۱ھ میں وفات پائی[۱]

۷۔ مطرف بن عبداللہ

نام و نسب، | مطرف نام، ابو عبداللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے مطرف بن عبداللہ بن الشخیر بن عوف بن کعب بن وقدان بن الحریش بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ،

پیدائش، | مطرف عہدِ نبوی میں پیدا ہو گئے تھے[۲] لیکن صغر سنی یا بُعدِ مسافرت کی وجہ سے شرف لقاء سے محروم رہے،

ذوقِ علم، | مطرف کو تحصیلِ علم و کمال کا بڑا ذوق و شوق تھا، اس کے فضل کو وہ عبادت کے فضل سے زیادہ پسند کرتے تھے[۳]

فضل و کمال، | ان کے اس ذوق نے ان کو علمی کمالات، زہد و ورع اور تہذیبِ اخلاق جملہ فضائل و کمالات کا مجموعہ بنا دیا تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ ان کی ذات میں فضل و ورع روایۃ اور عقل و ادب سب جمع تھے[۴] حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علم و عمل میں سرخیل تھے، اسلام میں ان کی خاص جلالتِ شان اور لوگوں کے دلوں میں ان کی خاص وقعت تھی[۵]

حدیث | ان کے زمانہ میں صحابہ کی بڑی تعداد موجود تھی، اور انھوں نے ان کے فیوض و برکات سے پورا استفادہ کیا، چنانچہ حضرت عثمانؓ، علیؓ، ابوذرؓ، عمار بن یاسرؓ، عبداللہ بن مغفل، عثمان بن ابی العاصؓ، عمران بن حصینؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ اور حضرت عائشہؓ سے حدیثیں روایت کی ہیں، ان سے فیض پانے والوں میں ان کے بھائی ابو العلاء یزید، بھتیجے عبداللہ بن ہانی اور حسن بصری

۱؎ ابن سعد ج ۶ صہ ۱۳۷، ۲؎ تہذیب التہذیب ج ۱۰ صہ ۱۷۴، ۳؎ ابن سعد ج ۷ ق اول صہ ۱۰۳، ۴؎ ایضاً ۵؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۵،

حمید بن ہلال، ابو نضرہ، غیلان بن جریر، سعید بن ابی ہند، محمد بن واسع، ابو التیاح، ثابت البنانی، عبد الکریم بن رشید، سعید الجریری، اور ابو سلمہ، سعید بن یزید وغیرہ لائق ذکر ہیں[1]،

فقہ، | فقہ میں پورا درک حاصل تھا، بصرہ کے مفتیوں میں تھے[2]،

زہد و ورع، | ان کے علم سے زیادہ ان کا عمل اور زہد و ورع تھا، علامہ ابن سعد انھیں متورعین میں لکھتے ہیں[3]، عجلی لکھتے ہیں کہ وہ کبار تابعین میں اور رجل صالح تھے[4]، ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ بصرہ کے عابد و زاہد تابعین میں تھے[5]،

شورو فتن سے اجتناب، | اس زہد و ورع کی وجہ سے وہ شور و شر اور انقلاب و ہنگامہ آرائی سے بہت گھبراتے تھے، اور اسکو ابتلا سمجھتے تھے، فرماتے تھے کہ فتنہ رہبری اور رہنمائی کے لئے نہیں بلکہ مومن کو اس کے نفس سے لڑا دینے کے لئے اٹھتا ہے، ان کے زمانہ میں بڑے بڑے انقلابات و حوادث ہوئے لیکن انھوں نے اپنا دامن بالکل بچائے رکھا، عموماً فتنہ کے زمانہ میں وہ کسی طرف نکل جاتے تھے، اور اگر نہ نکل سکتے تھے تو چھپ کر کسی گوشہ میں بیٹھ جاتے تھے اور جمعہ و جماعت تک کے لئے نہ نکلتے تھے، عقبہ کا بیان ہے کہ میں نے مطرف کے بھائی یزید بن عبد اللہ سے پوچھا کہ جب فتنہ موجزن ہوتا تھا تو مطرف کیا کرتے تھے، انھوں نے بتایا کہ گھر کے اندرونی حصہ میں گوشہ گیر ہو جاتے تھے، اور جب تک فتنہ کے شعلے ٹھنڈے نہ ہو جاتے اس وقت تک وہ ان لوگوں کے ساتھ جمعہ اور جماعت میں بھی شریک نہ ہوتے تھے[6]،

خود تو کنارہ کش رہتے ہی تھے، دوسروں کو بھی اس میں پڑنے سے روکتے تھے، قتادہ کا بیان ہے کہ جب فتنہ کا زمانہ ہوتا تو مطرف لوگوں کو اس میں مبتلا ہونے سے روکتے اور خود کہیں بھاگ

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۷۲ [2] اعلام الموقعین ج اول ص ۲۷ [3] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۰۳

[4] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۷۳ [5] ایضاً [6] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۰۳،

جاتے، حسن بصری بھی لوگوں کو روکتے تھے، لیکن کہیں ہٹتے نہ تھے، اس لئے مطرف ان کے متعلق کہا کرتے تھے کہ حسن بصری اس شخص کی طرح ہیں جو دوسروں کو سیلاب سے ڈراتا ہے لیکن خود اس کے دھارے پر کھڑا رہتا ہے[۱]

شدتِ احتیاط کی بنا پر وہ ان ہنگاموں کے حالات تک نہ پوچھتے، ابن زبیر اور بنی امیہ کا ہنگامہ انہی کے زمانہ میں ہوا، یہ لوگوں سے اس کے حالات بھی نہ پوچھتے تھے اور چونکہ لوگ ان کے خیالات سے واقف تھے، اس لئے وہ بھی ان کے سامنے تذکرہ نہ کرتے تھے[۲]

عبدالرحمٰن بن اشعث کے انقلاب میں جو حجاج اور عبدالملک کے خلاف اٹھا تھا، بڑے بڑے تابعین شریک ہو گئے تھے، اس لئے لوگوں نے مطرف پر بھی شرکت کے لئے زور ڈالا، انھوں نے ان سے سوال کیا کہ تم لوگ جس چیز میں شرکت کی دعوت دیتے ہو کیا وہ جہاد فی سبیل اللہ سے بھی زیادہ بڑھ جائے گا،، انھوں نے جواب دیا نہیں، فرمایا تو میں ہلاکت میں پڑنے اور فضیلت حاصل کرنے کے درمیان جوا نہیں کھیلتا[۳] یعنی مشتبہ جنگ میں نہیں پڑ سکتا انھیں امن و عافیت کی زندگی طبعاً پسند تھی، فرماتے تھے کہ مجھے عافیت کی زندگی پر شکر ادا کرنا ابتلا، اور آزمایش پر صبر کرنے سے زیادہ پسند ہے[۴]

نفس ایک ہے، عقائد میں نہایت سخت تھے، اور اس کے تحفظ میں بڑا اہتمام تھا، ایک مرتبہ چند حروری (خارجی) آپ کے پاس آئے، اور اپنے عقائد کو قبول کرنے کی دعوت دی، آپ نے جواب دیا کہ اگر میرے دو نفس ہوتے تو ایک نفس سے تمھارے عقائد مان لیتا، اور دوسرے کو محفوظ رکھتا، جو کچھ تم کہتے ہو اگر وہی ہدایت ہوتا تو دوسرے نفس سے بھی تمھاری پیروی کر لیتا اور اگر ضلالت ہوتا تو اگر ایک نفس ہلاک ہو جاتا تو کم از کم دوسرا تو محفوظ رہتا، لیکن نفس ایک ہی

[۱] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۰۳، [۲] ایضاً، [۳] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۰۱، [۴] ایضاً ص ۱۰۱،

ہے، اس لئے اس کو یہیں دھوکے کی جگہ نہیں لگا سکتا،[۱]

دنیا عالم اسباب ہے، اگرچہ آپ بڑے زاہد و متورع تھے لیکن اندھے اعتماد اور توکل کے قائل نہ تھے بلکہ دنیا کو عالم اسباب مانتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ "یہ جائز نہیں ہے کہ ایک شخص ایک بلند مقام سے اپنے کو نیچے گرا دے، اور کہے خدا نے میری قسمت مقدر کردی ہے، بلکہ انسان کو چاہیے کہ وہ بچاؤ کی کوشش کرے، اگر اس احتیاط اور کوشش کے باوجود اسے نقصان پہنچ جائے یا مصیبت پیش آجائے تو پھر اسے تقدیر الٰہی سمجھنا چاہیے، تقدیر خداوندی کے علاوہ کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی[۲] اسی لئے وہ طاعون کے زمانہ میں وباز دہ حلقہ سے ہٹ جاتے تھے[۳]

عقل بہترین عطیہ قدرت ہے، آپ کے بعض اقوال نہایت حکیمانہ ہیں، فرماتے تھے کہ انسان کو قدرت کی جانب سے عقل سے بہتر کوئی شئے نہیں عطا کی گئی، لوگوں کی عقلیں ان کے زمانہ کے مطابق ہوتی ہیں[۴]، "اپنا کھانا اس شخص کو نہ کھلاؤ جسے اس کی خواہش نہیں ہے[۵] یعنی بے محل کسی شئے کو ضائع نہ کرو"

دنیاوی شان و شکوہ، وہ دنیاوی شان و شکوہ سے متمتع ہونے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتے تھے، خدا نے ان کو دولتِ دنیا سے وافر حصہ دیا تھا، اس لئے وہ نہایت شان و شوکت اور وقار کی زندگی بسر کرتے تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ مطرف سردار اور بلند مرتبہ تھے، بہترین کپڑے پہنتے تھے، سلاطین کے دربار میں آمد و رفت رکھتے تھے[۶] لیکن اس ظاہری ٹھاٹھ سے ان کی اخلاقی حیثیت پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا، غیلان بن جریر کا بیان ہے کہ مطرف برانس (ایک قسم کی ٹوپی) اور مطارف (ایک قیمتی چادر) پہنتے تھے، گھوڑے پر سوار ہوتے تھے، سلاطین کے پاس آتے جاتے تھے لیکن اس زندگی کے باوجود جب تم ان کے پاس جاتے تو آنکھوں کی ٹھنڈک کے پاس جاتے،[۷]

---

[۱] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۰۴، [۲] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۵، [۳] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۰۵، [۴] ایضاً ص ۱۰۱، [۵] ایضاً ص ۱۰۳، [۶] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۶، [۷] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۰۵،

وفات، | باختلافِ روایت ۱۱۲ھ یا ۱۱۵ھ میں احتباس بول کے مرض میں مبتلا ہوئے، گرتے ہی حالت بگڑ گئی، اپنے صاحبزادے کو بلاکر آیاتِ وصیت پڑھ کر سنائیں، صاحبزادے جاکر طبیب کو لے آئے، طبیب کو دیکھ کر پوچھا یہ کیا؟ صاحبزادے نے کہا طبیب، طبیب سے مخاطب ہو کر فرمایا، میں سختی سے منع کرتا ہوں کہ مجھے جھاڑ پھونک نہ کرنا، اور نہ گنڈا تعویذ لٹکانا، اور اپنے صاحبزادوں کو قبر کی تیاری کا حکم دیا، انھوں نے حکم کی تعمیل کی، قبر تیار ہونے کے بعد فرمایا مجھے قبر کے پاس لے چلو، چنانچہ اپنے آخری آرام گاہ کے پاس جاکر اسمیں دعا کی، دعا کے بعد گھر واپس آکر انتقال کیا۔[۱]

۳۷۔ مکحول الدمشقی

نام ونسب، | مکحول نام، ابو عبد اللہ یا ابو ایوب کنیت ہے، ان کے نسب اور وطن کے بارہ روایات مختلف ہیں، ابن سعد کابلی لکھتے ہیں[۲]، ابن حجر نے کئی روایتیں نقل کی ہیں بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عجمی النسل تھے، اور ان کے والد کا نام سہراب تھا بعض سے ثابت ہوتا ہے کہ مصری تھے اور بعض سے نتیجہ نکلتا تھا کہ ہذلی یعنی عرب تھے،[۳]

لیکن آخری دو روایتیں اس معنی میں قطعاً غلط ہیں کہ وہ نسلاً ہذلی یا مصری تھے نسلاً وہ بلاشک وشبہہ عجمی تھے، ہذلی اور مصری اس لیے مشہور ہیں کہ وہ کچھ دنوں ایک ہذلی کی غلامی میں رہے تھے، اور ایک عرصہ تک مصر میں قیام رہا تھا،

اس باب میں امام نووی کا بیان زیادہ قرین قیاس اور صحیح ہے، انھوں نے انکو عجمی النسل اور کابلی الموطن لکھا ہے، چنانچہ ان کی روایت کے مطابق ان کا نسب نامہ یہ ہے، مکحول بن زید

---

[۱] ابن سعد ج ۶ ق اول ص ۲۰۱ وتذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۲۷، [۲] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۶۱، [۳] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۹۰،

یا ابن ابی مسلم بن شاذل بن سند بن شروان بن یردک بن یغوث بن کسری کابلی دمشقی[1] اس بیان سے مختلف روایتوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے، کہ وہ نسلاً عجمی، وطناً کابلی اور اقامۃً[2] دمشقی تھے،

ان کی ابتدائی تاریخ یہ ہے کہ وہ شروع میں عمرو بن سعید بن العاص کے غلام تھے، پھر انھوں نے ان کو ایک ہذلی شخص کو دیدیا تھا، اس دوسری غلامی کی وجہ سے ان کی غلامی کے انتساب میں دو بیانات ہو گئے ہیں، ایک یہ کہ وہ عمرو بن سعید کے غلام تھے اور دوسرا یہ کہ ہذلی کے غلام تھے اور دونوں صحیح ہیں، ان کی غلامی کی ابتدا عمرو بن سعید سے ہوئی جیسا کہ خود ان کی زبانی روایت ہے، کہ میں عمرو بن سعید بن العاص کا غلام تھا، پھر انھوں نے مجھے ایک ہذلی کو دیدیا[3] عقلی قیاس بھی یہی ہے، کیونکہ عمرو کے والد سعید نے عہد عثمانی میں کابل کے بعض سرحدی علاقوں کو فتح کیا تھا[4] قیاس یہ ہے کہ اسی میں وہ سعید کے قبضہ میں آئے ہوں گے، اس کی تائید مکحول کے ایک بیان سے بھی ہوتی ہے کہ وہ ایک زمانہ میں سعید کے غلام تھے[5] پھر وراثۃً ان کے لڑکے کو ملے ہوں گے

تحصیل علم کے لیے دنیائے اسلام کا سفر | اسلام کی غلام نوازی اور ان کے فیض تربیت سے ان کے غلام غلامی کی پستی سے نکل کر کمال کے اس درجہ پر پہنچے، مکحول اس کی ایک روشن مثال تھے، ان کا آغاز غلامی سے ہوا، اور آخر میں وہ شام کی مسند علم پر فائز ہوئے، ان کو تحصیل علم کا فطری ذوق تھا، چنانچہ وہ غلامی ہی کے زمانہ سے تحصیل علم میں مشغول ہوئے، پھر غلامی سے آزادی کے بعد انھوں نے ساری دنیائے اسلام کا سفر کر کے تمام علمی مرکزوں میں جا کر تحصیل علم کی، ان کا بیان ہے، کہ جب میں آزاد ہوا، اس وقت مصر کا سارا علم میں نے سمیٹ لیا[5] اور اس وقت تک میں نے وہاں سے باہر قدم نہیں نکالا، جب تک اپنے خیال کے مطابق وہاں کا سارا علم سن نہ لیا،[6]

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۱۱۳، [2] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۶۱، [3] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۰۳
[4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۵، [5] ایضاً، [6] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۶۰،

مصر کے علمی مخزن کھنگالنے کے بعد مدینہ پھر یہاں سے عراق آئے، ان دونوں مقاموں کے تمام علمی سرچشموں سے سیراب ہونے کے بعد شام کا سفر کیا، اور یہاں کے علماء اور ارباب کمال سے استفادہ کیا، غرض انھوں نے علم کی تلاش و جستجو میں دنیائے اسلام کا چپہ چپہ چھان مارا، وہ خود بیان کرتے تھے کہ میں نے علم کی تلاش میں تمام روئے زمین کا چکر لگایا[1]،

فضل و کمال، ان کے اس ذوق و شوق، اس تلاش و جستجو اور اس مشقت نے انھیں علم کے اس ذروۂ کمال تک پہنچا دیا تھا، جہاں ان سے کم معاصر پہنچ سکے تھے، امام زہری کہتے تھے کہ علماء صرف تین ہیں ان تین میں ایک نام مکحول کا لیتے تھے[2]، ابن یونس کا بیان ہے کہ وہ فقیہ اور عالم تھے، ان کی توثیق پر سب کا اتفاق ہے[3]، ابن عمار کہتے تھے کہ وہ اہل شام کے امام تھے[4]، انھیں حدیث اور فقہ دونوں میں درجۂ امامت حاصل تھا،

حدیث، جیسا کہ اوپر کے بیان سے معلوم ہوا ہوگا، انھوں نے حجاز، عراق، مصر اور شام تمام علمی مرکز میں سماع حدیث کیا تھا، اور اس مشقت کے ساتھ کہ ان کے مخزن کھنگال ڈالے تھے، پھر حافظہ اتنا قوی تھا کہ جو کچھ بھی حاصل کیا سب سینہ میں محفوظ تھا[5]، ایسی حالت میں حدیث میں ان کا پایہ محتاج بیان نہیں، حافظ ذہبی انھیں تابعین کے تیسرے طبقہ کے کبار حفاظ میں لکھتے ہیں[6]،

شیوخ، چونکہ انھوں نے ہر خرمن سے خوشہ چینی کی تھی، اس لئے ان کے شیوخ کی فہرست نہایت طویل ہے، کوئی ملک ان سے خالی نہیں تھا، ان میں صحابہ کی بھی ایک معتد بہ تعداد ہے، صحابہ میں انھوں نے انس بن مالکؓ، ابوہند داریؓ، واثلہ بن اسقعؓ، ابوامامہؓ، عبدالرحمن بن غنمؓ، ابوجندل بن سہیلؓ وغیرہ سے براہ راست سماع کیا تھا[7]، اور ابی بن کعبؓ، ثوبانؓ، عبادہ بن ثابتؓ، ابوہریرہؓ

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۵، [2] ایضاً، [3] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۱۱۴، [4] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۹۱
[5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۵، [6] ایضاً، [7] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۱۱۳،

ابو ثعلبہ خشنیؓ، اور عائشہ صدیقہؓ سے مرسل روایات کی ہیں[۱]، ممتاز تابعین میں سعید بن مسیب، مسروق، جبیر بن نفیر، کریب، ابو سلم، ابو ادریس خولانی، عروہ بن زبیر، عبد اللہ بن محیریز، عنبسہ بن ابی سفیان، وراد کاتب مغیرہ، کثیر بن مرہ، اور ام الدرداء وغیرہ سے استفادہ کیا تھا[۲]۔

تلامذہ۔ ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی نہایت وسیع تھا، ان میں سے بعض ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں، امام زہری، حمید الطویل، محمد بن عجلان، محمد بن اسحٰق، عبد اللہ بن علاء، سالم بن عبد اللہ محاربی، موسیٰ ابن یسار، امام اوزاعی، سعید بن عبد العزیز، علاء بن حارث، ثور بن یزید، ایوب بن موسیٰ، محمد بن راشد مکحولی، محمد بن ولید زبیدی، برد بن سنان، عبد اللہ بن عوف، یحییٰ بن سعید انصاری، اسامہ بن زید لیثی، بحیر بن سعد، صفوان بن عمرو، اور ثابت بن ثوبان وغیرہ[۳]۔

فقہ و فتاویٰ۔ حفظ حدیث کے ساتھ وہ فقہ کے بھی امام و مجتہد تھے، ابو حاتم کہتے تھے کہ میں نے شام میں مکحول سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا[۴]، سعید بن عبد العزیز انھیں امام زہری سے بڑا فقیہ مانتے تھے[۵]، اس تفقہ کی بنا پر انھیں افتا میں خاص مہارت اور بصیرت حاصل تھی، سعید بن عبد العزیز کا بیان ہے کہ ان کے زمانہ میں ان سے زیادہ افتا میں بصیرت کسی کو حاصل نہ تھی[۶]۔

احتیاط۔ لیکن وہ فتویٰ دینے میں بڑے محتاط تھے، اگر اپنی رائے سے وہ کسی مسئلہ کا جواب دیتے تھے تو صاف کہدیتے تھے "یہ میری رائے ہے، جو صحیح بھی ہو سکتی ہے، اور غلط بھی"[۷]۔

تصانیف۔ ان کے فقہی کمال کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ اس زمانہ میں جب کہ تالیف و تصنیف کا آغاز بھی نہ ہوا تھا، انھوں نے فقہ میں ۲ دو مستقل کتابیں تالیف کی تھیں، (۱) کتاب السنن۔ اور (۲) کتاب المسائل[۸]۔

---

۱ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۹۰، ۲ تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۱۱۳، ۳ ایضاً ص ۱۱۴، ۴ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۹، ۵ ایضاً ص ۹۲، ۶ تہذیب ج ۱۰ ص ۲۹۱، ۷ شذرات الذہب ج اول ص ۱۴۷، ۸ فہرست ابن ندیم ص ۳۱۸، طبع مصر۔

انفاق فی سبیل اللہ، ان علمی کمالات کے ساتھ وہ اخلاقی فضائل سے بھی آراستہ تھے، انفاق فی سبیل اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ ان کا نمایاں وصف تھا، انھیں جو کچھ ملتا تھا سب خدا کی راہ میں صرف کر دیتے تھے، سعید بن عبد العزیز کا بیان ہے کہ مکحول کا وظیفہ مقرر تھا، اس کو دشمنان خدا کے مقابلہ کے لئے جہاد میں صرف کرتے تھے[1]، ایک مرتبہ ان کو دس ہزار اشرفیوں کی خطیر رقم ملی اس کو بھی انھوں نے اسی راہ میں صرف کیا، اور ایک مجاہد کو ایک گھوڑے کی قیمت پچاس اشرفیاں دیتے تھے[2]،

ایک شبہہ کا ازالہ، مکحول کے متعلق عام شہرت تھی کہ وہ قدری تھے، اور اس کی تائید میں بعض روایات بھی ملتی ہیں لیکن یہ روایات صحیح ان کا دامن اس عقیدہ فاسدہ سے پاک تھا، امام اوزاعی کا جو ان کے تلامذہ میں تھے بیان ہے کہ جہاں تک سنا گیا ہے، تابعین میں دو شخص حسن بصری اور مکحول کے خیالات قدری تھے لیکن میں نے ان کی تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ یہ شہرت غلط ہے[3]، انکے دوسرے تلمیذ سعید بن عبد العزیز بھی اس عقیدہ سے ان کی برأت کی شہادت دیتے تھے[4]،

وفات، ابن سعد کی روایات کے مطابق ۱۱۲ھ، ۱۱۳ھ یا ۱۱۶ھ میں وفات پائی[5]،

۶۷ منصور بن زاذان واسطی

نام و نسب، منصور نام ابو المغیرہ کنیت، قبیلہ ثقیف کی غلامی میں تھے، اس نسبت سے ثقفی کہلاتے تھے،

فضل و کمال، حضرت حسن بصری کے خاص ساتھیوں میں تھے، ان کے فیض صحبت نے منصور کو علم و عمل کا جامع بنا دیا تھا، اور وہ واسط کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علما

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۶۱، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۸، [3] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۹۱
[4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۷، [5] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۶۱

اعلام میں تھے، ثقہ حجت، صالح، عبادت گذار، اور کبیر الشان تھے[1]،

حدیث، | حدیث میں انھوں نے انس بن مالک، ابو العالیہ رفیع، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، محمد بن سیرین، میمون بن ابی شبیب، معاویہ بن قرہ، حمید بن ہلال، قتادہ، عمرو بن دینار، حکم بن عتیبہ، عبد الرحمن بن قاسم اور محمد بن ولید بن مسلم عنبری سے فیض اٹھایا تھا، سلم بن سعید واسطی، حبیب بن شہید، جریر بن حازم، خلف بن خلیفہ، ہشیم اور ابو حمزہ سکری ان کے تلامذہ میں تھے[2]،

عبادت وریاضت، | ان کے صحیفۂ کمال کے زیادہ روشن ابواب زہد و عبادت ہیں، وہ بڑے عابد و زاہد تابعی تھے، ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ متقشفین اور متجردین میں تھے[3] ابن عماد حنبلی ان کو بصرہ کا زاہد اور شیخ لکھتے ہیں[4]،

ان کا سارا وقت عبادت وریاضت میں گذرتا تھا طلوعِ آفتاب سے لیکر عصر تک نماز اور عصر سے مغرب تک تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے تھے[5]،

قرآن کی تلاوت سے بڑا شغف تھا بہت تیز قرآن پڑھتے تھے، صبح سے دوپہر تک ایک قرآن ختم کر دیتے تھے[6] نوافل میں قرآن کا بڑا حصہ پڑھ ڈالتے تھے، ہشام بن حسان کا بیان ہے، کہ میں نے مغرب اور عشا کے درمیان منصور کے پہلو میں نماز پڑھی، دوسری رکعت میں وہ سورہ نحل تک پڑھ گئے[7]،

رمضان میں خصوصیت کے ساتھ عبادت زیادہ بڑھ جاتی تھی، روزانہ کئی قرآن ختم کرتے تھے، نماز میں اس شدت کا گریہ طاری ہوتا کہ آنسو پوچھتے پوچھتے عمامہ تر ہو جاتا، بارگاہِ ایزدی میں جبین سائی سے بڑا ذوق تھا، فرض نماز سے پہلے گیارہ سجدے کرتے تھے اور اتوار

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۶، [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۰۶، [3] ایضاً ص ۳۰۷، [4] شذرات الذہب ج اول ص ۱۵۱ [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۶، [6] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۶، [7] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۶

کے سوا ایک مرتبہ عال کے اور دوسری مرتبہ لڑکے کے انتقال کے موقع پر کبھی آرام سے رات بھر بستر استراحت پر نہ سوئے۔[1]

انھوں نے عبادت و ریاضت کو آخری حد تک پہنچا دیا تھا، ہشیم کا بیان ہے کہ وہ اتنی عبادت کرتے تھے کہ اگر ان سے کہا جاتا کہ موت کا فرشتہ دروازہ پر آگیا ہے تو جتنی عبادت وہ کرتے تھے اس میں زیادتی ممکن نہ تھی۔[2]

ایک زریں مقولہ، آپ کا یہ زریں مقولہ کس قدر پر حقیقت ہے کہ رنج و غم بھلائیوں میں اضافہ کرتے ہیں اور اترانا اور تبختر کرنا برائیوں میں۔[3]

وفات، ۱۳۱ھ میں طاعون کی وبا میں وفات پائی۔[4]

مقبولیت، اپنے محاسن اخلاق کی وجہ سے وہ ہر مذہب و ملت کے آدمیوں میں اتنے مقبول تھے کہ آپ کے جنازہ میں ہر مذہب کے آدمی شریک تھے، یہود اور نصاریٰ دونوں علیحدہ علیحدہ جنازہ میں ساتھ تھے اور خلق اللہ کا ہجوم تھا۔[5]

۷۵ میمون بن مہران

نام و نسب میمون نام، ابو ایوب کنیت، والد کا نام مہران تھا، مہران بنی نصر بن معاویہ کے مکاتب غلام تھے،

پیدائش ۴۰ھ میں پیدا ہوئے، کوفہ کی ایک ازدی عورت کے غلام تھے، اس لئے ان کی

---

[1] حلیۃ الاولیاء ابونعیم ج ۳ ص۵۸ و ص۵۹، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۲۶،
[3] ایضاً ص۱۲۷، [4] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص۱۶،
[5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۲۷،

ابتدائی زندگی غلامی میں بسر ہوئی تھی، آخر میں اس نے ان کو آزاد کر دیا تھا،

جزیرہ کا قیام آزادی کے بعد عرصہ تک کوفہ ہی میں رہے لیکن سنہ [illegible] میں جب عبد الرحمن بن اشعث کے ہنگامہ کی وجہ سے کوفہ میں شورش بپا ہوئی تو میمون کوفہ چھوڑ کر جزیرہ چلے گئے یہ مقام ایسا تھا کہ یہیں بودوباش اختیار کر لی،

بیت المال کی نگرانی کا منصب محمد بن مروان کی ولایت خراسان کے زمانہ میں بیت المال کی نگرانی کا منصب سپرد ہوا،

عہدۂ خراج بیت المال کی نگرانی کے سلسلہ میں انھیں مالیات کا کافی تجربہ ہو گیا تھا اسلئے عمر بن عبد العزیز نے ان کو جزیرہ کے خراج کا عامل بنا دیا، اور ان کے لڑکے عمر کو دفتر کا محافظ مقرر کیا، میمون طبعاً حکومت کے عہدوں اور خصوصاً مالیات کی ذمہ داریوں کو پسند نہ کرتے تھے لیکن اس وقت انکار نہ کر سکے، مگر چند ہی دنوں کے بعد برداشتہ خاطر ہو کر استعفا پیش کر دیا، عمر بن عبد العزیز نے قبول نہ کیا اور کہا اس عہدے میں سوائے اس کے اور کیا ہے کہ جائز طریقہ سے روپیہ وصول کیا جائے، اور جائز مصرفوں میں صرف کیا جائے، اس میں استعفا کی کیا وجہ ہے، عمر بن عبد العزیزؒ کے لکھنے پر استعفا واپس لے لیا اور زندگی بھر اس عہدے پر رہے عمر بن عبد العزیز کے بعد یزید بن ملک کے زمانہ میں بھی چند دنوں تک یہ خدمت انجام دیتے رہے لیکن یہ کام طبعاً پسند نہ تھا عمر بن عبد العزیز کے اصرار سے اس بنا پر گوارا کر لیا تھا کہ ان کے زمانہ کی ملکی خدمت عین خدمت اسلام تھی لیکن عمر بن عبد العزیز کے بعد جب خلافت کے تمام شعبے پھر دنیاوی حکومت کے رنگ پر آ گئے تو میمون بددل ہو گئے، اور بعض ہوا خواہوں کی نصیحت پر مستعفی ہو گئے، مستعفی ہونے کے بعد گذشتہ زمانہ پر بہت متاسف تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یہ گوارا تھا کہ میں اندھا ہو گیا تھا لیکن عمر بن عبد العزیز وغیرہ کا دیا ہوا

عہدہ قبول نہ کیا ہوتا[1]،

فضل و کمال، فضل و کمال کے لحاظ سے ممتاز تابعین اور جزیرہ کے بڑے علماء میں تھے، حافظ ذہبی انھیں امام قدوہ اور عالم جزیرہ لکھتے ہیں[2] ان کے دور کے علماء میں ان کا علمی مرتبہ مسلم تھا، ابو الملیح کہتے تھے کہ میں نے میمون سے افضل کسی کو نہیں پایا[3] سلیمان بن موسیٰ کا بیان ہے کہ اس عہد کے چار اشخاص بڑے عالم مانے جاتے تھے، ان میں ایک میمون بن مہران تھے[4]،

حدیث، حدیث کے حافظ تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقۃ کثیر الحدیث[5] صحابہ میں انھوں نے ابوہریرہؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، سعید بن جبیرؓ، عائشہ صدیقہؓ اور ام الدرداءؓ سے اور تابعین میں نافع مولیٰ ابن عمر، مقسم مولیٰ ابن عباس، یزید بن عاصم اور سعید بن جبیر وغیرہ سے استفادہ کیا تھا[6]،

تلامذہ، حمید الطویل، ایوب، جعفر بن برقان، جعفر بن ابی وحشیہ، حبیب بن شہید، علی بن حکم البنانی، حکم بن عتیبہ، ابو فروہ، یزید بن سنان، حجاج بن تمیم، سالم بن ابی المہاجر اور ابو الملیح وغیرہ ان کے خوشہ چینوں میں تھے[7]،

فقہ، فقہ میں وہ تمام علمائے جزیرہ میں ممتاز تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ فقہ و فتاویٰ میں تمام اہل جزیرہ پر فائق تھے[8] ان کے تفقہ کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز جیسے صاحب نظر نے عہدہ خراج کے زمانہ میں جزیرہ کے قضاء کی خدمت بھی ان کے سپرد کی تھی[9]،

---

[1] یہ تمام حالات ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۷۷ و ص ۱۷۸ سے ماخوذ ہیں، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۲، [3] ایضاً [4] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۹۱، [5] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۷۷، [6] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۹۰ [7] ایضاً [8] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۷۷، [9] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۲،

فضائل اخلاق، اس علم کے ساتھ میمون فضائل واخلاق سے بھی آراستہ تھے،

منہیات سے اجتناب، میمون پرنواہی سے بچنے کا غلبہ زیادہ تھا، ان کے لڑکے کا بیان ہے کہ والد (اعتدال سے) زیادہ روزہ نماز نہیں کرتے تھے لیکن خدا کی معصیت میں مبتلا ہونا بہت ناپسند کرتے تھے[۱] کہ یہی قیام اوامر کی بنیاد ہے، توحید اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک شرک کی نفی نہ ہو،

عبادت، اگرچہ معمولاً وہ فرائض وسنن کے علاوہ زیادہ عبادت نہ کرتے تھے لیکن کبھی کبھی ہزار ہزار رکعتیں روزانہ پڑھتے تھے، ایک مرتبہ سترہ دن میں سترہ ہزار رکعتیں پڑھیں[۲]،

انکسار وتواضع، ان کمالات کے باوجود وہ اتنے متواضع تھے کہ کسی بڑائی اور امتیاز کا انتساب اپنی جانب پسند نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے ان سے کہا، ابوایوب جب تک خدا آپ کو زندہ رکھے گا اس وقت تک لوگ بھلائی میں رہیں گے، انھوں نے جواب دیا، ایسی باتوں کا تذکرہ نہ کرو، لوگ اس وقت تک بھلائی میں رہیں گے جب تک وہ اپنے رب سے ڈرتے رہیں گے[۴]،

حضرت علیؓ پر حضرت عثمانؓ کی فضیلت کا ایک دلنشیں استدلال، میمون حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کی فضیلت کے قائل تھے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ایک دلنشیں استدلال پر حضرت عثمانؓ کی فضیلت کے قائل ہو گئے تھے، ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز نے ان سے پوچھا تم ایسے دو آدمیوں میں سے کس کو زیادہ پسند کرتے ہو، اس شخص کو جس نے صرف مال میں عجلت کی یا اس شخص کو جس نے خونریزی میں عجلت کی؟ اس دلیل کے بعد انھوں نے اپنے سابق خیال سے رجوع کر لیا[۵]، حضرت عثمانؓ پر سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ انکے زمانہ

۱؎ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۹۱، ۲؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۰، ۳؎ ایضاً، ۴؎ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۹۱، ۵؎ ایضاً،

میں بیت المال میں بیجا تصرفات ہوئے، اور حضرت علیؓ کے دور سے خانہ جنگی کا آغاز ہوا،

وفات: سنہ ۱۱ھ میں وفات پائی[1]، ایک روایت یہ ہے کہ کثرت عبادت میں کسی اندرونی عضو کو صدمہ پہنچ گیا، اور اس سے انتقال کیا[2]،

۷۶۔ نافع بن جبیر

نام و نسب: نافع نام، ابو محمد کنیت، قریش کے مشہور سردار مطعم بن عدی کے جنھوں نے تبلیغ اسلام کے ابتدائی دور میں جبکہ آنحضرت صلعم پر ہر طرف سے مشرکین کا نرغہ تھا، بڑی حمایت کی تھی، پوتے تھے، نسب نامہ یہ ہے، نافع بن جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصی نان کا نام ام قتال تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، ام قتال بنت نافع بن ضریب بن نوفل،

فضل و کمال: علمی اعتبار سے نافع اکابر تابعین میں تھے، امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ امام اور فاضل تھے، ان کی توثیق و جلالت پر سب کا اتفاق ہے[3]، ابن خراش کہتے ہیں کہ وہ ثقہ مشہور اور ائمہ میں سے تھے[4]،

حدیث: اگرچہ حدیث میں ان کا کوئی بلند پایہ نہ تھا، لیکن انھوں نے زمانہ ایسا پایا تھا، جب مدینہ کی گلی گلی سمعنا و حدثنا کے ترانوں سے گونج رہی تھی، اور علم کے ساتھ ادنیٰ ذوق رکھنے والے بھی اس سے محروم نہ تھے، اس لئے نافع بن جبیر کا دامن بھی اس دولت سے خالی نہ رہا، چنانچہ انھوں نے اپنے والد جبیر بن مطعمؓ، حضرت عباسؓ بن مطلب، زبیر بن عوامؓ، علی بن ابی طالبؓ، عثمان بن ابی العاصؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، رافع بن خدیجؓ، عبد اللہ بن عباسؓ

[1] ابن سعد ج ۵ ق ۲ ص ۱۷۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۹۲۔ [3] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۱۲۲۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۰۵

ابوہریرہؓ، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور ام سلمہؓ وغیرہ جیسے اکابر ملت سے فیض اٹھایا تھا[1] انکے فیض سے نافع کا دامن علم اتنا وسیع ہوگیا تھا کہ شائقین حدیث انکے کمالات[2] علمی سے استفادہ کرتے تھے،

ان سے روایت کرنے والوں میں عروہ بن زبیر، سعید بن ابراہیم، امام زہری، حبیب بن ابی ثابت، صالح بن کیسان، صفوان بن سلیم، عبداللہ بن فضل ہاشمی، موسیٰ بن عقبہ، عمرو بن دینار اور عقبہ بن مسلم وغیرہ لائق ذکر ہیں[4]،

فقہ، فقہ میں بھی انھیں درک تھا، وہ مدینہ کے صاحب افتا علماء میں تھے، اور ان کے فتاوی معتبر سمجھے جاتے تھے[3]،

فصاحت و بلاغت قریش کی فصاحت و بلاغت مشہور ہے، یہ خاندانی کمال انکے حصہ میں وافر آیا تھا، وہ بڑے فصیح و بلیغ تھے اور بڑی کڑک دار آواز سے بولتے تھے[4]،

فضائل و اخلاق نافع فضائل اخلاق و عمل کی دولت سے بھی بہرہ ور تھے، ابن حبان ان کو خیار ناس میں لکھتے ہیں[5]،

پاپیادہ حج آرام کے وسائل رکھتے ہوئے راہ خدا میں تکلیف اٹھانا بڑی عبادت ہے، نافع محض حصول اجر کے لئے پاپیادہ حج کیا کرتے تھے، عمران بن موسیٰ کا بیان ہے کہ نافع پاپیادہ حج کرتے تھے، اور ان کی سواری ان کے پیچھے پیچھے ہوتی تھی[6]،

دبدبہ و شکوہ، ان کے خاندان میں پشتہا پشت سے سرداری چلی آتی تھی، اس لئے ان کے مزاج میں اس کی بو باقی تھی، نہایت بھاری اور بلند لہجہ میں باتیں کرتے تھے، بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں خود پرستی و تمکنت تھی، لیکن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] تہذیب ج ۱۰ ص ۴۰۴ و ص ۴۰۵، [2] ایضاً، [3] ایضاً ص ۴۰۵، [4] ایضاً [5] ایضاً

[6] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۳،

ان کے فطری دبدبہ و شکوہ سے لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے، جو صحیح نہیں ہے، ایک مرتبہ کسی نے ان سے کہا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ میں تکبر ہے، انھوں نے جواب دیا خدا کی قسم میں گدھے پر سوار ہوا ہوں، شملہ پہنا ہے، بکریوں کا دودھ دوہا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے یہ کام کئے اس میں تکبر کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا، پھر میں متکبر کیسے ہو سکتا ہوں[1]

اصلاح نفس، | ان کے واقعاتِ زندگی سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے، وہ عمداً ایسے کام کیا کرتے تھے جو پندار کے خلاف ہوا کرتے تھے جعفر بن نجیح کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ نافع بن جبیر علاء بن حرقی کے حلقہ درس میں جو حرقہ کے غلام تھے، شریک ہوئے، علاء کے درس تمام کرنے کے بعد نافع نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا، آپ لوگ جانتے ہیں آپ لوگوں کے پاس کیوں آکر بیٹھا ہوں، انھوں نے جواب دیا درس سننے کے لئے، نافع نے کہا نہیں، بلکہ اس لئے کہ آپ کے پاس بیٹھنے سے خدا کے پاس تواضع کا اظہار ہو، اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ایک بہت معمولی شخص کو امامت کے لئے بڑھایا، نماز ختم ہونے کے بعد اس سے پوچھا جانتے ہو میں نے تم کو کیوں آگے بڑھایا تھا، اس نے کہا نماز پڑھانے کے لئے، کہا نہیں بلکہ اس لئے کہ تمھارے پیچھے نماز پڑھنے سے خدا کے حضور میں تواضع ظاہر ہو[2]

وفات، | سلیمان بن عبد الملک کے آخر عہدِ خلافت ۹۹ھ میں وفات پائی،[3]

اولاد، | وفات کے بعد محمد، عمر، ابوبکر اور علی کئی لڑکے یادگار چھوڑے،

حلیہ و لباس، | بالوں میں سیاہ خضاب کرتے تھے، دانتوں میں سونے کے تار کسے ہوئے تھے لباس عموماً سپید اور قیمتی پہنتے تھے، خز جو ایک بیش قیمت کپڑا ہے زیادہ استعمال کرتے تھے[4]

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۲، [2] ایضاً ص ۱۵۱، [3] ایضاً، [4] ایضاً ص ۱۵۲،

۷۔ نافع بن کاؤس

نام ونسب | نافع نام، ابوعبداللہ کنیت، ان کا نام کاؤس یا ہرمز تھا جیسا کہ انکے نام سے ظاہر ہے کہ وہ عجمی النسل تھے لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب تھے، لیکن یہ روایت بالکل غلط ہے انکے عجمی ہونے پر قریب قریب سب کا اتفاق ہے، وطن بعض خراسان، بعض دیلم، بعض جبال طالقان اور بعض کابل بتاتے ہیں، اس کا صحیح پتہ نہیں چلتا کہ نافع کس طرح ابن عمرؓ کے پاس پہنچے، قیاس یہ ہے کہ کسی جنگ میں گرفتار ہوکر ان کے حصہ میں پڑے ہوں گے، یا ابن عمرؓ نے ان کو خریدا ہوگا،

مسلمانوں کی غلام نوازی کے طفیل میں ان کے غلام کمالات کے جن مدارج پر پہنچے نافع اس کی روشن ترین مثال تھے، مسلمانوں کے موالی کی علمی تاریخ میں نافع نہایت ممتاز درجہ رکھتے ہیں، اس دور میں کوئی غلام ان کے رتبہ کا نہ تھا، ابن عباسؓ کے غلام عکرمہ بھی بڑے صاحب علم تھے، لیکن ان کو بھی اہل مدینہ میں یہ درجہ حاصل نہ تھا، نافع ان سے زیادہ بلند مرتبت سمجھے جاتے تھے[1] اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ اسلام میں غلاموں کی حقیقی علمی تاریخ نافع ہی سے شروع ہوتی ہے،

تعلیم | خوش قسمتی سے نافع کو آغاز عمر ہی سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے صاحب کمال بزرگ کی تربیت میسر آگئی تھی، انہی کے دامن میں ان کی نشو ونما ہوئی، نافع نے کل تیس سال تک ابن عمرؓ کی خدمت کی[2]

ان میں تحصیل علم کی فطری صلاحیت واستعداد تھی، شفیق آقا کی صحبت اور تربیت نے انکے جوہر کو چمکا کر اقلیم علم کا تاجدار بنادیا، ان کی علمی جلالت پر تمام علماء اور ارباب سیر کا اتفاق ہے،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۱۴، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۸،

امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ جلیل القدر تابعی تھے انکی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے[1] خلیلی کا بیان ہے کہ نافع مدینہ کے ائمۂ تابعین میں اور امام فی العلم تھے[2] خود ابن عمرؓ کو اپنے اس نامور غلام کی ذات پر فخر تھا چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ خدا نے نافع کے ذریعہ سے ہم پر احسان کیا ہے[3]

حدیث: عبداللہ بن عمرؓ حدیث کا بحر بے کراں تھے، نافع اسی بحر سے سیراب ہوئے تھے انھوں نے ان کی احادیث کا بڑا حصہ محفوظ کر لیا تھا[4]، حافظ حدیث بنانے کے لئے تنہا ابن عمرؓ کی روایات کافی ہیں، نافع کی علمی تشنگی نے اس بحر بے کراں کے علاوہ دوسرے سرچشموں سے بھی اپنی پیاس بجھائی تھی، چنانچہ ابن عمرؓ کے علاوہ صحابہ میں ابوہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ، ابولبابہ بن منذرؓ، رافع ابن خدیجؓ، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ، ام سلمہؓ اور ربیع بنت مسعودؓ سے اور تابعین میں اپنے آقا زادوں عبداللہ، عبیداللہ، سالم اور زید اور قاسم بن محمد بن ابی بکر، نبیہ بن وہب عدی عبداللہ بن محمد بن ابی بکر، عبدالرحمن بن حسین اور سعید بن ابی ہند وغیرہ سے استفادہ کیا تھا[5]

ان بزرگوں کے فیض نے ان کو جماعت تابعین میں نہایت ممتاز حافظ حدیث بنا دیا تھا علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے[6] حافظ ذہبی ان کو امام العلم لکھتے ہیں اور ان کا شمار حفاظ کے طبقہ اول میں کرتے ہیں[7]

کیفیت کے اعتبار سے نافع کی روایات طلائے خالص کا حکم رکھتی ہیں خلیلی کا بیان ہے کہ نافع پر تمام ارباب فن کا اتفاق ہے، وہ صحیح الروایہ ہیں بعض لوگ انھیں سالم پر بھی جن سے انھوں نے سماع حدیث کیا تھا، ترجیح دیتے تھے، بعض ان کے ہم پایہ سمجھتے تھے۔ ان کی تمام روایات غلطیوں سے پاک ہیں[8]

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۲۴ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۱۲ [3] ایضاً ص ۴۱۳ [4] ابن خلکان ج ۲ ص ۱۵۱،
[5] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۱۲ [6] طبقات ابن سعد [7] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۹ [8] تہذیب ج ۱۰ ص ۴۱۳،

خصوصاً ابن عمرؓ سے انکی روایات میں کسی شک وشبہہ کا احتمال ہی نہیں تھا، امام مالک فرماتے تھے کہ جب میں ابن عمرؓ کی حدیث نافع کی زبان سے سن لیتا ہوں تو پھر اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ دوسرے کے بیان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے یا نہیں[1]، محدثین کے نزدیک مالک عن نافع عن ابن عمر کا سلسلۂ روایت سلسلۃ الذہب سے تعبیر کیا جاتا ہے[2]،

تلامذہ:۔ حدیث میں نافع کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا جسمیں بڑے بڑے تابعی اور تبع تابعی ائمہ تھے، بعض ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں، ابو اسحٰق سبیعی، حکم بن عیینہ، محمد بن عجلان، بکیر بن عبد اللہ بن اشج، یحییٰ انصاری، امام زہری، صالح بن کیسان، ایوب سختیانی، عبید اللہ بن عمر، حمید الطویل، میمون بن مہران، موسیٰ بن عقبہ، ابن عون، اعمش، ابن جریج، اوزاعی، لیث، یونس بن عبید، ابن ابی ذیب، ابن ابی لیلیٰ، ضحاک بن عثمان اور امام مالک وغیرہ[3]،

امام مالک ان کے خاص تلامذہ میں تھے، انھوں نے زیادہ فیض ان ہی سے پایا تھا بچپن سے نافع کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، ان کا خود بیان ہے، کہ میں بچپن میں جب بہت کم سن تھا نافع کی خدمت میں جاتا تھا، میرے ساتھ ایک غلام ہوتا تھا، نافع اتر کر مجھ سے حدیثیں بیان کرتے تھے[4]، نافع کی زندگی بھر امام مالک کے استفادہ کا سلسلہ قائم رہا، جب تک نافع زندہ رہے، امام مالک برابر ان کے حلقۂ درس میں جاتے تھے، اور ان سے پوچھتے تھے کہ ان مسائل میں ابن عمرؓ نے کیا فرمایا ہے[5]،

فقہ:۔ اپنے آقا کے نامدار کے فیض سے فقہ میں بھی کامل تھے، حافظ ابن حجر ان کو نافع الفقیہ لکھتے ہیں[6]، صحابہ کے بعد مدینہ کی صاحب علم و افتا جماعت کے رکن رکین تھے[7]، لیکن اپنے آقاز

[1] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۱۲۲، [2] ابن خلکان ج ۲ ص ۱۵۱، [3] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۱۲ و ۴۱۳، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۸، [5] ابن سعد ج ۵ ترجمہ امام مالک، [6] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۱۱، [7] اعلام الموقعین ج اول ص ۲۵،

سالم بن عبداللہ کی زندگی بھر جو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں تھے اور نافع کے استاد تھے پاس ادب سے فتویٰ نہیں دیا،[1]

عمر بن عبدالعزیز اور نافع، حضرت عمر بن عبدالعزیز ان کے علم کے اتنے قائل تھے کہ انھیں مصر کے مسلمانوں کو سنت کی تعلیم دینے کیلئے بھیجا تھا،[2]

حضرت ابن عمرؓ کی محبت، ان کے کمالات کی وجہ سے عبداللہ بن عمرؓ ان کو بہت محبوب رکھتے تھے بعض شائقین نے نافع کی غلامی کے زمانہ میں ان کی بڑی قیمت پیش کی لیکن ابن عمرؓ علیحدہ کرنے پر آمادہ نہ ہوئے عبداللہ بن جعفر نے بارہ ہزار کی خطیر رقم پیش کی، ابن عامر نے تیس ہزار قیمت لگائی لیکن ابن عمرؓ نے سب کو نامنظور کر دیا، اور اسی وقت یہ کہہ کر کہ مجھے خوف ہے کہ ابن عامر کے روپے مجھے فریفتہ کرلیں گے نافع کو آزاد کر دیا،[3]

وفات، ۱۱۷ھ میں وفات پائی،[4]

۷۸ - وہب بن منبہ

نام و نسب، وہب نام، ابو عبداللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، وہب بن منبہ بن کامل بن سیج ابن ذی کناز یمنی صنعانی، ایک روایت یہ ہے کہ وہب عجمی النسل تھے، ان کے والد منبہ کسریٰ کے زمانہ میں جب اس نے سیف بن ذی یزن حمیری کی قیادت میں حبشہ پر مہم بھیجی تھی یمن آئے تھے اور پھر یہیں آباد ہو گئے، اور عہد نبوی میں مشرف باسلام ہوئے،

پیدائش، ۳۴ھ میں پیدا ہوئے،[5]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۸۸، [2] شذرات الذہب ج اول ص۱۵۴، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۸۸، [4] ایضاً، [5] ایضاً،

فضل وکمال اسلامی علوم میں وہب کا کوئی خاص درجہ نہ تھا، بلکہ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا وہ دوسرے مذاہب کے صحیفوں کے عالم تھے، تاہم ان سے وہ بیگانہ نہ تھے، اور تابعین میں ممتاز شخصیت کے مالک تھے، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ جلیل القدر تابعی ہیں، ان کی توثیق پر سب کا اتفاق ہے[1]،

حدیث حدیث میں متعدد صحابہ سے فیضیاب ہوئے تھے، حضرت ابوہریرہؓ، جابر بن عبداللہؓ، عبداللہ ابن عباسؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، ابوسعید خدریؓ، انس بن مالکؓ، اور نعمان بن بشیرؓ سے ان کی روایات ملتی ہیں[2]،

ان کے صاحبزادے عبداللہ و عبدالرحمن اور بھتیجے عبدالصمد اور عقیل اور عام لوگوں میں عمرو بن دینار، سماک بن فضل اور اسرائیل وغیرہ نے ان سے سماعِ حدیث کیا تھا[3]،

فقہ ان کے تفقہ کے سلسلہ میں صرف اس قدر معلوم ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں صنعاء کے عہدۂ قضا پر تھے[4]،

غیر مذاہب کے صحیفوں کا علم وہب دوسرے مذاہب کے صحیفوں کے بڑے نامور عالم تھے، بلکہ اس میں ان کی جماعت میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا، امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ گذشتہ کتابوں کے علم و معرفت میں مشہور ہیں[5]، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے وسیع العلم تھے، اور اپنے زمانہ میں کعب احبار کی نظیر مانے جاتے تھے[6]،

استفسار سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بانوے الہامی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا، جن میں سے بعض ایسی تھیں جن کے متعلق لوگوں کو کم واقفیت ہے، داؤد بن قیس صنعانی کا بیان ہے کہ میں نے وہب سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے بانوے آسمانی کتابیں پڑھیں جن میں سے بہتر کنیسوں میں اور

[1] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۴۹، [2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۶۷، [3] ایضاً [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۹
[5] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۴۹، [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۹،

لوگوں کے پاس موجود ہیں، اور بائیس کتابوں کا علم بہت کم لوگوں کو ہے، ان تمام کتابوں میں یہ مضمون مشترک ہے کہ جو انسان مشیت کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے وہ کافر ہے" بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تیس کتابیں ایسی پڑھی تھیں جو تیس نبیوں پر اُتری تھیں[1]، ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، بلکہ دونوں صحیح ہیں، تیس کتابیں ایسی نہ رہی ہوں گی جن کی حیثیت مستقل صحف کی ہوگی، اور بقیہ مستقل کتابیں نہ رہی ہوں گی،

اس قدر مسلم ہے، کہ وہ کتب ماضیہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور قدیم صحیفوں کے مشہور اور نامور علما، کعب احبار اور عبد اللہ بن سلام دونوں کا مجموعی علم انکی تنہا ذات میں جمع تھا[2]،

تاریخ، وہب مورخ بھی تھے، چنانچہ سلاطین حمیر کے حالات میں انھوں نے ایک کتاب لکھی تھی[3]،

فضائل اخلاق، وہب فطرۃً نہایت صالح تھے، ان کتابوں کے مطالعہ نے ان کو اور زیادہ حلیم اور عبادت گذار بنا دیا تھا، وہ عابد شب زندہ دار تھے، ساری ساری رات عبادت کرتے تھے، کامل بیس سال تک انھوں نے عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی[4]، طبیعت میں نرمی اس قدر تھی کہ کسی ذی روح کے لئے ان کی زبان سے گالی یا درشت کلمہ نہ نکلا[5]،

غیر معتبر روایات، لیکن کعب احبار کی طرح ان کی ذات سے بھی مسلمانوں میں غیر معتبر اسرائیلات کی اشاعت ہوئی،

وفات، ہشام بن عبد الملک کے عہد ۱۱۰ھ میں صنعا میں وفات پائی[6]،

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۶، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۹، [3] شذرات الذہب ج اول ص ۱۵۰،
[4] ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۶، [5] ایضاً، [6] ایضاً

۷۹۔ ہرم بن حیان عبدی

نام ونسب، ہرم نام، والد کا نام حیان تھا، عبدی کی نسبت غیر معلوم ہے لیکن ان کے حالات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ "عبدیت" کا حقیقی مظہر تھے، چونکہ طبقات ورجال کی کتابیں زیادہ تر علمی اغراض کے لئے لکھی گئی ہیں، اور ان کے لکھنے والے محدثین ہیں، اس لئے ان میں عموماً انہی لوگوں کے حالات ملتے ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی حیثیت سے علم سے تھا اور ان بزرگوں کے حالات جو اس مکتب کے تربیت یافتہ نہ تھے یا جن کی روحانیت کے نور نے ان کی علمی روشنی کو مدہم کر دیا تھا، بہت کم ملتے ہیں، ابن حیان بھی اسی مقدس زمرہ میں تھے، اس لئے ان کے حالات ابن سعد کے علاوہ کسی کتاب میں نہیں ملتے،

علمی حیثیت، اگرچہ ابن حیان ظاہری علوم سے بیگانہ تھے، لیکن انکا شمار صاحب فضل تابعین میں ہے، ان کے ہم مشرب حضرت خواجہ حسن بصری نے ان سے روایت کی ہے لیکن وہ کسی اور ہی مکتب کے تربیت یافتہ تھے اس لئے انھوں نے علم کی قبا نہیں پہنی اور نہ اس زمرہ میں ان کا شمار ہوا،

روحانی کمالات، ان کا اصل رنگ زہد وعبادت اور فنا فی اللہ تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں،

کان لہ فضل وعبادۃ

ایک سبق آموز مثال، ان کے رنگ طبع کے اعتبار سے ان کو دنیاوی امور سے کوئی مناسبت نہ تھی لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں کوئی عہدہ یا کوئی خدمت

ان کے متعلق تھی لیکن اس سے انکو کیا نسبت ہو سکتی تھی اسکے اوصاف میں سے ان کے پاس اگر کوئی چیز ہو سکتی تھی تو دیانت تھی جس کا ثبوت انھوں نے ایک سبق آموز شکل میں دیا، عہدہ ملنے کے بعد انھوں نے اپنے اعزہ واحباب کی یورش کے خیال سے غالباً گذرگاہ پر یا کسی اور شکل سے اس طرح آگ جلوادی کہ وہ ان کے اور باہر سے آنے والوں کے درمیان حائل ہو جائے، چنانچہ کچھ لوگ آئے اور دور سے سلام کر کے کھڑے ہو گئے، ہرم نے انکے ساتھ ظاہری اخلاق صرف کیا، اور خوش آمدید کہہ کر بلایا، انھوں نے کہا آہن کسطرح ہمارے اور آپ کے درمیان تو آگ حائل ہے، آپ نے یہ سبق آموز جواب دیا کہ تم لوگ خود تو اتنی آگ کو عبور نہیں کر سکتے، اور مجھ کو اس سے زیادہ آتش سوزاں میں جھونکنا چاہتے ہو، یہ جواب سن کر وہ لوگ لوٹ گئے،

عمل کی اہمیت، علم کو وہ زیادہ وقعت نہ دیتے تھے بلکہ اصل شے عمل کو سمجھتے تھے اس لئے بے عمل علمائے سے وہ سخت نفرت کرتے تھے، اور انھیں فاسق کہتے تھے ایک مرتبہ لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ فاسق علمائے سے بچتے رہو، حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو سخت متعجب ہوئے، کہ عالم فاسق کیسے ہو سکتا ہے؟ انھوں نے ابن حیان سے پوچھ بھیجا، انھوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم امیرالمومنین اس میں میری نیت نیک تھی، بسا اوقات امام کہتا تو علمی باتیں ہے لیکن عمل فسق کا کرتا ہے، اس لئے لوگ شبہہ میں پڑکر گمراہ ہو جاتے ہیں،

خواجہ اویس قرنی کی ملاقاتیں، حضرت اویس قرنی ان کے ہم مشرب وہم مذاق تھے اس لئے ان دونوں کی ملاقاتیں نہایت پر کیف ہوتی تھیں، ابن حیان ان کی ایک ملاقات کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں، کہ میں بصرہ سے آرہا تھا کہ فرات کے کنارہ اویس سے ملاقات ہوئی، میں نے پوچھا میرے بھائی کیا حال ہے، کیسا مزاج ہے، اویس کیا حال ہے کیسا مزاج ہے، انھوں نے کہا میرے بھائی تم کیسے ہو، اس ابتدائی آداب ملاقات کے بعد میں نے ان سے فرمایش کی کہ کوئی

حدیث سنائیے، جواب دیا میں اپنے اوپر یہ دروازہ کھول کر محدث، قصہ گو اور مفتی بننا پسند نہیں کرتا
یہ کہہ کر وہ میرا ہاتھ پکڑ کے روئے میں نے کہا پھر کچھ قرآن ہی سنائیے، آپ نے یہ آیتیں تلاوت کیں

حمٓ والکتاب المبین انا انزلناہ — حمٓ یہ کتاب جو واضح ہے ہم نے اس کو مبارک رات

فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین — میں اتارا کہ لوگوں کو ڈرانے والے تھے،

ھو العزیز الرحیم تک سنا کر بیہوش ہو گئے، ہوش آنے کے بعد فرمایا مجھے عزلت اور تنہائی زیادہ پسند ہے۔

وصیت ووفات، اس رنگ کے باوجود جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ہمیشہ آمادہ رہتے تھے، اور آپ کے سامان میں زرہ اور گھوڑا رہتا تھا، اسی سلسلہ میں کسی مہم کے لئے نکلے اور انتقال کر گئے، غالباً دوران علالت میں یا کسی اور موقع پر کسی نے عرض کیا کہ کچھ وصیت فرمائیے، فرمایا کیا وصیت کروں بس صرف یہ وصیت ہے کہ میری زرہ بیچ کر میرا قرض ادا کرنا، اگر زرہ کافی نہ ہو تو گھوڑی بھی بیچ دینا اگر یہ بھی کافی نہ ہو تو غلام بھی فروخت کر دینا، سورہ نحل کی ان آخری آیات کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا،

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ — خدا کے راستہ پر حکمت اور موعظت حسنہ

والموعظۃ الحسنۃ الآیہ — کے ساتھ لوگوں کو بلاؤ،

تجہیز و تکفین کے بعد آسمان نے قبر پر ابر رحمت کے موتی برسائے۔[1]

---

[1] یہ تمام حالات ابن سعد ج ۶ ق اول ص ۹۵ تا ص ۹۶ سے ماخوذ ہیں،

۸۰- ہشام بن عروہ

نام ونسب، ہشام نام، ابو عبد اللہ کنیت، مشہور صحابی حضرت زبیر بن عوامؓ کے پوتے تھے، ان کے والد عروہ بھی بڑے جلیل القدر تابعی، اور مدینہ کے سات مشہور فقہا میں سے ایک تھے، ان کے حالات اوپر گذر چکے ہیں،

اکابر صحابہ میں انھوں نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو دیکھا تھا، ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مجھے اور میرے بھائی محمد کو ابن عمرؓ کے پاس بھیجا گیا، انھوں نے گود میں بٹھا کر ہمارا بوسہ لیا[1]، غالباً اسی یا کسی دوسری ملاقات میں ابن عمرؓ نے ان کے سر پر دست شفقت پھیر کر انھیں دعا دی[2]،

فضل وکمال، ہشام ایک جلیل القدر تابعی کے لڑکے اور ایک جلیل القدر صحابی کے پوتے تھے اس لئے علم وعمل کی دولت گویا انھیں وراثۃً ملی تھی، ان کا شمار ان کے عہد کے علمائے تابعین میں تھا، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق، جلالت اور امامت پر سب کا اتفاق ہے[3]،

حدیث، حدیث کے نہایت ممتاز حافظ تھے، علامہ ابن سعد ان کو ثقۃ ثبت کثیر الحدیث اور حجت[4]، اور حافظ ذہبی امام حافظ اور حجت لکھتے ہیں[5]، ائمہ فن ان کی وسعت علم کے اتنے معترف تھے کہ ابو حاتم رازی ان کو امام حدیث، اور وہیب، حسن بصری اور ابن سیرین کا درجہ دیتے تھے[6]،

---

[1] تاریخ خطیب ج ۱۴ ص ۳۸، [2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۴۹، [3] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۱۳۸، [4] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۶۷، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۹

[6] ایضاً،

شیوخ | صحابہ میں انھوں نے صرف اپنے چچا عبداللہ بن زبیرؓ اور دوسرے علماء میں عبداللہ بن عروہ، عباد بن
عبداللہ، عمرو بن خزیمہ، عوف بن حارث بن طفیل، ابی سلمہ بن عبدالرحمن، ابن منکدر، وہب بن کیسان،
صالح بن ابی الصالح السمان، عبداللہ بن ابی بکر، عبدالرحمن بن سعد اور محمد بن ابراہیم وغیرہ سے استفادہ کیا تھا،[1]

تلامذہ | ان کے تلامذہ میں یحییٰ بن سعید انصاری، ایوب سختیانی، مالک بن انس، عبیداللہ بن عمر، ابن
جریج، سفیان ثوری، لیث بن سعد، سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید بن القطان اور وکیع بن جراح
لائق ذکر ہیں،[2]

فقہ | ان کے والد عروہ مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں سے تھے، ان کے تفقہ سے ان کو وافر
حصہ ملا تھا، حافظ ذہبی ان کو فقیہ لکھتے ہیں،[3]

زہد و ورع | علم کے ساتھ عمل و اخلاق سے بھی آراستہ تھے، ابن حبان ان کو فاضل اور ورع لکھتے ہیں،[4]

تہذیب لسان | نہایت مہذب اور شائستہ تھے، ان کی زبان سے کبھی کوئی بیجا کلمہ نہ نکلتا تھا، منذر
ابن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے ہشام کی زبان سے ایک مرتبہ کے سوا کبھی کوئی برا کلمہ نہیں سنا،[5]

فیاضی | نہایت فیاض اور سیر چشم تھے، ان کی فیاضی اعتدال سے اتنی بڑھ گئی تھی کہ ایک لاکھ
کے مقروض ہو گئے تھے،

بغداد کا سفر | اس کی ادائیگی کی فکر میں وہ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے پاس بغداد گئے، اس نے
بڑا خیر مقدم کیا، انھوں نے اپنی غرض پیش کی، اس نے پوچھا کتنا قرض ہے، فرمایا ایک لاکھ، منصور نے
کہا آپ اس فضل و کمال کے باوجود اتنا بڑا قرض لے لیتے ہیں جس کی ادائیگی آپ کے امکان میں نہیں،
انھوں نے کہا خاندان کے بہت سے لڑکے جوان ہو گئے تھے، مجھے خوف تھا کہ اگر ان کی شادی نہ

---

[1] تہذیب ج ۱۱ ص ۴۹، [2] ایضاً، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۹، [4] تہذیب التہذیب
ج ۱۱ ص ۵۱، [5] تاریخ خطیب ج ۱۴ ص ۳۸،

کردی گئی تو وہ بے خانماں ہو جائیں گے، اس لئے میں نے خدا اور امیر المومنین کے اعتماد پر ان کا گھر بسا کر ان کا ٹھکانا کر دیا، اور ان کی جانب سے ولیمہ کیا، یہ سارا قرض اسی کا ہے، ابو جعفر منصور نے حیرت کے لہجہ میں دو مرتبہ ایک لاکھ! ایک لاکھ! کہا، اور دس ہزار روپیہ انھیں دینے کا حکم دیا، انھوں نے کہا امیر المومنین جو کچھ دے رہے ہیں وہ خوش دلی سے دے رہے ہیں (یا جبر سے) میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلعم فرماتے تھے کہ جو شخص خوش دلی سے عطیہ دیتا ہے، تو اس میں دینے والے اور لینے والے دونوں کو برکت ہوتی ہے منصور نے کہا میں نے خوش دلی سے دیا ہے،[1]

وفات، بغداد ہی میں ۱۴۶ھ میں وفات پائی، اتفاق سے اسی دن عباسیوں کے ایک بڑے جلیل القدر اور نامور غلام کا بھی انتقال ہو گیا تھا، اس لئے دونوں کے جنازے ایک ساتھ اٹھائے گئے، لیکن منصور نے ہشام کے رتبہ کی وجہ سے ان کے جنازہ کی نماز پہلے پڑھائی، ہارون کی ماں خیزران کے قبرستان میں دفن کئے گئے،[2]

۱۸۔ یحیی بن سعید

نام ونسب، یحیی نام، ابوسعید کنیت، نسب نامہ یہ ہے یحیی بن سعید بن قیس بن عمرو بن سہل بن ثعلبہ ابن حارث بن زید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار انصاری مدنی،

فضل وکمال، یحیی علمی اعتبار سے اپنے دور کے ممتاز ترین تابعین میں تھے، ان کی علمی جلالت پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق، جلالت اور امامت پر سب کا اجماع ہے،[3] حافظ ذہبی انکو امام اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں،[4]

۱؎ تاریخ خطیب ج ۱۴ ص ۳۹، ۲؎ ایضاً ص ۴۲ و ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۶۷، ۳؎ تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۵۴،

۴؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۳،

حدیث | اگرچہ یحییٰ ابن سعید اس دور کے بزرگ ہیں، جب کہ عہدِ صحابہ کی بہار آخر ہو چکی تھی، پھر بھی جو باقیات صالحات رہ گئے تھے، یحییٰ نے ان سے پورا فائدہ اٹھایا تھا، چنانچہ صحابہ اور کبار تابعین میں انھوں نے انس بن مالکؓ، سائب بن یزید، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ، ابوامامہ بن سہل بن حنیف، سعید بن مسیب قاسم بن محمد بن عمرو بن سلمہ بن عبدالرحمن، عروہ بن زبیر، سلیمان بن یسار وغیرہ سے انھوں نے سماعِ حدیث کیا تھا[1]

ان بزرگوں کے فیض نے یحییٰ کو بڑا حافظ حدیث بنا دیا تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقۃ کثیر الحدیث حجۃ ثبتاً[2] ابن مبارک انھیں اکابر حفاظِ حدیث میں شمار کرتے تھے[3] ابی حاتم انھیں امام زہری کے برابر سمجھتے تھے، مدینہ کے دو شخص ایسے تھے جن کی ذات سے مدینۃ الرسول کا علم محفوظ رہا، ایک زہری دوسرے یحییٰ بن سعید، اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو بہت سے سنن ضائع ہو جاتے، کبار تابعین کے بعد مدینہ میں چار حاملین علم تھے، ان میں ایک یحییٰ بن سعید ہیں، سفیان ثوری کا بیان ہے کہ اہل مدینہ انھیں زہری سے بھی زیادہ بلند مرتبہ سمجھتے تھے[4] یحییٰ القطان کہتے تھے کہ یحییٰ ابن سعید کو اس حیثیت سے زہری پر تفوق حاصل ہے کہ زہری کے بارے میں لوگوں کا اختلاف موجود ہے، لیکن ان کے بارے میں کسی نے اختلاف نہیں کیا[4] ابن مدینی کے بیان کے مطابق ان کے مرویات کی تعداد تین سو ہے[5] اور یزید بن ہارون کا بیان ہے کہ انھوں نے ان کی تین ہزار حدیثیں حفظ کی تھیں[6]

تلامذہ | ان کے خوشہ چینوں کا دائرہ نہایت وسیع تھا، ان میں سے بعض نامور تلامذہ یہ ہیں، ہشام ابن عروہ، حمید الطویل، یزید بن عبداللہ بن اسامہ، ابن جریج، اوزاعی، مالک بن انس، دونوں سفیان

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۵۳ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۲۲ بحوالہ ابن سعد، [3] ایضاً، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۳، [5] ایضاً، [6] ایضاً ص ۱۲۵،

حماد، لیث، ابن مبارک، شعبہ، یحییٰ بن سعید القطان اور یحییٰ بن سعید اموی وغیرہ[۱]

فقہ، فقہ میں بھی وہ امتیازی پایہ رکھتے تھے، ایوب سختیانی کہتے تھے کہ میں نے یحییٰ سے بڑا فقیہ مدینہ میں نہیں چھوڑا[۲]، ان کے تفقہ کی ایک سند یہ بھی ہے کہ وہ مدینۃ الرسول کے جو مخزن فقہا تھا قاضی تھے[۳] مروان کے زمانہ میں حج کے موقع پر منادی کیجاتی تھی کہ حجاج کو یحییٰ بن سعید کے علاوہ کوئی دوسرا فتویٰ نہ دے[۴]

عہدۂ قضا، ابتدا میں مدینہ کے قاضی تھے، پھر دولت عباسیہ کے قیام کے بعد ابوجعفر منصور عباسی نے انہیں بلا کر قاضی القضاۃ کے جلیل القدر منصب پر ممتاز کیا[۵]، ایک روایت ہے کہ وہ ہاشمیہ میں اس عہدہ پر ممتاز ہوئے تھے، دوسری یہ کہ بغداد میں[۶]، مدینہ کے قیام کے زمانہ میں انکی مالی حالت نہایت خراب ہوگئی تھی، بڑی عسرت سے زندگی بسر کرتے تھے، بہت مقروض ہوگئے تھے، عین اسی زمانہ میں منصور نے عہدۂ قضا کے لئے طلب کیا، اس عہدہ پر تقرر کے دو مہینے کے اندر ان کی حالت درست ہوگئی اور کل قرض ادا ہوگیا[۷]

بعض زریں اصول، یحییٰ بن سعید بعض نہایت زریں اصول ارشاد فرماتے تھے، جو آج بھی مذہبی مسائل میں ادنیٰ اختلاف پر ایک دوسرے کو ہدف ملامت بنانیوالوں کیلئے سبق کا کام دے سکتے ہیں، فرماتے تھے کہ "اہل علم اہل وسعت ہیں مفتیوں میں مسائل میں ہمیشہ سے باہم اختلاف ہوتا چلا آیا ہے، ایک شخص ایک شے کو حرام کہتا ہے اور دوسرا حلال، لیکن اس اختلاف سے کوئی ایک دوسرے پر عیب نہیں لگاتا"[۸]

وفات، ۱۴۳ھ میں ہاشمیہ میں وفات پائی[۹]

---

۱ تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۵۳، ۲ ایضاً ص ۱۲۲، ۳ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۲، ۴ ایضاً ص ۱۲۴، ۵ ایضاً ص ۱۲۲، ۶ تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۵۳، ۷ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۳، ۸ ایضاً ص ۱۲۴، ۹ ایضاً

۸۲۔ یحییٰ بن یعمر

نام ونسب، یحییٰ نام، ابو سلیمان کنیت، نسبی تعلق قبیلہ لیث سے تھا،

فضل وکمال، قرآن، حدیث، فقہ، زبان اور ادب جملہ علوم کے جامع تھے،

قرآن قرآن کے ممتاز عالم تھے، علامہ ابن سعد انھیں علمائے قرآن میں لکھتے ہیں[1]،

حدیث، حافظ حدیث بھی تھے، حافظ ذہبی نے حفاظ تابعین کے دوسرے طبقہ میں ان کے حالات لکھے ہیں، صحابہ میں انھوں نے حضرت عثمانؓ، علیؓ، عمار بن یاسرؓ، ابو ذر غفاریؓ، ابوہریرہؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، ابو سعید خدریؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، سلیمان بن صردؓ اور عائشہ صدیقہؓ جیسے اکابر سے روایتیں کی ہیں[2]،

یحییٰ بن عقیل، سلیمان تیمی، عبداللہ بن بریدہ، قتادہ، عکرمہ، عطار خراسانی، رکین بن ربیع، عبداللہ بن کلیب سدوسی، ازرق بن قیس اور اسحٰق بن سوید وغیرہ انکے زمرۂ تلامذہ میں تھے[3]،

فقہ، فقہ میں بھی انھیں پورا درک تھا، حافظ ذہبی انھیں فقیہ علما میں لکھتے ہیں[4]، ان کے تفقہ کی ایک سند یہ ہے کہ وہ مرو کے قاضی تھے[5]،

زبان وادب، ان مذہبی علوم کے علاوہ زبان وادب میں بھی انھیں مہارت تھی، نحو اور عربی زبان کے فاضل تھے[6]، نحو انھوں نے اس کے موجد اول ابو الاسود دؤلی سے حاصل کی تھی[7]،

---

[1] ابن سعد ج، ق ۲ ص ۱۰۱، [2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۰۵، [3] ایضاً، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۵،
[5] ابن سعد ج ۵ ق ۲ ص ۱۰۱، [6] ایضاً، [7] تہذیب ج ۱۱ ص ۳۰۵،

فصاحت و بلاغت، زبان پر عبور کے ساتھ وہ بڑے فصیح و بلیغ تھے، انکا شمار ممتاز فصحاء میں تھا[۱]

قضاۃ میں سہولت، ابھی اوپر گذر چکا ہے کہ یحییٰ خراسان کے پایہ تخت مرو کے قاضی تھے، مرو میں باقاعدہ دار القضاء تھا لیکن حاجتمندوں کی آسانی کے لئے وہ چلتے پھرتے راستے گلی میں تنازعوں کا فیصلہ کردیتے تھے، یحییٰ بن موسیٰ بن یسار کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن یعمر کو بازاروں اور گلیوں میں فیصلہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، اکثر اوقات وہ سواری پر راستہ چلتے ہوتے اس حالت میں اگر دو فریق آجاتے تو سواری روک کر کھڑے کھڑے فیصلہ دیدیتے[۲]

ایک اہم کارنامہ ان کی زندگی کا سب سے اہم کارنامہ جو ابد الآباد تک قائم رہیگا، قرآن کو منقوط کرنا ہے، ابتدا میں قرآن پاک نقطوں سے خالی تھا سب سے اول یحییٰ نے پڑھنے والوں کی آسانی کے لئے نقطے لگائے[۳]

اہل بیت نبوی سے عقیدت اہل بیت نبوی کے ساتھ انکو نہایت گہری عقیدت تھی، اور وہ ان کو بلا تفریق سب پر فضیلت دیتے تھے لیکن کسی کی تنقیص نہ کرتے تھے ایکمرتبہ حجاج نے ان سے کہا تمہارا خیال ہے کہ حسنؓ و حسینؓ رسول اللہ صلعم کی ذریت میں تھے؟ یا تو تم اس خیال سے باز آؤ یا اس کا ثبوت پیش کرو، انھوں نے قرآن کی یہ آیت پیش کرکے ومن ذریتہ داؤد و سلیمان... و زکریا و یحییٰ و عیسیٰ، کہا عیسیٰ اور ابراہیم کے درمیان اس سے کہیں کم تعلق ہو جتنا حسنؓ حسینؓ اور محمد صلعم کے درمیان ہے؟ اس جواب میں یہ نکتہ ہے کہ جب عیسیٰؑ بعد زمانے باوجود صرف مادری تعلق سے ابراہیم کی ذریت میں ہوسکتے ہیں تو حسن و حسین کے جو خاص نواسے ہیں رسول اللہ صلعم کی ذریت میں ہونے میں کیا دشواری ہے؟ یہ جواب سن کر حجاج مطمئن ہوگیا[۴]

وفات باختلاف روایت ۱۱۹ھ یا ۱۲۰ھ میں انتقال کیا،

---

۱ شذرات الذہب ج اول ص ۱۵۶ ۲ ابن سعد ج اول ق ۲ ص ۱۰۱ ۳ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۵ ۴ شذرات الذہب ج اول ص ۱۵۶

۸۳۔ یزید بن ابی حبیب

نام ونسب، یزید نام، ابو رجاء کنیت، قریش کی شاخ بنی عامر بن لوئی کے غلام تھے، ان کے والد ابو حبیب (اسود) نوبی تھے، ان کا وطن دنقلہ تھا،

پیدائش، یزید ۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور مصر میں ان کی نشو ونما ہوئی[1]،

فضل وکمال، فضل وکمال کے لحاظ سے مصر کے ائمہ تابعین میں تھے، حافظ ذہبی انھیں امام الکبیر لکھتے ہیں[2] مصر میں ان ہی کی ذات سے صحیح علمی ذوق پیدا ہوا، ابن یونس کا بیان ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جن کی ذات سے مصر میں علم ظاہر ہوا، اور حلال وحرام کے مسائل کا آغاز ہوا، ان سے پہلے اہل مصر کا علم محض ترغیب اور ملاحم وفتن تک محدود تھا[3]،

حدیث، وہ مصر کے ممتاز حفاظ حدیث میں تھے، علامہ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث[4] اور حافظ ذہبی حجۃ اور حافظ حدیث لکھتے ہیں[5]،

حدیث میں انھوں نے عبد اللہ بن حارث بن جزء زبیدی، ابو الطفیل، اسلم بن یزید ابی عمران ابراہیم بن عبد اللہ بن حنین، خیر بن نعیم حضرمی، سوید بن قیس، عبد الرحمن بن شماسہ مہری، عبد العزیز ابن ابی الصعبہ، عطاء بن ابی رباح، عراک بن مالک، اور امام زہری وغیرہ سے استفادہ کیا تھا،

ان سے فیض یاب ہونے والوں میں سلیمان التیمی، محمد بن اسحٰق، زید بن ابی انیسہ، عمرو بن الحارث

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۶، [2] ایضاً، [3] ایضاً، [4] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۲۰۲،

[5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۶،

عبد الحمید بن جعفر، ابن لہیعہ، اور لیث بن سعد لائق ذکر ہیں[۱]،

فقہ، فقہ میں انھیں بڑی دستگاہ حاصل تھی، حافظ ذہبی ان کو فقیہ لکھتے ہیں[۲]، عمر بن عبد العزیز نے مصر میں تین آدمیوں کو افتا کے منصب پر ممتاز کیا تھا، ان میں سے ایک یزید بھی تھے[۳]، انہی کی وجہ سے مصر میں فقہ کا مذاق پیدا ہوا،

علمائے معاصرین کی رائے، ان کے کمالات کے متعلق ان کے عہد کے علماء کی یہ رائے تھی، لیث بن سعد کہتے تھے کہ یزید ہمارے عالم اور ہمارے سردار ہیں[۴]، ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ لیث ان کے اور عبید اللہ بن جعفر کے متعلق کہتے تھے کہ یہ دونوں ملک کے جوہر ہیں، عمرو بن حارث سے کسی نے سوال کیا، یزید افضل ہیں یا عبید اللہ بن جعفر، انھوں نے جواب دیا اگر وہ دونوں ترازو میں تولے جائیں تو کسی کا پلہ بھاری نہ ہوگا[۵]،

احتیاط، محتاط تابعین کی طرح وہ بھی اتنے محتاط تھے کہ جب ان کے پاس سائلین کی کثرت ہوگئی تو انھوں نے خانہ نشینی اختیار کرلی[۶]،

علم کی عظمت، علم کا اتنا وقار قائم رکھتے تھے کہ اس سلسلہ میں کسی امیر کے آستانہ پر جانا گوارا نہیں تھا، بلکہ انھیں خود اپنے یہاں بلاتے تھے، ایک مرتبہ زبان بن عبد العزیز نے آپ کے پاس کہلا بھیجا کہ آپ میرے پاس آئیے میں آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں، آپ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ تم خود میرے پاس آؤ، میرے پاس تمھارا آنا تمھارے لئے زینت اور میرا تمھارے پاس جانا تمھارے لئے عیب ہے[۷]،

صاف گوئی، امراء کو مطلق خاطر میں نہ لاتے، بلکہ ان کے منہ پر ان کی برائیاں بیان کرتے تھے ایک مرتبہ

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۱۸، [۲] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۵، [۳] ایضاً ۱۱۶،

[۴] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۵ و ۱۱۶، [۵] ایضاً، [۶] ایضاً،

آپ بیمار پڑے تو حوثرہ بن سہیل امیر مصر آپ کی عیادت کے لیے آیا اور یہ مسئلہ دریافت کیا کہ جس کپڑے میں مچھر کا خون لگا ہو اس میں نماز پڑھنے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، یہ سوال سنکر آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، اور اس سے گفتگو بند کر دی، یہ دیکھ کر حوثرہ اٹھ گیا، آپ نے اس کی طرف دیکھ کہا کہ روزانہ خلق اللہ کا خون کرتے ہو، اور مجھ سے مچھر کے خون کے متعلق پوچھتے ہو[1]،

وفات | مروان کے عہد حکومت سنہ ۱۱۱ھ میں وفات پائی[2]،

بعض خاص اوصاف | عقل و دانش اور حلم اور تحمل کے زیور سے آراستہ تھے، کان حلیماً عاقلاً[3]،

۸۴- یونس بن عبید

نام و نسب، | یونس نام، ابو عبد اللہ کنیت، بنی عبد قیس کے غلام تھے،

فضل و کمال | یونس اگرچہ غلام تھے لیکن حسن بصری کے خاص اصحاب میں تھے، ان کی فیض صحبت و ہم نشینی نے ان کو دولت علم و عمل سے مالا مال کر دیا تھا، حافظ ذہبی ان کو امام حجۃ اور قدوہ لکھتے ہیں[4]، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے اور وہ جلیل القدر تابعی تھے[5]، ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ علم و فضل حفظ و اتقان پابندی سنت اور اہل بدعت سے بغض تقشف تفقہ فی الدین اور کثرت حفظ میں اپنے زمانہ کے سادات میں تھے[6]،

حدیث، | حدیث میں اپنے عہد کے نہایت ممتاز حفاظ میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کان ثقۃ کثیر الحدیث[7]،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۱، [2] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۰۲، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۵،
[4] ایضاً ص ۱۳۰، [5] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۶۹، [6] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۴۴۵،
[7] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۳،

صحابہ میں انھوں نے انس بن مالکؓ کو دیکھا تھا لیکن ان سے فیض یاب نہ ہو سکے انھوں نے زیادہ تر حضرت حسن بصریؒ سے استفادہ کیا تھا، ان کے بعد محمد بن سیرین، ثابت البنانی، عبدالرحمن ابن ابی بکرہ، حکیم بن عرج، نافع مولی ابن عمر، حمید بن بلال، عطار بن ابی رباح وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا،[1]

حدیث میں وہ اپنے اکثر معاصرین پر فائق تھے، سعید بن عامر کا بیان ہے کہ میں نے یونس ابن عبید سے افضل کسی کو نہیں پایا، تمام اہل بصرہ کی یہی رائے ہے،[2] ابوحاتم کہتے تھے کہ وہ سلیمان تیمی سے بھی بلند مرتبہ تھے، تیمی ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے تھے،[3]

اس کمال کے ساتھ وہ حدیث میں بڑے محتاط تھے، حدیث بیان کرنے کے بعد ہمیشہ تین مرتبہ استغفر اللہ کہتے تھے[4] محض احتیاط کی بنا پر حدیثوں کو قلمبند نہیں کرتے تھے،

تلامذہ، | قابل ذکر تلامذہ کے نام یہ ہیں، ان کے صاحبزادے عبداللہ، شعبہ، ثوری، وہیب، حماد، عبداللہ بن عیسیٰ، خزاز اور خارجہ بن مصعب وغیرہ،[1]

اخلاص فی العلم، | ان کی علمی طلب شہرت اور ناموری کے لئے نہیں بلکہ خالصۃً للہ تھی، ہشام بن حسام کا بیان ہے، کہ میں نے یونس بن عبید کے سوا کسی کو ایسا نہیں پایا جس کی غرض علم سے محض وجہ اللہ ہو،[5]

فضائل اخلاق، | اس وفور علم کے ساتھ ان میں عمل بھی اسی درجہ کا تھا، عقائد میں وہ بڑے متشدد اور مذہب میں بڑے متقشف تھے، ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ بڑے عامل سنت بدعات سے نفرت کرنے والے اور متقشف تھے، عقائد کے باب میں اتنے متشدد تھے کہ جدید عقائد و خیالات کو گناہ کبیرہ

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۱ صد ۴۴۲، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول صد ۱۳۰، [3] ابن سعد ج ۷، ق ۲ صد ۲۲،
[4] تہذیب التہذیب ج ۱۱ صد ۴۴۲، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول صد ۱۳۰،

سے بھی بڑھکر سمجھتے تھے، اپنے صاحبزادے سے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں تم کو سود، چوری اور شراب نوشی سے منع کرتا ہوں، لیکن تمہارا ان چیزوں میں مبتلا ہو کر خدا سے ملنا اس کے مقابلہ میں زیادہ پسند کرتا ہوں کہ عمرو بن عبید اور اس کے ساتھیوں کے ہم خیال ہو کر اس سے ملو۔[۱]

مبتدعین کی عیادت کرنا بھی کار ثواب نہ سمجھتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ میرا ایک معتزلی پڑوسی بیمار ہے میں اس کی عیادت کروں، فرمایا ثواب کی نیت سے نہیں۔[۲]

وہ فرائض کے علاوہ زیادہ روزہ نماز نہ کرتے تھے، لیکن خدا کے حقوق و فرائض کی ادائگی کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے، سلام بن مطیع کا بیان ہے کہ یونس بہت زیادہ نماز روزہ نہیں کرتے تھے لیکن خدا کی قسم جب خدا کے حقوق کا وقت آتا تو وہ اس کی ادائگی کے لئے بالکل تیار رہتے تھے۔[۳] جہاد کو افضل العبادات سمجھتے تھے، اسکے چھوٹ جانے کا انتہائی قلق ہوتا تھا، ان کو کسی سبب سے جہاد کا موقع نہ ملا تھا، اس کا تادم آخر قلق رہا، اسحق بن ابراہیم کا بیان ہے کہ یونس مرض الموت میں اپنے پیروں کی طرف دیکھ کر روتے تھے، لوگوں نے سبب پوچھا، فرمایا کہ وہ خدا کی راہ میں غبار آلود نہیں ہوئے۔[۴] زبان پر اکثر کلمہ استغفار جاری رہتا تھا، عبد الملک بن سلیمان کا بیان ہے کہ میں نے ان سے زیادہ استغفار کرنے والا نہیں دیکھا۔[۵]

دیانت، ان کا ذریعۂ معاش تجارت تھا، ریشمی کپڑوں کی تجارت کرتے تھے، اور تجارتی دیانت میں اس قدر مبالغہ کرتے تھے کہ اس سے زیادہ قیاس نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس دیانت اور ایمانداری کے ساتھ تجارت کرنا مشکل ہے، ان کی تجارتی دیانت کے بہت سے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں ایک مرتبہ ایک خاص مقام پر ریشم کا نرخ بہت چڑھ گیا تھا، انہیں معلوم ہوا تو انھوں نے

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۴۴۴، [۲] ایضاً، [۳] ایضاً ص ۴۴۳، [۴] ایضاً ص ۴۴۴،
[۵] ایضاً،

ایک دوسرے مقام کے ریشم فروش سے تیس (۳۰) ہزار کا ریشم خریدا، بعد کو انھیں خیال آیا تو اس بیچنے والے سے پوچھا تم کو فلاں مقام پر مال کے نرخ چڑھنے کی خبر تھی، اس نے کہا اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں اپنا مال کیوں فروخت کرتا، یہ جواب سنکر روپیہ دے کر مال واپس کر دیا[1]،

اسی طریقے سے ایک مرتبہ ایک عورت ان کے پاس خز کی چادر فروخت کرنے کے لئے لائی انھوں نے اسے دیکھ کر قیمت پوچھی، اس نے کہا ساٹھ درہم، انھوں نے اپنے ایک ہمسایہ تاجر کو چادر دکھا کر پوچھا تمھاری نظر میں اس کی کیا قیمت ہے، اس نے کہا ایک سو بیس تک ہو سکتی ہے، قیمت انکوانے کے بعد عورت سے کہا، اپنے گھر والوں سے پوچھ آؤ کہ وہ ایک سو پچیس تک بیچنے کی اجازت دیتے ہیں[2]،

ایک مرتبہ ایک عورت ریشم کا ایک جبہ بیچنے کے لئے لائی انھوں نے قیمت دریافت کی، اس نے پانسو بتائی، ان کی نگاہ میں وہ اس سے بہت زیادہ قیمت کا تھا، اس لئے انھوں نے دو ہزار تک اس کی قیمت لگا دی[3]،

اس احتیاط کے باوجود انھیں اپنے مال پر اطمینان نہ تھا، ابن شوذب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ یونس اور ابن عون حلال وحرام پر باتیں کر رہے تھے، دونوں نے کہا کہ "ہمارے مال میں ایک درہم بھی حلال کا نہیں ہے[4]"،

وفات: ۱۳۹ھ میں وفات پائی، عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے سلیمان اور عبداللہ بن علی اور پرپوتے جعفر اور محمد نے جنازہ اٹھایا، اور ان کی زبان پر تھا کہ "خدا کی قسم یہ عزت وشرف ہے[5]"،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۴۴۳، [2] ایضاً صفحہ ۴۴۴، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۱۳۱، [4] تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۴۴۴، [5] ابن سعد ج ۷، ق ۲ صفحہ ۲۴،

۵۰۔ ابو ادریس خولانی

نام و نسب: عائذ نام، ابو ادریس کنیت کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہیں، نسب نامہ یہ ہے، عائذ ابن عبد اللہ بن عمرو بعض روایات میں نام عبد اللہ اور نسب نامہ اس طرح ہے، عبد اللہ بن ادریس بن عائذ بن عبد اللہ بن عتبہ بن غیلان خولانی،

پیدائش: غزوۂ حنین کے سال ۸ھ یعنی عہد رسالت میں پیدا ہوئے، [1]

فضل و کمال: صاحب علم و عمل تابعین میں تھے، شام کے ممتاز علماء میں شمار تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں ابو ادریس خولانی عالم اہل الشام ..... الفقیہ احد من جمع بین العلم و العمل، مشہور صحابی حضرت ابو درداءؓ کے بعد جو شام میں مقیم تھے ابو ادریس ہی انکے جانشین ہوئے تھے، [2]

حدیث: حدیث میں انھوں نے حضرت عمرؓ، ابو درداءؓ، معاذ بن جبلؓ، ابو ذر غفاریؓ، بلالؓ، ثوبانؓ، حذیفہ بن یمانؓ، عبادہ بن صامتؓ، عوف بن مالکؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، ابو ہریرہؓ، ابو سعید خدریؓ وغیرہ سے روایتیں کی ہیں، حافظ ذہبی نے اکابر حفاظ کے زمرہ میں ان کے حالات لکھے ہیں،

ان سے روایت کرنے والوں میں امام زہری، ربیعہ بن یزید، بسر بن عبید اللہ، عبد اللہ بن ربیعہ بن یزید، قاسم بن محمد، ولید بن عبد الرحمن، یونس بن میسرہ، ابو عون انصاری، یونس بن سیف، مکحول، شہر بن حوشب اور مسلم بن دینار وغیرہ لائق ذکر ہیں، [3]

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۵۱، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۸، [3] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۸۵،

فقہ، شام کے مشہور فقہا میں تھے، امام زہری ان کو شام کے فقیہ علماء میں شمار کرتے تھے[1] طبری نے ان کا ذکر شام کے ان علماء کے ساتھ کیا ہے، جو فقیہ اور حلال و حرام کے احکام کے عالم تھے[2]

وعظ گوئی اور قضاۃ، ان کے فقہی کمال کی سند یہ ہے کہ عبدالملک کے زمانہ میں وہ دار الخلافہ دمشق کے قاضی تھے اور قضاۃ کے ساتھ وعظ و پند کی خدمت بھی انجام دیتے تھے، پھر عبدالملک نے وعظ کی خدمت ان سے الگ کر لی، ان کو قضاء ت کے مقابلہ میں وعظ گوئی کا شغل زیادہ مرغوب تھا، چنانچہ اس سے علٰحدگی کے بعد کہتے تھے "میری مرغوب چیز سے مجھے معزول کر دیا گیا، اور جس چیز سے میں ڈرتا ہوں اسے رہنے دیا گیا"[3]

علماء کا اعتراف، ان کے ہمعصر ان کے کمالات کے اتنے معترف تھے کہ مکحول جو شام کے سب سے بڑے عالم تھے کہتے تھے کہ میں نے ادریس سے بڑا عالم نہیں دیکھا، ابو زرعہ دمشقی ان کو جبیر بن نفیر عالم شام پر ترجیح دیتے تھے[4]

وفات، ۸۰ھ میں وفات پائی[5]

۸۶- ابو اسحٰق سبیعی

نام و نسب، عمرو نام، ابو اسحٰق کنیت کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، نسب نامہ یہ ہے، عمرو بن عبد اللہ ابن علی بن احمد بن ذی یحمد بن سبیع بن سبع بن صعب بن معاویہ بن کثیر بن مالک بن جشم بن حاشد بن جشم بن خیران بن نوف بن ہمدان ہمدانی کوفی،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۴۹، [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص۲۰۰، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۴۹،
[4] تہذیب التہذیب ج ۵ ص۲۰۰، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۴۹،

ہمدان یمن کا ممتاز اور مشہور خاندان تھا، اسلامی عہد میں یہ خاندان کوفہ میں آباد ہوگیا تھا، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ابو اسحٰق کے دادا مدینہ آئے تھے، حضرت عثمانؓ نے ان کے خاندانی اعزاز کا لحاظ کرکے پندرہ ہزار پانسو ان کا اور تین سو ان کے اہل وعیال کا وظیفہ مقرر کیا[1]،

پیدائش، ابو اسحٰق غالباً کوفہ ہی میں عثمانی عہد کے آخر میں جب کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں تین سال باقی تھے، پیدا ہوئے[2]،

اموی دور، اموی دور میں بھی ابو اسحٰق کا خاندانی اعزاز قائم رہا، امیر معاویہؓ کے زمانہ میں یہ اور ان کے والد تین سو وظیفہ پاتے تھے[3]،

فضل وکمال، مرکز علم کوفہ میں ابو اسحٰق کی نشوونما ہوئی تھی، ان میں تحصیل علم کی فطری استعداد وصلاحیت تھی اس لئے علمائے کوفہ کے فیض سے پورا فائدہ اٹھایا، اور ان کا شمار علما کے اکابر علما میں ہوگیا، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق جلالت اور ثنا پر سب کا اتفاق ہے[4]، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علم کا ظرف تھے، ان کے مناقب بہت ہیں[5]، ابن ناصر الدین ان کو ائمہ اسلام اور بڑے حفاظ حدیث میں لکھتے ہیں[6]،

قرآن، قرآن کے وہ نہایت مشہور قاری تھے، عبداللہ بن مسعودؓ کے اصحاب ان کو عمرو القاری کہتے تھے، اس فن کی تعلیم انھوں نے اس فن کے مشہور علما ابو عبدالرحمٰن سلمی اور اسود بن یزید سے حاصل کی تھی[7]،

حدیث، حدیث کے اکابر حفاظ میں تھے حافظ ذہبی ان کو علم کا ظرف اور علمائے اعلام میں لکھتے

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۲۱۹، [2] ایضاً، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۲، [4] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۱۰۲، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۲، [6] شذرات الذہب ج اول ص ۱۷۴، [7] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۶۶، [8] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۱،

ہیں[1] صحابہ میں انھوں نے ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، معاویہؓ، عمرو بن یزید الخطمیؓ، نعمان بن بشیرؓ، عمرو بن الحارثؓ، عمرو بن الحریثؓ، زید بن ارقمؓ، براء بن عازبؓ، سلیمان بن صردؓ، حارثہ بن وہبؓ، عدی بن حاتمؓ، جابر بن سمرہؓ، رافع بن خدیجؓ، عروہ بارقیؓ، ابو جحیفہؓ، خالد بن عرفطہؓ، جریر بن عبد اللہ بجلیؓ، اشعث بن قیسؓ، مسور بن مخرمہؓ اور تابعین میں ایک کثیر جماعت سے سماع حدیث کیا تھا،[1] ابن مدینی نے ان کے شیوخ کی تعداد باختلاف روایت تین یا چار سو لکھی ہے،[2] ان میں اڑتیس[3] صحابہ تھے[4]

ابو حاتم روایات کی کثرت اور رجال کے علم میں ان کو امام زہری کا ہمپایہ سمجھتے تھے[5] ابو داؤد طیالسی کا بیان ہے کہ ہم نے چار آدمیوں کے پاس حدیث کا ذخیرہ پایا، ان چار میں ایک ابو اسحٰق ہیں[6] حضرت علیؓ کی احادیث اور ابن مسعودؓ کی روایات انکے حافظہ میں زیادہ تھیں، انکی جملہ احادیث کی تعداد دو ہزار تک بیان کیجاتی ہے[7]

تلامذہ | شیوخ کے تناسب سے ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی نہایت وسیع تھا، اس میں بڑے بڑے تابعین اور تبع تابعین تھے، بعض قابل ذکر نام یہ ہیں، سلیمان التیمی، اعمش، قتادہ، اسمٰعیل بن ابی خالد، شریک بن عبد اللہ، عمارہ بن زریق، منصور بن معتمر، سفیان ثوری، مسعر، مالک بن مغول سفیان بن عیینہ، زہیر بن معاویہ، زائدہ، حسن بن صالح اور ابوبکر بن عیاش وغیرہ[8]

زہد و عبادت | اس علم کے ساتھ عمل بھی اسی درجہ کا تھا، بڑے عابد و زاہد تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کان صواماً قواماً متبتلاً، تین دن میں ایک قرآن ختم کرتے تھے،[9] روزے بھی بکثرت رکھتے تھے

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۱، [2] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۱۰۱، [3] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۶۵، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۳، [5] تہذیب ج ۸ ص ۶۵، [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۱، [7] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۱۰۱، [8] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۲

آخر عمر میں جب قویٰ ضعیف اور عبادت شاقہ کے متحمل نہ رہ گئے تھے، اس وقت ان معمولات میں فرق آگیا تھا لیکن پھر بھی مہینہ میں تین دن اور ہر جمعہ و دوشنبہ کو اور اشہر حرم میں پابندی سے روزہ رکھتے تھے اور ایک رکعت میں پوری سورۂ بقر ختم کرتے تھے[1]

جہاد فی سبیل اللہ، جہاد فی سبیل اللہ کا بھی ولولہ تھا، امیر معاویہ کے زمانہ میں روم کی فوج کشی میں شریک ہوئے تھے[2]

وفات، سنہ ۱۲۷ھ یا سنہ ۱۲۸ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت کم و بیش سو سال کے قریب عمر تھی[3]

۸۷- ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری

نام و نسب، عامر نام، ابو بردہ کنیت، کنیت سے وہ زیادہ مشہور ہیں، مشہور صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے صاحبزادے ہیں نسب نامہ یہ ہے، عامر بن عبد اللہ بن موسیٰ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عذر بن وائل بن ناجیہ بن جماہر اشعری،

تعلیم، ان کے والد حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بڑے پایہ کے صحابی تھے، خود ان کی تعلیم و تربیت کیا کم تھی، پھر ابو موسیٰ اشعریؓ کو صاحبزادے کی تعلیم و تربیت کا بڑا خیال تھا، انھوں نے انکو حصول تعلیم کے لئے مشہور صحابی عبد اللہ بن سلامؓ کے پاس جو مدینہ میں اہل کتاب کے بہت بڑے عالم تھے بھیجدیا تھا، اس واقعہ کو ابو بردہ خود بیان کرتے ہیں، کہ میرے والد نے مجھکو تحصیل علم کے لئے عبد اللہ بن سلامؓ کے پاس بھیجا، جب میں ان کے پاس گیا تو انھوں نے مجھ سے فرمایا بھیجے تم لوگ ایک تجارتی مقام پر رہتے ہو، اس لئے اس کا لحاظ رکھنا کہ جب کسی پر تمہارا کچھ مال واجب

---

1. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۲، 2. ایضاً ص ۱۰۱، 3. ایضاً ص ۱۰۲،

ہو تو وہ اگر تمکو گھانس کا ایک گٹھا بھی دے تو اس کو قبول نہ کرنا کہ وہ ربا ہوگا[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب میں مدینہ گیا اور عبد اللہ بن سلام سے ملا تو انھوں نے کہا چلو جس گھر میں رسول اللہؐ نے داخل ہو کر نماز پڑھی ہے تم بھی اس میں چل کر نماز پڑھو، تم کو کھجور اور ستو کھلاؤں گا، پھر فرمایا بھتیجے تم ایسے مقام پر رہتے ہو جہاں سود عام ہے، تم میں ایسے لوگ ہیں کہ جب وہ کسی کو قرض دیتے ہیں اور اس کی مدت پوری ہو جاتی ہے، تو مقروض خورد و نوش کے سامان کی ایک گھڑی اور چارہ کا ایک گٹھا اپنے ساتھ لاتا ہے یہ ربا ہے[2]

فضل و کمال حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور عبد اللہ بن سلامؓ کی تعلیم و تربیت اور دوسرے بزرگوں کے فیض صحبت نے ابو بردہ کا دامن علم نہایت وسیع کر دیا تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں، ابو بردہ بن ابی موسیٰ الاشعری الفقیہ احد الائمۃ الاثبات[3] امام نووی لکھتے ہیں انکی توثیق و جلالت پر سب کا اتفاق ہے[4]

حدیث حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقۃ کثیر الحدیث[5] اس فن میں انھوں نے ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت علیؓ، حذیفہؓ بن یمان، عبد اللہ بن سلام، اغر المزنی، مغیرہ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ، اسود بن یزید النخعی اور عروہ بن زبیرؓ وغیرہ سے استفادہ کیا تھا[6]

تلامذہ ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے لڑکے سعید اور بلال، پوتے یزید، اور عام لوگوں میں امام شعبی، ثابت البنانی، حمید بن ہلال، عبد الملک بن نمیر، قتادہ اور ابو اسحٰق سبیعی وغیرہ لائق ذکر ہیں[7]

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۹۰، [2] ایضاً، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۳، [4] تہذیب الاسما ج اول ق ۲ ص ۱۷۹، [5] ایضاً بحوالہ ابن سعد، [6] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۱۸، [7] ایضاً،

فقہ، فقہ میں بھی وہ امتیازی پایہ رکھتے تھے حافظ ذہبی انکو فقیہ اور امام لکھتے ہیں[1]

عہدۂ قضا، اس تفقہ کی بنا پر وہ قاضی شریح کے بعد کوفہ کی مسندِ قضا پر بیٹھے تھے[2] ان کے بعد ان کے لڑکے بلال ان کے جانشین ہوئے[3]

فضائل اخلاق فضائلِ اخلاق کا وہ مجسم پیکر تھے، ان کی ذات میں تمام اخلاقی محاسن جمع تھے، یزید ابن مہلب جس زمانہ میں خراسان کا والی ہوا اس وقت اس کو ایک جامع اوصاف شخص کی ضرورت ہوئی، اس نے لوگوں سے کہا مجھے کوئی ایسا آدمی بتاؤ جو خصائل حسنہ میں پورا ہو، لوگوں نے ابو بردہ کا نام لیا، یزید انھیں بلا کر ان سے ملا، تجربہ سے انھیں بہترین شخص پایا، ان کی باتوں سے بہت زیادہ متاثر ہوا، انھیں پرکھنے کے بعد ان سے کہا میں تم کو فلاں فلاں عہدہ پر مامور کرتا ہوں انھوں نے اس کے قبول کرنے سے معذرت چاہی یزید نہ مانا، اس وقت انھوں نے معذرت میں یہ مذہبی دلیل پیش کی، کہ میرے والد نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ رسول اللہ صلعم فرماتے تھے کہ جس شخص نے کوئی ایسا عہدہ قبول کر لیا جس کے متعلق وہ خود جانتا ہے کہ وہ اس کا اہل نہیں ہے، تو اس کو چاہیے کہ دوزخ کو اپنا مستقر بنانے کے لئے تیار رہے[4]،

وفات، سنہ ۱۰۴ھ میں وفات پائی[5]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۳، [2] شذرات الذہب ج اول ص ۱۲۶، [3] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۶،

[4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۳، [5] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۶،

۱۰۰- ابوبکر بن عبدالرحمن

نام ونسب، محمد نام، ابوبکر کنیت، ان کی کنیت نے اتنی شہرت حاصل کی کہ نام کی جگہ لے لی، چنانچہ بعضوں کے نزدیک ان کا نام ہی ابوبکر ہے، نسب نامہ یہ ہے، ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث ابن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن مخزوم مخزومی، ماں کا نام فاختہ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، فاختہ بنت عتبہ بن سہیل بن عمرو بن عبد شمس بن عبد و د بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی،

ولادت ابوبکر، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے[1]

فضل وکمال، ابوبکر مدینۃ الرسول میں پیدا ہوئے تھے جو علماء کا مخزن تھا، پھر ان میں تحصیل علم کا بڑا ذوق وشوق تھا، اس لئے پوری کوشش سے تحصیل علم کی اور مدینہ کے نامور علماء میں ہوئے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کان ثقۃً فقیہاً کثیراً لحدیث عالماً عاقلاً عالیاً سخیاً[2] ابن خراش انھیں ائمہ علماء میں شمار کرتے تھے[3]

حدیث حدیث کے وہ بڑے حافظ تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں، کان ثقۃً حجۃً فقیہاً اماماً کثیر الروایۃ[4] صحابہ میں اپنے والد عبدالرحمنؓ، ابوہریرہؓ، عمار بن یاسرؓ، ابومسعود بدریؓ، عبدالرحمن ابن مطیعؓ، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور ام سلمہؓ سے روایتیں کی ہیں،

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے لڑکے عبدالملک، عمر، عبداللہ اور سلمہ بھتیجے،

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۵۳، [2] ایضاً، [3] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۱۹۵، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۵،

قاسم بن محمد اور عام لوگوں میں امام زہری، عمر بن عبدالعزیز اور حکم بن عتبہ وغیرہ لائق ذکر ہیں[1]،

فقہ | فقہ میں آپ کا پایہ نہایت ارفع تھا، وہ مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک تھے[2] ابوالزناد کہتے تھے کہ مدینہ کے ان فقہاء و علماء میں جن کی رائے پر مسائل کا فیصلہ ہوتا تھا چھ آدمی تھے، ان میں ایک ابوبکر بن عبدالرحمن تھے[3]

زہد و عبادت | زہد و تقوی کا رنگ نہایت گہرا تھا، وہ مدینہ کے عابد ترین بندگوں میں تھے زہد و عبادت اور نماز روزہ کی کثرت کی وجہ سے "راہب قریش" ان کا لقب ہوگیا تھا[4] حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ صالح، عبادت گذار اور خدا پرست تھے[5] کئی کئی دن کا مسلسل روزہ رکھتے تھے ان کے بھائی عمر بن عبدالرحمن کا بیان ہے کہ وہ روزے پر روزے رکھتے تھے اور درمیان میں افطار نہ کرتے تھے[6]

امانت | امانت ان کا خاص وصف تھا، انھیں امانت میں اس قدر اہتمام تھا کہ اگر کوئی شخص انکے پاس کوئی شے امانت رکھتا اور اسکا کچھ حصہ ضائع ہوجاتا تو خواہ امانت رکھنے والا معاف ہی کیوں نہ کردیتا لیکن وہ پوری امانت واپس کرتے، عثمان بن محمد کا بیان ہے کہ عروہ نے ابوبکر کے پاس کچھ مال امانت رکھوایا، وہ مال یا اس کا کچھ حصہ ضائع ہوگیا، عروہ نے کہلا بھیجا کہ تم پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے، تمہاری حیثیت تو امین کی تھی انھوں نے جواب دیا کہ یہ مجھے معلوم ہے کہ مجھ پر تاوان نہیں ہے لیکن میں یہ پسند نہیں کرتا کہ قریش میں تمہاری زبان سے یہ الفاظ نکلیں کہ میری امانت ضائع ہوگئی، غرض عروہ کے کہنے کے باوجود نہ مانے اور اپنی املاک بیچ کر پوری امانت واپس کی[7]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۲ صفحہ ۳۰، [2] اعلام الموقعین ج اول صفحہ ۲۲، [3] تہذیب التہذیب ج ۱۲ صفحہ ۳۱، [4] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۵۳، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۵۴، [6] تہذیب التہذیب ج ۱۲ صفحہ ۳۱، [7] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۵۴،

فیاضی، | نہایت فیاض اور سیر چشم تھے[1]

بنی امیہ میں منزلت، | اموی خلفاء ان کی اتنی منزلت کرتے تھے کہ ان کی وجہ سے اہل مدینہ کو امویوں کی جانب سے امن حاصل ہوگیا تھا، عبدالملک خصوصیت کے ساتھ ان کی بڑی عزت کرتا تھا، وہ کہا کرتا تھا کہ بنی امیہ کے ساتھ اہل مدینہ کی روش کی بنا پر میں ان کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہوں لیکن پھر ابوبکر بن عبدالرحمٰن کا خیال آجاتا ہے تو شرم آنے لگتی ہے، اور ارادہ ترک کر دیتا ہوں عبدالملک اپنے بعد ہونے والے خلفاء ولید اور سلیمان کو بھی ابوبکر کی تعظیم و تکریم کی وصیت کر گیا تھا[2]

وفات | ایک دن عصر کی نماز پڑھ کر غسل خانہ گئے، وہاں گر پڑے فوراً زبان سے نکلا میں نے آج شروع دن میں خدا کی قسم کوئی نئی بات نہیں کی تھی" اسی دن غروبِ آفتاب سے پہلے انتقال کر گئے، یہ ۹۴ھ کا واقعہ ہے[3]

۸۹-ابورجاءعطاردی

نام و نسب، | ابورجاء اور ان کے والد کے نام کے بارہ میں مختلف بیانات ہیں، ایک بیان یہ ہے کہ ان کا نام عمران اور والد کا نام ملحان ہے، دوسرا یہ ہے کہ والد کا نام تیم ہے تیسرا یہ ہے کہ ان کا نام عطارد اور والد کا نام برز ہے۔ ان تینوں بیانات میں اکثر ارباب سیر کے نزدیک پہلا زیادہ صحیح ہے، حافظ ذہبی اور ابن حجر نے اسی کو اختیار کیا ہے[4]، ابورجاء کنیت ہے اور اسی سے وہ زیادہ مشہور ہیں، نسبی تعلق قبیلہ تیم سے تھا،

اسلام، | ابورجاء نے آنحضرت صلعم کا زمانہ پایا تھا لیکن اس وقت وہ بالکل نوخیز تھے عہد نبوی میں عرصہ تک ان کا قبیلہ اسلام سے بھاگتا رہا، لیکن پھر آخر میں اسے اسلام کا

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۴، [2] ایضاً ص ۱۵۵، [3] ایضاً [4] ایضاً ج اول ق ۷ ص ۱۰۰،

طوقِ غلامی گردن میں ڈال لیا، ان واقعات کو خود رجاء کی زبان سے سنو ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم کی بعثت کے زمانہ میں ہم اپنے چشمے "سند" پر اونٹوں کی چرائی پر تھا کہ ہم کو اطلاع ملی کہ عرب میں ایک شخص مبعوث ہوا ہے جو لوگ اس کی اطاعت نہیں کرتے، ان کو وہ قتل کر دیتا ہے، یہ خبر سن کر ہم لوگ اپنے اہل وعیال کو لے کر بنی سعد کا میدان عبور کر کے بھاگ گئے، وہاں جا کر معلوم ہوا کہ اس شخص سے بچنے کی سبیل لا الٰہ الا اللہ محمداً عبدہ ورسولہ کی شہادت ہے، جو شخص اس کا اقرار کر لیتا ہے، اس کی جان اور اس کا مال محفوظ ہو جاتا ہے، یہ معلوم کر کے ہم لوگ لوٹ آئے اور اسلام میں داخل ہو گئے،[1] یہ فتح مکہ کا زمانہ تھا،[2] اگرچہ ابو رجاء عہدِ رسالت میں مشرف بہ اسلام ہو گئے لیکن آنحضرت صلعم کے دیدار اور لقا کے شرف سے محروم رہے،

فضل وکمال | ابو رجاء کے زمانہ میں بہت سے صحابہ موجود تھے اس لئے انھیں حصول کمال کا زیادہ موقع ملا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں من کبار علماء التابعین ...... کان ثقۃً نبیلاً عالماً عاملاً،[3]

قرآن، | قرآن کے ممتاز عالم تھے، اس کی تعلیم انھوں نے ابو موسیٰ اشعریؓ اور مفسر القرآن حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے حاصل کی تھی،[4] ان کی تعلیم نے انھیں قرآن کا عالم بنا دیا،[5]

حدیث | حدیث میں حضرت عمرؓ، علیؓ، عمران بن حصینؓ، ابن عباسؓ، سمرہ بن جندبؓ اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے ان کی روایات ملتی ہیں، ان سے روایت کرنے والوں میں ایوب، جریر بن حازم، عوف الاعرابی، عمران القصیر، مہدی بن میمون، ابو الاشہب، حماد بن نجیح، سعید بن ابی ربیعہ، ابو عثمان اور حسن بن ذکوان وغیرہ لائق ذکر ہیں،[6]

---

[1] ایضاً ج ۷ ق اول ص ۱۰۱ و ۱۰۲، یہ واقعات تین مختلف روایتوں کا خلاصہ ہے، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۵ [3] ایضاً، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۵ [5] ابن سعد ج ۷، ص ۱۰۱، [6] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۴۱

زہد وعبادت، | زہد وعبادت میں بھی وہ ممتاز تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے عبادت گذار نماز پڑھنے والے اور تلاوت کرنے والے شیخ تھے[1]، رمضان میں تراویح میں تین قرآن ختم کرتے تھے[2]،

امامت، | اپنے علمی اور مذہبی کمالات کی وجہ سے وہ اپنے قبیلہ کے امام تھے، اور چالیس[4] سال تک یہ خدمت انجام دی[3]،

وفات | ان کے زمانۂ وفات کے بارہ میں بہت اختلاف ہے، بعضوں کے نزدیک عمر بن عبد العزیز کے عہد خلافت میں بعضوں کے نزدیک ۱۰۰ھ میں بعضوں کے نزدیک ۱۰۷ھ میں بعضوں کے نزدیک ۱۰۸ھ میں اور بعضوں کے نزدیک ۱۰۹ھ میں وفات پائی[4]، اس وقت کم وبیش ایک سو بیس سال کی عمر تھی، ان کے وفات پر فرزدق شاعر نے یہ شعر کہا،

الم تر ان الناس مات کبیرھم — وقد عاش قبل البعث بعث محمد

۹۰ - ابو الزناد

نام ونسب، | عبد اللہ نام، والد کا نام ذکوان تھا، ابو عبد الرحمن کنیت، ابو الزناد لقب ہی سے وہ مشہور ہیں، نسبًا ہمدانی تھے، ابو الزناد قریش کی غلامی میں تھے لیکن غلامی کی نسبت میں اختلاف ہے، بعض رملہ بنت ربیعہ کا اور بعض حضرت عثمانؓ کی اولاد کا غلام بتاتے ہیں،

فضل وکمال، | اگرچہ ابو الزناد غلام تھے لیکن اقلیم علم کے تاجدار تھے، اکابر تابعین کے بعد جو بزرگوار علم کے مسند نشین ہوئے ان میں ایک نام ابو الزناد کا بھی ہے، ان کو جملہ علوم میں یکساں

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۵۹، [2] ایضاً، [3] ایضاً ص۱۰۱ [4] یہ تمام اقوال ابن سعد تذکرۃ الحفاظ اور تہذیب میں ہیں دیکھو کتب مذکورہ حوالہ بالا،

دستگاہ حاصل تھی، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی ثنا و صفت، ان کے وفورِ علم، ان کے حفظ، ان کے فضل اور مختلف علوم میں ان کی مہارت، توثیق اور اُن کی جلالت پر سب کا اتفاق ہے[1]

حدیث | حدیث میں انھوں نے انس بن مالکؓ، عائشہ بنت سعدؓ، ابو امامہ بن سہل بن حنیفؓ، سعید ابن مسیبؓ، ابو سلمہ بن عبد الرحمنؓ، ابان بن عثمانؓ، خارجہ بنت زید بن ثابتؓ، عبید بن حسین، عروہ بن زبیرؓ، علی بن حسینؓ، عمرو بن عثمانؓ، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ اور محمد بن حمزہ اسلمی وغیرہ سے فیض اٹھایا تھا[2]

ان بزرگوں کے فیض نے ان کو حدیث کا بڑا جلیل القدر حافظ بنا دیا تھا، امام حدیث سفیان ثوری ان کو امیر المومنین فی الحدیث کہتے تھے[3] علامہ ابن سعد ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں[4]

تلامذہ | ان کے لڑکے عبد الرحمن اور ابو القاسم، صالح بن کیسان، ابن ابی ملیکہ، اعمش، عبید اللہ ابن عمرو بن عجلان، ہشام بن عروہ، شعیب بن ابی حمزہ، ابن اسحٰق، موسیٰ بن عقبہ، سعید بن ابی بلال، زائدہ بن قدامہ اور سفیان وغیرہ ان کے زمرۂ تلامذہ میں تھے[5]

فقہ | فقہ میں بھی وہ امتیازی درجہ رکھتے تھے، ان کا شمار فقہائے مدینہ میں تھا، فقہ میں وہ مشہور فقیہ تابعی ربیعہ رائی کے مقابلہ کے سمجھے جاتے تھے، امام ابو حنیفہ ان کو ربیعہ سے مرجح سمجھتے تھے، ربیعہ سے پہلے انہی کی ذات مرجوعہ تھی لیکن ربیعہ کی مسند بچھنے کے بعد ان کا حلقۂ درس خالی ہو گیا، اور ان کے تمام تلامذہ ربیعہ کی طرف رجوع ہو گئے[6]

جامعیت اور حلقۂ درس کی وسعت | ابو الزناد کی جامعیت کی مناسبت سے ان کا حلقۂ درس بھی نہایت وسیع تھا، ان کے علمی دربار میں مختلف علوم و فنون کے صدہا طلبہ کا ہجوم رہتا تھا، عبد ربہ بن سعید

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۲۴۳، [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۰۳ و ۲۰۴، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۶، [4] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۲۴۳ بحوالہ ابن سعد [5] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۰۳ و ۲۰۴، [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۶،

کا بیان ہے کہ میں نے ابو الزناد کو اس شان سے مسجد نبوی میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے کہ ان کے ساتھ طلبہ کا بادشاہوں کے ہجوم جیسا ہجوم تھا، اس ہجوم میں فرائض کے سائلین بھی ہوتے تھے اور حساب کے بھی، شعر کے بھی، حدیث کے بھی، معضلات کے بھی[۱] لیث بن سعد کا بیان ہے کہ میں نے ابو الزناد کے پیچھے بہ یک وقت فقہ، شعر و شاعری اور مختلف علوم کے تین تین سو طالب علم دیکھے ہیں[۲]، مذہبی علوم کے علاوہ زبان، ادب و انشا اور فصاحت و بلاغت میں بھی دستگاہ تھی، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں

کان فصیحا بصیرا بالعربیۃ[۳]

غیر مذہبی علوم میں حساب میں خصوصیت کے ساتھ بڑی مہارت تھی، اس مہارت کی وجہ سے کبھی کبھی حکومت کے دفاتر کی جانچ پڑتال ان کے سپرد ہوتی تھی، ایک مرتبہ وہ اسی سلسلہ میں ہشام کے پاس شام گئے تھے[۴]

عقل و فرزانگی، اس علم کے ساتھ انھوں نے دنیاوی عقل و فرزانگی سے بھی وافر حصہ پایا تھا[۵]

وفات، باختلاف روایت رمضان ۱۳۰ھ یا ۱۳۱ھ میں دفعۃً انتقال ہوا، وفات کے وقت چھیاسٹھ سال کی عمر تھی[۶]

---

[۱] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ صفحہ ۲۳۳، [۲] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۱۲۰، [۳] تہذیب الاسماء حوالہ مذکور بحوالہ ابن سعد، [۴] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۱۲۱، [۵] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ صفحہ ۲۳۴ [۶] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۱۲۱، [۷] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ صفحہ ۲۳۴،

۹۱- ابوسلمہ بن عبدالرحمن

نام و نسب: عبد اللہ نام، ابوسلمہ کنیت، کنیت نے اتنی شہرت حاصل کی کہ نام کی جگہ لے لی، چنانچہ بعضوں کے نزدیک ان کا نام ہی ابوسلمہ تھا، مشہور صحابی حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کے فرزند ہیں، ماں کا نام تماضر تھا، ننھیالی شجرہ یہ ہے تماضر بنت اصبغ بن عمرو بن ثعلبہ بن حارث بن حصن بن ضمضم بن عدی بن خباب بن ہبل کلبی،

فضل و کمال: حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کا درجہ اس سے ظاہر ہے کہ وہ عشرہ مبشرہ میں تھے ابوسلمہ نے انہی کے آغوش علم و عمل میں پرورش پائی تھی، چنانچہ باپ کے فیض تربیت سے وہ یگانۂ عصر بن گئے تھے، بعض علماء ان کو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں شمار کرتے ہیں، لیکن یہ رائے مختلف فیہ ہے، بہرحال اس سلسلہ میں ان کا نام لیا جانا بھی ان کے کمالات علمی کی سب سے بڑی سند ہے، ان کی علمی جلالت اور امامت پر علماء کا اتفاق ہے، امام نووی لکھتے ہیں کہ ابوسلمہ کی امامت، ان کے مرتبہ کی بلندی اور ان کی رفیع المنزلی پر سب کا اتفاق ہے،[1]

حدیث: حدیث میں انھوں نے اپنے والد حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ، ان کے علاوہ اکابر صحابہ میں حضرت عثمانؓ، طلحہؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابوقتادہؓ، ابودرداءؓ، اسامہ بن زیدؓ، حسان ابن ثابتؓ، رافع بن خدیجؓ، ثوبانؓ، نافع بن حارثؓ، عبد اللہ بن سلامؓ، ابوہریرہؓ، عبد اللہ ابن عمرو بن العاصؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابوسعید خدریؓ، انس بن مالکؓ، جابرؓ، معاویہؓ

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ص ۲ ص ۲۴۱،

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور ام سلمہؓ وغیرہ اور بہت سے اکابر تابعین سے استفادہ کیا تھا،[1]

ان بزرگوں کے فیض نے ان کو امام حدیث بنا دیا تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے ائمہ تابعین میں تھے کثیر العلم ثقہ اور عالم تھے،[2] علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقۃ فقیہا کثیر الحدیث[3] تمام اکابر علما ان کی کثرت حفظ کے معترف تھے،[4] زہری کا بیان ہے کہ ابراہیم بن عبداللہ بن قارظ مجھ سے کہتے تھے کہ تمھاری قوم میں دو آدمیوں سے بڑا عالم حدیث میں نے نہیں دیکھا، ایک عروہ بن زبیر، دوسرے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن،[5] امام زہری کہتے تھے کہ میں نے چار آدمیوں کو علم کا دریا پایا، ان چار میں ایک ابوسلمہ کا نام ہے،[6]

تلامذہ | امام شعبی، عبدالرحمٰن الاعرج، عراک بن مالک، عمرو بن دینار، ابو حازم، ابوسلمہ بن دینار، زہری، یحییٰ بن سعید انصاری اور یحییٰ بن ابی کثیر وغیرہ آپ کے تلامذہ میں ہیں،[7]

فقہ | فقہ میں ابوسلمہ کا پایہ اتنا بلند تھا کہ بعض علما ان کو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں شمار کرتے تھے،[8] علامہ ابن سعد ان کو فقیہ لکھتے ہیں،[9] فقہ میں انھوں نے فقیہ الامت عبداللہ بن عباسؓ سے استفادہ کیا تھا، بعض اوقات فقہی مسائل میں استاد کو ان کی رائے پلٹا دیتے تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ابوسلمہ ابن عباسؓ سے تفقہ حاصل کرتے تھے اور مسائل پر ان سے بحث و مناظرہ کرکے ان کو ان کی رائے سے پلٹا دیتے تھے،[10]

عہدۂ قضا | امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں سعید بن العاص حاکم مدینہ نے ان کو مدینۃ الرسول کے عہدۂ قضا پر سرفراز کیا، لیکن پھر بعد کے تغیرات میں وہ اس عہدہ پر نہ رہ سکے، اور

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۱۱۵، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۵، [3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۱۶، [4] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۱۱۶، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۵، [6] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۲۴۰، [7] ایضاً ص ۲۴۱، [8] ابن سعد ج ۵ ص ۱۱۶، [9] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۴،

سعید بن العاص کی معزولی کے بعد اس کے جانشین مروان نے ابوسلمہ کو ہٹا دیا[1]،

وفات، ولید بن عبد الملک کے عہد خلافت ۹۴ھ میں وفات پائی، ایک روایت یہ ہے کہ ۱۰۴ھ میں انتقال ہوا، انتقال کے وقت بہتر سال کی عمر تھی[2]،

حلیہ، ابوسلمہ صورۃً نہایت حسین وجمیل تھے، عبد اللہ بن ابی یعقوب کا بیان ہو کہ ابوسلمہ بڑے صبیح تھے، ان کا چہرہ تابانی میں ہرقلی دینار معلوم ہوتا تھا، سر اور ڈاڑھی کے بال سپید ہو گئے تھے، ان میں کبھی حنا اور کبھی وسمہ کا خضاب لگاتے تھے[3]،

۹۲-ابو العالیہ ریاحی

نام ونسب، رفیع نام، ابو العالیہ کنیت، کنیت ہی سے وہ زیادہ مشہور ہیں، والد کا نام مہران تھا، قبیلہ بنی ریاح کی ایک عورت کے غلام تھے، اس نسبت سے ریاحی کہلاتے ہیں،

اسلام، انھوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا، لیکن عہد نبوی میں شرف اسلام سے محروم رہے، آنحضرت صلعم کی وفات کے دو سال بعد اسلام لائے[4]،

آزادی، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبول اسلام کے بعد وہ عرصہ تک غلامی میں رہے پھر ان کی مالکہ نے انھیں آزاد کر دیا، انکی آزادی کا واقعہ خود ان کی زبان سے یہ ہے کہ میں ایک عورت کا غلام تھا، جب اس نے مجھے آزاد کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے چچیرے بھائیوں نے روکا کہ اگر اس کو آزاد کر دوگی تو وہ کوفہ جا کر بالکل مفقود الخبر ہو جائیگا، لیکن وہ آزاد کرنے کا فیصلہ

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۱۵، [2] ایضاً ص ۱۱۶، [3] ایضاً ص ۱۱۵ و ۱۱۶،

[4] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۲۵،

کر چکی تھی، اس لئے اوس نے ان کا کہنا نہ مانا، اور ایک جمعہ کو میرے پاس آئی، مجھ سے پوچھ کر جامع مسجد کی طرف چلی، میں بھی ساتھ ہولیا، مسجد میں پہنچنے کے بعد امام نے ہم کو منبر پر کھڑا کر دیا، عورت نے میرا ہاتھ پکڑ کر ان الفاظ میں میری آزادی کا اعلان کیا "خدایا میں تیرے پاس اس کو آخرت کے لئے جمع کرتی ہوں، مسجد والو گواہ رہنا، یہ غلام خدا کے لئے آزاد ہے، آیندہ حق معروف کے علاوہ اس پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے" یہ کہہ کر وہ مجھے آزاد چھوڑ کر چلی گئی، اس کے بعد پھر وہ نہیں دکھائی دی[1]،

فضل و کمال علمی اعتبار سے وہ ممتاز تابعین میں تھے، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ کبار تابعین میں تھے[2]، ابو القاسم طبری کا بیان ہے کہ ان کی توثیق پر سب کا اتفاق ہے[3]،

قرآن ان کا خاص موضوع کتاب اللہ تھا، قرآن کی تعلیم انھوں نے مشہور عالم قرآن حضرت ابی ابن کعبؓ سے حاصل کی تھی، اس کا آغاز غلامی ہی کے زمانہ سے ہو گیا تھا، ان کا خود بیان ہے کہ میں غلام تھا، اپنے اہل کی خدمت کرتا تھا، اور قرآن اور عربی کی کتابت سیکھتا تھا[4]، لیکن باضابطہ تعلیم قبول اسلام کے سات آٹھ سال کے بعد جب کہ وہ بڑی عمر کو پہنچ گئے تھے شروع کی تھی[5]، اور اس عمر میں اس شوق اور محنت سے حاصل کی کہ جماعت تابعین میں قرآن کے سب سے بڑے عالم بن گئے، ابو بکر بن ابی داؤد کا بیان ہے کہ صحابہ کے بعد ابو العالیہ سے بڑھ کر عالم قرآن کوئی نہ تھا[6]، ابن عماد حنبلی انکو مفسر لکھتے ہیں[7]،

حدیث حدیث میں علامہ ابن سعد انھیں کثیر الحدیث لکھتے ہیں[8]، حضرت علیؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، ابو ایوب انصاریؓ، ابی بن کعبؓ، ثوبانؓ، حذیفہؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، رافع بن خدیجؓ، ابو سعید خدریؓ، ابو ہریرہؓ، ابو بردہ، انس بن مالکؓ، اور ابو ذر غفاریؓ جیسے

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۸۱، آزادی کا واقعہ دو روایتوں میں ہے ہم نے دونوں کا خلاصہ لے لیا ہے، [2] تہذیب الاسماء ج اول ص ۲۵۱، [3] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۸۲، [4] ایضاً ص ۸۱، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۳، [6] شذرات الذہب ج اول ص ۱۰۲، [8] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۸۲،

اکابر صحابہ سے انھوں نے حدیث میں فیض اٹھایا تھا[1]

احتیاط حدیث میں احتیاط، حدیث لینے میں وہ بڑے محتاط تھے، جب تک اصل راوی کی زبان سے سن نہ لیتے تھے، اس وقت تک کسی دوسرے کے بیان پر اعتماد نہ کرتے تھے، چنانچہ کہتے تھے کہ ہم لوگ بصرہ میں رسول اللہ صلعم کے اصحاب کی روایات سنتے تھے، مگر اس وقت تک ان پر اعتماد نہ کرتے تھے، جب تک مدینہ جاکر خود ان کی زبان سے نہ سن لیتے تھے[2]،

تلامذہ، ان سے فیض اٹھانے والوں میں خالد الحذار، داؤد بن ابی ہند، محمد بن سیرین، یوسف بن عبداللہ، ربیع بن انس، بکر المزنی، ثابت البنانی، حمید بن ہلال، قتادہ اور منصور وغیرہ قابل ذکر ہیں[3]

فقہ گو فقہ میں ان کا کوئی خاص پایہ نہ تھا تاہم بصرہ کے فقہاء میں انکا شمار تھا، حافظ ذہبی انھیں فقیہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں[4]،

صحابہ میں منزلت اگرچہ ابو العالیہ غلام رہ چکے تھے لیکن ان کے علمی کمالات کی وجہ سے بڑے بڑے صحابہ ان کی عظمت کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کی اتنی عزت کرتے تھے کہ ابو العالیہ جب انکے پاس جاتے تو ابن عباسؓ اون کو اونچے مقام پر بٹھاتے اور معززین قریش ان کے نیچے ہوتے، اس اعزاز سے بٹھانے کے بعد فرماتے علم اسی طرح شریف کے شرف میں اضافہ کرتا ہے، اور ملوک کو تخت پر بٹھاتا ہے[5]،

ایک مرتبہ وہ ابن عباسؓ کی ولایت بصرہ کے زمانہ میں ان کے پاس گئے، ابن عباسؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کے اپنے ساتھ بٹھالیا، یہ عزت افزائی دیکھ کر ایک تمیمی سے نہ رہا گیا، وہ بول اٹھا یہ غلام ہیں[6]،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۸۴، [2] ابن سعد ج ۷ ق اول صفحہ ۸۱، [3] تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۸۴

[4] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۵۳، [5] ایضاً، [6] ابن سعد ج ۷ ق اول صفحہ ۸۲،

عبادت | ابو العالیہ میں اس علم کے ساتھ اسی درجہ کا عمل بھی تھا، بڑے خوش اوقات اور عبادت گذار تھے شب بیداری اور تلاوت قرآن کا خاص ذوق تھا، ایک زمانہ میں وہ رات بھر نمازیں پڑھتے تھے اور ایک شب میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے، لیکن اس عبادت شاقہ پر مداومت نہ کر سکے، ان کا بیان ہے کہ ہم چند غلام تھے ان میں سے بعض ٹیکس ادا کرتے تھے، اور بعض خدمت کرتے تھے، ہم سب رات بھر جاگ کر ایک شب میں پورا قرآن ختم کرتے تھے لیکن جب یہ گراں گذرنے لگا، تو پھر دو راتوں میں ختم کرنے لگے جب یہ بھی نہ نبھ سکا تو تین راتوں میں ختم کرنے لگے، لیکن اتنا بھی نہ ہو سکا، اور ایک دوسرے سے شکایت کرنے لگے تو ہم لوگ رسول اللہ صلعم کے اصحاب سے ملے، انھوں نے کہا کہ ایک ہفتہ میں ختم کیا کرو، ان کی ہدایت کے بعد ہم لوگ نمازیں پڑھنے کے ساتھ سونے بھی لگے، اس وقت وہ بار جاتا رہا،[1]

رہبانیت سے اجتناب | لیکن اس عبادت و ریاضت کے ساتھ ان کو رہبانیت سے اتنا احتراز تھا، کہ وہ راہبانہ لباس تک پسند نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ ابو امیہ عبد الکریم ان سے ملنے کے لئے آئے، ابو امیہ کے بدن پر صوف کے کپڑے تھے، ان کو دیکھ کر ابو العالیہ نے کہا یہ راہبوں کا لباس و طریقہ ہے، مسلمان جب آپس میں ایک دوسرے سے ملنے کے لئے جاتے ہیں تو اچھے لباس میں جاتے ہیں،[2]

ریا سے احتراز | عمل خیر کا اظہار نہایت برا سمجھتے تھے، اور ایسے شخص کو ریا کار سمجھتے تھے، ابو مخلد کا بیان ہے کہ ابو العالیہ کہتے تھے کہ جب تم کسی شخص کو یہ کہتے سنو کہ میں خدا کے لئے دوستی اور خدا کے لئے دشمنی کرتا ہوں تو اس کی تقلید نہ کرو،[3]

انفاق فی سبیل اللہ | خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں وہ بڑے فیاض تھے، انھوں نے اپنا کل مال

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۸۱، [2] ایضاً ص ۸۳، [3] ایضاً،

یا اس کا بڑا حصہ خدا کی راہ میں امورِ خیر کے لئے وقف کیا، ابن سعد کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں، فاوصی ابو العالیہ بمالہ کلہ[1] دوسری ابو خلدہ کی زبانی ہے، کہ ابو العالیہ نے کہا کہ میں نے سونے اور چاندی میں جو کچھ بھی چھوڑا ہے، اس کا ایک تہائی خدا کی راہ کے لئے ہے، ایک تہائی اہل بیت رسول اللہ کے لئے اور ایک تہائی غریب مسلمانوں کے لئے، البتہ اس میں سے میری بیوی کا حق تم لوگ دینا[2]،

غلاموں کی آزادی | غلاموں کو لوجہ اللہ آزاد کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک غلام کو آزاد کیا اسکے آزادی نامے پر یہ الفاظ تھے "ایک مسلمان نے ایک جوان غلام کو بطور سائبہ کے لوجہ اللہ آزاد کیا، نیک کام لینے کے علاوہ اس پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے[3]"

زکوٰۃ وصدقات | زکوٰۃ نہایت پابندی سے ادا کرتے تھے، اور اس کو تقسیم کرنے کے لئے مدینہ بھیجتے تھے، ابو خلدہ کا بیان ہے کہ ابو العالیہ اپنے مال کی زکوٰۃ اس کے مصارف میں صرف کرنے کے لئے اہل بیت نبوی کے پاس مدینہ بھیجتے تھے[4]،

خانہ جنگی سے اجتناب | ابو العالیہ بڑے بہادر اور جنگ آزما تھے لیکن ان کی بہادری مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ صرف ہوتی تھی، ان کے زمانہ میں صفین وغیرہ کی بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں، جن سے بہت کم مسلمان بچ سکے، یہ بھی نبرد آزمائی کے شوق میں نکلے لیکن پھر میدان جنگ سے پلٹ آئے، ابو خلدہ کا بیان ہے کہ ابو العالیہ کہتے تھے کہ علی اور معاویہ کی جنگ کے زمانہ میں میں جوان تھا، جنگ میرے لئے لذیذ کھانوں سے زیادہ مرغوب تھی، اس لئے میں بھی پوری تیاری کے ساتھ میدان جنگ میں پہنچا اور ایسی عظیم الشان فوجیں دیکھیں جن کے سرے نظر نہ آتے تھے، ان میں سے جب ایک فریق تکبیر و تہلیل کرتا تھا، تو دوسرا بھی

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۸۱ [2] ایضاً، [3] ایضاً ص ۸۲ [4] ایضاً ص ۸۲،

کرتا تھا میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں کس فریق کو مومن سمجھوں اور کس کو کافر اور کس کا ساتھ دوں کسی نے مجھے مجبور تو کیا نہیں ہے، یہ سوچنے کے بعد شام بھی نہ ہونے پائی تھی کہ میں لوٹ آیا،[1]

مشتبہات سے اجتناب | وہ مشتبہ چیزوں سے اتنی احتیاط کرتے تھے کہ ان پیشہ وروں اور عہدہ داروں کے یہاں جن کی کمائی میں کچھ بھی مشتبہ مال کا احتمال ہوتا تھا پانی نہ پیتے تھے، چنانچہ صراف اور عشار (عشر وصول کرنے والے) کے یہاں پانی نہ پیتے تھے، ابوخلدہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں ابوالعالیہ کے پاس گیا، وہ کھانا لائے اس میں ترکاری بھی تھی، اس کے متعلق انھوں نے کہا یہ وہ ترکاری نہیں ہے جس میں کسی شے کا احتمال ہو، یہ میرے بھائی انس بن مالکؓ نے باغ سے بھیجی ہے، میں نے کہا ترکاری میں کیا ہوتا ہے، فرمایا وہ ہمیشہ گندے اور برے مقامات اُگتی ہے، جہاں پیشاب اور نجس چھینٹے ہوتے ہیں،[2]

بے تکلفی، | طبعاً نہایت سادہ مزاج اور بے تکلف تھے، اپنے لئے کسی قسم کا اہتمام پسند نہ فرماتے تھے صاحب خانہ سے پہلے ہی کہہ دیتے تھے کہ گھر میں جو کچھ موجود ہو وہی لانا، بازار سے کوئی شے نہ خریدنا،[3]

وفات، | بروایت صحیح ۹۳ھ میں وفات پائی،[4]

۱؎ ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۸۲، ۲؎ ایضاً ص ۸۳، ۳؎ ایضاً، ۴؎ شذرات الذہب ج اول ص ۱۰۲،

۹۳- ابوعبدالرحمن السلمی

نام ونسب، | عبداللہ نام ابوعبدالرحمن کنیت، کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، والد کا نام حبیب تھا، نسباً سلمی تھے،

فضل وکمال | علمی اعتبار سے کوفہ کے قرار او علما میں ان کا شمار تھا[۱]،

قرآن | ان کا خاص موضوع کتاب اللہ تھا، قرآن کے قاری بھی تھے اور عالم بھی، قرأت کا فن حضرت علیؓ اور اپنے والد سے حاصل کیا تھا[۲]، تفسیر القرآن کی تعلیم ان علما سے حاصل کی تھی جنھوں نے اس محنت سے قرآن پڑھا تھا کہ دس آیات پڑھنے کے بعد جب تک اس کے متعلق تمام باتیں معلوم کر لیتے تھے، آگے نہ بڑھتے تھے، قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ اس پر عمل بھی کرتے جاتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے ہم لوگ قرآن کے ساتھ اس پر عمل کرنا بھی سیکھتے تھے، ہمارے بعد ایسے لوگ قرآن کے وارث ہوں گے جو قرآن کو پانی کی طرح پئیں گے، اور ان کے نرخرہ کے نیچے نہ اترے گا[۳]، حافظ ذہبی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ، علیؓ اور عبداللہ ابن مسعودؓ سے انھوں نے تعلیم حاصل کی تھی[۴]،

درس قرآن، | قرآن کا درس بھی دیتے تھے، لیکن اس کا کوئی معاوضہ لینا پسند نہ کرتے تھے عمرو ابن حریث کے لڑکے کو انھوں نے قرآن کی تعلیم دی تھی، عمرو نے ان کے پاس سواری کی

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۵۰، [۲] ابن سعد ج ۶ ص۱۱۹ و ص۱۲۰، [۳] ایضاً ص۱۱۹،

[۴] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۵۰،

اور نذرانہ اسکی پھول بھیجی، انھوں نے یہ کہکر واپس کر دیا، کہ ہم لوگ کتاب اللہ پر کوئی اجرت نہیں لیتے،[1] کامل چالیس سال تک مسجد میں قرآن کا درس دیا تھا،[2]

حدیث، حدیث کے بھی حافظ تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقۃ کثیرا لحدیث،[3]

صحابہ میں انھوں نے حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، خالد بن ولیدؓ، عبد اللہ ابن مسعودؓ، حذیفہؓ، ابوموسی اشعریؓ، ابودرداؓ، اور ابوہریرہؓ سے روایتیں کی ہیں، ان سے استفادہ کرنے والوں میں ابراہیم نخعی، علقمہ بن مرثد، سعد بن عبیدہ، ابو اسحٰق سبیعی، سعید بن جبیر، ابو حصین اسدی، عطار بن ثابت وغیرہ قابل ذکر ہیں،[4]

وفات، عبد الملک کے عہدِ خلافت ۷۲ھ میں کوفہ میں وفات پائی، مسجد ان کا اوڑھنا بچھونا تھی مرض الموت میں بھی مسجد ہی میں تھے عطا بن سائب نے جاکر عرض کیا خدا آپ پر رحم کرے، آپ اپنے بستر پر منتقل ہو جاتے تو اچھا تھا، فرمایا میں نے ایک شخص سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلعم فرماتے تھے کہ بندہ جب تک مسجد میں نماز کے انتظار میں رہتا ہے وہ گویا نماز ہی کی حالت میں رہتا ہے اور ملائکہ اس کے لئے دعاے رحمت کرتے رہتے ہیں، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ مسجد ہی میں مروں،[5]

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۰، [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۸۴، [3] ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۱،
[4] تہذیب ج ۵ ص ۱۸۳، [5] ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۱،

۹۴- ابو عثمان نہدی

نام و نسب، عبد الرحمن نام، ابو عثمان کنیت کنیت ہی سے مشہور ہیں، نسب نامہ یہ ہے، عبد الرحمن ابن مل بن عمرو بن عدی بن وہب بن ربیعہ بن سعد بن خزیمہ بن کعب بن رفاعہ بن مالک بن نہد ابن زید بن لیث بن سود بن اسلم بن الحاف بن قضاعہ،

اسلام، ابو عثمان نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا تھا[1]، زمانۂ جاہلیت میں عام عربوں کی طرح بتوں کی پرستش کرتے تھے، عہد رسالت میں اسلام قبول کیا، لیکن آنحضرت صلعم کی زیارت سے محروم رہے، لیکن صدقات برابر آنحضرت صلعم کے تحصیلداروں کو ادا کرتے تھے[2]،

عہد فاروقی، عہد صدیقی میں ان کا پتہ نہیں چلتا، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مدینہ آئے[3]، اور عراق کی اکثر مہموں قادسیہ، جلولار، تستر، نہاوند، سروند، یرموک وغیرہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی تھی[4]،

فضل و کمال، علمی اعتبار سے کوئی ممتاز شخصیت نہ رکھتے تھے، لیکن سلمان فارسی کی صحبت میں بارہ سال رہے تھے[5]، ان کے فیض صحبت سے اتنا علم حاصل ہو گیا تھا، کہ علماء میں شمار ہوتا تھا[6]،

حدیث، حدیث میں حضرت عمرؓ، علیؓ، سعدؓ، سعیدؓ، طلحہؓ، سلمان فارسیؓ، ابن مسعودؓ، حذیفہؓ، ابوذرؓ، ابی بن کعبؓ، اسامہ بن زیدؓ، بلالؓ، حنظلہ کاتبؓ، ابو سعید خدریؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ جیسے اکابر صحابہ سے

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۷۷، [2] تاریخ خطیب ج ۱۰ ص ۲۰۳، [3] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۷۸، [4] تاریخ خطیب ج ۱۰ ص ۲۰۳، [5] شذرات الذہب ج اول ص ۱۱۱، [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۶،

ان کی روایات ملتی ہیں[1]

ثابت البنانی، قتادہ، عاصم الاحول سلیمان التیمی، خالد الحذار، ایوب سختیانی

اور حمید الطویل جیسے ممتاز علماء ان کے فیض یافتہ تھے[2]

عبادت و ریاضت | ابو عثمان کا امتیازی وصف ان کی عبادت و ریاضت اور ان کا زہد و تقوی تھا، اس میں وہ اپنے معاصرین میں ممتاز شخصیت رکھتے تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں، کہ وہ عالم قائم اللیل اور صائم النہار تھے، نمازیں اتنی پڑھتے تھے کہ بیہوش ہو ہو جاتے تھے[3]

ان کا دامن کسی معصیت سے آلودہ نہیں ہوا، ان کے تلمیذ سلیمان التیمی کا بیان ہو کہ جہاں تک میرا خیال ہے ان سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا[4]

ذکر خدا | فرماتے تھے میں جانتا ہوں خدا مجھے کس وقت یاد کرتا ہے، کسی نے پوچھا، کیسے؟ فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے" اذکرونی اذکرکم" اس لئے جب میں اس کو یاد کرتا ہوں تو وہ مجھے یاد کرتا ہے، اور جب ہم اس سے دعا کرتے ہیں تو اس کی قسم وہ قبول کرتا ہے، پھر فرماتا ہے" ادعونی استجب لکم"[5]

اہل بیت نبوی سے عقیدت | ذات پاک نبوی اور آپ کے اہل بیت کرام سے اتنی عقیدت تھی کہ کوفہ وطن تھا لیکن جب حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو کوفہ چھوڑ کر بصرہ کی سکونت اختیار کرلی اور فرمایا میں ایسے شہر میں نہیں رہ سکتا جس میں رسول اللہ صلعم کا نواسہ شہید کیا گیا ہو[6]

وفات | سنہ وفات کے بارہ میں اختلاف ہے، بروایت صحیح ۱۰۰ھ یا اس کے لگ بھگ انتقال فرمایا، اس وقت ایک سو تیس سال کی عمر تھی[7]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۷۷، [2] ایضاً، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۶، [4] ایضاً، [5] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۶۹، [6] ایضاً ص ۷۰، [7] تاریخ خطیب ج ۱۰ ص ۲۰۵

۹۵ - ابو قلابہ جرمی

نام ونسب، عبد اللہ نام، ابو قلابہ کنیت، کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہیں، نسب نامہ یہ ہے،

عبد اللہ بن زید بن عمر بن نابل بن مالک بن عبید بن علقمہ بن سعد جرمی بصری،

فضل وکمال، علمی اعتبار سے بصرہ کے ممتاز تابعین میں تھے، حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی دونوں ان کو علمائے اعلام میں لکھتے ہیں[1]، ابن عماد حنبلی امام اور علم وعمل میں راس العلماء لکھتے ہیں[2]،

حدیث، حدیث کا ان کو خاص ذوق تھا، اور اس کی بڑی جستجو رہتی تھی، ایک ایک حدیث کیلئے وہ کئی کئی دن تک ایک ایک مقام پر ٹھہرے رہتے تھے، ایک مرتبہ ایک حدیث کی تحقیق کے لئے تین دن تک مدینہ میں مقیم رہے، اس کے علاوہ ان کا وہاں اور کوئی کام نہ تھا[3]، اس ذوق وجستجو نے ان کو ممتاز حافظ حدیث بنا دیا تھا، علامہ ابن سعد ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں[4]،

صحابہ میں ثابت بن ضحاک، سمرہ بن جندب، عمرو بن سلمہ جرمی، مالک بن حویرث، انس بن مالک انصاری، انس بن مالک کعبی، ابن عباس، ابن عمر، معاویہ، ابوہریرہ، نعمان بن بشیر، ابو ثعلبہ خشنی وغیرہ سے ان کی روایات ملتی ہیں[5]،

تلامذہ، ان سے روایت کرنے والوں میں ایوب، خالد الحذاء، ابو رجاء، یحیی بن ابی کثیر، اشعث بن عبد الرحمن جرمی وغیرہ لائق ذکر ہیں[6]،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۸۲ وتہذیب التہذیب ج ۵ ص۲۲۴، [2] شذرات الذہب ج اول ص۱۲۶، [3] ابن سعد ج ۷ ق اول ص۱۳۴، [4] ایضاً ۱۳۳، [5] تہذیب التہذیب ج ۵ ص۲۲۵، [6] ایضاً

اعتدال فی الروایت | ان سے سماعِ حدیث کے بڑے بڑے علماء شائق رہتے تھے، لیکن یہ احتیاط کی وجہ سے بہت کم بیان کرتے تھے، ابو خالد کا بیان ہے کہ ہم لوگ حدیثیں سننے کے لئے ابو قلابہ کے پاس جاتے تھے، وہ تین حدیثیں سنانے کے بعد کہتے، بس اب سنا چکا، عمر بن عبد العزیز جیسے بزرگ ان سے فرمائش کرکے حدیث سنتے تھے، عمر بن میمون کا بیان ہے، کہ ایک مرتبہ ابو قلابہ عمر بن عبد العزیز کے پاس گئے، انھوں نے حدیثیں سنانے کی فرمائش کی، انھوں نے جواب دیا امیر المومنین میں زیادہ حدیثیں بیان کرنے اور بالکل سکوت اختیار کرنے دونوں کو برا سمجھتا ہوں[1]

فقہ | فقہ میں ان کا پایہ بہت بلند تھا، ایوب کا بیان ہے کہ خدا کی قسم ابو قلابہ فقہائے ذوی الالباب میں تھے[2]

قضار کا ملکہ | ان کے فقہی کمالات کی وجہ سے انھیں قضار کا خاص ملکہ تھا، ایوب کا بیان ہے کہ میں نے بصرہ میں ابو قلابہ سے زیادہ فیصلہ کی استعداد رکھنے والا نہیں دیکھا، مسلم بن یسار کہتے تھے کہ اگر ابو قلابہ عجم میں ہوتے تو قاضی القضاۃ ہوتے[3]

عہدۂ قضار سے انکار | لیکن اس استعداد کے باوجود وہ عہدۂ قضا سے بہت گھبراتے تھے، ایوب کہتے تھے کہ میں نے ان کو قضا کا جتنا بڑا عالم پایا اتنا ہی سختی سے اس سے بھاگنے والا، اور اسکو برا سمجھنے والا پایا، وہ عہدۂ قضا کے لئے بلائے گئے، ان کو اس سے اتنی نفرت تھی کہ اس کے خوف سے شام بھاگ گئے، ایک عرصہ کے بعد جب واپس آئے تو میں نے ان سے کہا اگر آپ قضار کا عہدہ قبول کر لئے ہوتے اور لوگوں میں انصاف کرتے تو اس میں آپ کو اجر ملتا، جواب دیا ایوب مانا ایک شخص تیراک ہے، لیکن اگر وہ سمندر میں پڑ جائے تو بتاؤ کتنا تیر سکتا ہے[4]

کتبخانہ | اگرچہ اس زمانہ میں کتب خانوں کا رواج کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا، لیکن ابو قلابہ

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۳۴ [2] ایضاً ص ۱۳۳ [3] ایضاً [4] ایضاً ص ۔۔۔

کے ذوقِ علمی نے کتابوں کا ایک معتدبہ ذخیرہ جمع کر لیا تھا، مرض الموت میں اس کے متعلق وصیت کرتے گئے تھے کہ ایوب سختیانی کو دیدیجائیں، اگر وہ زندہ نہ ہوں تو جلادی جائیں[۵۱]،

بدعات سے نفرت عقائد و اعمال میں وہ سلف صالحین کا نمونہ تھے عقائد کے باب میں اتنے سخت تھے کہ مبتدعین کے مقابلہ میں تلوار تک اٹھانا جائز سمجھتے تھے، فرماتے تھے کہ جس شخص نے کوئی نئی بات پیدا کی، اس نے تلوار کو جائز کر دیا، ایسے لوگوں سے ملنا اور بحث و مباحثہ کرنا بھی پسند نہ تھا، چنانچہ لوگوں کو منع کرتے تھے کہ ہوا پرستوں (مبتدعین) کے پاس نہ بیٹھو اور نہ ان سے مجادلہ کرو، مجھے ڈر ہے کہ وہ تم کو اپنی گمراہی میں مبتلا اور جس شے کو تم اچھی طرح جانتے ہو اس میں مشکوک نہ کر دیں، ان کا علاج وہ صرف تلوار سمجھتے تھے، ایوب کا بیان ہے کہ ابو قلابہ کہتے تھے کہ ہوس پرست (مبتدعین) گمراہ ہیں، میرے نزدیک یقینی ان کی جگہ دوزخ ہے، میں نے ان کا پورا تجربہ کیا ہے، ان میں سے جو نئی رائے یا نیا قول ظاہر کرتا ہے وہ بغیر تلوار کے اس سے باز نہیں آتا، نفاق کی بہت سی قسمیں ہیں (ان میں سے ایک یہ بھی ہے) پھر یہ آیتیں

۱۔ منھم من عاھد اللہ	۱۔ انہی میں سے وہ لوگ بھی ہیں، جنھوں نے خدا سے عہد کیا،
۲۔ ومنھم الذین یوذون النبی	۲۔ اور انہی میں وہ لوگ ہیں جو نبی کو اذیت دیتے تھے،
۳۔ ومنھم من یلمزك فی الصدقات،	۳۔ اور انہی میں وہ ہیں جو صدقات کی تقسیم میں تم پر الزام لگاتے ہیں

تلاوت کرکے فرمایا اگرچہ ان کے اقوال مختلف ہوتے ہیں، لیکن شک اور تکذیب پر سب کا اتفاق ہوتا ہے، اور یہ مختلف اقوال رکھنے والے سب کے سب تلوار کے مستحق ہیں، اور ان کا مستقر دوزخ ہے[۵۲]،

---

[۵۱] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۳۵، [۵۲] ایضاً،

ہمنشینوں کو اپنے پاس آنے تک نہ دیتے تھے، جب ان کے یہاں کوئی شخص آتا تو بغیر اطمینان کیئے آنے کی اجازت نہ دیتے تھے، غیلان بن جریر کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ ان کے ساتھ مکہ جانا چاہتا تھا اس لئے ان کے پاس گیا، اور اندر آنے کی اجازت چاہی، انھوں نے کہا اگر حروری نہیں ہو تو آسکتے ہو۔[1]

ایک گمراہ کن بدعت، آج کل مذہب کے رنگ میں یہ نیا گمراہ کن مذہب پھیل رہا ہے، کہ لوگ حدیث کے مقابلہ میں کتاب اللہ کا مطالبہ کرتے ہیں، ابو قلابہ ایسے مذہب پرستوں کو گمراہ سمجھتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ جب تم کسی سے کوئی سنت بیان کرو اور وہ اس کے جواب میں یہ کہے کہ اس کو چھوڑو اور کتاب اللہ کو پیش کرو تو اس کو گمراہ سمجھو۔[2]

عرفان نفس، اپنی حقیقت پہچاننے والے کو نجات کا اور خود فراموش کو ہلاکت کا مستوجب سمجھتے تھے، فرماتے تھے کہ جس شخص کو دوسرے لوگ خود اس سے زیادہ جانتے ہوں وہ ہلاکت کا اور جو شخص خود اپنے نفس کو دوسروں سے زیادہ پہچانتا ہو وہ نجات پانے کا مستحق ہے۔[3]

حقیقی دولت مندی اور حقیقی علم، خدا کے عطیہ پر قناعت کو حقیقی دولت مندی اور دوسروں کے علم سے استفادہ کرنے والے کو حقیقی عالم سمجھتے تھے، کسی نے آپ سے سوال کیا کہ سب سے غنی کون ہے فرمایا جو اس شے پر راضی ہے جو خدا نے اسے دی ہے، پھر سائل نے پوچھا سب سے بڑا عالم کون ہے، جواب دیا جو دوسروں کے علم سے اپنے علم میں اضافہ کرتا ہے۔[4]

ابتلا و آزمائش پر صبر، صبر و شکر اور تسلیم و رضا میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا، بڑی سے بڑی مصیبت اور آزمائش کے موقع پر صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا، عبد المومن بن خالد کا بیان ہے کہ آخر عمر میں ابو قلابہ کے ہاتھ پاؤں اور آنکھیں سب اعضا بیکار ہو گئے تھے، ان مصائب کے

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ١٣٢، [2] ایضاً، [3] ایضاً ص ١٣٣، [4] ایضاً،

باوجود ان کی زبان پر حمد وشکر کے علاوہ کوئی کلمہ نہ تھا[1]

ان کی ہستی دوسروں کے لئے موجب خیر و برکت تھی حضرت عمر بن عبد العزیز شامیوں سے فرماتے تھے، کہ جب تک تم میں یہ (ابوقلابہ) موجود ہیں اس وقت تک تم لوگ بھلائی میں رہوگے[2]

وفات۔ مرض الموت میں عمر بن عبد العزیز ان کی عیادت کو آئے اور انھیں ثبات و استقلال کی تلقین کی، اسی بیماری میں وفات پائی، یہ ۱۰۴ھ یا ۱۰۵ھ تھا[3]

۹۶۔ ابووائل بن سلمہ

نام و نسب۔ شقیق نام، ابووائل کنیت، والد کا نام سلمہ تھا، نسباً قبیلہ اسد بن خزیمہ سے تھے[4] اپنے نام سے زیادہ کنیت سے مشہور ہیں،

عہد رسالت۔ ابووائل عہد رسالت میں موجود تھے لیکن کم سن تھے، عمرو بن مروان کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابووائل سے پوچھا کہ آپ نے نبی صلعم کا زمانہ پایا تھا، انھوں نے کہا ہاں آپ کو دیکھا تھا لیکن اس وقت میں نوخیز لڑکا تھا[5] لیکن بروایت صحیح وہ تابعی ہیں،

اسلام۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں وہ مشرف باسلام ہوئے، مغیرہ کا بیان ہے کہ ابووائل کہتے تھے کہ ہمارے قبیلہ میں نبی صلعم کا مصدق آیا، وہ ہم سے ہر پچاس اونٹنیوں پر ایک اونٹنی لیتا تھا، میرے پاس ایک مینڈھا تھا، میں نے اس کو لاکر پیش کیا اور کہا اس کا صدقہ لو، اس نے کہا اس میں صدقہ نہیں ہے[6]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۸، [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۲۶، [3] ابن سعد ج ۶ ق اول ص ۱۱۱
[4] ایضاً ج ۷ ص ۶۴، [5] ایضاً ص ۶۵،

عہد صدیقی، | عہد صدیقی میں ان کے قبیلہ نے بھی صدقہ دینے سے انکار کر دیا تھا، ابو وائل بھی اس جماعت میں شامل تھے، سلیمان الاعمش کا بیان ہے کہ شقیق مجھ سے کہتے تھے "کاش تم ہم کو بزاخہ[1] کے معرکہ میں خالد بن ولید کے مقابلہ میں بھاگتے ہوئے دیکھے ہوتے، اس دن میں اونٹ سے گر پڑا تھا اور میری گردن ٹوٹتے ٹوٹتے بچی تھی، اگر میں اس دن ہلاک ہوگیا ہوتا تو میرے لئے دوزخ یقینی تھی[2]" لیکن پھر ان کے قبیلہ نے زکوٰۃ ادا کر کے اطاعت قبول کر لی تھی،

عہد فاروقی میں تلافی مافات | عہد فاروقی میں انھوں نے اس لغزش کی پوری تلافی کر دی عراق کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے، قادسیہ کے مشہور معرکہ میں موجود تھے[3]،

شام کی مہم میں بھی ان کی شرکت کا پتہ چلتا ہے، خود ان کی زبانی یہ روایت ہے، کہ میں عمر بن الخطابؓ کے ساتھ شام کی فوج کشی میں شریک ہوا[4]، غالباً اس سے مراد سفرِ شام میں حضرت عمرؓ کی مشایعت ہوگی،

عمر فاروقؓ کا برتاؤ | ان کے خدمات کی بنا پر حضرت عمرؓ ان کا بڑا لحاظ کرتے تھے، اور کسی موقع ان کو نظر انداز نہ ہونے دیتے تھے، ان کا بیان ہے کہ عمرؓ نے مجھکو اپنے ہاتھ سے چار عطیے دیئے اور کہا ایک نعرہ تکبیر دنیا و مافیہا سے بہتر ہے[5]،

جنگِ صفین | عہد مرتضوی میں حضرت علیؓ کی حمایت میں جنگ صفین میں نکلے لیکن بعد میں اس شرکت پر متاسف تھے، اعمش کا بیان ہے کہ کسی نے ابو وائل سے پوچھا کہ آپ نے جنگ صفین میں شرکت کی تھی، فرمایا ہاں شریک ہوا تھا لیکن دونوں صفیں نہایت بری تھیں[6]،

حجاج اور ابو وائل، | اموی عہد میں ابو وائل کی بڑی عزت و وقعت تھی، حجاج خصوصیت کیسا تھ

---

[1] عہد صدیقی میں بنی اسد پر فوج کشی کا معرکہ، [2] ابن سعد ج ۶ ص ۶۵ ، [3] ایضاً ۶۶، [4] ایضاً، [5] ایضاً، [6] ایضاً،

بہت مہربان تھا اس نے آپ کے سامنے بعض بڑے عہدے پیش کیے، لیکن آپ نے قبول کرنے سے انکار کیا، خود آپ کا بیان ہے کہ حجاج جب (کوفہ) آیا تو مجھے بلا بھیجا، میں اس کی طلبی پر گیا، اس نے مجھ سے پوچھا آپ کا نام کیا ہے، میں نے کہا نام تمکو معلوم ہی ہوگا ورنہ مجھے بلاتے کیسے، پوچھا اس شہر میں کب آئے، میں نے کہا اس زمانہ میں جب اس شہر کے تمام باشندے آئے، پوچھا آپ کو کتنا قرآن یاد ہے، میں نے کہا اتنا کہ اگر میں اسکی پابندی کروں تو وہ میرے لئے کافی ہو، ان سوالات کے بعد اس نے کہا میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ آپ کو بعض عہدے دینا چاہتا ہوں، میں نے پوچھا کون سا عہدہ اس نے کہا سلسلہ[1] (بیڑی)، میں نے کہا یہ عہدہ ان لوگوں کیلئے موزوں ہے جو ذمہ داری کیساتھ اس کام کو انجام دیکیں، اگر آپ مجھ سے مدد لینا چاہتے ہیں، تو میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ اپنے عقل خوردہ سے مدد لیں گے جسکو برے مددگاروں کا خطرہ ہے، اگر آپ مجھے اس عہدہ سے معاف رکھیں تو میرے لئے زیادہ بہتر ہوگا، اور اگر آپ کو اصرار ہے تو میں اس پرخطر عہدہ میں گھسنے کے لئے تیار ہوں، ایسی حالت میں جبکہ میں آپ کا عہدہ دار نہیں ہوں جب راتوں کو آپ کو یاد کرتا ہوں تو میری نیند اڑ جاتی ہے، تو جب عہدہ دار ہوں گا تو کیا حال ہوگا، لوگ آپ سے اس قدر خائف ہیں کہ اس سے پیشتر کسی امیر سے اتنا خائف نہ ہوئے ہوں گے، میری ان باتوں کو اس نے پسند کیا اور کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص خوں ریزی میں مجھ سے زیادہ جری اور بے باک بھی نہیں ہے، میں ایسے ایسے اہم کام کر گذرا جس کے پاس جاتے ہوئے لوگ ڈرتے تھے، میری اس سختی کی وجہ سے میری مشکلات آسان ہو گئیں، خدا آپ پر رحم کرے اب آپ جائیے اگر آپ کے علاوہ کوئی دوسرا موزوں شخص مل گیا تو آپ کو زحمت نہ دوں گا، ورنہ پھر آپ کو اسمیں ڈالنا پڑیگا، غرض کسی طرح چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد ابو وائل واپس آئے اور پھر کبھی حجاج کے پاس نہ گئے،[2]

[1] سزا دینے کا ایک عہدہ، [2] ابن سعد ج ۶ ص ۶۹

تحصیل زکوٰۃ کا عہدہ، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اموی دور میں وہ تحصیل زکوٰۃ کے عہدہ پر تھے، مہاجر ابو الحسن کا بیان ہے کہ ایکمرتبہ میں ابو بردہ اور شقیق کے پاس جو بیت المال میں تھے زکوٰۃ لے کر گیا، انھوں نے اس کو داخل کر لیا، اسی روایت کے ایک راوی سعید کہتے ہیں کہ میں دوبارہ زکوٰۃ لے کر گیا تو تنہا ابو وائل تھے، انھوں نے کہا اس کو واپس لیجاؤ، اور اس کے مصارف میں اس کو صرف کر دو، میں نے کہا مولفۃ القلوب کا حصہ کیا کروں، انھوں نے کہا "اسے دوسرے لوگوں کو دیدو"[1]

فضل و کمال، علمی اعتبار سے ابو وائل کوفہ کے ممتاز علماء میں تھے، حافظ ذہبی ان کو کوفہ کا شیخ اور عالم لکھتے ہیں[2]، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے[3]،

قرآن، قرآن کے حافظ تھے، ذہین اور ذکی ایسے تھے کہ دو مہینہ میں پورے قرآن کی تعلیم حاصل کر لی تھی[4]، لیکن تفسیر بیان کرنے میں بڑے محتاط تھے،

حدیث، حفظ حدیث میں علامہ ابن سعد ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں[5]،

صحابہ میں انھوں نے حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، معاذ بن جبلؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، حذیفہ بن یمانؓ، خباب بن ارتؓ، کعب بن عجرہؓ، ابو مسعود انصاریؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ اور ابو ہریرہؓ وغیرہ جیسے اکابر حفاظ سے روایتیں کی ہیں[6]، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی احادیث خصوصیت کے ساتھ انکے حافظ تھے، زیادہ محفوظ تھیں کوفہ میں ان کی احادیث کا ان سے بڑا کوئی حافظ نہ تھا[7]،

تلامذہ، بڑے بڑے تابعی ان کے خرمن کمال کے خوشہ چین تھے، اکابر تابعین میں شعبی، عاصم

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۶۵، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۰، [3] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۴۵، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۰، [5] ابن سعد ج ۶ ص ۶۹، [6] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۶۱، [7] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۴۵،

اور عمش اور عام محدثین میں منصور، زبید الیامی، حبیب بن ابی ثابت، عاصم بن بھدلہ، عبدہ بن ابی لبابہ اور عمرو بن مرہ وغیرہ نے ان سے فیض اٹھایا تھا[1]،

علماء میں ابو وائل کا درجہ | اس عہد کے اکابر ان کو خیار تابعین میں شمار کرتے ہیں اعمش کا بیان ہے کہ ابراہیم نے مجھ سے ہدایت کی تھی کہ تم شقیق سے استفادہ کیا کرو، عبداللہ بن مسعودؓ کے اصحاب اس زمانہ میں جب کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی اصحاب کی بڑی تعداد موجود تھی سب کے سب انھیں اپنی جماعت کے خیار میں شمار کرتے تھے[2]،

خشیت الٰہی | ان کے دل پر خشیت الٰہی کا اس قدر غلبہ تھا کہ جب اون کے سامنے تذکیرو تخویف ہوتی تو اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے[3]،

زہد و عبادت | بصرہ کے عابد تابعین میں شمار تھا، عبادت ان کا خاص مشغلہ تھا، ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ ثقات میں تھے کوفہ میں بود و باش اختیار کرلی تھی، اور یہاں کے عابد و زاہد لوگوں میں تھے[4]، آپ کی عبادت کا خاص وقت تاریکی شب تھا، سجدہ میں نہایت الحاح و زاری کے ساتھ دعا کرتے تھے "خدایا مجھے معاف کر اور میری مغفرت فرما، اگر تو مجھے معاف کردے گا تو مسلسل گناہوں کو معاف کردے گا، اور اگر عذاب دیگا تو عذاب دینے میں تو ظالم نہ ہوگا[5]"،

جہاد فی سبیل اللہ اور دنیا سے بے تعلقی | دنیا سے محض برائے نام تعلق تھا، رہنے کے لئے ایک معمولی سا چھپر کا جھونپڑا تھا، جس میں وہ اور ان کا رفیق جہاد گھوڑا رہتا تھا، جب جہاد کے لئے جانے لگتے تو چھپر اکھاڑ دیتے، جب واپس آتے تو چھپر بنا لیتے[6]،

[1] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۶۲، [2] ابن سعد ج ۶ ص ۶۷، [3] ایضاً ص ۶۸، [4] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۶۳،

[5] ابن سعد ج ۶ ص ۶۷، [6] ایضاً ص ۶۸،

کسبِ حلال کسبِ حلال کا بڑا خیال تھا، مفت کی دولت کے انبار کے مقابلہ میں حلال کے ایک درہم کو زیادہ پسند کرتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ تجارت کا ایک درہم مجھے اپنے وظیفہ کے دس درہم سے زیادہ پسند ہے[۱]،

انکی ذات باعثِ برکت تھی انکے ان اخلاقی اور روحانی کمالات کی وجہ سے لوگ ان کو اپنے لئے باعثِ رحمت و برکت سمجھتے تھے، ابراہیم کہتے تھے کہ ہر مقام میں ایک ایسی ہستی ضرور ہوتی ہے جس کے طفیل میں وہ آبادی بلاؤں سے محفوظ رہتی ہے، مجھکو امید ہے کہ شقیق بھی ایسے ہی لوگوں میں ہیں[۲]، صحابہ تک انکے کمالاتِ اخلاقی کے معترف تھے، عبداللہ بن مسعودؓ پر ان کا اتنا اثر تھا کہ جب انھیں دیکھتے تو فرماتے کہ یہ "تائب" ہیں[۳]،

وفات ۹۲ھ میں وفات پائی،[۴] واقدی کے بیان کے مطابق عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں انتقال ہوا لیکن صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اس اعتبار سے ان کی عمر بہت بڑھ جاتی ہے،

۱؎ ابن سعد ج ۶ ص ۶۵، ۲؎ تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۴۶، ۳؎ ابن سعد ج ۶ ص ۶۵،

۴؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۲۔

تصحیح اغلاط

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
دیباچہ				نے اصابہ میں دیئے ہیں	ابن حجر نے اصابہ میں دیئے		
محمد بن جبیر	سعید بن جبیر	۴	۳	طبقات و رجال کی	ہیں ممکن ہو ان کے علاوہ		
کا	کو	۳	۱۹	کتابوں میں ان کا	اور کتابوں میں بھی ہوں		
اصل کتاب				ذکر کم ہونے کا سبب	طبقات و رجال کی کتابوں		
کہتے	رکھتے	۱	۵	یہ ہے کہ ان میں عموماً	میں اگرچہ عموماً انہی		
کے	کا	۷	۹	انہی لوگوں کے تفصیلی	لوگوں کے حالات ہوتے ہیں		
صفائی قلب	یہ پورا واقعہ قلمزد			حالات ہوتے ہیں	جن کا تعلق علمی و عملی دنیا سے		
	ہے	۲۴	۴	جن کا تعلق دینی یا علمی دنیا	رہا ہے، اس کے باوجود		
				سے رہا ہے پھر بھی	ابن سعد، اصابہ، اسد الغابہ		
لا الہ	لا الہ اللہ	۳۷	۱۴	تہذیب التہذیب	حلیۃ الاولیاء، ابن عساکر		
بڑی	بڑی بڑی	۴۵	۷	میزان الاعتدال،	تہذیب، میزان الاعتدال		
ان میں سے اکثروں کے	ان میں سے اکثروں	۴۸	۹، ۱۰، ۱۱	لسان المیزان،	لسان المیزان وغیرہ قریب		
حوالے حافظ ابن حجر	کے حوالے حافظ			طبقات ابن سعد،	قریب تمام متداول		

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
اصحابہ، اور اسد الغابہ	کتابوں میں ادیس قرنی			پڑھتے پڑھتے	پڑھنے میں	۱۰۹	۹
میں انکے حالات موجود ہیں	کے حالات موجود ہیں			رکھتے	رکھتے تھے	۱۳۳	۷
سے	کو	۵۱	۵	قرانوں	قراتوں	۱۳۶	۴
مسائل	سائل	۵۵	۴	زمین میں جو مصیبتیں	تمکو زمین میں اور	۱۴۸	۴تا۶
اپنے	ان کے	۶۰	۹	بھی آتی ہیں یا تمہارے	اپنی جانوں میں جو		
نہ کردے	کردے	۶۲	۵	نفسوں کو پہنچتی ہیں	مصیبتیں پہنچیں انکو		
اور ایسا	اور نہ ایسا	〃	〃	قبل اسکے کہ ہم انکو	پیدا کرنے سے		
مجھ سے	مجھے	۶۴	۳	پیدا کریں کتاب میں	پہلے ہم نے لکھ		
کیا	کر دیا	〃	۱۴	لکھی ہیں،	رکھا ہے،		
لی	کی	۶۶	۵	خیر الامہ	خیر الامۃ	۱۶۰	۱۳
عدن	عدی	۸۰	۱۲	تو ہ ہ	تو وہ	۱۶۰	۱۵
عہد	عبد	۸۰	۱۶	فقط حدیث دانی	حفظ حدیث	۱۸۰	۲
انھوں نے	انھوں نے جواب دیا	۸۶	۱	مدیث	حدیث	۱۸۴	۲
کوئی	کو بھی	〃	۱۸	جس کہ	جس گھر	〃	〃
پنی	اپنی	۸۷	۳	زندہ	تلامذہ	〃	۱۰
دامن ہے	دامن ہے تو	۸۸	۳	کہنے کی	کہنے کا	۱۹۴	۱۲
اور خاموشی سے کام لو	خاموشی	۹۱	۵	قایم کرے گا	قائم رہے گا	۱۹۵	۴
صاحبۃ	صاحب	۹۸	۱۵	حیثیت نہ	شخصیت نہ	۲۰۴	۴

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
صم	حکم	۲۰۷	۸		بنت حسن تھیں ان سے		
سے قبل	کے قبل	۲۱۱	۱۶		چار صاحبزادے تھے،		
سردق	مسروق	۲۱۹	۳		حسن ورح، حسین الاکبر		
یں	یں نے	۲۳۳	۱۸		ورح، عبداللہ اور		
مجھ سے	مجھے	۲۳۶	۱۴		ابو جعفر محمد الملقب بہ		
کیثرالقدر	کبیرالقدر	۲۵۹	۱۱		امام باقر، ان بیوی		
علم وفن	علم کے دامن	۲۶۱	۲		کے علاوہ لونڈیاں		
پوچھا گیا	ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا	۲۹۰	۳		متعدد تھیں جن سے		
۶۷ (حاشیہ)	۲۷۲	״	۱۹		بہت سی اولادیں		
ایسے	اسی	۳۰۰	۱۳		تھیں، عمر، زید، علی		
ہزا	ہزار	۳۰۹	۱۳		حسین الاصغر، سلیمان		
خوو	خوب	۳۱۱	۶		قاسم، خدیجہ علیہ،		
تمہارے	تمہاری	۳۱۳	۸		کلثوم، ملیکہ، حسنہ،		
	ازواج واولاد جہاں تک	۳۱۶	۴		ام حسین اور فاطمہ،		
	تاریخوں سے معلوم			×	ابن سعد ج ۵ ترجمہ	۲۲۸	حاشیہ
	ہوتا ہے آپ کی بیٹا				عمر بن عبد العزیز		
	بیوی صرف ایک آگئی			جو کچھ	یں جو کچھ	۳۵۵	۲
	پھپھیری بہن ام عبداللہ			الاسلامی روایات	احادیث	۳۷۵	۸

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
پھڑک گئے	محظوظ ہوئے	۳۷۷	۳	قرض کیا	قرض ادا کیا	۴۴۴	۵
اس لئے	×	۳۸۴	۱	مسافرت	مسافت	۴۶۴	۵
امام احمد بن حنبل کے	یہ پورا واقعہ قلمزد ہے	"	۱۷	تھا	بھایا	۴۰۵	۴
صاحبزادے عبداللہ نے الخ				متعلق تھی	متعلق کی تھی	۴۸۸	۱
سنہ ۶۵۱ھ	سنہ ۱۵۱ھ	۳۸۷	۱۷	زمانے	زمانی کے	۴۹۶	۱۵
حنفیہ	حنیفہ	۳۸۸	۶	فرمایا	فرما	۵۳۷	۱۲
اہل شرکت	اہل شرک	۴۰۴	۱۰	ابن مدائنی	ابن مدینی	بعض مقامات پہ	
ضرور ہوگیا	ضرور پیدا ہوگیا	۴۱۰	۳				
آگئے	گئے	۴۱۲	۷				
بیع کے طور	×	۴۲۴	۴				